

مکتبہ
صوفیانہ پنجاب

ایمان الحق قدوسی

سلمات اکیدھی کی

سلسلہ مطبوعات سلمان اکیڈمی

⑤

تذکرہ

صوفیائے پنجابؒ

اعجاز الحق قدوسی



سلمان اکیڈمی

حق نشان، ۳۳ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی

نام کتاب	:	صوفیائے پنجاب
نام مصنف	:	اعجاز الحق قدوسی
سن تالیف	:	۱۹۶۲ء
سن طباعت	:	۱۹۹۶ء
ناشر	:	سلمان اکیڈمی، کراچی
قیمت	:	۱۷۰/-

فہرست مضامین تذکرہ صوفیائی پنجاب

۴۵	روحانی تعلیم و تربیت	
۴۶	مرشد کا وصال	دلکش شخصیت: جناب مشفق خواجہ صاحب
۴۶	سیرو سیاحت	اسٹنٹ سیکرٹری انجمن ترقی اردو
۴۷	ریاضتیں اور مجاہدے	تعارف: جناب ڈاکٹر سید معین الحق صاحب
۴۸	صوفیہ کی ظاہری رسوم سے نفرت	امام اے (پی۔ ایچ۔ ڈی) ۲۳
۴۸	ازدواجی زندگی	مقدمہ: جناب ایفٹینٹ کرنل خواجہ عبدالرشید
۴۹	لاہور میں تشریف آوری	صاحب ۲۷
۵۰	لاہور سے مرشد کی خدمت میں حاضری	پیش لفظ: جناب اعجاز الحق قدوسی (مولف) ۳۳
۵۰	تبلیغ اسلام	
۵۱	تصانیف	پنجاب کے سب سے پہلے صوفی اور
۵۳	کشف المحجوب اکابر صوفیہ کی نظر میں	درویش
۵۴	تعلیمات	شیخ صفی الدین گازیرونی (۳۹۸ھ)
۵۴	علم	(الف)
۵۵	درویشی	شیخ اسماعیل لاہوری (۳۴۸ھ)
۵۶	تصوف	حالات
۵۸	لباس صوفیہ	تاریخ وفات
۵۸	درویشی اور تزکیہ نفس	حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری (۳۶۵ھ)
۵۸	ملامت	نام و نسب
۵۹	وفات	اساتذہ
۶۶	فضائل و مناقب	
	سید امام علی لاحق سیالکوٹی (۲۸۶ھ)	

۷۷	شیخ کا ادب	۶۷	وفات
۷۷	وفات		سید اسحاق گازیرونی لاہوری (مشہور بہ)
	شاہ ابوالمعالی لاہوری (۱۲ رجب الاول ۱۰۲۳ھ)		میراں شاہ (۷۸۶ھ)
۷۹	نام و نسب	۶۸	حالات
۷۹	بیعت	۶۹	لاہور میں تشریف آوری
۷۹	لاہور میں ورود	۶۹	رشد و ہدایت
۸۰	شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عقیدت	۷۱	حلم
۸۳	حضرت غوث پاک سے عقیدت	۷۲	مدفن
۸۳	تصانیف	۷۲	تعمیر مسجد
۸۵	نمونہ کلام		سید اسماعیل گیلانی (۹۷۸ھ)
۸۵	اقوال		
۸۶	وفات	۷۳	حالات
	حاجی اولیس دتوزئی (۷۰۰ھ)	۷۳	شہنشاہ اکبر کی عقیدت
		۷۳	لاہور میں قیام
۸۷	حالات	۷۵	استغنا
	شیخ احمد شوریانی قصوری (۱۰۳۰ھ)	۷۵	وفات
		۷۵	اولاد
۷۹	نام و نسب و حالات		شیخ ابواسحاق قادری لاہوری (۵ محرم الحرام ۹۸۵ھ)
۹۰	معاصرین		
۹۳	تصنیف و تالیف سے احتراز		
۹۵	وفات	۷۶	حالات
	شاہ ابوتراب معروف بہ شاہ گدا حسینی	۷۶	بیعت و خلافت
	قادری، شطاری (۱۳ شوال ۱۰۷۱ھ)	۷۶	لاہور میں تشریف آوری

نام و نسب	۹۶	(۶۶۱ھ)
گجرات میں تشریف آوری	۹۷	نام و نسب
لاہور میں تشریف آوری	۹۸	ولادت
وفات	۹۸	تعلیم
خلفاء	۹۸	بیعت
خواجہ اللہ بخش تونسوی (۲۹ جمادی الاول ۳۱۹ھ)		سلسلہ طریقت
		ملتان کو واپسی
ولادت	۹۹	رشد و ہدایت
تعلیم	۹۹	اصلاح و تربیت
سلوک و معرفت کی تعلیم	۹۹	بیعت لیتے وقت ارشاد
بیعت و خلافت	۱۰۰	اعلاء کلمۃ الحق
شاہ سلیمان تونسوی کی انتہائی شفقت	۱۰۱	تلاوت قرآن مجید
سجادگی	۱۰۲	عبادت و طاعت
زہد	۱۰۲	اخلاق
اخلاق	۱۰۲	حضرت بابا فرید گنج شکر سے تعلق
غریب داری	۱۰۲	سمع
شاہان وقت کی عقیدت	۱۰۳	عراقی اور شیخ بہاء الدین
وفات	۱۰۴	وفات
اولاد	۱۰۵	تعلیم و نصائح
		اولاد
		خلفاء

ب

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (۷ صفر ۶۹۰ھ) مولانا بدر الدین اسحاق (۶۹۰ھ)

۱۳۲	تعلیم و تربیت	۱۳۳	حالات
۱۳۲	بیعت	۱۳۳	اجودھن میں حاضری
۱۳۳	تربیت روحانی	۱۳۴	بیعت
۱۳۳	فیاضی	۱۳۴	خشیت الہی
۱۳۳	اوقات شبانہ و روز	۱۳۵	عالم تحیر
۱۳۴	صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان	۱۳۶	حضرت محبوب الہی کی تربیت
۱۳۵	وفات	۱۳۶	جامع مسجد اجودھن میں قیام
	خواجہ بہاری (۱۰۶۰ھ)	۱۳۶	وفات
۱۳۶	حالات	۱۳۷	مدفن
۱۳۶	بیعت	۱۳۷	اولاد
۱۳۶	عوام کی عقیدت	۱۳۸	تصانیف
۱۳۶	کرامات		شیخ بدرالدین سلیمان
۱۳۷	وفات	۱۳۹	حالات
	حضرت سلطان باہو (یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ)	۱۳۹	سجادگی
۱۳۸	نام و نسب	۱۳۹	وفات
۱۵۰	ولادت		بایزید بتک زئی (۱۰۳۵)
۱۵۰	بچپن	۱۴۰	حالات
۱۵۱	بیعت	۱۴۱	وفات
۱۵۲	اتباع شریعت	۱۴۱	خلفاء
۱۵۲	سندھ میں سلسلہ باہو		سید شاہ بلاول لاہوری (۲۸ شعبان ۱۰۳۶ھ)
۱۵۲	تصانیف		
۱۵۳	شاعری	۱۴۲	نام و نسب

وفات	۱۵۵	شہادت	۱۶۶
مزار	۱۵۵	عقیدت	۱۶۶
اولاد	۱۵۶		

(ج)

میر بلھے شاہ قادری قصوری (۱۱۸۱ھ)

حالات	۱۵۷	شیخ جمال خنداں (۵۸ھ)
آبائی وطن	۱۵۸	حالات
ولادت	۱۵۸	رشد و ہدایت
زہد و ورع	۱۵۹	درس و تدریس
شاعری	۱۵۹	اخلاق
نمونہ کلام	۱۶۰	فضائل
مجموعہ ہائے کلام	۱۶۰	وفات
وفات	۱۶۱	سید جلال الدین منیر شاہ معروف بہ جلال
فضائل و مناقب	۱۶۳	سرخ (۱۹ جمادی الاول ۶۹۰ھ)

پیر بہاؤن شہ (۱۲۱۳ھ)	نام و نسب	۱۷۰
نام و نسب	ولادت	۱۷۱
رشد و ہدایت	بکھر میں تشریف آوری	۱۷۱
وفات	بیعت	۱۷۱
	بزرگی و عظمت	۱۷۱
	ازدواج	۱۷۱
	ترک وطن اور وفات	۱۷۲
	اولاد	۱۷۲

(ت)

شیخ تاج الدین مشہور بہ تاج سرور

حالات	۱۶۶
رشد و ہدایت	۱۶۶

سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں

۲۲۱	خدمت خلق	۱۷۳	جہاں گشت (۱۰ ارزا الحجہ ۷۸۵ھ)
۲۲۱	اردو پر احسان	۱۷۵	نام و لقب و خاندان
۲۲۲	وفات	۱۷۶	ولادت اور بچپن
۲۲۲	اولاد	۱۷۸	تعلیم
۲۲۳	خلفاء	۱۷۹	درس و تدریس
۲۲۵	ملفوظات	۱۸۱	بیعت
۲۲۷	مکتوبات	۱۸۹	ہندوستان کو واپسی
	سید شاہ جمال قادری و سروردی (۱۰۶۱ھ)	۱۹۲	رشد و ہدایت
۲۲۵	حالات	۱۹۶	تبلیغ
۲۲۹	وفات	۱۹۹	اتباع شریعت
۲۳۱	شیخ جان محمد لاہوری	۲۰۲	عام معمولات
۲۳۱	حالات	۲۰۵	شاہان وقت کی عقیدت
۲۳۲	بیعت	۲۱۰	سلطان فیروز سے جام با بنیہ کی سفارش
۲۳۲	معیشت	۲۱۱	دہلی میں رشد و ہدایت
۲۳۲	وفات	۲۱۱	خانجہاں وزیر کو نصیحت
	(ج)	۲۱۱	شہزادوں کو نصیحت
	شاہ چراغ لاہوری (۲۲ ارزا - عقدہ ۱۰۶۸ھ)	۲۱۳	اخلاق
۲۳۳	نام و نسب	۲۱۳	فیاضی
۲۳۳	بیعت	۲۱۴	انکسار
۲۳۵	سیاحت	۲۱۴	مہماں نوازی
۲۳۵	شاہ جہاں کی عقیدت	۲۱۶	عفو و درگزر
			ہم عمروں کی توقیر
			قادریہ سلسلے سے عقیدت

۲۳۳	شاعری	۲۳۵	مناقب
	مخدوم شیخ حامد (۹۷۸ھ)	۲۳۵	وفات
		۲۳۵	— اولاد
۲۳۴	نام و نسب	(ج)	
۲۳۴	بیعت و خلافت		شیخ حسن افغان (۶۸۹ھ)
۲۳۵	رشد و ہدایت		
۲۳۵	سخاوت و فیاضی	۲۳۶	حالات
۲۳۵	انتخاب سجادگی	۲۳۷	کشف
۲۳۵	وصال	۲۳۷	وفات
۲۳۵	اولاد	۲۳۷	فضائل
۲۳۷	خلفاء		شیخ حمید الدین ابو حاکم قریشی ہنکاری (۱۲۱۲ھ)
	شیخ حسین لاہوری (۱۰۰۸ھ)		الاول (۷۳۷ھ)
۲۳۸	نام و نسب	۲۳۸	نام و نسب
۲۳۸	ولادت	۲۳۸	ولادت
۲۳۸	بیعت	۲۳۹	ترک سلطنت
۲۳۹	ریاضتیں اور مجاہدے	۲۴۰	لاہور میں تشریف آوری
۲۳۹	تفسیر مدارک کا درس	۲۴۰	سید احمد توختہ کی وصیت
۲۵۰	وفات		شیخ شہاب الدین سروردی کی خدمت میں
	شیخ حسن کبجدگر مشہور بہ حسوتیلی (۱۰۰۲ھ)	۲۴۰	حاضری
		۲۴۱	لمتان میں حاضری
۲۵۱	حالات	۲۴۳	تبلیغ الاسلام
۲۵۲	وفات	۲۴۲	وفات
	شیخ حامد قادری سروردی (۱۶۶ھ)	۲۴۲	ملفوظات

۲۵۹	نام و نسب	۲۵۳	حالات
۲۵۹	ہندوستان میں آمد	۲۵۳	بیعت
۲۶۰	ولادت	۲۵۳	درس و تدریس
۲۶۰	تعلیم و تربیت	۲۵۳	وفات
۲۶۰	شیخ اسماعیل کی پیشین گوئی		شیخ حامد لاہوری (۲۲ جمادی الاخر ۱۰۵۲ھ)
۲۶۱	بیعت		
۲۶۱	ریاضتیں اور مجاہدے	۲۵۵	حالات
۲۶۲	شیخ داؤد اور سلیم شاہ سوری	۲۵۵	وفات
۲۶۵	شیخ قطب عالم سے ملاقات		خ
۲۶۷	اتباع شریعت		خواجہ خدا بخش (۱۲ رزی الحجہ ۱۲۲۹ھ)
۲۷۱	اعلائے کلمۃ الحق		
۲۷۳	تبلیغ اسلام	۲۵۶	نام و نسب
۲۷۳	وفات	۲۵۶	سجادہ نشینی
۲۷۳	خلفاء	۲۵۶	چاچڑاں میں منتقلی
	حضرت شاہ درگاہی لاہوری (۱۱۳۲ھ)	۲۵۷	رشد و ہدایت
۲۸۳	حالات	۲۵۷	اتباع شریعت
۲۸۳	وفات	۲۵۸	استغناء
	شاہ دولہا گجراتی (۱۰۷۵ھ)	۲۵۸	مدارس کا قیام اور درس و تدریس
		۲۵۸	وفات
		۲۵۸	خلفاء
۲۸۳	نام و نسب	۲۵۸	اولاد
۲۸۶	غلامی		(د)
۲۸۷	بیعت		شیخ داؤد شیر گڑھی (۹۸۲ھ)

۳۰۹	وصایا	۲۸۸	فیاضی و سخاوت
۳۱۱	فضائل و مناقب	۲۸۸	سمع
۳۱۲	خلفاء	۲۸۸	استجاب دعا
	سید راجو قتال (۱۶ جمادی الاول ۱۱۱۸ھ)	۲۸۹	صاحب معارج الولایت کا بیان
		۲۸۹	وفات
۳۱۵	نام و نسب		
۳۱۵	بیعت و خلافت		شیخ رکن الدین (۱۶ رجب ۷۳۵ھ)
۳۱۵	استغراق		
۳۱۶	جلالی شان	۲۹۰	نام و نسب
۳۱۹	اشاعت اسلام	۲۹۰	بشارت
۳۱۹	وفات	۲۹۱	بچپن
۳۱۹	فضائل	۲۹۱	تعلیم
۳۱۹	خلفاء	۲۹۲	علو مرتبت
	شاہ رضا قادری لاہور (۱۲ جمادی الاول ۱۱۱۸ھ)	۲۹۲	ریاضتیں اور مجاہدے
		۲۹۳	خلافت
۳۲۰	حالات	۲۹۳	سلاطین وقت سے تعلقات
۳۲۰	بیعت	۲۹۳	علاء الدین غلی
۲۲۳	وفات	۲۹۳	قطب الدین غلی
	شیخ رحمت شوریانی (۱۰۲۵ھ)		شیخ رکن الدین اور سلطان المشرع کے ہم عصر
		۳۰۴	تعلقات
۳۲۲	حالات	۳۰۵	آخری ملاقات
	(س)	۳۰۶	کشف
	سلطان نجی سرور (۵۷۷ھ)	۳۰۸	وفات
۳۲۵	نام و نسب		

۳۳۹	بیعت	۳۲۶	ولادت
۳۳۹	لاہور میں تشریف آوری	۳۲۶	تعلیم
۳۳۹	وفات	۳۲۶	ذریعہ معیشت
۳۳۹	اولاد	۳۲۷	سودھرا میں قیام
۳۳۹	خلفاء	۳۲۷	دہونکل میں قیام
	شیخ سکندر شاہ (۱۲۱۳ھ)	۳۲۷	ازدواج
		۳۲۸	شہادت
۳۳۱	نام و نسب	۳۲۸	تبلیغی جدوجہد
۳۳۲	بیعت	۳۲۸	ہندوستانیوں کی عقیدت مندی
۳۳۲	شاعری	۳۲۹	سلطانیوں کی رسمیں
۳۳۳	وفات		سید احمد توختہ (۶۰۲ھ)
	شاہ سردار قادری (۱۱۸۳ھ)		
		۳۳۱	نام و نسب
۳۳۴	حالات	۳۳۱	توختہ کی وجہ تسمیہ
۳۳۴	درس و تدریس	۳۳۲	حالات
۳۳۴	وفات	۳۳۲	لاہور میں تشریف آوری
۳۳۵	خلفاء	۳۳۲	سید شاہ زید کی لاہور میں آمد
	(ش)	۳۳۲	وفات
	شاہ شمس الدین قادری لاہوری (۱۱۸۳ھ)		آخوند سعید شوریانی (۱۰۲۰ھ)
	(۱۰۲۱ھ)		
۳۳۶	حالات	۳۳۳	حالات
۳۳۶	جہانگیر کی عقیدت		شیخ سعدی لاہوری (۳ ربیع الثانی ۱۱۸۰ھ)
۳۵۷	وفات	۳۳۶	حالات

رجب ۹۰۲ھ

سید عزیز الدین مکی لاہوری (۶۱۲ھ)

۳۹۱	حالات	۳۷۹	حالات
۳۹۱	بیعت	۳۸۲	وفات
۳۹۲	لاہور میں تشریف آوری		شیخ علاء الدین اجودہنی
۳۹۲	دلائل الخیرات کی خواندگی		
۳۹۲	وفات	۳۸۳	نام و نسب
۳۹۲	تاریخ وفات	۳۸۳	بچپن
۳۹۳	خلفاء	۳۸۳	تعلیم
	سید عبد القادر گیلانی لاہوری (۱۸ ربیع الاول ۱۲۲ھ)	۳۸۳	حضرت بابا فرید کی شفقتیں
		۳۸۳	سجادگی
		۳۸۵	طریقہ بیعت
۳۹۵	حالات	۳۸۵	عبادت و ریاضت
۳۹۵	اولاد	۳۸۵	سخاوت و فیاضی
	سید عثمان معروف بہ شاہ جھولہ بخاری	۳۸۵	طہارت و پاکیزگی
	(۱۸ ربیع الاول ۹۱۲ھ)	۳۸۶	مظلوموں کی حمایت
		۳۸۶	وفات
۳۹۶	حالات	۳۸۷	اولاد
۳۹۷	شاہ جھولہ کی وجہ تسمیہ	۳۸۸	فضائل و مناقب
۳۹۷	وفات		شیخ علاء الدین ملتانی (۷۳۰ھ)
۳۹۷	اولاد		
	شیخ علم الدین چونی وال (۹۱۶ھ)	۳۹۰	حالات
		۳۹۰	وفات
۳۹۹	حالات		
۴۰۰	چنڑیالہ میں قیام		قطب عالم شیخ عبد الجلیل چوہدری ہندگی (یکم

۳۵۸	مدری	۳۴۸	نام دو وطن	ملاشاہ محمد بخشی (۱۰۷۰ھ)
۳۵۹	شادی	۳۴۹	بیعت	
۳۵۹	وطن میں قیام	۳۵۰	ریاضتیں اور مجاہدے	
۳۵۹	شیخ کی عقیدت اور خدمت	۳۵۰	خلافت	
۳۵۹	خلافت	۳۵۰	کشمیر میں توطن	
۳۶۰	پہلے مرید	۳۵۱	مقبولیت	
۳۶۰	لنگر	۳۵۱	داراشکوہ کی بیعت	
۳۶۰	اتباع شریعت	۳۵۲	ولی رام کا نستہ کی عقیدت	
۳۶۰	وفات	۳۵۳	شاعری	
	(ص)	۳۵۳	علماء کی باز پرس	
	حضرت شیخ صدر الدین عارف (۲۳ رزوالحجہ ۱۲۸۳ھ)	۳۵۵	اورنگ زیب کی طلبی	
۳۶۱	نام و نسب	۳۵۵	لاہور میں قیام	
۳۶۱	مناقب و محامد	۳۵۶	وفات	
۳۶۲	وجہ تسمیہ	۳۵۶	خلفا اور مریدین	
۳۶۳	سجادگی		خواجہ شمس الدین سیالوی (۲۳ رزوالحجہ ۱۲۸۳ھ)	
۳۶۳	ایک بے سرو پار روایت			
۳۷۱	ملفوظات			
۳۷۳	رشد و ہدایت	۳۵۷	حالات	
۳۷۳	وفات	۳۵۷	کابل کا سفر	
۳۷۵	خلفا		شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضری	

(ع)

۳۵۸

بیعت

۳۹۰

وفات

قطب عالم شیخ عبدالجلیل چوہدری (کیم)
رجب ۹۰۲ھ

سید عزیز الدین مکی لاہوری (۶۱۲ھ)

۳۹۱	حالات	۳۷۹	حالات
۳۹۱	وفات	۳۸۲	وفات
۳۹۱	بیعت		شیخ علاء الدین اجودہنی
۳۹۲	لاہور میں تشریف آوری		
۳۹۲	دلائل الخیرات کی خواندگی	۳۸۳	نام و نسب
۳۹۲	وفات	۳۸۳	بچپن
۳۹۲	تاریخ وفات	۳۸۳	تعلیم
۳۹۳	خلفاء	۳۸۳	حضرت بابا فرید کی شفقتیں
	سید عبدالقادر گیلانی لاہوری (۱۸ ربیع الاول ۱۲۲ھ)	۳۸۳	سجادگی
		۳۸۵	طریقہ بیعت
		۳۸۵	عبادت و ریاضت
۳۹۵	حالات	۳۸۵	سخاوت و فیاضی
۳۹۵	اولاد	۳۸۵	طہارت و پاکیزگی
	سید عثمان معروف بہ شاہ جھولہ بخاری	۳۸۶	مظلوموں کی حمایت
	(۱۸ ربیع الاول ۹۱۲ھ)	۳۸۶	وفات
		۳۸۷	اولاد
۳۹۶	حالات	۳۸۸	فضائل و مناقب
۳۹۷	شاہ جھولہ کی وجہ تسمیہ		
۳۹۷	وفات		شیخ علاء الدین ملتانی (۷۳۰ھ)
۳۹۷	اولاد	۳۹۰	حالات

شیخ علم الدین چونی وال (۹۱۶ھ)

۳۰۸	سلسلہ طریقت	۳۹۹	حالات
۳۰۹	موضع بڑھی دولت آباد کی آبادی	۴۰۰	چنڈیالہ میں قیام
۳۰۹	وفات	۴۰۰	وفات
۳۰۹	اولاد		

مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی (۱۸ ربیع الاول
۹۳۰ھ)

۳۱۰	نام و نسب	۴۰۱	حالات
۳۱۱	ولادت	۴۰۲	استغنا
۳۱۱	تعلیم	۴۰۳	رشد و ہدایت
۳۱۱	بیعت	۴۰۴	سماع سے احتراز
۳۱۳	درس و تدریس	۴۰۴	عبادات
۳۱۳	اتباع شریعت	۴۰۴	وفات
۳۱۳	شاعری	۴۰۵	اولاد
۳۱۵	وفات		

شاہ عنایت قادری شکاری (۱۱۳۱ھ)

سید غلام حیدر علی شاہ (۶ جمادی الثانی

	۳۰۶	حالات
	۴۰۷	قصور میں ماموری
۳۱۷	ولادت و نسب	۴۰۷
۳۱۷	تعلیم و تربیت	۴۰۷
۳۱۸	والد کی وصیت	۴۰۷
۳۱۸	بیعت	
۳۱۹	خلافت	
۳۱۹	شیخ کا ادب	
۳۱۹	شیخ کی شفقت	

(غ)

سید غیاث الدین گیلانی لاہوری (یکم رمضان

۹۹۰ھ)

نام و نسب

۳۰۸

۴۲۹	۴۲۰	اخلاق
۴۲۹	۴۲۰	اتباع شریعت
۴۵۰	۴۲۰	وفات
۴۵۲	۴۲۱	اولاد
(ف)		
حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر (۵۵۷ھ)		
۴۵۲	۴۲۲	نام و لقب
۴۵۳	۴۲۵	نسب نامہ اور جائے پیدائش
۴۵۴	۴۲۷	تعلیم
۴۵۷	۴۲۸	بیعت
۴۵۸	۴۳۱	خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی نصیحت
۴۶۰	۴۳۴	اولیاء سے ملاقاتیں
۴۶۱	۴۳۵	شیخ شہاب الدین سروردی سے ملاقات
۴۶۲	۴۳۷	خواجہ اجل بجمی سے ملاقات
۴۶۲	۴۳۸	شیخ سیف الدین باخرزی سے ملاقات
۴۶۳	۴۳۸	امام حدادی سے ملاقات
۴۶۳	۴۳۹	سیوستان کے دو بزرگوں سے ملاقات
۴۶۸	۴۳۹	دہلی میں حاضری
۴۷۱	۴۳۹	خلافت سے سرفرازی
۴۷۲	۴۲۸	ہانسی کو روانگی
۴۷۷		حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات
۴۷۸		
۴۸۰		

	(ک)	۴۸۴	وفات
	شاہ کاکولاہوری (۸۸۲)	۴۷۸	تعلیمات
		۴۸۰	اتباع شریعت
۵۲۲	حالات	۴۸۴	وفات
۵۲۲	لاہور میں ماموری	۴۸۶	مزار مبارک
۵۲۲	وفات	۴۸۶	اولاد
	شیخ کبیر الدین اسماعیل سروردی (۸۲۵ھ)	۴۸۶	شیخ نصر الدین نصر اللہ
۵۲۳	حالات	۴۸۶	شیخ شہاب الدین
۵۲۳	اولاد	۴۸۷	خواجہ نظام الدین
۵۲۳	وفات	۴۸۸	شیخ یعقوب
		۴۸۸	شیخ عبد اللہ
	سید کبیر الدین حسن (۸۹۶ھ)	۴۸۸	بی بی مسترہ
۵۲۴	نام و نسب	۴۸۹	بی بی فاطمہ
۵۲۶	لقب	۴۹۰	خلفا
۵۲۶	تبلیغ اسلام	۴۹۱	سلسلہ صابریہ
۵۲۸	وفات	۴۹۸	سلسلہ نظامیہ
۵۲۸	اولاد	۵۱۳	شیخ جمال الدین احمد ہانسوی
	سید کامل شاہ لاہوری (۱۰۰۵ھ)	۵۱۷	شیخ نجیب الدین متوکل
۵۲۹	حالات		شیخ فتح شاہ شطاری (۱۱۵۰ھ)
۵۲۹	ورود لاہور	۵۲۰	حالات
۵۲۹	وفات	۵۲۱	لاہور میں تشریف آوری
	(ل)	۵۲۱	وفات

۵۳۱	ازدواج	شاہ لطیف بری (۹۶۳ھ)
۵۳۱	شاعری	
۵۳۲	وفات	۵۳۱ حالات
۵۳۲	اولاد	۵۳۲ سلسلہ بہلول شاہی
	سید محمود حضوری لاہوری (۹۳۳ھ)	۵۳۳ تعلیم
		۵۳۳ سفر
۵۳۳	نام و نسب	۵۳۳ رشد و ہدایت
۵۳۳	لاہور میں ورود	۵۳۳ خلفاء
۵۳۳	قبول عام	۵۳۳ شاہ بری کامیلہ
۵۳۳	حضوری کے خطاب کی وجہ	۵۳۳ شاہ بری کا عرس
۵۳۵	شجرہ طریقت	شیخ حاجی لکن شوریانی (۱۰۳۳ھ)
۵۳۵	وفات	۵۳۵ حالات
	شیخ مادھولاہوری (۲۲ رزوالحجہ ۱۰۵۶ھ)	۵۳۶ وفات
۵۳۶	حالات	(م)
۵۳۷	بیعت	سید مٹھالاہوری (۹۶۱ھ)
۵۳۷	مہم دکن	۵۳۷ حالات
۵۳۷	شیخ حسین کی وفات	مخدوم محمد گیلانی (۹۳۳ھ)
۵۳۸	شیخ کی محبت	
۵۳۸	وفات	۵۳۹ نام و نسب
۵۳۸	شاعری	۵۴۰ ولادت
۵۳۹	عقیدت	۵۴۰ سیاحت
	سید میران محمد شاہ مشہور بہ موج دریا	۵۴۰ اچ میں سکونت
		۵۴۱ شاہان وقت کی عقیدت و بیعت

بخاری (۱۰۱۳ھ)	۱۰۳۰ھ)	نام و نسب	نام و نسب
نام و نسب	۵۵۰	نام و نسب و وطن	۵۶۳
ولادت	۵۵۰	ولادت	۵۶۵
لاہور میں تشریف آوری	۵۵۱	تعلیم و طریقت	۵۶۵
وفات	۵۵۱	بیعت	۵۶۵
اولاد	۵۵۱	لاہور میں تشریف آوری	۵۶۷
خلفا	۵۵۲	ریاضتیں اور مجاہدے	۵۶۸
شیخ محمد سلیم لاہوری (۳ ذوالحجہ ۱۰۳۰ھ)	۵۵۲	سرمند کو روانگی	۵۶۹
حالات	۵۵۳	پہلا مرید	۵۶۹
سماع	۵۵۳	لاہور میں دوبارہ تشریف آوری اور رشد و	۵۶۹
وفات	۵۵۳	ہدایت	۵۶۹
شیخ محمد طاہر لاہوری 'قادری' نقشبندی (۸)	۵۵۳	طریقہ بیعت	۵۷۰
محرم الحرام ۱۰۳۰ھ)	۵۵۳	مردوں کی تربیت	۵۷۰
حالات	۵۵۵	اتباع سنت	۵۷۲
بیعت و خلافت	۵۵۸	سماع	۵۷۲
لاہور میں ماموری	۵۶۰	اخلاق	۵۷۲
قناعت	۵۶۰	مسک	۵۷۳
مرشد کی محبت	۵۶۱	تعلیمات	۵۷۳
وفات	۵۶۳	استغنا	۵۷۵
خلفا	۵۶۳	وقت کا تحفظ	۵۷۵
شیخ میر محمد مشہور بہ میاں میر (۷ ربیع الاول	۵۶۳	لباس	۵۷۶
۵۷۸	۵۷۳	جہانگیر کی عقیدت	۵۷۶
شاہ جہاں کی عقیدت	۵۷۳	شاہ جہاں کی عقیدت	۵۷۸

شاہجہاں کو نصیحتیں	۵۷۹	شاہ مراد قریشی گلاہوری (۱۲۱۵ھ)	۵۷۹
داراشکوہ کی عقیدت	۵۷۹		
وفات	۵۸۳	حالات	۵۹۷
مزار مبارک کی تعمیر	۵۸۳	وفات	۵۹۹
تاریخ وفات	۵۸۳	حافظ محمد جمال ملتانی (۵ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ)	
ملفوظات	۵۸۶		
خلفاء	۵۸۷	حالات	۶۰۰
		مہار میں حاضری اور بیعت	۶۰۰
شاہ محمد غوث لاہوری (۱۱۵۳ھ)		ملتان میں سلسلہ چشتیہ کی ترویج کے لیے تعیناتی	
حالات	۵۸۸		
سیاحت	۵۸۸	درس و تدریس	۶۰۳
وفات	۵۹۰	طریقہ بیعت	۶۰۳
تصرف باطنی	۵۹۰	حسن اخلاق	۶۰۵
شیخ محمد اسماعیل مشہور بہ میاں وڈا صاحب		خواجہ محمد عاقل سے تعلق	۶۰۵
(۵ شوال ۱۰۸۵ھ)		جماد	۶۰۶
نام و نسب		تیر اندازی	۶۰۷
ولادت		اتباع شریعت	۶۰۷
تعلیم		لباس	۶۰۸
بیعت		وضو کا اہتمام	۶۰۸
رشد و ہدایت		ارشادات	۶۰۹
لاہور میں تشریف آوری		وفات	۶۰۹
وفات		خلفا	۶۱۰
خلفاء		سجادگی	۶۱۰
	۵۹۶	خواجہ محمد عاقل (۸ رجب ۱۲۲۹ھ)	

۶۳۱	لانگہ میں طالب علم	۶۱۱	نام و نسب
۶۳۲	کوٹ مٹھن میں طالب علمی	۶۱۱	کوٹ مٹھن میں سکونت
	اچ میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے	۶۱۲	ولادت و تعلیم
۶۳۳	ملاقات	۶۱۰	ریاضتیں اور مجاہدے
۶۳۴	بیعت	۶۱۳	خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت
۶۳۵	پہلا حکم	۶۱۳	دہلی میں شاہ فخر کی خدمت میں حاضری
۶۳۶	مبارک بادی	۶۱۷	اتباع شریعت
۶۳۷	مہار کو واپسی	۶۱۷	مدارس کا قیام
۶۳۷	مسجد خدا بخش میں قیام	۶۱۸	سماع
	حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے علوم ظاہری	۶۲۰	رشد و ہدایت کے لیے شیخ کا ارشاد
۶۳۷	کی تعلیم	۶۲۱	نظام الاوقات
۶۳۸	پیر کی عقیدت	۶۲۱	لباس و غذا
۶۴۰	خلافت سے سرفرازی	۶۲۳	مریدوں کی اصلاح و تربیت
۶۴۰	تونہ میں قیام	۶۲۴	شاہان وقت کی عقیدت
	صاحب مناقب المجاہدین کا تونہ میں قیام کے	۶۲۴	وفات
۶۴۱	متعلق بیان	۶۲۵	خلفاء
۶۴۲	تونہ میں لشکر کا قیام		حضرت محمد سلیمان تونسوی (۷۷۶ھ)
۶۴۶	پہلا مرید		نام و نسب
۶۴۶	رشد و ہدایت	۶۲۷	ولادت
۶۴۹	طریقہ نصیحت و تفہیم	۶۲۸	اساتذہ
۶۵۰	ارکان اسلام کی حفاظت	۶۲۸	تونہ میں مشقتیں
۶۵۱	صوفیہ کو تنبیہ	۶۳۰	میاں نور محمد نارووالہ سے ملاقات
۶۵۲	علماء کو تنبیہ		

۶۷۵	۶۵۳	علم و عمل کے متعلق شاہ صاحب کا نظریہ	اتباع سنت
۶۷۵	۶۵۴	سماجی برائیوں پر عوام کو تنبیہ	شاعری
	۶۵۴	اتباع شریعت کا امر	ن
	۶۵۴	اتباع رسول	خواجہ نور محمد مہاروی (۳۱ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ)
	۶۵۷	رواداری	
۶۷۶	۶۵۷	عیسائیوں کے ساتھ طرز عمل	نام و نسب
۶۷۶	۶۵۹	امراء سے بے نیازی	پیدائش
۶۷۷	۶۶۰	اہل ریاست کی عقیدت مندی	تعلیم
۶۷۷	۶۶۰	روسا میں رشد و ہدایت	پیشین گوئی
۶۷۸	۶۶۱	شاہ شجاع کی عقیدت مندی	لاہور میں تشریف آوری
۶۷۹	۶۶۲	نظام الاوقات	شاہ فخر کی خدمت میں حاضری
۶۸۵	۶۶۳	وفات	شاہ فخر کا تلمذ
۶۸۵	۶۶۳	اولاد	بیعت
۶۵۸	۶۶۶	خلفاء	پاک پٹن میں حاضری
۶۸۶		پیر سید مر علی شاہ گولڑوی	حافظ شرف الدین کا استفادہ
۶۸۷			مہار میں قیام کا حکم
۶۸۸	۶۷۰	نام و نسب	مہار میں رشد و ہدایت
۶۸۹	۶۷۰	تعلیم و تربیت	اصلاح و تربیت
۶۹۰	۶۷۰	بیعت	اتباع شریعت
۶۹۰	۶۷۰	سرخجاء	وحدت الوجود
۶۹۳	۶۷۱	تبحر علمی	وفات
۶۹۳	۶۷۲	عقیدت	مزار مبارک
۶۹۳	۶۷۳	نظریہ وحدت الوجود	اولاد

۷۰۴	حالات	۶۹۵	خلفاء
		۶۹۵	فضائل و مناقب
	سید یعقوب صدر دیوان - زنجانی (۱۲۸۲ رجب ۱۲۰۳ھ)	۶۹۷	ملفوظات
۷۰۵	حالات		میاں نتھاقادری
۷۰۶	لاہور میں تشریف آوری	۶۹۸	حالات
۷۰۶	مزار	۶۹۸	استغراق
		۶۹۹	وفات
			شیخ نور محمد نارووالہ صاحب (۱۲ جمادی الاول ۱۲۰۳ھ)
		۷۰۰	حالات
		۷۰۱	شاہ فخر کی خدمت میں حاضری
		۷۰۱	اتباع شریعت
		۷۰۲	انکسار
		۷۰۲	مریدوں کی اصلاح و تربیت
		۷۰۳	وفات
		۷۰۳	مزار
		۷۰۳	اولاد
		۷۰۳	خلفاء
		۷۰۳	ملفوظات

ی

شاہ یوسف گردیزی (۵۳۷ھ)

دلکش شخصیت

مولانا اجماع الحق قدوسی کی پہلو دار شخصیت اپنی گونا گوں خصوصیات کی بناء پر مجھ جیسے نیاز مند کے لئے بڑی کشش رکھتی ہے، انھوں نے عجیب باغ و بہار طبیعت پائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر مغل میں وہ جان مغل بن جاتے ہیں مگر اس طرح کہ ہر صورت اپنی امتیازی شان برقرار رکھتے ہیں۔ حلقہ زنداں ہو کہ نرم صوفیا، ان کی آنکھوں نے ہر رنگ میں وا ہو جانا سیکھا لیکن انھوں نے آپ کو کسی ایک سانچے میں نہیں ڈھالا۔ زندگی سے وسیع قلبی بے تکلفی اور دنیا کے ہر غم کو منس کر مال دینے کی خصوصیات لے لیں اور صوفیا سے خود شناسی، خدا شناسی اور شان بے نیازی کا درس لیا اور وہ بھی اس طرح کہ نندوں کی بندی کو اپنے قریب آنے دیا، نہ صوفیا کے تصوف کو، یعنی نہ اس شراب کی ہاتھ لگایا نہ اس شراب کی لیکن شراب سے اجتناب کے کے باوجود "شراری" ان کا مقدر ہے اور یہ شراری انھیں اپنے علمی ذوق کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ مولانا کی زندگی تحصیل علم کا دوسرا نام ہے جسے بہ الفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ زندگی بھر "خوب سے" خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہے۔

علمی دنیا میں کچھ لوگ "سکناں" ہوتے ہیں کیوں کہ ان میں گہرائی ہوتی ہے اور کچھ لوگ "دریا" ہوتے ہیں کیونکہ ان کے علم میں وسعت ہوتی ہے، لیکن مولانا قدوسی نہ سکناں ہیں اور نہ "دریا" بلکہ ایک موج سمندر ہیں، جس میں گہرائی بھی ہے اور وسعت بھی! مذہب اور تاریخ ان کے محبوب موضوعات ہیں ان دونوں کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا ہے اور اسی وجہ سے ان کی تصنیفی زندگی کا آغاز "مذہبی تاریخ" کے بعض اوراق کی تدوین سے ہوا۔

یوں تو ۱۹۲۸ء میں وہ تصنیفی اور تالیفی دنیا میں قدم رکھ چکے تھے، لیکن ان کی علمی کاوشوں کے یادگار نتائج قیام پاکستان کے بعد ہی منظر عام پر آئے۔

”سندھ کی تاریخی کہانیاں“ اور ”تاریخ سندھ“ (غیر مطبوعہ) ”صوفیائے سندھ“۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات ”اندھ صوفیائے پنجاب“ کے علاوہ گزشتہ تیرہ چودہ برس میں انھوں نے اور بھی کئی کتابیں لکھی ہیں جن سے ان کے بھرپور علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا آج کل ہندوستان کے صوفیائے تفصیلی تاریخ لکھنے میں مشغول ہیں۔ ”صوفیائے سندھ“ کے بعد زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ اب وہ مشرقی بنگال کے صوفیائے یکام کر رہے ہیں۔ توقع ہے کہ آئندہ تین چار برس میں تاریخ تصوف کا یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تاریخ کے کھنڈروں سے سامانِ عبرت اور صوفیائے ملفوظات سے سرمایہ بصیرت فراہم کرتے ”والا“ ”صاحب نظر“۔ ”صاحب دل“ بھی ہے! میری مراد مولانا کی شاعری سے ہے، جس سے وہ اپنے خاص خاص نیاز مندوں ہی کو نوازتے ہیں۔ مولانا کی شاعری سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا دماغ ہی نہیں دل بھی ابھی تک جوان بلکہ نوجوان ہے جہاں ”حقیقت“ ان کی نثر کا طغرائے امتیاز ہے وہیں ”مجاز“ ان کی شاعری کی روح ہے۔ ”گوشتِ باندھی صاحب نے اپنے بزرگوں کی تقلید میں عملی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر ”مجاز“ اور ”حقیقت“ کے دونوں مرحلے طے کر لئے۔ مولانا کے اشعار اب تک کہیں نہیں شائع ہوئے پہلی بار یہاں ان کے چند شعر درج کرتا ہوں اور اس تحریر کو جو ایک نیاز مند کی نیاز مندی کا مختصر سا اظہار ہے، ختم کرتا ہوں۔

چشم میگوں شراب ہو کے رہی	ساری دنیا خراب ہو کے رہی
مر جا اے تصویرِ جہاں	عمر ساری شباب ہو کے رہی
میری پڑمردگی بھی بالآخر	ان کے چہرے پہ آب ہو کے رہی

آئے اور روح میں میری سما کر دیکھے	ان حجاباتِ تعین کو اٹھ کر دیکھے
دیکھنا ہو گر کبھی حسنِ پشیمان کی بہار	میرا افسانہ ذرا اُن کو سنا کر دیکھے
آپ کا پندار بھی کچھ سیکھ جائے گا نیاز	اپنی محفل میں ذرا مجھ کو بلا کر دیکھے

مشفق خواجہ

اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو۔ پاکستان۔

(۱۲ مارچ ۱۹۶۲ء)

تعارف

از ڈاکٹر سید معین الحق ایم اے رپنی، ایچ ڈی
جنرل سکریٹری و ڈائریکٹر آف ریسرچ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

غیر معروف شخصیتوں کو متعارف کرانا یقیناً مشکل کام ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ دشواریہ ہے کہ آپ ایک ایسے مصنف کی کتاب پر ”تعارف“ لکھنے کی ذمہ داری لیں جو اپنی تصانیف کے ذریعہ ملک میں ایک مخصوص مقام حاصل کر چکا ہو۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی صاحب کا شمار اس ملک کے ان لکھنے والوں میں ہے جن کی تصانیف کو غمی حلقوں میں پسند کیا گیا ہے، مجلس ترقی ادب لاہور نے ”صوفیائے سندھ“ پر انعام دے کر اس مقبولیت پر ٹھپہ لگا دیا ہے، قدوسی صاحب کی دوسری گراں قدر تصنیف ”حضرت عبدالقدوس گنگوہی“ سے اردو ادب میں ایک ایسا اضافہ ہوا ہے جس پر کوئی مصنف بھی فخر کر سکتا ہے۔

ہماری تاریخ کے درختوں ابواب میں مشائخ و صوفیاء کے دو کارنامے قابل ذکر ہیں۔ یعنی اشاعتِ دین اور معاشرہ کی دینی بنیادوں کا

استحکام، لیکن افسوس ہے کہ ان پر موجودہ دور کے مورخین نے اتنی توجہ نہیں کی کہ جس قدر کہ کرنی چاہئے تھی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بعض حلقوں میں بے جا تعصبات کی بنیاد پر اور بعض میں مغربی مستشرقین کے خیالات سے متاثر ہونے کی وجہ سے اسلامی فکر کے ایک اہم پہلو سے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے معاشرہ کو اسلامی تصورات اور تعلیمات کی حدود میں رکھنے کے سلسلے میں صوفیاء کی کوششیں بڑی حد تک پوشیدہ رہی ہیں اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ یہ حضرات نام و نمود کو گناہ عظیم سمجھتے تھے، چنانچہ ان کے کارنامے تحریر و زبانِ روایات کی شکل میں قائم رکھنے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا، برخلاف اس کے ان کے عقیدت مندوں نے کرامات کے قصوں کو جن میں غیر مصدقہ روایتیں بہ کثرت شامل ہیں ایسا رواج دیا اور اس قدر دہرایا کہ ان کے ساتھ اصل واقعات کے مستند ہونے میں بھی لوگوں کو شکوک پیدا ہو گئے، ان واقعات نے حقیقت پسند مورخ کے لئے ایک اہم مگر دشوار طلب مسئلہ پیدا کر دیا ہے، اسلام کی اشاعت میں بالخصوص دوسرے صدی ہجری کے بعد کون کون سے عوامل کار فرما رہے؟ مثلاً ہم خود اپنے برصغیر کی تاریخ کے متعلق اگر یہ سوال کریں تو اس کے جواب میں سخت مشکلات پیش آئیں گی، یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اسلامی حکومت اور مسلم حکمرانوں نے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں کی، یہ بھی ظاہر ہے کہ باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد بہت محدود تھی، پھر وہ کیا اسباب تھے جن کا نتیجہ ہوا کہ آبادی میں ایک چوتھائی سے زیادہ عنصر مسلمان ہو گیا۔

اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مورخ کے لئے یہ ضروری ہے

کہ وہ مشائخ و صوفیاء کے حالات اور ان کے کارناموں سے متعلق صحیح واقعات کی تحقیق کرے، دوسرا مسئلہ یعنی معاشرہ کے اسلامی رنگ کو قائم رکھنے میں ان حضرات نے کیا رول ادا کیا، یہ بھی تحقیق طلب ہے، مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس پہلو پر تحقیق کا کام نہایت اہم اور ضروری بھی ہے اور مشکل بھی۔

اسلامی تاریخ کے اس پہلو پر تحقیق کے لئے وسعت معلومات، علمی ذوق، حقیقت پسندی اور جانفشانی کے علاوہ، صبر اور استقلال کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، بہت کچھ پڑھا جائے گا، بہت کچھ ڈھونڈا جائے گا، اور بہت کچھ لکھا جائے گا، تب ہی کچھ ایسے واقعات سامنے آئیں گے جن سے تاریخ کے اس باب پر روشنی پڑے گی۔ قدوسی صاحب ان چند نچتہ کار محققین میں ہیں جنہوں نے اس موضوع پر تحقیقی کام شروع کیا ہے، ان کی تصنیف ”صوفیائے سندھ“ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے ملک گیر شہرت حاصل کر چکی ہے۔ اب انہوں نے دوسری کتاب ”صوفیائے پنجاب“ مرتب کی ہے۔ اسی طرح مغربی پاکستان کے بیشتر صوفیاء کے حالات ان کی دونوں کتابوں میں آجائیں گے۔

”صوفیاء پنجاب“ میں جن بزرگوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں ان میں سے بعض ہماری تاریخ کی نمایاں ترین شخصیتیں ہیں۔ فتح سندھ کے بعد اسلام کے سیاسی اقتدار کی پہلی منزل اسی علاقے میں طے ہوئی، قیام اقتدار کے پہلے ہی اشاعتِ دین کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اس ابتدائی دور کی مشہور ترین شخصیت، شیخ بھویری یعنی حضرت داتا گنج بخشؒ کی ہے، تیرھویں صدی عیسوی میں حشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کو علی الترتیب حضرت بابا فرید گنج شکر اور شیخ بہاء الدین زکریا و شیخ رکن الدین ملتانیؒ کی بدولت اس علاقہ میں فروغ

حاصل ہوا۔ اسی طرح قادر یہ سلسلے نے بھی یہاں بہت ترقی کی۔
 قدوسی صاحب نے بڑی محنت اور کاوش سے ان بزرگوں کے
 مستند حالات جمع کر کے، ان کو سلیس عبارت میں پیش کرنے کی
 کوشش اور کامیاب کوشش کی ہے۔ اس موضوع پر اردو میں یہ پہلی
 محققانہ کتاب ہوگی، اور یقین ہے کہ کثرت سے لوگ اس سے فائدہ
 اٹھائیں گے۔ وہ حضرات بھی جو صوفیاء سے عقیدت رکھتے ہیں اور
 وہ طلباء تاریخ بھی جو صحیح واقعات کے متلاشی ہوں۔

کراچی ۵ جنوری ۱۹۶۲ء } سید معین الحق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از جناب لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب۔

پنجاب کے صوفیائے کرام پر ایک مبسوط کتاب کی ضرورت مدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ ویسے تو مواد متعدد کتابوں میں بکھرا پڑا تھا، مگر اصل کام یہی تھا کہ اس تمام منتشر مواد کو یکجا کیا جائے تاکہ اہل علم کے لئے تحقیق میں سہولت پیدا ہو جائے۔ خصوصاً صوفیائے کرام کے تذکرے آج کل نایاب اور ناپید ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مولانا حجاز الحق قدوسی نے اس کتاب کو لکھ کر ایک دیرینہ ضرورت کو پورا کر دیا ہے جس کے لئے اصحاب علم و دانش ان کے بے حد مرہون منت ہوں گے، یقیناً اس کے لکھنے میں ان کو بڑی عرق ریزی کرنا پڑی ہوگی۔ تاہم وہ لائق ستائش ہیں کہ انھوں نے تاریخ صوفیا کا ایک اہم باب مکمل کر دیا۔

مولانا قدوسی نے اپنی اس جامع تاریخ میں ۳۹ صوفیا کا تذکرہ کیا ہے۔ یقیناً ان کی تعداد اس سے بہت متجاوز ہوگی، مگر سب کے حالات دریافت کر لینا ایک مہم گراں ہے۔ آپ نے بہت اچھا کیا ہے جو

صوفیائے کرام کے ناموں کی ایک فہرست دے دی ہے۔ اس سے دیگر کام کرنے والوں کے لئے کئی ایک تحقیق کی نئی راہیں نکل آئیں گی۔ اگر قدوسی صاحب اس راہ کے شہسوار نہ ہوتے تو یہ مہم گراں آن سے سر نہ ہو سکتی۔ احبابِ علم و دانش اس شاہکار پر ان کے مدد توں احسان مند رہیں گے۔

تاریخ اسلام میں صوفیاء نے ایک اہم پارٹ ادا کیا ہے، جہاں علماء اختلاف اور رخنے پیدا کرنے میں مشغول رہے صوفیاء تبلیغ اور تنظیم میں مشغول رہے، علماء نے نہ صرف مذہبی اور سیاسی پارٹیاں بنا کر اُتت کا شیرازہ بکھیرا بلکہ حکمرانوں کو بسا اوقات دھوکے دے کر انقلاب پیدا کر ائے صوفیاء اسلام کا کردار ان سے بہت بلند رہا ہے۔ انھوں نے نہ صرف حکمرانوں کو صحیح نصیحتیں دیں، بلکہ مملکت کے کام میں ہولتیں پیدا کیں اور قوم میں یک جہتی کی جو جھلکیں ہیں تاریخ میں نظر آتی ہیں وہ انھیں صوفیائے کرام کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ اس لئے نہایت ضروری تھا کہ ہم صوفیاء کے کردار کا بالتفصیل مطالعہ کریں۔ اگرچہ قدوسی صاحب ہر بیان میں زیادہ تفصیل میں نہیں گئے، تاہم جو جو بھی اہم شخصیتیں تھیں ان کو انھوں نے کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ ان کی زندگی ہمارے سامنے کھول کر آجائے اور ان کا کردار نمایاں ہو جائے۔ اور یہ بہت ضروری تھا۔ طبقہ صوفیاء کے وجود میں آنے کی جہاں اور بہت سی وجوہ ہیں ان میں ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ طبقہ علماء نے مذہب کے اندر فلسفہ اور اور منطق کی وہ دھونڈ گافیاں کرنا شروع کر دیں کہ ایک عام متوسط سمجھ کا آدمی مذہب سے بیزار ہو گیا تھا۔ اور جو لوگ معبود حقیقی کے متلاشی تھے ان کو یہ علمی دھونڈ گافیاں اس نہ آئیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ

درکنز و ہدایہ نتواں دید خدا را
آینہ دل میں کہ کتاب ہے ہا زین غیبت!

تحریک صوفیہ طبقہ علماء کے خلاف ایک شعوری انقلاب تھا، جو دنیائے اسلام میں بڑھا اور سیلاب کی طرح پھیل گیا اور اس کے توازن کو تھام لیا۔ ورنہ طبقہ علماء اسے افراط و تفریط کی طرف لے کر بڑھ چکا تھا !

تاریخ اسلام میں صوفیائے کرام نے ایک ہم پارٹ ادا کیا ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ صوفیائے کرام نے ہر زمانے میں مذہب کی تجدید میں مالدی اور جب کبھی تبلیغ کا موقع آیا تو اس میں بھی وہ پیش پیش ہی رہے۔ اسلام صحیح طور پر اگر اس بزرگ عظیم پر پھیلا ہے تو وہ انھیں صوفیاء کی بدولت تھا۔ آج کل اگر فتنہ ارتداد پھیل گیا ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ آج کل ہمارے معاشرے میں کوئی صحیح راہ نما صوفی نہیں۔ جو چند ایک سُننے میں آتے ہیں وہ دوکان دار صوفی ہیں۔ ورنہ کیا مجال تھی کہ مسلمان اپنا مذہب چھوڑتا۔ یہ دوکان داری ہی تو ہے جو تبلیغ کی راہ میں مانع ہو رہی ہے۔ ایک طرف ڈاکٹروں اور حکیموں کی پریکٹس چل رہی ہے تو دوسری طرف ان خود ساختہ پیروں کی پریکٹس چل رہی ہے، اصل اور حقیقی تصوف سے سب نا آشنا ہیں۔ مقام تاسف ہے کہ یہ سلوک کی راہوں سے بھی نابلد ہیں۔ ورنہ کم از کم اپنے ہی حلقہ ارادت میں یہ ایک نئی روح پھونک سکتے تھے اور چونکہ یہ تجدیدی کام ان سے پورا نہیں ہو رہا، ارتداد بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اسلامی معاشرے پر تصوف دو طرح سے اثر انداز ہوتا ہے، ایک تو عوام کے لئے تجدیدی پہلو رکھتا ہے تاکہ ہر خاص و عام کو اصول دین کے متعارف کرواتا رہے اور فرائض پر سہل طریق سے عمل پیرا ہوتا رہے اور دوسرے ایک مخصوص طبقہ کے لئے جو روحانیت اور تصفیۂ قلب کا متلاشی ہے اس سلوک کی راہوں سے آشنا کرواتا چلا جائے ہر دو حالتوں میں یہ دین اسلام کے لئے نشاۃ ثانیہ کا موجب ہوتا ہے۔ تصوف درحقیقت تصفیۂ قلب حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔ اگر اس دنیا میں لوگوں کو کسی چیز کی تلاش رہی ہے تو وہ سکون قلب ہے۔ ہر قوم اور ہر فرقہ کا ہر آدمی سکون قلب کا متلاشی رہتا ہے۔ یہ ایک ایسی جنس گراں ہے

جو بڑی کمیاب ہے۔ اس کا نسخہ صوفیا کرام کے ہاں ملتا ہے۔ مگر یہ تسکین قلب صفائی قلب کے بغیر ممکن نہیں۔ صوفیائے کرام قلب کا تصفیہ پہل نسخوں سے کرتے ہیں جن کا دار و مدار ذکر و اذکار پر ہوتا ہے۔ یہاں ہم اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے، مگر یہ یقینی اور حتمی بات ہے کہ صوفیا، کرام نے متلاشیوں کو یہ سکون بہم پہنچایا اور انھیں اپنے سببی یا منفی جذبات پر قابو پانا سکھایا جس سے لوگوں نے اپنے وجود کو بلند کرنا سکھا جس سے وہ اس مادی زبان و مکان سے نکل کر روحانی زمان و مکان میں پرواز کرنے لگے اور واردات و مکاشفات سے وہ دوچار ہوئے۔ جب روحانی دنیا کی ایک جھلک صوفیائے عوام کو دکھلائی تو راہ راست پر لوگوں کا لے آنا ان کے لئے ایک آسان کام ہو گیا، جب تک انسانی وجود بلندی اختیار نہیں کرتا اس میں روحانی ترقی ناممکن ہے اور اس کا رابطہ اپنے خالق سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ صوفیائے کرام نے وجود کو بلند کرنے کے مختلف طریقے اپنے اعمال سے ایجاد کئے جو ان کے ذاتی مشاہد اور تجربہ پر منحصر تھے۔ یہی وہ حقیقی راہیں ہیں جو وہ اپنے راہنماؤں کو سبقاً سبقاً تعلیم دیتے رہے۔ جواب ان کے مخصوص سلسلوں کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ سلسلے اگرچہ اب بھی موجود ہیں مگر ان کی تعلیم ناقص ہو چکی ہے اور ان میں کوئی جان باقی نہیں رہی۔ اور نہ ہی ان میں کوئی اثر باقی ہے۔ ان سلسلوں کے اب جو مرشد اور خلیفہ باقی ہیں ان میں نہ تو خود جان باقی ہے نہ ان کے وجود بلند ہیں اور نہ ہی ان کو اپنے منفی جذبات پر قابو ہے۔ یہ دنیاوی لذتوں میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کو خود اپنے نفسوں پر قابو نہیں، اعلیٰ کلمہ الحق، اکل حلال، اور صدق مقال اب کتابوں کے افسانے بن کر رہ گئے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ۔

ہر کجا افسانہ باشد بیچ کس بیدار نیست!

اصل تصوف کی یہی تو بنیاد ہی ہوا کرتی تھیں۔ اب نمائش زیادہ رہ گئی

ہے اور عمل کم کسی ایک کے مقام فکر کا بھی تو یقین نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ وہ کسی کا شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ ہر طرف غفلت ہی غفلت نظر آتی ہے۔
 قدوسی صاحب نے گاہے گاہے صوفیا کی تعلیم کا بھی ذکر کیا ہے جو غور طلب ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بات ذرا مشکل تھی کہ فرداً فرداً ہر بزرگ کی تعلیم کا ذکر کیا جاتا۔ ایک تو ہر بزرگ کے ملفوظات قلمبند نہیں ہوئے، اور نہ ہی ہر کوئی صوفی مصنف تھا۔ تاہم جو جو صوفیائے کرام صاحب تصنیف ہوئے ہیں قدوسی صاحب نے ان کی تعلیمات سے استفادہ کر کے ہمارے لئے ان تعلیمات کا ملخص پیش کر دیا ہے جو بذات خود ایک بڑا کام ہے۔

عام تذکرہ کی طرح قدوسی صاحب نے بھی بعض جگہ اولیائے کرام کی کرامات کا ذکر کیا ہے۔ ہمارا نظریہ اس ضمن میں کچھ مختلف ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ چونکہ صوفیائے کرام نے خود اپنی کشف و کرامات کا ذکر بہت کم کیا ہے، ہمیں بھی ان پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئے بلکہ ان کی تعلیمات پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ ورنہ یہ عام رویہ ہو گیا کہ لوگ کشف و کرامات کے پیچھے زیادہ بھاگتے ہیں اور جو اصل تعلیم ہوتی ہے اُس کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اور چونکہ کرامات آنح کی کچھ کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں (یہ ایجادات کا زمانہ ہے!) اکثر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ عقیدت مند لوگ اپنے اپنے مرشدوں کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کے لئے کرامات کا اختراع کر لیتے ہیں۔ یہ بات معاشرے کے لئے سودمند نہیں بلکہ اس سے تو الٹا نقصان پہنچنے کا امکان ہے کشف و کرامات کا تو اکثر خود ولی کو شعور تک نہیں ہوتا! اور نہ ہی ان کا ہونا یا نہ ہونا ولایت کے لئے ضروری ہے۔ صوفیائے کرام کے حالات بڑھنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ ان کے طریقہ زندگی کا مطالعہ کیا جائے کہ وہ کس طرح زندگی بسر کرتے تھے، ان کے خصائل، ان کا اخلاق، ان کے اطوار اور دیگر اعمال و عبادات سے سبق حاصل کیا جائے۔ نہ یہ کہ ہم ان کی کرامات دیکھیں جن سے ہم قطعاً مستفید

نہیں ہو سکتے۔ اگر کشف و کرامات ایک حقیقت ہے تو پھر یہ تو غیر مسلم جوگیوں اور پادریوں کے یہاں بھی مل سکتی ہے، اگر تصوف کا یہی منشا اور مقصد ہے تو پھر کیوں نہ ان غیر مسلموں کے حلقہ ارادت میں داخل ہو جایا جائے؟
 اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام کی حقیقی تعلیمات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں
 (آمین)

”بنامار راہ است، راہ آنالکہ کرانعام کردہ بر آیشا ن، بجز آناں کہ
 ختم گرفتہ شد بر آہنا، و بجز گمراہان“ (آمین)

دو دل بودن درین راہ سخت تر عیب است سالک را
 خجل ہستم ز کفر خود کہ دارد بوائے ایماں ہم!
 (مولانا شبلی)

۳ جنوری ۱۹۶۲ء { حقیر
 عبدالرشید عفی عنہ

پیش لفظ

از مؤلف

”تذکرہ صوفیائے سندھ“ لکھنے کے بعد میرا خیال تھا کہ تذکرہ صوفیائے پنجاب مرتب کروں، لیکن شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور اُن کی تعلیمات کے ذہنی تقاضے مجھ پر اتنے شدید تھے کہ مجھے اس کام کو مؤخر کرنا پڑا اور میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور اُن کی تعلیمات کے لکھنے میں تقریباً دو سال اس طرح منہمک رہا کہ مجھے کسی چیز کا ہوش نہ تھا، جب اس کتاب کا کام ختم ہوا تو ارادہ تھا کہ کچھ دن سکون لوں اور قلم کو توڑ کر بیٹھ جاؤں، لیکن یہ ذہنی تقاضے کہاں چین سے بیٹھنے دیتے ہیں۔ اب صوفیائے پنجاب کی تصویر پھر ذہن میں ابھری، اس تالیف کے خط و خال سامنے آئے، خیال نے عمل کی صورت اختیار کی، اور میں پھر قلم لے کر بیٹھ گیا، اس مرتبہ بھی راہ میں وہی مشکلات تھیں، یعنی مآخذ کی کمیابی، لیکن کہتے ہیں کہ ہمت کا ساتھی خدا ہوتا ہے، میں نے ہمت نہیں ہاری، اور خدا کا نام لے کر اُن مآخذوں کی بناء پر جو میرے پاس تھے کام شروع کر دیا، لکھتا جاتا تھا، اور سوچتا جاتا تھا کہ ان چند مآخذ کی بنیادوں پر اس عظیم تذکرے کی تکمیل کیسے ہوگی، بھائی ان بزرگوں کی ثمن و برکت سے کہ جن کا تذکرہ اس کتاب کی زیب و زینت ہے، تائید غیبی حاصل ہوئی، اور عین اُس وقت جب میں مایوسیوں کی وادی میں بھٹک رہا تھا ایک فرشتہ رحمت نمودار ہوا، جس نے نہ صرف میری ہمت افزائی

کی، بلکہ اپنی لائبریری کے دروازے مجھ پر کھول دیئے، یہ تھے لفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید جنہیں قدرت نے سیف و قلم دونوں سے نوازا ہے، اُن کے متعلق اہل سیف ہونے کی حیثیت سے تو میں اس قدر جانتا ہوں کہ وہ لفٹیننٹ کرنل ہیں، رہا اہل قلم ہونے کی حیثیت سے تو وہ میرے تعارف کے محتاج نہیں، وہ پاکستان کے ممتاز ادیبوں میں ہیں، اُن کا موضوع خاص اسلامیات اور تاریخ ہے، اور ہندوستان کے مشہور جرائد و رسائل میں اُن کے مضامین شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں جو میری مدد فرمائی ہے، حقیقت یہ ہے کہ میں اُن کے شکریہ سے باندازہ احساس و تاثر قاصر ہوں، اُنہوں نے نہ صرف اپنی لائبریری سے وہ تمام مآخذ جو اُن کے پاس تھے میرے حوالے کر دیئے، بلکہ اس کتاب کے مکمل ہونے کے بعد باوجود اپنی گونا گوں اور اہم مصروفیتوں کے بالاستیعاب سودے کو دیکھا، اور نہایت ضروری اور اہم مشورے دیئے، اُن کے کرم کی انتہا یہیں نہیں ہوئی بلکہ اُنہوں نے میری گزارش پر اس کتاب پر ایک بسیط اور فاضلانہ مقدمہ لکھا، اور مجھے ہمیشہ کے لئے اپنا رہنما منت بنالیا۔

میں محترمی ڈاکٹر معین الحق صاحب جنرل سکریٹری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی کا بھی ممنون ہوں کہ اُنہوں نے اس کتاب پر ایک گرانمایہ تعارف لکھ کر مجھے نہ صرف رہنما منت بنایا، بلکہ اُنہیں کے کرم کی بدولت یہ کتاب اس قدر جلد منظر عام پر آ رہی ہے۔

اردو کے ممتاز ادیب جمیل جالبی اور میرے اُن عزیز ترین دوستوں میں کہ جنہیں میں پیکرِ خلوص کہتا ہوں وہ سراپا محبت و خلوص ہیں، میری کتابوں پر اُن کے مقدمے اور پیش لفظ اُس لطف و کرم کے آئینہ دار ہیں جو وہ مجھ پر فرماتے ہیں، میری اس تالیف کے دوران میں بھی اُس رسم کے مطابق جو مجھ میں اور اُن میں ہے اُن کے الطاف میرے شامل حال رہے، اُن کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی کوتاہی ہے۔

میں اپنے عزیز مسین الحق صدیقی ایم۔ اے، بی۔ کام ایل۔ ایل۔ بی کا بھی ممنون کرم ہوں کہ ان کے ذوق اور شدید تقاضوں نے مجھ سے اس کتاب کی تکمیل کرائی، ورنہ خدا جانے یہ کتاب کب تک معرض التواء میں پڑی رہتی۔

محبت محترم سید حسام الدین راشدی کا بھی میں ممنون ہوں کہ اس تالیف کے دوران میں وہ سنیل میں تھے، جب وہ کراچی واپس ہوئے تو انھوں نے بیڑی فراخ دلی سے اس کے لئے کچھ مآخذ اپنی لائبریری سے عطا فرمائے۔

میں اپنے شفیق اور مخلص دوست جناب محمد الیوب قادری بی، اے کا بھی سپاس گزار ہوں کہ انھوں نے بعض مفید مشوروں سے مجھے نوازا اور اس کے پر وف دیکھ کر مجھے ممنون کرم بنایا۔

میں عزیز مکرم زیڈ۔ ایچ انصاری سول ایجنٹ شیفرز مین (پاکستان) کی وضع داریوں اور عنایتوں کو فراموش نہیں کر سکتا کہ انھوں نے اس کتاب میں اپنی روایات قدیم کو برقرار رکھا، اور اس کتاب کے لئے شیفرز کا ایک نہایت اور مضبوط قلم مجھے عطا فرمایا۔

اس کتاب کے متعلق صرف اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ مغربی پاکستان کے اس علاقے کے جسے سابق میں پنجاب کہا جاتا تھا (۱۳۹) شاہیر صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے، جنھوں نے اس علاقے میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کر کے برصغیر پاک و ہند کو روشن و منور بنادیا، ان بزرگوں کی سوانح حیات لکھتے وقت میری یہ کوشش رہی ہے کہ ان کی پاکیزہ زندگی کی صحیح تصویر قارئین کے سامنے آئے اور انھوں نے اشاعت اسلام، انسانیت اور اخلاقی تربندی کے لئے جو کوششیں کی ہیں انھیں زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے۔

میں نے یہ تذکرہ حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے کہ اس میں پڑھنے والوں کو زیادہ سہولت ہے، البتہ حروف تہجی کے ذیل میں سین کی ترتیب کا بھی خیال رکھا ہے، میں نے اس کی بھی کوشش کی ہے کہ جن اشخاص و رجال کے نام متن

میں آئے ہیں حتی الامکان اُن کے متعلق ضروری معلومات حواشی میں دے دی ہیں، اس کے علاوہ مآخذ کے حوالے بھی حواشی میں دے دیئے گئے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اس کتاب کی خوبیوں کا تعلق ہے میں انہیں اُن بزرگوں کا تصرف سمجھتا ہوں جن کا تذکرہ اس کتاب کی زینب و زینت ہے، اور جو کوتاہیاں ہیں وہ میری ہیں، جن کے متعلق میں اپنے قارئین سے متوقع ہوں کہ وہ مجھے معاف فرمادیں گے۔

میرے لئے یہ سعادت کیا کم ہے کہ ان بزرگوں کے نام لیواؤں میں ہوں اور اُن کے تذکرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہوں کہ

تذکرہ اس قدر کیا اُن کا

قابل ذکر ہو گئے ہم بھی

(فضلی)

لیاقت آباد ۵/۴/۱۹۶۲ء { اعجاز الحق قدوسی۔
۲ جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

(۱)

پنجاب کے سب سے پہلے صوفی اور درویش

شیخ صفی الدین گازی

جس طرح سندھ کے صوفیائے کرام میں سب سے زیادہ
قدامت شیخ ابو تراب مشہور بہ حاجی تریابی کو حاصل ہے، اسی
طرح پنجاب میں سب سے پہلے صوفی اور درویش شیخ صفی الدین
گازیرونی ہیں جو ہندوستان میں حاجی تریابی کے بعد سب سے
پہلے صوفی اور درویش سمجھے جاتے ہیں۔

شیخ صفی الدین حقانی گازیرونی ۹۶۲ھ میں گازیرون میں پیدا ہوئے،

وہ خواجہ ابواسحاق گزاریونی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں وہ گزاریونی سے اُج تشریف لائے، اور اُج میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کی اُج میں تشریف آوری کے واقعے کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ صفی الدین کو اُن کے شیخ نے خرّوہ خلافت سے سرفراز فرمایا، اور اپنے شیخ کے ارشاد پر آپ نے اُس سرزمین

سے آپ کا نام ابراہیم، ابواسحاق کنیت۔ آپ کے والد کا نام شہریار تھا، اصل وطن فارس ہے، تصوف میں آپ کو شیخ ابوعلی حسین بن فیروز آبادی الاکار سے نسبت ہے حدیث میں بھی آپ کو مستند اور ثقہ مانا جاتا ہے۔ آپ گزاریونی، شیراز، بصرہ، مکہ، مدینہ کے بہت سے محدثین کی خدمت پہنچے، اور اُن سے حدیث میں استفادہ کیا، آپ نے مکہ معظمہ میں شیخ ابو الحسن علی بن عبداللہ جہضم ہمدانی کو بھی دیکھا تھا، اور اُن سے آپ روایت بھی کرتے تھے۔

ایک دزیر کو خواجہ ابواسحاق سے بڑی عقیدت تھی، اُس نے ہر چند چاہا کہ خواجہ ابواسحاق اس کا کوئی تحفہ قبول کریں، لیکن آپ نے اس کا کوئی تحفہ قبول نہیں فرمایا، آخر اس نے آپ کو یہ پیغام بھیجا کہ میں نے ہر چند کوشش کی کہ آپ میرا کوئی تحفہ قبول فرمائیں، لیکن آپ نے میرا کوئی تحفہ قبول نہیں کیا، اب مجبوراً میں نے چند غلام آزاد کر کے اُن کا ثواب آپ کو بخش دیا ہے، خواجہ ابواسحاق نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا، تمہارا پیغام مجھے ملا، تمہارے اس احسان کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن بندوں کو آزاد کرنا میرا مذہب نہیں۔ بلکہ میرا مذہب آزادوں کو احسان و لطف و کرم سے غلام بنانا ہے۔

خواجہ ابواسحاق گزاریونی نے ذی قعدہ کے مہینے میں ۷۲۶ھ میں وفات پائی۔

(نفحات الانس۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ میں ۲۳۹/۲۴۰)

میں سکونت اختیار فرمائی جسے اب ”اُتج“ کہتے ہیں، یہاں آپ نے عمارتیں بنوائیں اور آپ نے ہی اُتج کی بنیاد رکھی۔

لیکن اُتج کے متعلق مشہور ہے کہ اس کی آبادی بہت قدیم ہے، بلکہ ان شہروں میں سے ہے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سکندر اعظم کے وقت سے آباد ہیں، ممکن ہے کہ شیخ صفی الدین کے زمانے میں یہ ویران ہو گیا ہو، اور شیخ صفی الدین نے دوبارہ آباد کیا ہو، یا پرانی آبادی کے قریب آپ نے کوئی نئی بستی بسائی ہو۔

شیخ صفی الدین ^{۸۳۹ھ} میں واصل الی اللہ ہوئے۔

۱۔ اوج، اڈچا، اوسا، اوچہ، اسکندرہ، الیگزینڈرہ، اسکالندہ، یہ دیوگرھ بھی کہلایا ہے۔ [راجہ دیو سنگ بھٹی کے نام پر ۱۵۵۰ھ میں تلوار، چاچورہ بھی کہلایا غالباً ایک برہمن وزیر چاچ رائے کے نام پر اُتج کی تاریخ پر مندرجہ ذیل کتابیں روشنی ڈالتی ہیں:۔

- (۱) تاریخ قرشتہ، (۲) تاریخ مصومی (۳) سفرنامہ حضرت مخدوم جانیوں، (۴) خزینہ جلالیہ (۵) جواہر جلالیہ (۶) طبقات ناصری، (۷) تحفہ الکرام (۸) آئین اکبری (۹) تاریخ سندھ (عبدالحکیم شہر)۔ (۱۰) بحم البلدان (۱۱) مروج الذهب (۱۲) فتوح البلدان (۱۳) توح نامہ (۱۴) تاریخ ظاہری۔

”اُتج“ تین ہیں

اُتج موغلہ	اُتج بخاری	اُتج گیلانی
مغلوں نے آباد کیا۔	سادات بخاری	سید صفی الدین گازی دینی
شیخ جمال الدین شیخ خجندی	۷۵۰ھ	۷۳۵ھ
۷۵۰ھ اخبار الاخیار ص ۲۰۵ بضمن مخدوم شیخ عبدالقادر۔		

شیخ اسماعیل لاہوری

حالات

لاہور میں جو سب سے پہلے مبلغ تشریف لائے، وہ شیخ اسماعیل بخاری تھے، وہ اُس زمانے میں لاہور وارد ہوئے، جب لاہور میں ایک ہندو راجہ کی حکومت تھی، یہ راجہ سلطان محمود غزنوی کو خراج دیتا تھا، اور اُس وقت تک لاہور میں سلطان محمود غزنوی کا کوئی نائب نہ تھا، شیخ اسماعیل بخاری سادات میں سے تھے، علوم ظاہری اور علوم باطنی میں کمال رکھتے تھے، وہ ۵۰۰ سالہ میں لاہور پہنچے، اور انہوں نے لاہور میں اشاعتِ اسلام اور تبلیغ و ترویجِ دین کے لئے بے پناہ کوششیں کیں۔ اُن کے وعظ میں بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوتے تھے، اثر و تاثیر کا یہ عالم تھا کہ وعظ کے بعد کثرت سے لوگ اسلام قبول کرتے، وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے لاہور میں سب سے پہلے تفسیر و حدیث کا درس شروع کیا، تذکرہ علمائے ہند میں ہے۔

” از علمائے محدثین و مفسرین بود، اول کے است کہ علم تفسیر و

حدیث بہ لاہور آوردہ، و ہزار ہا مردم در مجلس وعظ و مشرف
باسلام شدند۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ جب شیخ اسماعیل لاہور میں تشریف لائے تو دوسرے جمعہ کو پانچ سو پچاس آدمی اور تیسرے جمعہ کو ایک ہزار آدمی

اسے تذکرہ علمائے ہند۔

ان کی تبلیغ سے داخل اسلام ہوئے۔ شیخ اسماعیل ^{۱۰۵۶-۱۰۵۷ھ} میں واصل
الی اللہ ہوئے۔

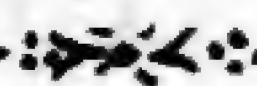
متقدم مورخین نے شیخ اسماعیل لاہوری کا سنہ
تاریخ وفات تاریخ وفات لفظ "مہتاب" سے نکالا ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے ذیل کے قطعہ میں تاریخ وفات کہی ہے:-

شیخ دنیا و دیں امامِ زمان سیدِ دیں فقیہ اسماعیل

سالِ وصال فقیرِ محبوب است نیز میر و جہمہ اسماعیل ^{۱۰۵۶ھ}

شیخ اسماعیل نے لاہور میں وفات پائی۔



حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری

داتا گنج بخش

سید ہجویری مخدوم امم	مرقد او پیر نجر احرم
بند ہائے کوسہار آساں گسخت	در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد	حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت امم الکتاب	از نگاہش خانہ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت	صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد تیار عشق	از حبیش آشکار اسرار عشق

(علامہ اقبال)

نام و نسب آپ کا اسم گرامی علی، ابوالحسن کنیت، اور داتا گنج بخش لقب ہے، آپ کے والد کا نام نامی سید عثمان ہے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمن بن شاہ شجاع
بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ

آپ کو ہجویری اور جلابی اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کا شروع میں قیام ہجویر اور جلاب میں رہا۔ یہ غزنین کے دو مشہور گاؤں ہیں، آپ کی ولادت باسعادت منسلکہ میں ہوئی۔

۱۔ بزم صوفیہ ص۔ ۱

کشف المحجوب میں حضرت شیخ ابوالحسن ہجویری نے اپنے جن اساتذہ اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے، اُن میں سے حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی[ؒ] ہیں، آپ نے اُن کے فضائل و مناقب کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

”مرا باوے آنے عظم بودہ، دے را بر من شفقتے صادق،
و در بعضے علوم استاد من بود، ہرگز از ہر صنف کسے ندیدم کہ
شرع را بنزدیک دے تعظیم بیشتر بود۔“

اسی کتاب میں ایک اور جگہ آپ اپنے ایک دوسرے استاد شیخ

ؒ شیخ ابوالعباس شقانی کا نام احمد بن محمد تھا، علم اصول و فروع میں امام تھے۔ اُنھوں نے بہت سے مشائخین سے استفادہ کیا تھا، اکابر اہل تصوف میں تھے، صاحب کشف المحجوب کا بیان ہے کہ ایک روز میں شیخ ابوالعباس کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ وہ ضرب اللہ مثلاً عبد اہلو کا لایقدر علی شئی پڑھتے جلتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ پھر اُنھوں نے ایک نعرہ لگایا، ایسا نعرہ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ وفات پا جائیں گے۔ پھر میں نے پوچھا اے شیخ! یہ کیا حالت ہے؟ فرمایا کہ آج گیارہ سال ہو چکے ہیں اس مقام پر پہنچا ہوں اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

ایک روز شیخ ابوسعید ابوالخیر، نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بہت بڑے سید جو اکابر سلوات نیشاپور میں تھے، شیخ کے سلام کے لئے آئے اور شیخ کے پہلو میں بیٹھ گئے، اتفاق سے اسی وقت ابوالعباس شقانی بھی آگئے، شیخ ابوسعید نے اُن کو اُن سید سے زیادہ معزز جگہ پر بٹھایا، سید کو اس سے سنج ہوا، شیخ ابوسعید نے اُن سید سے فرمایا کہ ہم جو تم کو دوست رکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں، اور ان کو اللہ کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں (نفحات الانس ص ۲۸۹)۔

۲۸۹ نفحات الانس ص ۲۸۹۔

ابو جعفر محمد بن مصباح [ؒ] صید لانی کا تذکرہ کیا ہے، اُن کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وہ روسائے معصومین میں تھے، تحقیق میں اُن کی زبان اچھی تھی
حسین بن منصور سے بہت محبت رکھتے تھے، میں نے اُن کی بعض
تصانیف انھیں سے پڑھیں۔

ان کے علاوہ انھوں نے شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری سے بھی
استفادہ کیا، اور شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی بھی اُن کے اساتذہ میں
تھے، شیخ ابوالقاسم کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت بجوری نے لکھا کہ:-
مرا بادے اسرار بسیار بود، اگر باظہار آیات وے مشغول
گردم از مقصود بجامم۔

۱۔ ابو جعفر صید لانی، ابوالحسن صالح دینوری کے استاد ہیں، بغداد کے رہنے والے تھے،
حضرت جنید ابوالعباس کے ہم عصر تھے، مکہ میں مجاور تھے، انھوں نے مصر میں
وفات پائی، اُن کی تبرز قاق مصری کے پہلو میں ہے۔ (نفحات الانس ص ۱۶۳)
۲۔ شیخ ابوالقاسم کا اسم گرامی عبدالکریم بن ہوازن قشیری ہے، کئی رسالوں اور
تفسیر لطائف الاشارات کے مصنف ہیں، ہر فن میں اُن کے بہت سے لطائف
ہیں، حضرت ابو علی دقاق کے مرید تھے، اور ابو علی فارمدی کے استاد تھے، شیخ
ابوالقاسم قشیری نے ربیع الآخر ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔

(نفحات الانس - ص ۲۸۸)

۳۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی کا نام علی ہے، اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے
تھے، تین واسطوں سے آپ کا سلسلہ سید الطائفہ حضرت جنید سے جاملتا
ہے، بعض مشکل مسائل کے پوچھنے کے لئے حضرت بجوری آپ کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔

متاخرین آئمہ میں حضرت، بحوری نے ابوالعباس احمد بن محمد قصابؒ،
ابوعبد اللہ محمد بن علی المصروف الدغستانی، ابوسعید فضل اللہ بن محمد اور
ابو احمد المنظر بن حمدان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے، اور ان کی
تعلیمات اور تصانیف سے بھی استفادہ فرمایا۔

روحانی تعلیم و تربیت حضرت داتا گنج بخش نے جن بزرگ سے
روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی ان کا
اسم گرامی ابوالفضل محمد بن حسن ختلی ہے۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی
سلسلہ جنیدیہ میں منسلک تھے، اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش
بحوری نے ان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا۔

وہ اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میں طریقت میں انھیں کا
پیر ہوں، وہ علم تفسیر اور روایات کے عالم تھے، اور تصوف میں حضرت
جنید رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب رکھتے تھے، اور حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ
کے مرید اور زوار تھے، ابو عمر قزوینی اور ابوالحسن سالیہ کے ہم عصر تھے۔
ساتھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ گیر ہو کر خلقت سے دور رہے

۱۰ شیخ ابوالعباس کا نام احمد بن محمد بن عبد اللہ کریم ہے، آملی او طبرستان کے مشہور شیخ تھے، اور محمد
بن عبد اللہ طبری کے مرید تھے، اگرچہ آملی تھے، مگر ان کی گفتگو معارف اور نکات سے مزین ہوتی تھی، طبرستان
کے ایک امام کہا کرتے تھے کہ خدائے تعالیٰ کے انصال میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کو بغیر تعلیم و تعلم کے
بھی ایسا کر دیتا ہے کہ جب ہم کو اصول دیں اور دقائق توحید میں کوئی چیز مشکل پیش آتی ہے تو
ہم ابوالعباس قصاب سے پوچھتے ہیں۔ (نفحات الانس - ص ۲۶۶)۔

۱۱ شیخ ابوعبد اللہ الدغستانی کا اصل نام محمد بن علی دغستانی ہے، ان کا لقب شیخ المشائخ عالم
تھا، مختلف علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، شیخ ابوالحسن خرقانی کے ہم عصر تھے، ۵۹۰ سال
کی عمر میں ماہ رجب ۵۸۰ھ میں وفات پائی (نفحات الانس - ص ۲۷۶)۔

اُن کا قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا، اُنھوں نے ابھی عمر پائی،
اُن کی ولایت کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ لیکن ظاہری لباس اور رسوم
صوفیہ کے نہ رکھتے تھے، میں نے اُن سے زیادہ پُر عرب کسی کو نہیں دیکھا۔
فرمایا کرتے تھے کہ الدنیا یوم ولنا فیھا صومر

کشف المحجوب میں ہے کہ آپ کے شیخ حضرت ابو الفضل محمد
مرشد کا وصال بن حسن خلی نے آپ ہی کے زانو پر وصال فرمایا، اس واقعہ
کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”جس روز آپ (حضرت ابو الفضل محمد بن حسن خلی) کی وفات
ہوئی آپ بیت الجن میں تھے، یہ ایک گاؤں ہے پہاڑی پر جو دمشق اور
مانیازر کے درمیان ہے، اُس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا، اور
میرے دل میں ایک دوست کی طرف سے کچھ رنج تھا، آپ نے مجھ سے
فرمایا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں، اگر تم اُس کے مطابق
اپنے آپ کو درست کر لو گے تو سب رنجوں سے نجات پا جاؤ گے کہ
خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھٹوں اور بُروں کو پیدا کرتا ہے، اس لئے
تمہیں اس کے کسی فعل پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے، اور نہ دل
میں کسی تکلیف کو جگہ دینی چاہئے۔ اس سے سوا کوئی وصیت
نہیں فرمائی، اور جاں بحق ہوئے۔“

تذکیۃ باطن اور روحانی کمال کے لئے آپ نے
میسر و سیاحت اسلامی ممالک، شام، بغداد، عراق، پارس، آذربائیجان،
طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا،

اور ہر مقام کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں آپ نے تین سو مشائخ کرام سے ملاقات فرمائی۔

ریاضتیں اور مجاہدے
 ٹھلوک و معرفت کی منازل طے کرنے میں جو ریاضتیں اور مجاہدے آپ نے کئے، اُن کو کشف المحجوب میں آپ نے جا بجا بیان فرمایا ہے۔ کشف المحجوب باب ششم ذکر ملامت میں فرماتے ہیں کہ:-

ایک مرتبہ میں شیخ ابو یزید کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، چنانچہ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا مگر وہ مشکل حل نہ ہوئی، آخر میں نے خراسان جانے کی ٹھانی، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں سوٹا اور کھردرا لباس پہنے ہوئے تھا، ہاتھ میں ڈنڈا اور پانی کا برتن تھا، اس کے علاوہ کوئی اور ساز و سامان میرے پاس موجود نہ تھا، اس جماعت نے مجھے بنگاہِ تحقیر دیکھا اور اُن میں سے کسی نے مجھے نہیں پہچانا، اُن میں سے کچھ لوگ کہنے لگے یہ ہم میں سے نہیں، اور واقعی میں اُن میں سے نہ تھا، لیکن وہاں رات گزرا ابھی ضروری تھا، ان لوگوں نے مجھے خانقاہ کے نچلے حصے میں ٹھہرایا، اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت ایک سوکھی روٹی مجھ کو دی، میں اُن کے خوشبودار کھانوں کو سونگھ رہا تھا، جو وہ تناول کر رہے تھے، اور بالائی منزل پر میرے متعلق گفتگو کرتے جاتے تھے، جب وہ کھانا کھا چکے تو خبر بوزے کھانے لگے، اور ازراہِ تمسخر چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے، اور طنز کی باتیں کرتے رہے، مگر جتنا وہ زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل اُن سے خوش ہوتا تھا، اس طرح ملامت پہنے سے میری وہ مشکل حل ہو گئی، اس وقت مجھے

معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔
سلسل چار سال تک سفر میں رہنے کے باوجود کبھی کی نماز باجماعت ترک
نہیں ہوئی، اور ہر جمعہ کو کسی قصبہ میں نماز کے لئے قیام فرمایا۔

صوفیہ کی ظاہری رسوم سے نفرت
حضرت واما گنج بخش بھی اپنے
شیخ ابوالفضل محمد بن حسن خلی

کی طرح صوفیوں کی ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے، اور ان ظاہری
رسوم کو معصیت اور بیا سے تعبیر فرماتے تھے، اور ظاہر پرست صوفیوں کی
صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے۔

ازدواجی زندگی
آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق کوئی واضح صراحت
نہیں ملتی، لیکن کشف المحجوب کے بعض اندراجات سے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی، کشف المحجوب میں ہے کہ :-

<p>من کہ علی بن عثمان الجلابی اذ پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزوج نگاہ داشته بود، ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندرافتادیم، ظاہر باطنم امیر صفتی باشد کہ با من کردند بے آنکہ رویت بودہ بود، و یک سال مستغرق آن بودم چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود، تا حق تعالیٰ بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بے چارہ من فرستادند، برحمت</p>	<p>میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں حق تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک شادی کی آفت سے بچائے رکھا، پھر تقدیر سے آزمائش میں ڈلا گیا، میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت کا امیر ہوا، بغیر اس کے کہ میں نے اس کو دیکھا ہو، ایک سال تک میں اس کے خیال میں غرق رہا نزدیک تھا کہ یہ چیز میرے دینی معاملات میں خلل انداز ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کمال لطف فضل سے عصمت کو دل بے چارہ کے استقبال کے لئے بھیجا، اور اپنی رحمت سے</p>
--	--

خلاصی ارزانی داشت لہ

[مجھے اس مصیبت سے نجات دی۔

حضرت داتا گنج بخش سلطان مسعود بن محمود
لاہور میں تشریف آوری غزنوی کے اخیر دور حکومت میں اپنے دو
ساتھیوں کے ساتھ مختلف ممالک اسلامیہ کی سیاحت کرتے ہوئے لاہور
تشریف لائے، فوائد الفوائد میں ہمیں آپ کے لاہور تشریف لانے کی کچھ تفصیلات
ملتی ہیں، حضرت شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ۔

”شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے
مرید تھے، اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانی عرصہ
سے لاہور (لاہور) میں مقیم تھے، کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ
علی ہجویری سے کہا کہ لاہور میں جا کر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے کہا
کہ وہاں شیخ حسین زنجانی موجود ہیں، لیکن ان کے پیر نے پھر فرمایا کہ
تم جاؤ، جب علی ہجویری اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل میں لاہور آئے
تورات تھی، صبح کو شیخ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا لہ

آب کوثر میں ہے کہ لاہور تشریف لانے کے بعد یہاں آپ نے ایک مسجد کی
تعمیر میں حصہ لیا، کچھ دن تک درس دیتے رہے، پھر تصنیف و تالیف میں
مشغول ہو گئے یہ

لہ کشف المحجوب

۲۵ سلطان مسعود سلطان محمود غزنوی کا تیسرا لڑکا تھا، جو ۴۲۲ھ میں اپنے باپ کی جگہ
تخت پر بیٹھا، اور جمادی الاول ۴۳۲ھ قلعہ گسری میں قتل ہو گیا۔ (ماخوذ من تاریخ دیلم و
ایران فصل پانزدہم ص ۳۱۹ و ۳۲۰)۔ ۲۶ آب کوثر ص ۸۶

۲۷ فوائد الفوائد ص ۳۵۔

۲۸ آب کوثر ص ۸۶

لاہور سے مرشد کی خدمت میں حاضری
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
لاہور آنے کے بعد آپ
پھر اپنے مرشد کی خدمت میں واپس گئے تھے، کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپ
کے مرشد نے آپ کے زانوہی پر وفات پائی، اور مرشد کے وصال کے بعد آپ
دوبارہ لاہور واپس آ گئے۔

تبلیغ اسلام
مشہور ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا
جن میں سے ایک رائے راجو بھی تھا، جو سلطان مودود ابن مسعود
غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا، اسلام لانے کے بعد آپ نے اُس کا
عرف شیخ ہندی رکھا، اُسی کی اولاد سے آپ کے مزار کے خدام و مجاور ہیں۔

۱۰ امیر مودود، سلطان مسعود کا بڑا بیٹا تھا، جب سلطان مسعود ہندوستان گیا، تو اُس نے دہلی کی حکومت
اپنے بڑے امیر مودود کے سپرد کی، ۳۳۲ھ میں جب سلطان مسعود کے مارے جانے کی خبر ہندوستان
پہنچی تو وہ اپنے باپ کے انتقام کے لئے ایک جمعیت کے ساتھ غزنی آیا، اور غزنی کے قریب اپنے
چچا امیر محمد سے اُس کی لڑائی ہوئی، امیر محمد اس جنگ میں مارا گیا، جس جگہ یہ جنگ ہوئی تھی اُس کا
نام امیر مودود نے فتح آباد رکھا، اس فتح کے بعد وہ غزنی میں داخل ہوا۔

امیر مودود نے ۳۳۳ھ میں سلاجقہ کو مغلوب کرنے کے لئے ہندوستان کے راجاؤں اور ترکوں
اور قرب وجوار کے مالک سے اتحاد کیا، پھر وہ ایک بڑی جمعیت لے کر غزنی سے عازم خراسان ہوا، ابھی
غزنی سے ایک منزل بھی آگے نہ بڑھا تھا کہ مرض قویخ میں گرفتار ہوا، اور غزنی لوٹ آیا، اُسی زلزلے میں
سلاجقہ سیستان پر غالب آ گئے۔ امیر مودود جو خود جنگ میں نہیں جاسکتا تھا، اُس نے اپنے وزیر
عبدالہق بن احمد سمندی کو جنگ کے لئے مقرر کیا، امیر مودود کا مرض روز بروز شدت اختیار
کرتا گیا، یہاں تک کہ انتالیس سال کی عمر میں ۱۰ رجب ۳۳۴ھ کو اس نے وفات پائی۔

(ماخوذ از تاریخ دیلمہ و غزنویاں مصنف عباس پرویز فصل شانزدہم بازماندگان غزنویان۔ از

یہ وہی زمانہ تھا کہ تصوف میں بعض نئی اور غیر اسلامی چیزیں داخل ہو رہی تھیں، حضرت داتا گنج بخش شروع ہی سے دینی اصولوں پر بڑی شدت سے عامل تھے، آپ نے حسین فارسی اور ابوسلمان کے حلوئی فرقوں کو جنھوں نے تصوف میں بے راہ روی اختیار کی تھی ملحد اور لعنتی کہا ہے، کشف المحجوب میں گروہ حلوئیہ کے ضمن میں ان دونوں فرقوں کے متعلق تحریر فرمایا۔

میں نہیں جانتا فارسی کون اور ابوسلمان کون ہے، اور انھوں نے کیا باتیں کہی ہیں، جو شخص توحید کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اُس کا دین اسلام میں کوئی مقام نہیں ہے، چونکہ دین اصل ہے۔ وہ تصوف جو اُس کا نتیجہ اور اس سے مشتق نہ ہو مستحکم نہیں ہو سکتا۔

حضرت داتا گنج بخش متذکر کتابوں کے مصنف تھے، کشف المحجوب تصانیف آپ کی مشہور تصنیف ہے، کشف المحجوب میں آپ نے اپنی جن دوہری تصانیف کا تذکرہ کیا ہے اُن میں (۱) منہاج الدین (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) اسرار الخرق والمونات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعاۃ لحقوق اللہ (۷) رسالہ در شرح کلام صلاح اور رسالہ ایمان ہیں، کشف المحجوب میں آپ نے اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، جو اب نہیں ملتا۔

کشف المحجوب کی پہلی فصل میں آپ نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہ آپ نے کتاب کے شروع میں اپنا نام کیوں لکھا ہے، اس ضمن میں واضح کیا ہے کہ کس طرح آپ کا مجموعہ اشعار رائیگاں ہوا۔

کتاب کے اولین حصہ میں جو میں نے اپنا نام لکھا ہے، اس سے دو چیزیں مراد ہیں، ایک نصیب خاص، اور دوسری نصیب عام، جو کچھ نصیب عام سے متعلق ہے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ جب کم علم

لہ کشف المحجوب۔

لوگ اس موضوع کی کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو اس میں اصل مصنف کا کئی ایک جگہ نام نہیں پاتے تو اسے اپنی طرف منسوب کر کے کتاب کی مقصدیت کو فوت کر دیتے ہیں، کیونکہ مصنف کا اپنے نام کی اشاعت سے بقائے دوام مقصود ہوتا ہے، اور خواہش رکھتا ہے کہ اس کی کتاب سے مستفید ہونے والے اُسے نیک دعاؤں سے یاد کریں۔ میرے ساتھ یہ واقعہ ہو چکا ہے، ایک دفعہ کسی نے میرے اشعار کا مجموعہ طلب کیا، میرے پاس اُس کی نقل نہیں تھی، اُس نے اُسے واپس نہیں کیا، اور آغاز کتاب سے میرا نام محو کر کے میری تمام کاوشوں کو رائیگاں کر دیا، خدا اس پر رحم کرے، میں نے منہاج الدین کے نام سے ایک اور کتاب تالیف کی تھی، جو تصوف کے موضوع سے متعلق تھی، ایک پست احساس مدعی علم نے اس پر سے میرا نام ہٹا کر خود سے منسوب کیا، اور لوگوں میں مشہور کیا کہ وہ اس کی تالیف ہے، عوام و خواص اُس کی حرکت پر ہنستے رہے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ خدا نے اُسے مردودِ بارگاہ قرار دیا، اور اُس کا نام محو کر دیا گیا۔

کشف المحجوب کے اب تک متعدد اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا سب سے پہلا اردو ترجمہ جو ہماری نظر سے گزرا ہے، وہ مولوی فیروز الدین کا ہے جو کتب خانہ اسلامی لاہور سے ۱۳۸۹ھ میں شائع ہوا تھا، پھر اس کا ایک ترجمہ ۱۳۲۲ھ کا بھی ہماری نظر سے گزرا ہے، لیکن اس میں مترجم کا نام نہیں اس کا تیسرا ترجمہ مولوی محمد حسین مناظر گوندیا والا کا ہے، اس کا چوتھا ترجمہ صوفی شیخ محمد اقبال صاحب کا ہے، اس کا پانچواں ترجمہ مفتاح القلوب کے نام سے خیال امر و موی نے کیا ہے، جو اس وقت مارکیٹ میں ملتا ہے۔ مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن نے کشف المحجوب کو انگریزی میں

منتقل کیا۔ اس کے انگریزی ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۱ء میں۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۲ء میں اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

اب آپ کی تمام کتابوں میں صرف
کشف المحجوب اکبر صوفیا کی نظر میں کشف المحجوب ہی ملتی ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے جو ہر دور میں اپنی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے بے نظیر سمجھی گئی ہے، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیزہ
 اگر کسی را پیرے نباشد چوں این کتاب را مطالعه کند پیدا شود، و من
 این کتاب را تمام مطالعه کرده ام لہ
 حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں بکثرت
 اس کے حوالے موجود ہیں۔

مولانا جامی نفحات الانس میں کشف المحجوب کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے
 تحریر فرماتے ہیں۔

علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی قدس سرہ کینست و
 ابو الحسن ست عالم و عارف بودہ، مرید شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی ست
 بصحت بسیار از مشائخ دیگر سیدہ است، صاحب کتاب
 کشف المحجوب است کہ از کتب معتبرہ مشہورہ درین فن ست، و لطائف
 و حقائق بسیار در آن کتاب جمع کردہ ست۔

۱۰ در نظامی۔ مرتبہ شیخ محمود علی جاندار خادم نظام المشائخ دہلی (مملوکہ سید علیم الدین
 خادمہ دکنہ سلطان المشائخ دہلی) بحوالہ تصوف اسلام ص ۵۲
 ۱۱ نفحات الانس۔ ص ۲۹۱ بضمن تذکرہ حضرت ہجویری مطبوعہ نول کشور۔

داراشکوہ نے حضرت داتا گنج بخش کی کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کشف المحجوب کی اہمیت و افادیت کو اس طرح واضح کیا ہے۔

حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است، اما کشف المحجوب مشہور و معروف است، و هیچ کس را بر آں سخن نیست و مرشدے است کامل، در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتبے تصنیف شدہ ہے۔

پروفیسر نکلسن نے کشف المحجوب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش نے، اپنے ساتھی ابوسعید ہجویری کے ایک استفسار پر جو آپ کے ساتھ فرنی سے لاہور آئے تھے لکھی، ابوسعید ہجویری آپ سے تصوف کے رموز و اشارات کو سمجھنا چاہتے تھے، آپ نے اس کتاب میں تصوف کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، اس طرح یہ وہ کتاب ہے جس سے پہلی مرتبہ ہندوستان اسلامی تصوف سے متعارف ہوا ہے۔

تعلیمات حضرت داتا گنج بخش کی تعلیمات تک پہنچنے کا ذریعہ ہمارے پاس صرف ان کی کتاب کشف المحجوب ہے، ہم اسی کتاب سے آپ کی تعلیمات کے مختلف پہلو پیش کرتے ہیں۔

علم کشف المحجوب کے پہلے باب میں آپ نے قرآن مجید اور احادیث نبوی کے روشنی علم کی اہمیت کو ظاہر کر کے یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک معرفت کے اعلیٰ مراتب و مدارج پر فائز ہوتا ہے، اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب وہ اپنے علم پر عامل بھی ہو، پھر آپ نے علم کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ایک علم خداوندی، دوسرا علم انسانی، علم خداوندی کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ اللہ کے علم کے نزدیک اُس کے بندوں کا علم بالکل

ہیج ہے وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے، انسانوں کا علم ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ظاہر و باطن میں نفع بخشے والا ہو، انسانی علم کی دو قسمیں ہیں ایک اصولی دوسرے، فروعی۔ اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا، فروعی، یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اُس کے لئے صحیح نیت رکھنا۔

پیر بجویری کی رائے میں ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن، حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں، ایک خدائے تعالیٰ کی ذات کا علم، یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں، دوسرے خداوند تعالیٰ کی صفات کا علم، یعنی وہ عالم ہے، ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے، تیسرے اُس کی حکمت اور افعال کا علم یعنی وہ تمام خلائق کو پیدا کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت، پھر پیر بجویری نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جس کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اُس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے، اور جس کو اُس کا عنایت کیا ہوا علم شریعت نہیں اُس کا دل عدم واقفیت کی بنا پر بیمار ہے، پیر بجویری نے علم حقیقت اور علم شریعت کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ پھر حضرت ابو بکر و راق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس نے صرف علم توحید پر اکتفا کیا وہ زندیق ہے۔

درویشی کشف المحجوب کے دوسرے باب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ نے فقر درویشی کے فضائل بیان کرتے ہوئے

۱۔ ناخود از کشف المحجوب۔ باب اول۔

لکھا ہے کہ فقیر کو خدا کے نزدیک بڑا مرتبہ حاصل ہے، پھر فقیر کی تعریف کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ فقیر وہ ہے اگر اُس کے پاس کچھ نہ ہو تو اُس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، اور نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے وہ مالدار ہو، اور نہ اُس کے نہ ہونے سے محتاج ہو، یعنی ساز و سامان کا ہونا یا نہ ہونا اُس کے لئے برابر ہو۔ کیونکہ فقیر جس قدر تنگ دست ہوگا، اُسی قدر اُس پر حال زیادہ کھلے گا، اور اسرارِ الہی منکشف ہوں گے، وہ جس قدر بھی دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جائے گا اُسی قدر اُس کی زندگی لطافتِ خفی اور اسرار و روشن سے وابستہ ہوتی جائے گی، فقیرِ ضلّے الہی کے لئے دنیا کی تمام چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے، فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اُس کے فقر کی ترازو کے پڑے میں اگر دونوں جہان رکھ دیئے جائیں تو وہ پتھر کے برابر بھی نہ ہوں، اور اُس کے ایک سانس میں دونوں عالم نہ سمائیں۔

پھر آپ نے صوفیانہ نقطہ نظر سے اس پر بحث فرمائی ہے کہ فقر افضل ہے یا غنا، پیراجویری کے نزدیک غنا میں دل کے غیرے مشغول ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے اور فقر میں دل خدائے تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لئے فقر، غنا سے بہتر ہے، اور جب ایک طالبِ خدا کے سوا تمام دنیا کی چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو فقر و غنا کے دونوں نام اُس کے لئے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

اس باب کی تیسری فصل میں آپ نے فقر و فقیر کے متعلق مختلف صوفیائے کرام کے اقوال نقل کئے ہیں۔

تصوف۔ کشف المحجوب کے تیسرے باب میں پیراجویری نے فرمایا۔

پر بڑی محققانہ اور سیر حاصل بحث کی ہے، اس باب کی پہلی فصل میں لفظ صوفی کے متعلق جو صوفیائے کرام کے اقوال ہیں ان کو نقل کیا ہے، آپ نے لکھا کہ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف رہی ہے، ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی چونکہ صوف کا کپڑا پہنتا ہے اس لئے وہ صوفی کہلاتا ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صوفِ اول میں رہتا ہے۔ اس لئے صوفی کہلاتا ہے تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ یہ اہل صفہ سے منسوب ہیں لہذا اس لئے ان کو صوفی کہا جاتا ہے، چوتھے گروہ کی رائے ہے کہ یہ صفا سے مشتق ہے لیکن پیر علی ہجویری نے ان تمام اقوال کو غلط ٹھراتے ہوئے لکھا ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک صاف ہو، کیونکہ تصوف بابِ اَفْعَل سے ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں، پھر آپ نے اہل تصوف کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) صوفی وہ ہے جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی طبیعت کے تصرف سے آزاد ہو کر حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(۲) متصوف وہ ہے جو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ سے صوفی کے مقام کو حاصل کرتا ہے، اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے۔

(۳) مستصوف وہ ہے جو محض مال و دولت اور عزت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مشل صوفی کے بنا لیتا ہے۔

لہذا صوفی صاحبِ وصول یعنی وصل حاصل کرنے والا متصوف صاحبِ اصول یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا، اور مستصوف صاحبِ فضول

ہوتا ہے یعنی جو حصہ فضول کا مالک ہے وہ تمام چیزوں سے محروم ہے۔
 پھر پیر، تجویری نے حضرت جنید کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف
 کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے۔ یعنی
 تصوف میں سخاوت، حضرت ابراہیم کی ہو، رضا حضرت اسماعیل کی ہو، صبر حضرت
 یوسف کا ہو، اشارات حضرت زکریا کے ہوں، غربت حضرت یحییٰ کی ہو، سیاحت
 حضرت عیسیٰ کی ہو، لباس حضرت موسیٰ کا ہو اور فقر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کا۔

لباس صوفیہ کشف المحجوب کے چوتھے باب میں آپ نے اہل تصوف
 کے لباس سے بحث کی ہے، جس میں آپ نے بتایا
 ہے کہ صوفی سنت رسول کی پیروی میں کمبل یا گدڑی پہنتا ہے جو اس کے
 فقر و ریاضت کی علامت ہے، پھر آپ نے گدڑی پہننے کی بہت سی شرطیں
 مقرر فرمائی ہیں۔

درویشی اور تزکیہ نفس کشف المحجوب کے پانچویں باب میں آپ نے
 درویشی اور تزکیہ نفس کے اختلاف کے
 بارے میں بحث کی ہے، اور علمائے تصوف میں جو درویشی اور تزکیہ نفس
 کی افضلیت میں اختلاف ہے اس کو واضح کیا ہے۔

ملامت اس کتاب کے چھٹے باب میں پیر، تجویری نے ملامت پر
 بحث کی ہے، آپ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں
 کی غذا کہا ہے، پھر آپ نے بتایا ہے کہ ملامت تین درجہ کی بنا پر ہوتی ہے۔
 (۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات اور عبادات میں بالکل درست
 ہو، پھر لوگ اس کو ملامت کرتے ہوں۔ لیکن وہ ان کی مطلق پروا نہ کرتا ہو۔
 (۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب
 مشغول ہو، اور خلق خدا کی ملامت روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل

نہ ہونے پائے۔

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو، اور اُس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا، محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، پیر ہجویری نے اس قسم کو واضح ضلالت قرار دیا ہے۔

پیر ہجویری نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لئے ایک تروتازہ باغ، دوستوں کے لئے مایہ تفریح اور مشتاقوں کے لئے راحت اور مریدوں کا سرور ہے۔

اس کے بعد کشف المحجوب کے سات ابواب میں صحابہ کرام میں آئمہ تصوف اہل بیت اطہار، اہل صفہ، تابعین، تبع تابعین میں آئمہ صوفیاء کا تذکرہ کیا ہے۔

چودھویں باب میں صوفیوں کے فرقوں کے مختلف عقائد پر آپ نے نہایت محققانہ بحث کی ہے، اس کے بعد آپ نے راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح و توضیح فرمائی ہے۔

اس کے بعد پیر ہجویری نے اس کے مختلف ابواب میں سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے۔

کتاب کے ختم پر سماع پر بحث فرمائی ہے، پیر ہجویری کے نزدیک سماع مباح ہے مگر چند شرطوں کے ساتھ، پھر ان شرطوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

وفات تاریخ اور تذکروں میں عموماً حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی کا سنہ وفات ۷۶۵ھ مذکور ہے، اور یہی تاریخ وفات لاہور میں آپ کے مقبرے پر بھی درج ہے، دارالاشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں آپ کا سنہ وفات ۷۵۶ھ اور ایک دوسرے قول کے مطابق ۷۶۴ھ

لکھا ہے، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اور سامی بیگ نے قاموس الاعلام میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ تحریر کیا ہے، مفتی غلام سرور لاہوری اپنی کتاب خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ نفحات الانس اور اخبار الاصفیاء آپ کا سنہ وفات ۴۶۵ھ معتبر بتاتے ہیں، اور اسی سنہ کو آنکھوں نے منظرِ مسمیٰ کیا ہے، درآرخالیکہ نفحات کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں آپ کی تاریخ وفات کا کوئی ذکر نہیں، نفحات کا ایک بہت قدیم قلمی نسخہ جو حضرت جامی کے بالکل قوی عہد میں لکھا گیا ہے، اور ڈاکٹر محمد شفیع صاحب کی لائبریری میں لاہور میں موجود ہے اس میں بھی آپ کے سنہ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں، ثمرات القدس جو میرزا علی بیگ علی ولد شاہ قلی سلطان بدخشی کی تصنیف ہے، جس کا نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے، اس میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ منقول ہے، علی عہد اکبری کا مورخ ہے۔

اس کے بعد کے لکھنے والوں میں ہدایت حسین نے آرٹیکل داتا گنج بخش میں دائرۃ المعارف اسلامی کی جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ پر اور ریونے محظوظات فارسی کی فہرست کے صفحہ ۱-۳۳۳ پر، رحمان علی نے تذکرۃ علماء ہند کے صفحہ ۵۹ پر اور ملک الشعراء بہار مرحوم نے سبک شناسی کے صفحہ ۲-۱۸۷ پر، اور مولانا عبد الماجد دریابادی نے تصوف اسلام کے صفحہ ۵۳ پر اور اسماعیل پاشا بغدادی نے اسماء المصنفین جلد ۱ صفحہ ۹۱۶ پر اور سید صباح الدین نے بزم صوفیہ کے صفحہ ۸ پر، اور شیخ محمد اکرام نے آب کوثر کے صفحہ ۸۶ پر آپ کا سنہ وفات (۴۶۵ھ) لکھا ہے، ان کے علاوہ صاحب مائثر الکلام و حدائق الحنفیہ و نزہۃ الخواطر نے بھی حضرت شیخ بحیری کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ لکھی ہے۔

صرف ڈاکٹر غنی نے تصوف اسلام کے صفحہ ۵ پر آپ کا سنہ وفات (۴۷۰ھ) کے قریب لکھا ہے، اور نکلسن نے کشف المحجوب کے انگریزی ترجمے

کے دریاچے میں قیاساً ۲۶۵ و ۲۶۹ھ لکھا ہے۔

یہ وہ سنہ وفات ہیں جو حضرت ہجویری کے مختلف کتابوں میں ملتے ہیں لیکن ان حالات و اختلافات میں بہتر یہ ہوگا کہ ہم کشف المحجوب کے ذریعہ ہی سے آپ کے سنہ وفات کو متعین کرنے کی کوشش کریں۔

کشف المحجوب حضرت شیخ ہجویری نے کس زمانے میں لکھنی شروع کی اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ حضرت شیخ ہجویری نے وضاحت سے شیخ ابوسعید ابوالخیر کو مرحوم سمجھ کر کشف المحجوب کے لکھتے وقت دعائے خیر کی ہے، اور مورخین کے قول کے مطابق شیخ ابوسعید ابوالخیر نے ۴ شعبان ۵۲۲ھ میں وفات پائی، اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کشف المحجوب کے لکھنے کا زمانہ یقیناً ۵۲۲ھ کے بعد ہے اور چونکہ کشف المحجوب لاہور میں لکھی گئی ہے اس بنا پر ہم کہہ سکتے کہ شیخ ہجویری ۵۲۲ھ کے بعد لاہور میں تھے۔

کشف المحجوب میں جن دوسرے بزرگوں کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، اور جو اس زمانے میں حیات تھے، ان میں ابوالقاسم گرگانی بن علی بن عبداللہ گرگانی ہیں، ان کے متعلق کشف المحجوب میں ہے:-

”شیخ ابوالقاسم گرگانی کہ امروز قطب و مدار علیہ ویت

ابقاء اللہ تعالیٰ“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشف المحجوب کے اس باب کے لکھتے وقت شیخ ابوالقاسم گرگانی حیات تھے، گرگانی نے ۵۲۵ھ میں وفات پائی ہے۔ اس کی بنا پر ہم یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ حضرت شیخ ہجویری ۵۲۵ھ میں لاہور میں تھے، اور کشف المحجوب کی تصنیف کا سلسلہ جاری تھا۔ ابوالفضل بن محمد بن حسن خلی جو آپ کے مرشد اور استاد بھی تھے،

اور جن کا تذکرہ ہم گذشتہ اوراق میں کر آئے ہیں، انھوں نے موضع بیت الجن میں آپ ہی کے زانو پر وفات پائی، علامہ ذہبی نے خلی کا سنہ وفات ۶۶۰ھ لکھا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۴۶ھ میں حضرت شیخ ہجویری بیت الجن دمشق میں تھے، اور اس کے بعد لاہور واپس تشریف لائے۔
کشف المحجوب میں آپ نے اپنے استاد امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ قشیری نیشاپوری شافعی (۳۷۶-۴۶۵ھ) کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کا تذکرہ کیا ہے، اور آپ نے ان کے ارشادات گرامی کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے: "از استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ شنیدم" (ص ۳۰-۲۰۵ طبع سمرقند) اور قشیری کا سن وفات و قیات الاعیان ابن خلکان ج ۲- ص ۳۷۵ کے مطابق ۴۶۵ھ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ ہجویری ۴۶ھ میں لاہور میں تھے اور کشف المحجوب اس وقت تک مکمل نہ ہوئی تھی۔

ابوالحسن سالبہ بن ابراہیم جو شیراز کے جلیل القدر مشائخ میں تھے کشف المحجوب میں حضرت ہجویری نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے: "شیخ الشیوخ ابو الفتح سالبہ مریدہ را خلفہ نیکو و امیدوار است" اس عبارت میں باپ بیٹے کے تذکرے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جب کہ کشف المحجوب کا یہ حصہ لکھا جا رہا تھا، شیخ ابو الفتح کے والد وفات پا چکے تھے۔ لیکن خود ابو الفتح حیات تھے، اور نفحات الانس ص ۲۵۹ اور المنتظم میں ابن جوزی کی تحریر کے مطابق ابوالحسن سالبہ نے ۴۷۳ھ میں وفات پائی، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کشف المحجوب ۴۷۳ھ کے بعد ختم ہوئی اور شیخ ہجویری اس کے بعد بھی حیات تھے۔

کشف المحجوب میں شیخ ہجویری نے ایک اور بزرگ ابو علی فضل بن محمد

فارہدی کا ذکر بقاہ اللہ کے دعائیہ جملے کے ساتھ فرمایا ہے (ص ۲۱۱ مطبوعہ سمرقند) اور فارہدی کی وفات ۱۲۷۷ھ میں ہوئی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ہجویری ۱۲۷۷ھ کے بعد بھی حیات تھے۔

کشف المحجوب میں ہرات کے مشہور بزرگ خواجہ عبداللہ انصاری کا بھی ذکر آیا ہے، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ پیر انصاری کی وفات ۱۲۸۱ھ میں ہوئی، ڈاکٹر محمد شفیع لاہوری کی لائبریری میں کشف المحجوب کا ایک قلمی نسخہ محرزہ ۱۲۶۵ھ موجود ہے، اس نسخے سے قدیم تر کوئی نسخہ ابھی تک نہیں ملا اس نسخہ کے صفحہ ۱۷ پر یہ عبارت درج ہے: پیرگفت یعنی خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ لاہور کے مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۱۹۳ اور سمرقند کے مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۳ پر بھی عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ درج ہے، اور نسخہ مطبوعہ لینن گراڈ کے صفحہ ۲۸ پر متن میں پیرگفت (رض) درج ہے، چونکہ لفظ رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ کے کلمات خصوصیت سے متوفی لوگوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اس لئے قیاس چاہتا ہے کہ اس زمانے میں جب کہ کشف المحجوب کی تصنیف ابتدائی مرحلے میں تھی پیر انصاری وفات پا چکے تھے، اور اسی زمانے میں حضرت ہجویری لاہور میں بقیہ حیات موجود تھے۔ اور کشف المحجوب کا ابتدائی حصہ لکھ رہے تھے، اس سے یہ رائے بھی قائم کی جاسکتی ہے کہ کشف المحجوب کی تالیف کے مکمل ہونے کا زمانہ (۱۲۸۱ھ سے ۵۰۰ھ) تک ہے اور اس زمانے میں حضرت ہجویری بھی لاہور میں ہوں گے۔ ایک اور شخصیت جن کا تذکرہ ہمیں کشف المحجوب میں ملتا ہے وہ شیخ قسورہ بن محمد گردیزی ہیں، کشف المحجوب میں ہے کہ۔

”شیخ اوحہ قسورہ بن محمد الجردیزی باہل طریق شفقۃ تمام دارد“

وہر یکے را نزدیک و سچہ متہ ہست و مشکل نخ را دیدہ است۔

شیخ قسورہ کا اصل نام ان کے خاندان کے افراد کے بیان کے مطابق جو ملتان

میں رہتے ہیں، شاہ علی قسور تھا، اور وہ شاہ یوسف گردیزی کے دادا تھے۔
 شیخ قسورہ کا مزار کابل کے جنوب صوبہ پختیا میں بمقام گردیز مشہور معروف ہے۔
 شیخ قسورہ کے متعلق بعض قوی قراین کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ
 انھوں نے ۱۰۵۵ھ کے آغاز میں وفات پائی ہے، اس سے یہ رائے قائم ہوتی
 ہے کہ کشف المحجوب کے مکمل ہونے کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا آخر ہوگا۔
 ان تمام تفصیلات و مباحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شیخ علی ہجویری نے
 ۱۰۸۱ھ اور ۱۰۸۵ھ کے درمیان کسی سال میں وفات پائی ہوگی۔

رہا یہ امر کہ ۱۰۶۵ھ آپ کی تاریخ وفات آپ کے مقبرے پر درج ہے تو
 اس کے متعلق یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس تحریر کو دیکھنے کے بعد معلوم
 ہوتا ہے کہ اس میں وہ پرانا پن اور قدامت نہیں ہے جو تاریخ وفات کی قدرت
 کے اعتبار سے ہونا چاہیے، اس کے علاوہ مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الصغیا
 نے لکھا ہے کہ ۱۰۷۵ھ میں حاجی نور محمد فقیر نے حضرت شیخ ہجویری کی قبر پر گنبد
 تعمیر کرایا تھا، اور ساتھ ہی پرانی مسجد کی بھی تعمیر کی تھی، اس بناء پر
 قیاس چاہتا ہے کہ موجودہ کتبہ بھی اسی زمانے میں یا اس سے پہلے لگایا
 گیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حضرت ہجویری کی جلالت شان اور عظمت و بلندی
 فضائل و مناقب مرتبہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خواجہ بزرگ
 خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے آپ کے مزار مبارک پر چلہ کھینچا، اور جب

۱۰۷۵ھ تاریخ وفات کے متعلق یہ تمام مواد عبدالحی حبیبی صاحب کے مضمون تاریخ وفات
 داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی شائع شدہ اونیورسٹی کالج میگزین لاہور سے ماخوذ ہے۔
 ۱۰۷۵ھ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ بستان میں پیدا ہوئے، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد
 قصبہ ہرودن میں حضرت شیخ عثمان ہرودنی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت

چلہ پورا کرنے کے بعد رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا ۵
 گنج بخش ہر دو عالم منظر نورِ خدا
 کمالاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما
 گنج بخش کے نام سے آپ کی شہرت کا سبب ہی شعر ہے، عوام آپ کو
 داتا گنج بخش بھی کہتے ہیں۔
 حضرت بابا فرید گنج شکر نے بھی آپ کے مزار پر چلہ کھینچا تھا، داراشکوہ جو آپ کے
 مزار پر حاضر ہوا تھا، اپنی مشہور کتاب سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے۔
 ”حلقۃ ابنوہ برشب جمعہ بزیارت آل روضۃ منورہ مشرف می گردند
 نہ مشہور است کہ ہر کہ چل شب جمعہ یا چل روز پیم طواف روضۃ شریف
 ایشاں بکند ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد۔“
 فقیر نیز زیارت روضۃ منورہ ایشاں و والدین و خال ایشاں مشرق گشتہ ۱۵

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

حاصل کیا۔ اور اپنے پیر و مرشد کے ساتھ دس سال سیاحت کی، مرشد ہی کے ساتھ مدینہ منورہ
 اور مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ مدینہ منورہ ہی میں بارگاہ رسالت سے آپ کو ہندوستان جانے
 کی بشارت ملی، آپ لاہور اور ملتان ہوتے ہوئے۔ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو اجیر تہیجے، اُس وقت
 اجیر اور دہلی کا حکمران رائے پتھور تھا، اُس نے آپ کے قیام میں بڑی بڑی مزاحمتیں کی۔
 لیکن آپ اجیر میں مقیم ہو کر رُشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، آخر آپ کی تعلیم سے
 رائے پتھور کے حاکمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے یہاں تک کہ ہندوستان آپ کے
 فیوض و برکات سے منور ہو گیا۔ ۶ رجب ۵۶۲ھ میں آپ نے رحلت فرمائی، اجیر
 شریف میں آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۱۵ بزم صوفیہ ص ۸ (ماخوذ از بزم صوفیہ تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی)

۱۵ سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۳۔

(۴)

سید امام علی لائق سیالکوٹی

حالات آپ کا اسم گرامی امام علی اور خطاب لائق تھا، یہ حضرت بابا فرید گنج شکر کے جلیل قدر خلفاء میں تھے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ چشتیہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور بہت سی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حضرت بابا فرید نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ وہ سیالکوٹ میں ارشاد ہدایت کی شمع روشن کریں اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق آپ سیالکوٹ میں تشریف لائے، اور وہیں مسند ارشاد کو زینت بخشی اور ہدایت خلق میں مصروف ہو گئے۔ ہزاروں طالبانِ حق آپ کے روحانی فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔

معارج الولاہیت میں ہے کہ جب سید امام علی حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت دو اور بزرگ اسی نام کے آپ کی خدمت میں موجود تھے ان میں سے ایک شیخ علی بہاری اور دوسرے حضرت

شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری تھے، جس وقت یہ پہنچے تو حضرت بابا فرید
 گنج شکر نے اُن کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ علی بھی ان دو علی کے ساتھ لاحق ہو، اور
 اُنھیں کے ساتھ ذکر و شغل میں یک جا مشغول ہو، اس ارشاد کے بعد آپ
 اسی وقت سے لاحق کے خطاب سے مشہور ہو گئے۔

وفات سید امام علی لاحق نے ۶۸۶ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار
 مبارک سیالکوٹ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔
 صاحب خزانۃ الاصفیاء نے اس شعر میں آپ کی تاریخ وفات
 نکالی ہے۔۔۔

”علی شاہِ کریم“ آمد وصالش

۶۸۶ھ

دگر فرمال ”علی“ سردارِ عالی

۶۸۶ھ



(۵)

سید اسحاق گازیرونی لاہوری

مشہور بہ میراں شاہ

حالات سید اسحاق گازیرونی لاہوری اپنے وقت کے عظیم المرتبت شیوخ میں تھے، اُن کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اُنھوں نے شیخ اوحدا الدین کے دستِ حق پرست بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، ابتداءً گازیرونی میں رہتے تھے۔

لے شیخ اوحدا الدین کرمانی، شیخ رکن الدین سجاسی کے مرید و خلیفہ تھے، اُن کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔ شیخ اوحدا الدین، شیخ رکن الدین سجاسی، شیخ قطب الدین بھری، شیخ ابوالنجیب بہروردی، شیخ اوحدا الدین کرمانی کچھ دن شیخ نجی الدین ابن عربی کی صحبت میں بھی رہے تھے، چنانچہ شیخ ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں اُن سے ایک حکایت بھی نقل کی ہے۔ شیخ اوحدا الدین نے ۶۳۵ھ میں وفات پائی۔ فتوحات مکیہ کے آٹھویں باب میں ہے کہ شیخ اوحدا الدین کرمانی نے بیان کیا کہ میں جوانی میں اپنے شیخ کی خدمت کرتا تھا، ایک دفعہ میں اپنے شیخ کے ساتھ سفر میں تھا اندوہ غماری میں بیٹھے ہوئے تھے، اندر پیٹھ کے درمیان

لاہور میں تشریف آوری پھر اشارہ غیبی کی بناء پر لاہور تشریف لائے۔

رشد و ہدایت ایک طویل زمانے تک لاہور میں رشد و ہدایت میں مصروف رہے، لاہور میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لاہور کے جلیل القدر علماء اور سادات اُن کے حلقہ ارادت میں شامل

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۷)

بتلا تھے، جب ہم اس مقام پر پہنچے جہاں دواخانہ تھا تو میں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے لئے دواخانے سے دوالاؤں تاکہ آپ کی یہ تکلیف دور ہو، شیخ نے میرے چہرے سے پریشانی کے آثار دیکھ کر باکراہ مجھے اجازت دی، میں دواخانے گیا، میں نے دیکھا کہ خیمے میں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ملازم اُس کے سامنے شمع روشن کئے ہوئے ہیں، اور بھڑلگی ہوئی ہے، میں نہ اُس شخص کو جانتا تھا نہ وہ مجھے پہچانتا تھا، جب اُس نے اپنے ملازموں میں مجھے دیکھا، وہ اٹھا اور میرے پاس آیا، اور نہایت مہربانی سے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم کس غرض سے آئے ہو، میں نے اپنے شیخ کی کیفیت بیان کی، اُس نے فوراً ہی مجھے دوا دی، جب میں رخصت ہونے لگا تو وہ شخص بھی مجھے چھوٹنے کے لئے آیا، اور اُس کے خادم ہاتھ میں شمع لئے ہوئے آئے آگے چل رہے تھے، میں ڈرا کہ اگر وہ اور تھوڑی دوا میری ساتھ چلا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ شیخ اس کو دیکھ لیں، اور اس سخت تکلیف میں اٹھ کر عمارت سے باہر آئیں، میں نے اُسے قسم دے کر کہا کہ تم واپس لوٹ جاؤ چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا، میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوا پیش کی اور اس شخص کے اکرام و احترام کا تمام واقعہ سنایا، شیخ نے ہنس کر فرمایا کہ بیٹے جب میں نے تمہاری پریشانی کو دیکھا تو مجبور ہو کر تمہیں دوالانے کی اجازت دے دی، جب تم دواخانے میں پہنچے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ شخص (جو اس دوا خانے کا طبیب ہے) اس موضع کا امیر ہے، وہ تم سے التفات سے پیش نہیں آئے گا، اور تمہیں خواہ مخواہ رنج ہوگا، چنانچہ میں خود اُس کی صورت میں وہاں پہنچا، اور اُس کی جگہ بیٹھا، جب تم آئے تو میں نے تمہارے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو تم نے دیکھا۔

تھے، اور ظاہری و باطنی امور میں اُن سے مدد چاہتے تھے، جو شخص بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہدایت سے سرفراز ہو کر جاتا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

شیخ اودالدین کرمانی عشق مجازی کی طرف بہت مائل تھے غالباً اُن کی یہ بات شیخ شہاب الدین ہرودی کو نا پسند تھی، چنانچہ اُنھوں نے آپ کو بتدع کہا۔

شیخ شہاب الدین کے ایک مرید نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی نے شیخ اودالدین کا ذکر کیا، شہاب الدین نے فرمایا کہ میرے سامنے اس کا ذکر نہ کرو کہ وہ مبتدع ہے، دوسرے دن میں پھر اپنے شیخ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے شیخ سے کہا کل جو آپ نے شیخ اودالدین کرمانی کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ مبتدع ہے یہ بات شیخ اودالدین کرمانی کو پہنچی، اُنھوں نے سُن کر یہ شعر پڑھا۔

ماساء فی ذکرک لی بمسۃ

بل سرتیانی خطرت ببالک

(ترجمہ) مجھے ملنی سے آپ کا یاد کرنا ناگوار نہیں گزرا

بلکہ میں خوش ہوں کہ میرا خیال تو آپ کے دل میں آیا

شیخ شہاب الدین نے یہ سُن کر اُن کی بلندی اخلاق کی تعریف کی۔

مولانا جامی نے لکھا ہے کہ شاید شیخ شہاب الدین کا ان کو مبتدع کہنا اس وجہ سے ہو کہ وہ عشق مجازی میں شغف رکھتے تھے، اور جمال مطلق کو صورت مقیدات میں مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے اس عشق مجازی کے شغف کو دیکھ کر جب مولانا شمس الدین تبریزی بغداد میں آئے تو شیخ اودالدین سے ملے اور پوچھا کیا کر رہے ہو، اُنھوں نے اپنے عشق مجازی کی طرف ایک طبع اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ماہِ راند طشتِ آبِ می نیم، (چاند کو پانی کے طشت میں دیکھ رہا ہوں)، مولانا شمس الدین نے بھی اسی قدر طبع جواب دیتے ہوئے فرمایا اگر برقعائے ذہل نداری چہ ابر آسمان نمی بینی (اگر تم گدھی پر ذہل نہیں رکھتے تو تم اس کو آسمان پر کیوں نہیں دیکھتے)۔

شیخ اودالدین کو سماع سے غیر معمولی شغف تھا، اور بلند پایہ شاعر تھے، ان کی ایک

سید اسحاق گارزونی کے آئینہ اخلاق میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں
 حِلْم نظر آتی ہے وہ ان کا غیر معمولی حلم ہے، تحفۃ الواعظین میں ہے کہ لاہور
 کا ایک متمول شخص آپ کی خدمت میں آیا، لیکن شیخ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔
 وہ نہایت برہم ہو کر آپ کو گالیاں دینے لگا، لیکن آپ خاموش رہے، یہاں
 تک کہ چہرے پر کسی قسم کی خفگی کا اثر ظاہر نہیں ہوا، جب وہ شخص بہت دیر تک
 آپ کو برا بھلا کہتا رہا تو حاضرین مجلس میں سے کسی شخص نے آپ سے کہا کہ یہ
 بدتمیز اتنی دیر سے آپ کی شان میں گستاخیاں کر رہا ہے، آپ اس کے لئے
 بددعا فرمائیے تاکہ یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے،
 اور کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دعا فرماتے رہے، ابھی آپ دعا ختم نہ کر پائے تھے
 کہ وہ بے ادب زمین پر بے ہوش ہو کر گرا، اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد
 جیسے ہی ہوش میں آیا اٹھ کر شیخ کے قدموں میں گرا، معافی چاہی، اور شیخ
 کا مُرید ہو گیا۔ پھر آپ نے حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ میں نے
 اس شخص کے حق میں دعائے خیر کی تھی، خدائے تعالیٰ نے اس کو نیک توفیق
 بخشی اور اس پر اسرارِ باطن عیاں ہو گئے، یہ بہتر ہے یا وہ بہتر تھا کہ میں

ربقیہ ف: نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷۱

رباعی ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

جز نیستی تو نیست، مستی بخداست

اے ہوشیار! خوش مستی بخداست

گدازاں کہتے بحق پرستی روزے،

حقا کہ رسی زبت پرستی بخداست

خزینۃ الاسفیاد میں ہے کہ شیخ ابو عبد اللہ نے ۶۲۰ھ میں وفات پائی۔

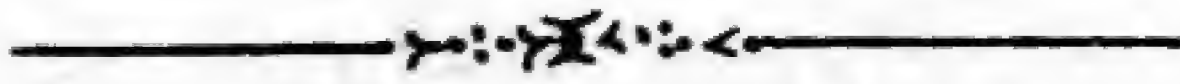
(یہ تمام تفصیل نفحات الانس مطبوعہ نول کشور میں ۵۳۲ تا ۵۳۵ھ سے ماخوذ ہے۔)

اس کے لئے بد دعا کرتا اور یہ اپنی سزا کو پہنچتا۔

وفات سید اسحاق نے ۸۷۷ھ میں وصال فرمایا، آپ کا سنہ وفات بسم اللہ الرحیم سے نکلتا ہے۔

مدفن وفات کے بعد آپ لاہور میں دہلی دروازے کے متصل دفن ہوئے۔

تعمیر مسجد عہد شاہ جہانی میں ۱۰۳۷ھ میں نواب وزیر خاں حاکم لاہور نے اس جگہ ایک عالی شان مسجد تعمیر کروائی اور آپ کے مزار کو صحن مسجد میں لے لیا۔



۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۹۲ تا ۲۹۳ سے ماخوذ ہے۔

(۶)

سید اسماعیل گیلانی

حالات سید اسماعیل گیلانی، سید عبداللہ ربانی کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت آج میں ہوئی، اپنے والد سید عبداللہ سے تعلیم اور روحانی تربیت حاصل کی، اور سلسلہ قادریہ میں خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔

سید عبداللہ ربانی سید محمد غوث گیلانی جلی کے صاحبزادے تھے، علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر فروع و اصول پر حاوی، صاحب علم و عمل اور اہل توکل بزرگ تھے، سلوک و معرفت کے اعلیٰ منازل پر فائز تھے، دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز، اور مشائخ میں صاحب احترام اور ممتاز سمجھے جاتے تھے، آج میں سکونت رکھتے تھے، بہت سے طالبان حق آپ کے وسیلے سے عرفان و سلوک کے بلند مقامات پر فائز ہوئے، سید عبداللہ ربانی نے عہد اکبری میں مشنہ میں وفات پائی، آپ کا مزار پیر الہ وار آج میں زیارت گاہِ خلافت ہے۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۲۶-۱۲۷)

شہنشاہ اکبر کی عقیدت چند دن ہی میں آپ کی بزرگی اور کشف و کرامات کی شہرت شہنشاہ اکبر تک پہنچی، وہ آپ کے اوصاف و محامد کو سن کر اس درجہ معتقد ہوا کہ آپ کو لاہور بلوایا، اور نہایت عقیدت سے ایک ہزار سیگھ زمین آپ کو علائقہ فیروز پور میں نذر گزرائی۔ اس کے بعد سید اسماعیل گیلانی نے لاہور کے محلہ لکھی لاہور میں قیام میں سکونت اختیار فرمائی، یہ محلہ سکھوں کے عہد حکومت میں ویران ہو گیا، اُس وقت محلہ لکھی میں زیادہ تر تجارت پیشہ افراد آباد تھے جن تجارتی تعلقات دوسرے ممالک سے تھے، وہ سید اسماعیل کے تقویٰ و تقدس علم و فضل سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔

۱۰ جلال الدین اکبر اپنے والد ہمایوں کی جلاوطنی کے زمانے میں ۱۲ ربیع الاول ۹۴۹ھ میں جب کہ ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر سندھ میں مقیم تھا حمیدہ بانو کے بطن سے عمر کوٹ ضلع تھر پارہ (سندھ) میں پیدا ہوا۔ ۹۶۳ھ میں جب ہمایوں نے وفات پائی تو اکبر کی تاج پوشی کلاں نور ضلع گورداسپور میں ہوئی، اُس وقت اکبر کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ کم عمری کی وجہ سے بیرم خاں اس کا اتالیق اور وکیل سلطنت مقرر ہوا۔ جب اکبر سن شعور کو پہنچا تو اُس نے زمام سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیا، ۱۵ سال کی حکومت کے بعد اکبر نے جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ میں وفات پائی اور آگرے کے قریب سکندر آباد میں مدفون ہوا۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۷۴ تا ۸۰)

۱۱ لکھی محلہ باغ رتن چند کے پائین میں تھا، آج کل رتن چند کے باغ میں میوہ پتال کا آؤٹ ڈور دیپارٹمنٹ بن گیا ہے، یہ پاکستان ٹائمرز کے دفتر کے متصل ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں خوبے اور پراچے جوہری رہا کرتے تھے۔
(تاریخ لاہور عبد اللطیف)

سید اسماعیلؒ کے استغنا کی یہ کیفیت تھی کہ بادشاہ و امرا آپ کی بارگاہ استغنا میں حاضری کو اپنی سعادۂ سمجھتے تھے، لیکن ان کے قلب میں غیر حق کے لئے مطلق گنجائش نہ تھی۔

وفات شجرۃ الانوار میں ہے کہ سید اسماعیل گیلانی نے ۷۷۱ھ میں وفات پائی، اور محلہ لکھی میں میران شاہ موج دریا بخاری کے مقبرے کے متصل حضرت بی بی کلاں زوجہ موج دریا بخاری کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

اولاد سید اسماعیل گیلانی کے تین صاحبزادے تھے، جن کے نام یہ ہیں سید حاجی بہاؤ الدین، سید بدر الدین، سید قطب الدینؒ۔

(۷)

شیخ ابواسحاق قادری لاہوری

حالات شیخ ابواسحاق بن شاہ حسین قادری لاہوری ہندوستان کے عظیم المرتبت صوفیائے کرام میں ہیں، صاحبِ خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور نے شیخ ابواسحاق کے محامد محاسن کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

• شیخ ابواسحاق قادری لاہوری از اعظم خلفائے شیخ داؤد کرانی چونی وال ست، جامع بود میان علوم ظاہر و باطن و زہد و ورع و تقویٰ و سخاوت و ریاضت و مجاہدات صیام و وام و قیام بدام داشت، و خوارق و کرامت بے اختیار از او سر بر میزد۔

بیعت و خلافت شیخ ابواسحاق نے شیخ داؤد بن فتح اللہ چونی وال کے دستِ حق پرست بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، اور ایک طویل عرصے تک وہ اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔

لاہور میں تشریف آوری۔ شاہ ابواسحاق اور شاہ ابوالمعالی میں

بہت مخلصانہ مراسم و تعلقات تھے، اور دونوں میں بے حد محبت اور خلوص تھا، یہاں تک کہ عبادتوں اور ریاضتوں میں بھی دونوں برابر شریک رہتے تھے۔

جب شاہ ابوالموالیٰ اپنے شیخ کے ارشاد کی بنا پر لاہور تشریف لے گئے تو شاہ ابواسحاق اپنے دوست کے بغیر تنہائی سی محسوس کرنے لگے، آخر انھوں نے بھی اپنے شیخ سے لاہور جانے کی اجازت چاہی، شیخ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد وہ لاہور تشریف لائے اور محلہ پیر عزیز (نیزنگ) میں سکونت اختیار کی، اور وہیں ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے، بہت سے طالبانِ حق نے آپ سے ہدایت حاصل کی۔

شیخ کا ادب نزہۃ الخواطر میں ہے کہ شیخ ابواسحاق بہت بڑے عالم اور تفسیر قرآن کریم کے ماہر تھے، تفسیر قرآن کریم میں ان کو اس قدر تبحر تھا کہ اس فن کے لوگ ان کی طرف مشکل سائل میں رجوع کرتے تھے، وہ فقر و قناعت کے انتہائی مقام پر تھے، انھوں نے باوجود اس کے کہ صاحبِ خلافت و مجاز تھے احتراماً اپنے شیخ کی زندگی میں کسی سے بیعت نہیں لی۔

وفات شیخ ابواسحاق نے لاہور میں ۵ محرم الحرام ۹۸۵ھ کو وصال فرمایا، اور اسی جگہ مدفون ہوئے جہاں ان کا قیام تھا۔

۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۳۲ و ۱۳۳ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ نزہۃ الخواطر جلد رابع ص ۷ و ۸

۳۔ نزہۃ الخواطر میں بحوالہ اخبار الاصفیاء شیخ ابواسحاق کی وفات ۶ محرم ۹۸۴ھ

مذکور ہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۸)

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے آپ کا مادہ تاریخ وفات نکالا ہے۔

شدر دار الفناء چو درجنت
شیخ دیں شاہ پیر بو اسحاق
گفت "سرورہ بہ سالِ تاریخش
"شاہ عالی فقیر بو اسحاق"

۹۸۵ھ

آپ کے مزار پر مندرجہ ذیل قطعہ بھی موجود ہے۔

حضرت شیخ شاہ ابو اسحاق
بود چوں از خدا خدا طلبش
سوئے حق رفت از سر تحقیق
کہ ہمیں وعدہ بود از انش
جست تاریخ فوت او برہان
یافت "سلطان عارفان" نقبش

۶۱۵۷۷ھ = ۹۸۵ھ

(۸)

شاہ ابوالمعالی لاہوری

نام و نسب آپ کا اسم گرامی خیر الدین، ابوالمعالی نقب تھا، آپ شیخ داؤد کرمانی کے برادر زادے، داماد اور خلیفہ تھے اور بھیرہ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی سید رحمت اللہ، اور دادا کا نام نامی سید فتح اللہ تھا، شاہ ابوالمعالی کے بزرگوں کا اصل وطن کرمان تھا، اور سادات کرمان میں سے تھے، آپ کی ولادت باسعادت روزِ دو شنبہ ۱۰۱۰ ماہِ ذی الحجہ ۹۶۲ھ میں ہوئی۔

بیعت علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد شاہ ابوالمعالی نے اپنے چچا شیخ داؤد شیرگڑھی کے دستِ حق پر بسلاہ قادریہ میں بیعت کی، اور تقریباً تیس سال تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف رہے۔

روحانی سر بلندیوں اور خرقہ خلافت حاصل کرنے
لاہور میں ورود کے بعد آپ اپنے شیخ کی جانب سے لاہور میں

رشد و ہدایت پر مامور کئے گئے، چنانچہ جب آپ نے اپنے شیخ سے رخصت ہو کر لاہور روانہ ہوئے تو راستہ میں جہاں بھی آپ کا مقام ہوتا تھا، وہاں آپ کنواں، تالاب تعمیر کرتے اور باغ لگواتے تھے، شیر گڑھ سے لاہور تک متعدد مقامات پر آپ کے تعمیر کرائے ہوئے، مکانات موجود ہیں، جو شاہ ابوالمعالی کے جھوک کے نام سے مشہور ہیں۔

سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ کا بیان ہے کہ ایک دن میرے استاد اپنے استاد ملا نعمت اللہ کے ساتھ جو عالم باعمل تھے، شاہ ابوالمعالی کی زیارت کے لئے گئے، یہ دونوں آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ شاہ ابوالمعالی کے ایک مرید نے ایک تسبیح آپ کی خدمت میں تحفہ پیش کی، آپ نے یہ تحفہ قبول کر لیا، میرے استاد ملا نعمت اللہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر واقعی شاہ ابوالمعالی صاحب کشف و کرامات ہیں تو ان کا اس وقت قائل ہوں گا جب آپ مجھے یہ تسبیح بغیر میرے مانگے مجھے عنایت فرمائیں گے، جب میں چلنے لگا تو شاہ ابوالمعالی نے رخصت ہوتے وقت مجھے اپنے پاس بلایا، اور فرمایا کہ یہ تسبیح تم اپنی خواہش کے مطابق لے لو، اگر تم سے ممکن ہو تو سو مرتبہ روزانہ اس پر درود شریف پڑھنا، تاکہ مجھ کو، تم کو اور اس شخص کو جس نے یہ تسبیح دی ہے ثواب پہنچتا رہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عقیدت
 شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عقیدت
 ان سے بے حد عقیدت

رکھتے تھے۔ شیخ محدث نے ان کا تذکرہ جا بجا نہایت عقیدت سے کیا ہے، فتوح الغیب کی شرح جو حضرت شیخ عبدالحق محدث نے شاہ ابوالمعالی کے

اصرار پر لکھی تھی، اس کے خاتمہ پر حضرت شاہ ابوالمعالی کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے:-

اسد الدین شاہ ابوالمعالی کہ شیر بیشہ جلال و سرنگ دیوان
قدرت و ازوالہان آگاہ و عاشقان درگاہ قادریہ است
اخبار الاخیار میں بضمین شیخ داؤد شاہ ابوالمعالی کے مناقب و محاسن
بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اکتوں جانشین شیخ داؤد شیخ ابوالمعالی است کہ بغایت مناسبت
عالی و قدر متعالی دارد، و ریاضت مجاہدہ می کشد و قبول تمام یافتہ،
و حسن مقال و صمیمہ صحت حال ساخته مناقب حضرت غوث الثقلین
را در لباس عبارت فارسی در آورند

شیخ محدث آن کی روحانی سطوت کے اس درجہ معترف تھے کہ اپنے اندر فی
حالات کو ان سے بیان فرماتے، اور ان سے رہنمائی اور دعاؤں کی التجا کرتے،
حضرت شیخ محدث کے کئی خط حضرت شاہ ابوالمعالی کے نام ملتے ہیں، ایک
خط میں اپنے کرب و بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت شاہ ابوالمعالی سے
اس طرح امداد کی التجا کرتے ہیں:-

بالجملہ اندوہ و تنگ دلی از حد گزشتہ، وقت امداد و اعانت
است، فریاد رسی می باید کرد، و رائے آغا تہ کبریٰ کہ منتہی بجناب حضرت
غوث الاعظم است می باید پوشید، و ذرع داؤدی دبیر کرد، و در
قالب حقیقت عظمیٰ غوثیہ درآمد و تصرف کرد، و توجہ بار و اح مقدمہ
مشائخ سلسلہ نمودہ و استکشاف حال کرد و خبر گرفت و اعلام

نمود تا دل بمرکز قرار آید :-

دل می رود در دستم صاحب دلاں خدا را

در داکہ راز پہاں خواهد شد آشکارا^{۱۰}

خط کے خاتمے پر نہایت اندوہناک انداز میں یہ شعر لکھا :-

فریاد دے غم زدہ را اگر کہنی گوش

پس پیش کہ از دست تو فریاد تو اں کرد

ایک خط میں اُن کی صحبتِ کیمیا اثر کے متعلق اپنے تاثر کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا :-

” ذوق صحبتِ ایشاں و رنگِ حالِ ایشاں کہ در ظاہر و باطن

فقر نشسته است بتقریر بیان گنجائش ندارد^{۱۱}۔

ایک خط میں اپنے صاحبزادے شیخ نورالحق کو لکھا کہ کس طرح حضرت شاہ

ابوالمعالی اُن کی تصانیف کی تعریف فرما کر اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

اور اسی کے ساتھ حسب موقع جلالی شان کا بھی اظہار فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ شیخ محدث اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت شاہ

ابوالمعالی نے اُن کی تمام مشکلات کو حل کرنے کے بعد اُن سے ارشاد فرمایا :-

” اگر اظہارِ کردی و افشا نمودی تر از سوائے مرد و زن سازیم^{۱۲}۔

شیخ محدث کی روحانی تربیت کے لئے حضرت شاہ ابوالمعالی نے انہیں

۲۵۔ ۱۰۰۰ سے قبل دہلی میں کچھ عرصے کے لئے مقید کر دیا تھا، اُن کو حکم تھا کہ وہ

دہلی سے باہر قدم نہ نکالیں اور گوشہٴ عزلت میں رہ کر اپنے کام میں مصروف

رہیں ارشاد تھا کہ

اندز او یہ انزوایے بیرون نہ بند، و از درویش و توانگر و

خویش و بیگ نہ و مُردہ و زندہ هیچ کس را نہ بند۔

ایک دفعہ شیخ محدث اُن سے ملنے کے لئے لاہور چلے گئے، تو حضرت شاہ ابوالمعالی کو اُن کا یہ امر پسند نہ آیا اور فرمایا:۔

اکنوں بہ دہلی بروید کہ دہلی در فراق شما بزبان حال می نالد،

بروید بروید۔

ایک دفعہ شیخ محدث نے حضرت شاہ ابوالمعالی کی بیماری کی خبر سُن کر اُن کی عیادت کے لئے لاہور جانے کا ارادہ کیا، لیکن جب شاہ صاحب کی ممانعت کا خیال آیا تو رُک گئے، اور اُن کو ایک خط لکھا جس میں تحریر فرمایا:۔

قضیہ شوق و محبت و مقتضائے عرف و عادت آن بود کہ بشنیدن

این حال بیتابانہ بملازمت میرسید کہ امروز دوستے برائے خود کہ

خیر دنیا و آخرت خواہد، جز ذات شریف ایشان را نمی داند و جان

فدائے این محبت بلکہ ہر جا کہ نشان از محبت است باد اماں چوں ضار

ایشان بخلاف این حال متعلق شدہ است، حرّات نتوانست۔

شاہ ابوالمعالی کی صحت کی خبر ملنے پر شیخ محدث نے اُن کو ایک خط میں لکھا:۔

حق جل و علا سایہ عنایت و محبت ایشان را بر فقرائے این سلسلہ

پائندہ دارد کہ وسیلہ حل بے از مشکلات و سبب آسانی و شوری

ہست۔

شیخ محدث کو جو عقیدت و محبت حضرت شاہ ابوالمعالی سے تھی، اُس کا اندازہ

اس سے ہوتا ہے کہ جب وہ لاہور شاہ ابوالمعالی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو

وہاں سے واپس ہونے کو اُن کا جی نہ چاہتا تھا، شاہ صاحب سے اپنی والہانہ

عقیدت و محبت کے تاثر کو ایک جگہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

گر فتاری ما بہ این شہر لاہور کہ وطن گذاشتہ این جامی باشیم، سبب

اں ایں است کہ ایں جا کہ ہست کہ گرفتارِ اویم۔

شاہ ابوالمعالی بھی حضرت شیخ محدث دہلی کا خاص خیال فرماتے تھے اور انھیں علمی اور روحانی معاملات میں مشورے دیتے تھے شیخ کی تصنیفی زندگی بہت کچھ اُن کے مشوروں کی رہین منت ہے، مشکوٰۃ کی شرح کی تالیف کی طرف ان کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ جلد اس کو پورا کرو، پھر اسی خط میں لکھا کہ :-

انشاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ از اں مستفید شوند
دورانِ تالیف میں انھیں مشورہ دیتے ہوئے لکھا کہ شرح میں جا بجا اشعار درج کئے جائیں تاکہ طرزِ بیان دلچسپ اور اثر انگیز ہو۔
فرمودند در ترجمہ گاہے بمقرب بعضے از کلمات قوم نیز در آورده باشید، چنانچہ ملاحظہ فرمائیں در تفسیر خود می کند و فرمودند
یہاں بیتے مناسب مقام ہم می نوشته باشند

حضرت شاہ ابوالمعالی،
حضرت غوث پاک سے عقیدت حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سید عقیدت و محبت رکھتے۔ اور روحانی طور پر شاہ ابوالمعالی نے طریقہ اولیٰ میں آپ سے فیض حاصل کیا تھا۔

شاہ ابوالمعالی کی تصانیف میں تحفۃ القادریہ جس میں آپ تصانیف نے حضرت غوث پاک کے مناقب و کرامات کو جمع کیا ہے اور اس کے علاوہ کتاب علیہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعمات داؤدی مونس جان، زعفران زار، گلستانہ باغ ارم خاص طور پر مشہور ہیں شعر بھی کہتے تھے، شاعری میں آپ کا تخلص غربتی تھا۔

نمونہ کلام شاعری میں شاہ ابوالمعالی بلند مرتبہ رکھتے تھے، ہم
تبرکاً آپ کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں جن سے
آپ کی رفعت فکر، شاعرانہ بلندی، ندرت بیان اور اپنے شیخ سے غیر معمولی
عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

ہستم از جام محبت ہمہ دم والہ و مست
این و آن را چہ شناسم من داؤد پرست

دل افسردہ کے یا بند گفقت ہر کسے گرمی
دل داؤد می باید کہ آہن را دہد نرمی

تحت فقر بنشینم چو حاصل گشت مقصودم
سلیمانی کنم کز جاں غلام شاد داؤد دم

یارب نظری ز عین مقصودم بخش
آزادگی ز بود و نابودم بخش
ہر چند نیم در خور این دولت خاص
یک ذرہ ز عشق شیخ داؤد دم بخش

اقوال فرمایا کرتے تھے یا ابا المعالی، کن عبد الرب المتعالی ولا
تکن عبد الدار اہم واللا کی (ابو المعالی اپنے رب بزرگ
نہ تر کا بندہ بن، اور مال و زرہ کا بندہ نہ ہو۔)

۱۔ نزہۃ الخواطر۔ جلد ۵ ص ۳۴

۲۔ نزہۃ الخواطر۔ جلد ۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ مؤلف عبدالحی بن فخر الدین حسنی بس ۳۳ و ۳۴

وفات شاہ ابوالمعالی نے عہدِ جہانگیر میں ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ میں وفات پائی، آپ کا روضہ مبارک ٹکسانی دروازے کے باہر لاہور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے اور عرس کے روز اور عیدین میں آپ کے مزار پر انوار پر عقیدت مندوں کا بجدِ ہجوم ہوتا ہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے ابن اشعار میں آپ کا سند ولادت اور سنہ وفات نکالا ہے۔

ابوالمعالی خیر دین احمدی
 آنکہ شد پر نور زو روئے زمیں
 سالِ تولید وصالش چوں زدل
 جست سر در بندہ بس کمتر
 "خیر دین مولیٰ" ست تولیدش عیاں
 رحلتش فرما "معنی خیر دین"
 ۱۰۲۴ھ

حاجی اویس دتوزئی

حالات حاجی اویس دتوزئی حضرت پیر کبارؒ کی اولاد میں تھے، انھوں نے اویسی سلسلے میں فیض روحانیت پیر کبار سے حاصل کیا، اور حرمین شریفین حاضر ہو کر حج و زیارت کی سعادت حاصل کی، پھر حضرت خواجہ اویس قرنیؒ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ہندوستان آئے، اور ارشاد و

پیر کبار دتو بن شورہ بن خوشی افغان قوم سے تھے، چشت میں جا کر خواجہ مودود چشتی کے مرید ہوئے۔ چالیس برس تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے۔ وفات سے قبل حضرت خواجہ مودود چشتی نے آپ کو خرقہ خلافت سے ممتاز فرما کر وطن کی طرف رخصت کیا، لیکن وہ اپنے شیخ کی وفات کے بعد بھی اپنے شیخ کے روضہ مبارک کی جار و کشی میں مصروف رہے، آخر اپنے شیخ کے اشارہ روحانی کی بناء پر مجبوراً اپنے وطن واپس ہوئے اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، شیخ کبار نے ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۵۲۔)

۲۷ اسم گرامی اویس ہے، آپ اہل نجد کے قبیلہ قرن سے تعلق رکھتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں موجود تھے، مگر دو وجہ سے آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ کر سکے، ایک تو اپنی ضعیف اور بوڑھی والدہ کی وجہ سے کہ کوئی آپ کی غیر حاضری میں ان کی خدمت گزاری

ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

حاجی اولیس دتوزئی نے ^{۱۵۹۸ھ} میں وفات پائی، آپ کا مزار پراڈوار تصور
میں مرجع خاص و عام ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۲)

اور نظرانی کرنے والا کوئی نہ تھا، دوسرے غیبیہ حال کے باعث شربانی آپ کا محبوب پیشہ تھا، اس
پیشے سے جو کچھ حاصل ہوتا اسے اپنی والدہ کی خریدت، اور اپنی شکم پر درمی میں صرف کرتے۔

حضرت اولیس کو رسوں اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حد درجہ محبت و رخصت تھا، جب آپ کو
معلوم ہوا کہ جنگ احد میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ دندان مبارک شہید ہوئے ہیں،
اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ کتنے اور کون سے دانت شہید ہوئے ہیں تو حضرت اولیس نے اپنے تمام دانتوں
کو توڑ ڈالا۔

شواہد النبوة میں ہے کہ حضرت اولیس آذربائیجان میں مزار گئے ہوئے تھے، وہیں آپ نے
وصال فرمایا۔

کشف المحجوب میں حضرت جویری نے، اور تذکرۃ الاولیاء میں شیخ فریدین عطاری نے لکھا ہے
کہ حضرت اولیس قرنی حضرت علیؑ کے پان آئے، اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی طرف سے
رہتے ہوئے شہید ہوئے۔

پہلے قول کے مطابق آپ کی وفات ۲ رجب ^{۳۲ھ} کو اور دوسرے قول کے مطابق ^{۳۳ھ}
میں ہوئی، آپ کی وفات کے متعلق روایت الزیاحین میں یہ دونوں قول مذکور ہیں۔ (ماخوذ
از ترجمہ سفینۃ الاولیاء ص ۴۸ - داراشکوہ قادری)

۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۵۲ و ۲۵۳ سے ماخوذ ہے۔

شیخ احمد شورپانی قصوری

نام و نسب و حالات آپ کا اسم گرامی شیخ احمد، آپ کے والد کا نام عبداللہ اور آپ کے والد کے دادا کا نام قاضی محی الدین عبداللہ خوشیگ چشتی تھا، شیخ احمد قصوری میں پیدا ہوئے، اور علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل لاہور میں شیخ اسحاق بن حضرت شاہ کا کوٹ چشتی لاہوری سے کی جو عہدِ اکبری کے مشاہیر علماء میں تھے۔

شیخ احمد، خوشیگ اور شورپانی افغانوں میں پہلے بزرگ تھے، جنہوں نے علومِ باطنی اور علومِ ظاہری سے آراستہ ہو کر مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی، نہ ہدیرِ ریاضت میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، علم و فضل کے اعتبار سے بھی غیر معمولی تھے، ان کے تبحرِ علمی کی وجہ سے مشکل مسائل میں علمائے لاہور و ملتان ان کی طرف رجوع کرتے اور لائیل مسائل کو ان کے سامنے پیش کرتے جنہیں شیخ احمد نہایت ہی سہل طریقے پر فوراً حل کر دیتے تھے۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء ان کے محامد و فضائل کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:-
 واول کسے کہ در قوم خوشگیان و افغانان شورپان علم ظاہری و باطنی در خود جمع کرد، اولود، و در نہ ہدیرِ ریاضت و عبادت

نظیر سے نہ داشت بلکہ

شیخ احمد شورانی کے معاصرین میں حضرت مجدد
الف ثانی، شیخ عیسیٰ سندھی برہان پوری، اور
معاصرین

لہ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۵۷ و نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص

۱۷ شیخ عیسیٰ برہان پوری کا لقب سیح الاولیاء اور جند اللہ تھا، اُن کے والد کا نام قاسم تھا،
شیخ عیسیٰ کے آبا و اجداد سندھ کے تعلقہ سیون کے ایک قبیلے پلت کے رہنے والے تھے، شیخ
عیسیٰ نے اپنا سلسلہ نسب اپنی تصنیف عین المعانی میں اس طرح لکھا ہے :-

عیسیٰ بن قاسم بن یوسف بن رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین

المعروف الشہابی الجندی السندھی الہندی۔

۹۵۰ھ میں جب ہمایوں کے سندھ میں آنے کی وجہ سے شورش و بد امنی پھیلی تو سندھ کے
کے بہت سے علماء اور صوفیائے گھرانے ترک دھن کر کے مختلف ممالک میں آباد ہوئے، انہیں ہجرت
کرنے والوں میں شیخ عیسیٰ کے والد شیخ قاسم بن شیخ یوسف بھی تھے، شیخ قاسم ایلان کے بڑے بھائی
شیخ ابو محمد سیستانی اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے پہلے احمد آباد شریف لائے، اور انھوں نے
اسی زمانے میں حضرت محمد غوث گویری سے بیعت ہو کر چودہ خاندانوں میں خلافت حاکم کی،
پھر آپ اپنے مرشد کی اجازت سے اپنے خاندان کے ساتھ برادر شریف لائے، اس زمانے میں
برادر کا حکم تغال خاں تھا، جو ان بزرگوں کے ساتھ نہایت توقیر و تعظیم سے پیش آیا، اور
اسیہ بھی اس کے خلوص اور فداکاریوں کو دیکھ کر ایلچ پور میں مقیم ہو گئے، وہاں تقریباً ۳۲
سال تک مقیم رہے، ان کا علم و عرفان کی دولت عام کرتے رہے۔

۹۶۲ھ کو ایلچ پور ہی میں شیخ عیسیٰ کی ولادت باسعادت ہوئی، اتفاق سے
اُن کی پیدائش کے دن اُن کے والد شیخ قاسم گھر پر موجود نہ تھے، اس لئے اُن کے چچا شیخ طاہر محمد
محدث نے اُن کا نام عیسیٰ رکھا۔

نوسال کی عمر میں شیخ عیسیٰ نے قرآن مجید حفظ کر لیا، پھر علوم متداولہ کی طرف توجہ فرمائی،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تھے، یہ تینوں حضرات اُن کا بے حد احترام کرتے تھے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۲)

اور اپنے چچا شیخ طاہر محمد محدث سے فقہ، حدیث، تجوید اور دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کی، ابھی اُن کا آغاز شباب ہی تھا کہ ۹۸۱ھ میں اُن کے والد شیخ قاسم واصل الی اللہ ہوئے۔

۹۸۲ھ میں تھان خاں کی وفات کی وجہ سے برار کا نظم و نسق درہم بہم ہو گیا۔ محمد شاہ فاریقی حاکم برہان پور کی تدفیناں اور اُس کا بے حد اصرار حضرت شیخ طاہر محمد محدث اور اُن کے متعلقین کو کھینچ کر برہان پور لایا۔ شیخ عیسیٰ بھی آپ کے ساتھ برہان پور آئے۔

شیخ طاہر محمد محدث اور شیخ عیسیٰ کے برہان پور میں قیام کے بعد سندھ کے وہ خانوادے جو ہجرت کر کے ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے برہان پور میں آکر آباد ہونے لگے، اور برہان پور اہل سندھ کا مرکز بنا، یہاں تک کہ آپ کے مکان کے متصل سندھیوں کی آبادی نے ایک مستقل محلے کی صورت اختیار کی، اور یہ محلہ سندھی پورہ کے نام سے آباد ہوا، جو آج بھی اسی نام سے موسوم ہے۔ شیخ عیسیٰ اپنے چچے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد شیخ یوسف کے درس میں شریک ہوئے۔ پھر طلب علم میں آگرے پہنچے، وہاں اُن کی ملاقات قاضی جلال الدین ملتانی سے ہوئی، آگرے میں کچھ دن ہی گزرے تھے کہ شیخ عیسیٰ کو اُن کے چچا شیخ طاہر محمد کا خط ملا، جس میں تحریر تھا کہ حکیم عثمان بوبکانی جو علم و فضل میں یگانہ روزگار ہیں برہان پور آئے ہوئے ہیں، شاید تم اس سرچشمہ علوم سے زیادہ سکون حاصل کر سکو، اس خط کے بعد وہ برہان پور واپس آئے، اور حکیم عثمان بوبکانی کے درس میں شریک ہو گئے، لیکن اب معرفت و عرفان کی ایک نئی لگن دل میں پیدا ہوئی اور شیخ لشکر محمد عارف شطاری برہان پور کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے دستِ حق پرست پر بیت کی اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے شیخ سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور درس و تدریس، ارشاد و ہدایت مصروف ہو گئے۔

شیخ عیسیٰ جہاد اللہ کی نصایف میں (۱) روضۃ الحسنی (۲) عین المعانی (۳) انوار اللامعہ

(۴) رسالہ حواس پنجگاہ (۵) حاشیہ بر اشارۃ غریبہ کتاب انسان کا بنی حنفیہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی،

برہان پور کے مشہور صوفی بزرگ شیخ عبداللطیف کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنی عمر میں علمائے ظاہر و باطن میں دو ہی بزرگ دیکھے، ایک شیخ عبدالوہاب مصری دوسرے شیخ احمد شوربانی میں نے ان دونوں بزرگوں سے ملاقات کی ہے، پھر مجھے ان جیسا کوئی انسان نظر نہیں آیا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۲)

(۶) شرح قصیدہ بردہ فارسی شرح (۷) رسالہ قبیلۃ المذاہب اربعہ مع اشارات اہل تصوف (۸) حاشیہ بر شرح ضیائۃ تصنیف مولانا جامی (۹) فتح محمدی در علوم ما یتعلق بہ التفسیر (۱۰) تفسیر شرح مائتہ عامل (۱۰) رسالہ عقود (۱۱) شرح رباعیتین (۱۲) ترجمہ سرالوحی مشہور ہیں۔ شیخ عیسیٰ برہان پوری نے ۱۲ اشوال ۱۰۳۱ھ میں وفات پائی، اور اپنے حجرہ عبادت میں مدفون ہوئے، خانقاہن عبدالرحیم نے اُن کے مزار مبارک پر گنبد تعمیر کرایا۔

شیخ عیسیٰ برہان پوری کے متعدد خلفاء تھے، جن سے سلسلہ قادریہ اور شطاریہ کا فیض عام ہوا اُن کے خلفاء میں شیخ عبدالعزیز لاہوری، شیخ محمد صدیق کابلی، شیخ فرید بن عبدالحکیم، حضرت نورالایمان اور حضرت شیخ اسماعیل فرجی وغیرہ مشہور ہیں۔ راخوذ برہان پور کے سندھی ادیب تالیف سید محمد طبع اللہ راشد برہان پوری شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ - کراچی۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۳)

۱۵ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بن سیف الدین بن سعد اللہ بخاری ۱۱۵۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے، تین باچار مہینے میں اپنے والد ماجد سے قرآن مجید ختم کیا، پھر ایک مہینے میں کتابت اور انشا کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اس کے بعد آپ کے والد نے آپ کو بوٹاں اور دیوان حافظ کے چند جزو پڑھائے، پھر میزان شروع کرائی اور مصباح اور کافیہ تک خود تعلیم دی، بارہ تیرہ سال کی عمر میں آپ نے شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی، پندرہ سولہ سال کی عمر میں آپ مختصر اور مطول سے فارغ ہو گئے، پھر آپ نے قرآن مجید حفظ کیا، اور عربی میں کامں دستگاہ اور علم کلام اور منطق پر پورا عبور حاصل کرنے کے بعد آپ نے علمائے مائتہ النہر سے التساب علم کیا، علوم ظاہری سے

جب کوئی شخص قصور سے شیخ عبداللطیف برہان پوری کے پاس فیوضِ باطنی کے حاصل کرنے کے لئے پہنچتا تو اس سے فرماتے کہ خود تمھارے گھر میں شیخ احمد شوریانی جیسا شیخ طریقت موجود ہے جو شریعت و طریقت کا دریائے جاری ہے

(بقیہ ذل نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۵)

فارغ ہونے کے بعد پہلے آپ نے اپنے والد سے روحانی تربیت حاصل کی پھر بائیس سال کی عمر میں ۹۸۵ھ میں قادریہ سلسلے کے مشہور بزرگ شیخ موسیٰ بن حامد حسنی اُچھی سے بیعت کی۔ ۹۹۶ھ میں جب کہ شیخ عبدالحق کی عمر اڑتیس سال کی تھی حج کے لئے حجاز روانہ ہوئے، محمد غوثی نے گلزار ابراہیم لکھا ہے کہ شیخ عبدالحق ۹۹۵ھ کے شروع میں مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہنچے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جہانز کا موسم گزر چکا ہے، چنانچہ آپ سال بھر وہیں رہے، پھر وہاں سے مانڈو تشریف لے گئے، مانڈو سے روانہ ہو کر احمد آباد پہنچے، اور شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا، مرزا نظام الدین بخشی نے جو آپ کے دیرینہ دوست تھے آپ کو اپنے ہاں ٹھہرایا، جب حجاز کو روانہ ہونے کا وقت آیا تو سفر خرچ پیش کیا اور جہاز کا بندوبست کیا۔

شیخ عبدالحق دہلوی ۹۹۶ھ حجاز پہنچے، اور ۹۹۹ھ تک آپ کا قیام وہاں رہا، آپ کا تمام وقت شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں گزرا جو ہندوستان کے ان عظیم المثال علماء میں تھے جنہوں نے مکہ معظمہ میں قیام فرما کر علم حدیث کی عظیم الشان خدمات انجام دیں، آپ نے شیخ عبدالوہاب متقی سے حدیث اور تصوف کی کتابیں پڑھیں، اور شیخ عبدالوہاب متقی نے آپ کو سلوک و معرفت کی دشوار گزار راہوں سے بھی آشنا کرایا، اور حرم شریف میں عبادت و ریاضت اپنی گمرانی میں کرانی، پھر آپ کو ہندوستان واپس جانے کی ہدایت کی، مکہ معظمہ میں آپ نے اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقی سے بیعت بھی کی اور ان کی خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

۱۰۰۱ھ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہندوستان واپس تشریف لائے، اور آپ نے

تعجب ہے کہ دریا کے پاس سے پیاسے ہو کر یہاں آئے ہو، تم انھیں کے پاس جاؤ تاکہ وہ تم کو خدا تک پہنچائیں۔

اگرچہ شیخ احمد شوربانی کا زیادہ
تصنیف و تالیف سے احتراز وقت درس و تدریس میں گزرتا
تھا، لیکن وہ تصنیف و تالیف سے احتراز کرتے اور فرمایا کرتے تھے

(بقیہ فہ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۵)

دہلی میں سند درس و ارشاد کو زمیستہ بخشی۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد آپ نے حضرت خواجہ باقی اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر روحانی استفادہ کیا، کلمات الصادقین میں ہے کہ آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی اشارے پر حضرت خواجہ باقی اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت بھی کی تھی۔

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو چورانوے سال کی عمر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے دصال فرمایا، آپ کی تاریخ ولادت شیخ اولیا: اور تاریخ وفات فخر عالم نے نکلتی ہے۔
۱۰۵۲ = ۱۶۴۲ ۱۰۵۱ = ۱۶۴۱

حضرت شیخ کی عمر کا بڑا حصہ تالیف و تصنیف میں گزرا، آپ کی تالیف و تصانیف کی تعداد کثیر ہے جن میں سے چند نام یہ ہیں۔ لمعات المتقین شرح مشکوٰۃ المصابیح، شرح سفر السعاده مطہر النبوة، جذب القلوب الی دیار المحبوب، زبدۃ الآثار، منعجب بہجۃ الاسرار، تکمیل الایمان، فتح المنان فی تائید النعمان، تنبیہ العارف بمواقف فی العوارف، شرح فتوح الغیب، آداب الصالحین، صلا و طائف، شرح شمسہ، اخبار الاخیار۔

یہ تمام تفصیل حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، تالیف فلیق احمد نظامی و نزہۃ الخاطر جلد ۱ ص ۲۰۱ تا ۲۰۹ سے ماخوذ ہے۔

سیرے خیال میں متقدمین کی کتابیں کافی موجود ہیں، اب میں تصنیف و تالیف میں کیوں وقت ضائع کر دوں۔

اُن کی تصانیف میں صرف ایک کتاب ”سوالات احمدی کا پتہ چلتا ہے جو انھوں نے ردِ ملاحدہ اور زنا طہ پر لکھی تھی، اور جسے اس مقصد میں کبیر اعظم بتایا جاتا ہے۔

وفات شیخ احمد خوسروانی ^{۱۰۳۱ھ} میں واصل الی اللہ ہوئے، مفتی غلام سرور لاہوری نے، اس شعر میں اُن کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

”احمد واعظ“ بگو تاریخ او
^{۱۰۳۰ھ} نیز ”ہادی احمد فاضل ولی“
 ۱۰۳۰ھ - م ۱۰۳۱ھ

شاہ ابوتراب

معروف بہ

شاہ گداہینی قادری شطاری

نام و نسب آپ کا سہم گرامی شاہ ابوتراب تھا، شیراز کے رہنے والے تھے۔
اور خاندان سادات سے تھے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

شاہ ابوتراب بن سید نجیب الدین بن شمس الدین بن اسد الدین
بن زین الدین المشہور بہ زین العابدین بن یونس بن عبد الوہاب
بن عبد الہادی بن ابوالبرکات بن النور علی بن عبد اللطیف
بن محمد شریف بن ابوالمظفر بن سید عبد الباقی بن ابوالحسن
بن عبد العزیز شیرازی بن سید عبد الشہر بن محمد امین بن قدرت اللہ
بن سید موسیٰ بن مسعود بن صادق بن احمد بن سید باقر بن حسن
بن مسعود بن صادق بن احمد بن سید باقر بن حسن بن زید
بن جعفر بن محمود بن ہارون بن حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
بن حضرت امام جعفر صادقؑ۔

گجرات میں تشریف آوری شاہ ابونزاب ابتداء شیراز سے طلب حق میں گجرات تشریف لائے، اور سلسلہ شطاریہ میں شیخ وجیہ الدین کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا، آپ کا سلسلہ طریقت شطاریہ ہے۔

سید ابونزاب، شیخ وجیہ الدین گجراتی، سید محمد غوث گوالیری، شاہ حمید شاہ قاذن شیخ عبداللہ شطاری۔

سید شیخ وجیہ الدین گجراتی، متاخرین مشائخ میں عظیم المرتبت بزرگ تھے، وہ علوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور شطاری طریقے میں شیخ غوث گوالیری کے مرید و خلیفہ تھے، اگرچہ دوسرے سلسلوں میں بھی ان کو اہل سنت و خلافت تھی لیکن سلسلہ شطاریہ کو ان کی وجہ سے غیر معمولی فروغ ہوا، وہ علوم ظاہری میں بھی غیر معمولی تبحر و کمال رکھتے تھے، اکثر درسی کتب پر ان کے حواشی و تشریح موجود ہیں جب تیرہ سالہ سوری نے شیخ محمد غوث گوالیری سے محض اس بناء پر عداوت اختیار کی کہ ہمایوں ان کا معتقد ہے تو شیخ محمد غوث گوالیہ سے گجرات پہنچے، وہ تقریباً اٹھارہ سال اُس علاقے میں رہے، اور غیر معمولی اقتدار حاصل کیا، علمائے گجرات نے بھی ان کے رسالہ معراج نامہ پر اعتراض کئے، یہاں تک کہ علمائے اُن کو کافر قرار دے کر ان کے خلاف قتل کا حکم تیار کیا، جس پر گجرات کے مشہور عالم شیخ علی شقی گجراتی نے بھی دستخط کئے اور اپنی تہر لگائی یہ محض گجرات کے بادشاہ سلطان محمود گجراتی کے پاس پیش کیا گیا، سلطان محمود گجراتی نے اس محضر کو دیکھ کر شیخ وجیہ الدین گجراتی کے پاس بھجوا دیا کہ اگر وہ صحیح ہو تو وہ بھی اس پر دستخط کریں، لیکن شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث گوالیری کی روحانیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ شیخ محمد غوث گوالیری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خود ان سے بیعت کر لی، اور اس محضر کو پھاڑ کر پھینک دیا، جس کی وجہ سے شیخ محمد گوالیری کا اثر عوام میں اور بھی بڑھ گیا۔

شیخ وجیہ الدین گجراتی نے ۹۹۵ھ میں وفات پائی، اُن کا مزارہ پانچواں احمد آباد میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (دخنیۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۱۳۱ و رود کوثر ص ۳۸)

اور سلسلہ طریقت قادریہ یہ ہے۔

سید ابوتراب، شیخ وحیہ الدین گجراتی، سید محمد غوث گوالیری، حاجی
شیخ طیفور، شیخ عبدالفتح مخاطب بہ شیخ ہدایت اللہ سرمست، شاہ قاذن
شیخ عبدالوہاب، شیخ عبدالرؤف، شیخ محمود، شیخ عبدالقادر، شیخ محمد
شیخ عبدالرحیم، سید ابوبکر تاج الدین، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی
اپنے پیر کی وفات کے بعد سید ابوتراب لاہور
لاہور میں تشریف آوری میں تشریف لائے اور وہیں توطن اختیار
کر کے رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

سید ابوتراب شاہ گدا نے ۱۴۱۰ھ میں وفات پائی،
آپ کا مزار گوہر بار لاہور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔
سید ابوتراب کے خلفاء میں قاضی محمد لاہوری، شیخ فاضل، شاہ
جمال، لعل گدا، احمد گدا، اور شہباز گدا مشہور ہیں، لعل گدا،
احمد گدا اور شہباز گدا کے مزارات، سید ابوتراب کے مزار کے متصل واقع ہیں۔

(۱۲)

خواجہ اللہ بخش تونسوی

ولادت آپ کا اسم گرامی اللہ بخش، آپ کے والد ماجد کا نام نامی خواجہ گل محمد تھا، خواجہ اللہ بخش تونسوی، حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے پوتے تھے، خواجہ اللہ بخش ماہ ذی الحجہ ۱۲۱۴ھ کو تونسہ میں پیدا ہوئے، آپ کی تاریخ ولادت ۱۲۱۴ھ بیدار بخت سے نکلتی ہے۔

تعلیم جب آپ کی عمر تعلیم پانے کے قابل ہوئی، تو حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نے آپ کو تعلیم پانے کے لئے مولوی محمد امین کے سپرد کیا، انھوں نے آپ کو قرآن مجید، فارسی نظم اور عربی صرف و نحو کی تعلیم دی، پھر حدیث پڑھائی۔

سلوک و معرفت کی تعلیم علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد، آپ کے دادا حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی ابتدائی تربیت نے ہی آپ کو بچپن میں نماز و روزے کا

۱۔ مناقب المجوبین - ص ۳۲۷

۲۔ تاریخ مشلیخ چشت - ص ۳۱۹

پابند بنا دیا تھا، لیکن جوں جوں بڑھتی گئی، آپ کی دلچسپی عبادت و ریاضت سے اوج بھی بڑھتی گئی۔

صاحب مناقب المجوبین کا بیان ہے کہ ایک روز میں ذوالفیل اشراق پڑھ کر مولوی محمد حسین کے حجرے سے نکلا، اُس وقت خواجہ الشرنخیش تونسوی حجرے کے باہر کسی سے گفتگو میں مصروف تھے، میں نے آپ کو دیکھ کر سلام کیا، آپ نے ازارہ بندہ پر دری انہایت تپاک سے میرے سلام کا جواب دیا، اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا خلیفہ صاحب! ہمارے لئے بھی دعا کیجئے، میں نے دست بستہ عرض کیا کہ قبلہ! ہم غلام شب و روز حق تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت (شاہ محمد سلیمان تونسوی) کی اولاد کو ہمارے حضرت کے درجے پر پہنچائے۔ اور وہ اعلیٰ مقامات جن پر ہمارے حضرت فائز ہیں اُن کی اولاد کو بھی نصیب کرے، اور اُن کی اولاد کو ذوق و شوق اور اپنی محبت عطا فرمائے یہ

بیعت و خلافت حضرت خواجہ الشرنخیش تونسوی اپنے دادا حضرت شاہ سلیمان تونسوی سے بیعت ہوئے، اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ ہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا، وہ اپنے شیخ کی حیات ہی میں اس منزلِ عالی فائز ہو چکے تھے کہ حضرت شاہ سلیمان تونسوی

لے صاحب مناقب المجوبین کا نام نجم الدین چشتی نظامی، فخری، نور محمدی سلیمانی ہے یہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کے مرید تھے، انہوں نے ۱۰۷۵ھ میں جب کہ اُن کی عمر ۲۵ سال کی تھی، خواجہ محمد فخر الدین اور خواجہ نور محمد ہاروی اور اُن کے خلفاء کے حالات مناقب المجوبین کے نام سے لکھنے شروع کئے، اور تونسوی میں قیام کر کے اس کتاب کو مکمل کیا، پھر اس کا مسودہ حضرت الشرنخیش تونسوی کو دکھایا، آپ نے اسے بے حد پسند فرمایا، یہ کتاب مطبع محمدی لاہور سے شائع ہو چکی ہے جواب کم باب ہے (ماخوذ از مقدمہ مناقب المجوبین - ص ۵۰-۵۱) مکہ مناقب المجوبین میں

نے اُن کو اپنی زندگی ہی میں اپنی دلائل الخیرات عطا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اب یہ ہم سے نہیں پڑھی جاتی، ہماری طرف سے تم پڑھ لیا کرو، اور مریدوں کے شجرہٴ ابدیہ بھی ہماری طرف سے تم ہی دستخط کیا کرو، مناقب المہجوبین میں ہے کہ وہ شاہ سلیمان تونسوی کی زفات کے بعد بھی شجروں پر انھیں کا نام لکھتے تھے، اپنا نام نہ لکھتے تھے، تاریخ مشائخ چشت میں پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے اپنے دادا مولوی فرید احمد مرحوم کے شجرے کی وہ عبارت جو خواجہ الشیخ تونسوی نے تحریر فرمائی تھی بحسنہ نقل کی ہے، جو یہ ہے۔

الہی بکریت و غربت خاک راہ درد مندان سلیمان عاقبت شیخ
فرید بخش بنجر گردان۔

شاہ سلیمان تونسوی کی انتہائی شفقت
مناقب المہجوبین میں ہے کہ
شب پنجشنبہ، صفر ۱۲۶۷ء میں
جب حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی پر نزع کا عالم طاری تھا، خواجہ الشیخ
تونسوی نے آپ کے قدموں سر رکھ کر عرض کیا۔

بابو! سن! تو بیچ چیز دیگر بھی خواہم
بس ہمیں خواہم کہ تعین فقیران ترا راست
بنو! میں آپ سے کوئی چیز نہیں چاہتا میں تو
صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے فیروں کی جوتیاں
سیدھی کروں۔

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نے ایک خاص منجہ لطف سے اُن کو دکھایا اور
فرمایا ودفخت فیہ من روحی (میں نے اپنی روح ان میں پھونک دی)
یہ آخری الفاظ تھے، جو آپ کی زبان مبارک سے نکلے، اور وفات پا گئے۔

۱۔ مناقب المہجوبین - ص ۳۳۱۔

۲۔ تاریخ مشائخ چشت - ص ۷۱۹۔

۳۔ مناقب المہجوبین ص ۳۱۷ و ۳۳۱۔

سجادگی شاہ محمد سلیمان تونسوی کے وصال کے بعد شاہ غلام نظام الدین
فرزند کالے صاحب نے خواجہ اشدر بخش کے دستارِ سجادگی باندھ کر
مسندِ سجادگی پر بٹھایا، وہ ساری عمر سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تعلیمات کو عام کرتے رہا
روشن از مہر جمالش برج دیں
آفتابِ آسماں، فخر زمیں تھے

زہد مناقب المجوبین میں ہے کہ ابتداً خواجہ اشدر بخش تونسوی کو نفیس پوشاک
بہترین گھوڑوں اور شان و شوکت کی زندگی بسر کرنے کا بہت شوق
تھا، لیکن جب بڑے ہوئے تو اس ظاہری شان و شوکت سے دل برداشتہ ہو کر
زہد کی طرف اس درجہ مائل ہوئے کہ ملت اور دن میں کئی کئی جوڑے بدن چھوڑ
کر، نیلا تہبند، پرائی ٹوپی اور معمولی کپڑے پہننے اختیار کر لئے۔

اخلاق انوار العارفین کے مصنف ان کی اخلاقی بلندی اور پاکیزگی کے
متعلق رقمطراز ہیں۔

دریں زمانہ نیرۂ ایشاں دخیلہ
محمد سلیمان میاں اشدر بخش بر مسند
ارشادِ نشستہ اندہ طالبان را ارشاد
می کنند و از آئیندگان و روندگان
آنجا معلوم گردید کہ کریم النفس و
خوش اخلاق اندے

اس زمانے میں خواجہ محمد سلیمان کے پوتے میاں
اشدر بخش مسندِ ارشاد بیٹھے ہیں، اور طالبوں کو
ارشاد و تلقین فرماتے، اور وہاں کے کئے جانے
والوں سے معلوم ہوا کہ وہ نہایت کریم النفس
اور خوش اخلاق ہیں۔

غربانوازی دوست و دشمن اور امیر و غریب کے امتیاز کے بغیر ہر ایک سے
خوش اخلاقی سے پیش آنا خواجہ اشدر بخش تونسوی کا امتیازی

وصف تھا، خصوصاً وہ غربا کے ہمدرد اور ان پر نہایت شفقت فرماتے تھے حضرت
سید سیر مہر علی شاہ نے اپنی ایک مجلس میں ان کے اوصاف پر روشنی ڈالتے
ہوئے فرمایا۔

در نظر خواجہ اللہ بخش صاحب
اہل دنیا را بمقدار یک ذرہ ہم وقت
و قدر نبود، بسیار غریب نواز بودہ اند،
و تیاران را بسیار حقیر و بے مقدار
دانند، ہمچوں خواجہ اللہ بخش صاحب
بیچ فقیر دیدہ و شنیدہ نشدہ
خواجہ اللہ بخش کی نظر میں اہل دنیا کی
ایک ذرہ کے برابر وقعت اور قدر نہ تھی،
بہت غریب نواز تھے دنیا داروں کو بہت
حقیر اور بے مقدار جانتے تھے، خواجہ
اللہ بخش کے مانند کوئی فقیر دیکھا اور
شنا نہیں گیا۔

شاہان وقت کی عقیدت
مسند سجادگی پر متمکن ہونے کے بعد خواجہ
صاحب ہندوستان تشریف لے گئے،
اور متعدد مقامات پر شائین کرام کے مزارات پر حاضر ہوئے، بیکانیر میں
ایک مسجد میں قیام فرمایا، بیکانیر کے بہت سے لگ آپ کے حلقہ بیعت میں
داخل ہوئے، بیکانیر کے راجہ سردار سنگھ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے
کی اجازت چاہی، آپ نے اسے جواب میں کہلا بھیجا۔

ما فقیریم از ملاقات مایاں ترا
چہ سوداست، سید جانیائی۔
ہم فقیر ہیں، ہماری ملاقات سے تمہیں
کیا فائدہ، اس جگہ نہ آؤ۔

پھر ناگور حاضر ہوئے اور حضرت سلطان التارکین حمید الدین نگوری کے
مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے، ناگور کے بہت سے لوگ آپ سے
بیعت ہوئے، وہاں سے میرٹھ تشریف لائے اور میرٹھ کے لوگوں کو داخل سلسلہ
کیا، ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۷۴ھ کو اجیر مشرف حاضر ہوئے، اور خواجہ

بزرگ معین الدین اجمیری کی زیارت سے مشرف ہوئے، تشریف آدس روز اپنے
 اجمیر میں قیام فرمایا، اجمیر کے ہزاروں لوگ آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے،
 وہاں سے روانہ ہو کر آپ کشن گڑھ ہوتے ہوئے جے پور پہنچے، وہاں کا راجہ
 رام سنگھ نہایت عقیدت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جے پور
 کے بہت سے لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ جے پور سے
 آپ دہلی تشریف لائے پہلے حضرت بابا قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت سے
 مشرف ہوئے۔ پھر اپنے دادا پیر خواجہ فخر الدین کی زیارت سے مشرف ہوئے،
 وہاں بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہوئے، اس کے بعد حضرت چراغ دہلی
 کی درگاہ میں حاضر ہوئے، اُن کی زیارت سے اور شیخ علاء کمال الدین کی
 زیارت سے جو حضرت چراغ دہلی کے چالیسی دفن ہیں مشرف ہوئے، جب
 ابوالمظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کو معلوم ہوا تو وہ ملاقات
 کے لئے آئے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ بادشاہ آپ کی ملاقات کے لئے آئے ہیں
 تو آپ دوسرے دروازے سے نکل کر جنگل کی طرف چلے گئے، لوگ منت
 سماعت سے آپ کو واپس لائے، بادشاہ نے قدم بوسی کی سعادت حاصل
 کی، وہاں سے آپ درگاہ خواجہ نظام الدین محبوب الہی میں حاضر ہو کر
 حضرت محبوب الہی کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں سے شاہجہان آباد
 تشریف لائے، وہاں امراء اور درباریوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر
 قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، محلات کی بیگمات بیعت ہوئیں، اور خود بہادر شاہ
 نے بھی نذر پیش کی۔

وفات حضرت خواجہ بندنخش تونسوی نے ۱۳ ستمبر ۱۹۱۱ء مطابق
 ۲۹ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ کو وصال فرمایا، تاریخ وفات اس

مصرع سے نکلتی ہے۔ ط

”چراغِ جہاں بجھ گیا ہے“

خواجہ صاحب کے تین صاحبزادے تھے، حافظ محمد موسیٰ، حافظ

اولاد

احمد، اور حافظ محمود۔

خواجہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حافظ محمد موسیٰ سجادہ نشین ہوئے، انھوں نے ۱۳۲۳ھ میں وفات پائی، ان کے بعد ان کے بھائی حافظ محمود سند سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔ وہ جید عالم اور صاحبِ باطن بزرگ تھے، عربی، فارسی، آریو، پشتو اور بلوچی زبانوں میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔



(۱۳)

حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی

نام و نسب ہندوستان میں سلسلہ ہروردیہ کے بانی حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی ہیں، ان کی کنیت ابو محمد اور ابو البرکات ہے، ان کے والد کا نام وجیہ الدین اور دادا کا نام حضرت کمال الدین علی تھا، جو خاندان قریش سے تھے۔ حضرت کمال الدین علی شاہ پہلے مکہ معظمہ سے خوارزم آئے، ماوردہاں سے ملتان تشریف لائے، ان کے نانا مولانا حسام الدین ترمذی منگولوں کے حملے میں وطن چھوڑ کر ہندوستان آئے، اور کوٹ کروڑ مضافات ملتان میں سکونت اختیار کی، حضرت کمال الدین علی شاہ نے اپنے صاحبزادے شیخ وجیہ الدین کی فادی مولانا

سے ہرورد ایک مقام کا نام ہے، جو عراق، عجم کے اندر ہمدان و زنجان کے درمیان واقع تھا، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین ابو نجیب، اسی ان کے پیر شیخ وجیہ الدین ہرورد کے رہنے والے تھے۔ اس لئے ان کے سلسلے کو ہروردیہ کہتے ہیں۔

(ماخوذ از فٹ نوٹ بزم صوفیہ ص ۸۹، مصنفہ سید صباح الدین عبدالرحمان)

حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی سے کی۔

۵۶۶ھ میں شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کی ولادت باسعادت
ولادت کوٹ کروڑ میں ہوئی، اُن کی عمر بارہ سال کی تھی کہ اُن کے
 والد کا سایہ شفقت سرے اٹھ گیا۔

تعلیم اپنے والد کی وفات کے بعد وہ خراسان چلے گئے، اور سات برس
 تک علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی، پھر بخارا پہنچے اور یہاں بھی
 تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور بہت سے بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب
 ہوئے، پھر حرمین شریفین حاضر ہوئے، حج و زیارت سے مشرف ہوئے،
 اور پانچ سال تک مدینہ منورہ شیخ کمال الدین محمد یحیٰی محدث سے حدیث
 کی تعلیم حاصل کی، شیخ کمال الدین محمد نے تین سال تک مجاور کی حیثیت سے
 حرم نبوی کی خدمت کی تھی، حدیث کی تعلیم کے بعد حضرت شیخ بہار الدین زکریا
 ملتانی نے مدعوہ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تزکیہ نفس اور تصفیہ
 باطن کے لئے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہاں سے بیت المقدس پہنچے اور مسجد اقصیٰ
 اور انبیاء علیہم السلام کی مقابر کی زیارت سے مشرف ہوئے، بیت المقدس سے
 بغداد شریف گئے۔

بیعت بغداد میں شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد ہروردی
 صاحب عوارف کے دستِ حق پرست بیعت ہو کر خرقہ خلافت
 حاصل کیا فوائد الفوائد میں حضرت سلطان المشرع خواجہ نظام الدین
 محبوب الہی کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا قدس سرہ
 اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ دن ٹھہرے تھے کہ انھیں روحانی نعمتیں اور
 خرقہ خلافت مل گیا، خانقاہ کے دوسرے درویشوں کے دل میں رشک
 پیدا ہوا، اور انھوں نے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سے شکایت
 کی کہ ہم ساہ سال سے ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہیں، اور ابھی تک

آپ کی خلافت سے مشرف نہیں ہوئے، لیکن یہ ہندوستانی چند روز ہی میں آپ کی خلافت سے سرفراز ہو گیا، اُن کے جواب میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم لوگ گیلی لکڑیاں لے کر آئے تھے، جن میں آگ دیر میں لگتی ہے، اور بہاؤ الدین زکریا خشک لکڑیاں لایا تھا، جنہوں نے فوراً آگ پکڑ لی۔

سلسلہ طریقت حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔

شیخ بہاؤ الدین زکریا، شیخ شہاب الدین ہروردی، شیخ ضیاء الدین ابونجیب ہروردی، شیخ وجیہ الدین ہروردی، شیخ ابوعبداللہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممتاز علی دینوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب غمی، حضرت امام حسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ملتان کو واپسی خرقہ خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد حضرت الشیوخ شہاب الدین ہروردی نے حضرت شیخ

بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو حکم دیا کہ وہ ملتان جا کر تشدد و ہدایت کے نور کو عام کریں، چنانچہ آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق ملتان روانہ ہونے لگے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بھی جو اُس وقت وہاں مقیم تھے، انتہائی محبت میں حضرت شیخ شہاب الدین سے اجازت لے کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جب یہ دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال تبریزی، حضرت شیخ فرید الدین عطار کی ملاقات کے لئے اُن کے پاس تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد جب واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے اُن سے پوچھا

کہیے آج کی ملاقاتوں میں کس درویش کو سب سے بہتر پایا، انھوں نے جواب دیا، کہ شیخ فرید الدین عطار کو، حضرت بہاء الدین زکریا نے اُن سے پوچھا کہ اُن سے کیا محبت رہی، جواب دیا کہ انھوں نے مجھ سے ملے ہی پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہم لوگ بغداد سے آرہے ہیں، پھر انھوں نے پوچھا کہ وہاں کون درویش حق میں مشغول ہے؟ میں خاموش ہو رہا، حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ تم نے اپنے مرشد شیخ شہاب الدین بہروردی کا نام کیوں نہ لیا، انھوں نے جواب دیا کہ اُس وقت شیخ فرید الدین کی عظمت میرے دل میں اس قدر بیٹھی ہوئی تھی کہ میں شیخ شہاب الدین بہروردی کو بھول گیا۔ یہ سن کر حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو بے حد رنج ہوا، اور وہ حضرت جلال تبریزی سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے، اور حضرت جلال الدین تبریزی شمالی ہندوستان کے راستے بنگال تشریف لے گئے۔

۱۰ نو آمد القوادس ۲۵۲ -

۱۱ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی مشہور اولیائے کرام میں ہیں، وہ ایرانی تھے، پہلے شیخ عبد الدین بن سعید تبریزی سے مرید ہوئے، پھر اُن کی وفات کے بعد بغداد حاضر ہو کر شیخ شہاب الدین بہروردی سے بیعت کی اور ایک طویل عرصے تک اُن کی خدمت میں رہے۔ اور اپنے شیخ کی اس طرح خدمت کی کہ شاید ہی کسی مرید نے اپنے پیر کی کی ہو، شیخ شہاب الدین بہروردی ہر سال حج کے لئے جلتے تھے، چونکہ وہ ضعیف ہو چکے تھے، اس لئے گرم اور جلد مضہم ہونے والی غذاؤں کے سوا کچھ نہ کھا سکتے تھے، شیخ جلال الدین تبریزی اپنے سر پر ایک انگلیشی اور دیگی اٹھائے رکھتے تھے، لکہ اُن کے پیر کھانا طلب کریں وہ انھیں گرم کھانا دے سکیں۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور حضرت جلال الدین تبریزی بوقت حق جیسا کہ حق میں گزر چکا ہے کہ وہ، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے ساتھ ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے، اور اُن سے جدا ہونے کے

رشد و ہدایت

لمتان میں واپس آنے کے بعد آپ نے اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا، اور

(تقریباً نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷۷)

بعد دہلی تشریف لائے، اُس وقت دہلی کا بادشاہ شمس الدین اہمیش تھا، وہ آپ کی دہلی میں آمد کی خبر سن کر استقبال کے لئے نکلا، اند بڑی تعظیم و توقیر سے پیش آیا، دہلی میں شیخ جلال الدین تبریزی کی دوستانہ ملاقاتیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے رہیں، لیکن اُس زمانے میں دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ تھا جو آپ کا سخت مخالف ہو گیا، اُس نے آپ پر شدید الزام لگا کر علماء کی ایک مجلس طلب کی، سیرالاولیاء میں ہے کہ علماء نے شیخ نجم الدین صغریٰ کو محض رد کر کے اُن کی جگہ شیخ بہاء الدین زکریا کو دہلی کا شیخ الاسلام مقرر کیا، لیکن شیخ جلال الدین تبریزی اس قدر ملول ہو چکے تھے کہ اس پر بھی آپ نے دہلی میں قیام پسند نہ کیا، اودھیا یوں روانہ ہو گئے، دہلی سے روانہ ہوتے وقت آپ نے کہا کہ۔

چوں من دریں شہر آدم زیر صرمت میں جب اس شہر میں آیا
بودم ایں ساعت نقرہ ام، ہمیشتر تھا تو خالص سونا تھا، اب چاندی
چہ خواہ شد۔ ہوں، آئندہ دیکھے کیا ہو۔

شیخ جلال الدین تبریزی بدایوں پہنچے، ایک روز وہ بدایوں میں گھر کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے۔ تھے کہ ایک شخص دہلی کا مسافر پہلے ہوئے آپ کے پاس سے گزرا، یہ شخص ہندو تھا اور بدایوں کے نواح کا رہنے والا تھا جہاں کے لوگ ڈوگرہ زنی میں مشہور تھے، اور یہ خود بھی ڈوگرہ تھا، جب اُس کی نظر شیخ جلال الدین تبریزی پر پڑی تو اُس کے دل پر بے حد اثر ہوا، شیخ نے اُس پر ایک اور تیز نظر ڈالی، آپ کی نظر پڑتے ہی اُس کی دل کی دنیا بالکل بدل گئی، وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ رسول اللہ کے دین میں ایسے لوگ بھی ہیں، پھر وہ فوراً ہی ایمان لے آیا، اور شیخ نے اُس کا نام علی رکھا۔ اس کے بعد علی اپنے گھر گیا، اور ایک لاکھ

آپ کے فیوض و برکات سے سارا ہندوستان منور ہو گیا۔ ملتان، سندھ،

(بقیہ فتنہ گزشتہ سلسلہ ۷۷)

جیتل لاکر آپ کی خدمت میں پیش کئے، اندر عرض کیا کہ آپ انھیں جہاں چاہیں خرچ فرمائیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تم اپنے ہی پاس رکھو، اور جہاں ہم کہیں وہیں خرچ کرتے رہو، چنانچہ جب کوئی حاجت آتا تو آپ علی سے فرماتے کہ اس کو سو درم دے دو، پھر کوئی آتا تو کہتے کہ اس کو پچاس درم دے دو، کبھی آپ نے پانچ درم سے کم کسی کو نہیں دیے۔ یہاں تک تھوڑے ہی دن میں، وہ ایک لاکھ جیتل خرچ ہو گئے، علی کا بیان ہے کہ جب میرے پاس صرف ایک درم رہ گیا، تو مجھے خیال آیا کہ اب میرے پاس صرف ایک درم باقی رہ گیا ہے، اور شیخ کسی کو پانچ درم سے کم نہیں دیتے، اگر اب کوئی ضرورت مندا آتا تو بڑی مشکل ہوگی، میں اسی خیال میں تھا کہ اچانک ایک سائل آیا، اور شیخ سے کچھ مانگا، شیخ نے مجھ سے فرمایا، علی! جو تمہارے پاس ایک درم ہے وہ اس کو دے دو۔

شیخ جلال الدین تبریزی نے بدایوں میں مولانا علاء الدین اصولی کو جو بعد میں حضرت محبوب الہی کے استاد ہوئے، اور اُس وقت خود طفل مکتب تھے اپنا لباس عطا کیا۔ جب آپ بدایوں سے بنگال جانے لگے تو علی جو فقرا و مدد دہی کی منزلیں طے کر چکا تھا روٹا ہوا آپ کے پیچھے دوڑنے لگا، اور اُس نے عرض کیا کہ میں بغیر آپ کے اس مقام پر رہنا نہیں چاہتا، آپ نے ارشاد فرمایا علی واپس جاؤ، اس شہر کی ہدایت تمہارے ذمے ہے۔

علی خان بدایوں میں حضرت جلال تبریزی کے ارشاد کے مطابق کام شروع کر دیا،۔
بسنے کافر آپ کی تبلیغ سے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ کا مزار۔
بدایوں میں ہے۔

جب آپ بنگال پہنچے تو وہاں آپ نے عرفان و ہدایت کی شمع روشن کی طالبان حق جو حق درجوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حلقہ ارادت میں داخل ہوتے تھے، حضرت

اور بلوچستان کے علاقے کو تو آپ کی روحانی سلطنت کہا جاتا تھا، سفینۃ الاولیاء

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷۵)

شیخ جلال الدین تبریزی نے بنگال میں جس جگہ اپنی خاتقاہ تعمیر کرائی اس کو بندر دیو محل کہتے ہیں، یہاں ایک بہت بڑا مالاب تھا جس کے قریب ایک ہندو بادشاہ نے بہت سارے دیہات کر کے ایک بہت خانہ تعمیر کرایا تھا، حضرت شیخ جلال الدین نے وہاں بہت سے غیر مسلموں کو مسلمان بنایا، اور وہیں رہائش اختیار کی۔

ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ وہ شیخ جلال الدین کی زیارت کے لئے کامروپ گیا تھا۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ شیخ اپنے زمانے کے اکابر اولیاء میں تھے، اُن کی کرامات مشہور ہیں، وہ بہت بڑی عمر کے انسان تھے، دہکتے تھے کہ انھوں نے خلیفہ معظم راشد عباسی کا زمانہ بغداد میں پایا تھا، اور جس وقت اُس کو قتل کیا ہے وہ وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ایک پچاس سال کی عمر میں وفات و فانی، اور چالیس سال سے وہ برابر روزے رکھتے تھے، اور دس دن کے بعد ایک دفعہ افطار کرتے تھے اُن کے پاس ایک گائے تھی جس کے دودھ سے افطار کرتے تھے، اور ساری رات عبادت کرتے تھے، نجف الجنتی تھے، قدس نباتھا ماور زخار لگے ہوئے تھے، اُن کے ہاتھ پر اس پہاڑی (ملک) کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، اس ملک کے ہندو اور مسلمان سب شیخ کی زیارت کو آتے ہیں اور اُن کے لئے تحفے تحائف لاتے ہیں۔ اُس میں سے فقراء اور سائیں کھاتے ہیں۔ پھر ابن بطوطہ نے اُن کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مجھ سے اُن کے بعض صحابہ نے بیان کیا کہ ہم نے اُن کی وفات سے ایک دن پہلے اُن سے کہا کہ جس کوئی وصیت فرمائیے، انھوں نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں تقویٰ اور خیریت الہی کی وصیت کرتا ہوں۔ پھر انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں انشاء اللہ کل صبح اُن سے سفر کروں گا، اور اپنے بعد تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے آخری سجدے میں انھوں نے جان، جان آفریں کے سپرد کی لوگوں نے غار میں جس میں وہ رہتے تھے ایک قبر کھدی ہوئی پائی جس کے پاس کفن اور کافور

میں داراشکوہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کی اصلاحی و تبلیغی کوششوں کو
ہوئے لکھتا ہے :-

پھر آپ شیخ الشیوخ سے اجازت لے کر ملتان آئے، اور وہیں
مستقل سکونت اختیار کی، اور طالبان حق کی ہدایت و ارشاد میں

رہیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۲)

وغیرہ رکھاتھا، لوگوں نے انہیں غسل و کفن دے کر اور نماز جنازہ پڑھ کر اُسی قبر میں دفن کیا،
پھر ان بطوطہ نے اُن کی متعدد کرامات کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ جلال الدین تبریزی کے متعلق اختلاف ہے کہ اُن کا مزار کہاں ہے، اس موضوع
پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام نے اپنی مشہور کتاب آب کوثر میں لکھا کہ :-

شیخ جلال الدین تبریزی کی عظمت و اہمیت کے باوجود وثوق سے
یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا مزار کہاں ہے؟ سیر العارفین جسے سکندر لودھی کے
استاد شیخ جمالی نے تالیف کیا ہے۔ بندر دیو محل کا ذکر ہے، ابو الفضل نے بھی
یہی بیان دہرایا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ بندر کہاں واقع ہے، خان بہادر محمد حسین
نے اپنے سفر نامے کے حواشی میں لکھا ہے کہ بنگالہ کے قدیم دارالخلافہ پانڈوہ
کے قریب قتل ایک جگہ ہے ممکن ہے کہ اُس جگہ مزار ہو۔ پانڈوہ (ضلع مالہ صوبہ
مغربی بنگال) سے آٹھ دس میل دور قصبہ تبریز آباد کے نواح میں ایک جگہ دیو
یا دیو تلا ہے، لیکن یہاں بھی شیخ جلال الدین تبریزی کا چلہ خانہ ہے، مزار
نہیں۔ بنگالہ کے سفر میں بعض اہل تحقیق نے راقم الحروف سے یہ خیال
بھی ظاہر کیا کہ شیخ نے آخر عمر میں عزلت نشینی اختیار کر لی تھی اور اب وہ گوبائی
(صوبہ آسام) سے چند میل دور ایک پہاڑی پر ایک دشوار گزار اور نسبتاً
غیر معروف بلکہ نسبت ناک جنگل میں مدفون ہیں۔

پانڈوہ میں جہاں آپ کے چلہ خانہ اور مسجد باقیں ہزاری سے

مشغول ہوئے، آپ کی برکت سے بہت سی مخلوق راہِ راست پر آئی، اور اس شہر اور اطراف کے تمام لوگ آپ کے معتقد ہوئے آج بھی اس نواح میں آپ کے مرید کثرت سے موجود ہیں۔ آپ کی کریمات و خوارق ظاہر ہیں۔

شیخ نور محمد بخش اپنی کتاب سلسلۃ الذہب میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے، وہ علومِ ظاہری کے عالم اور مشاہدات و مکاشفات کے مقامات و حوال میں کامل تھے، اُن سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے نشیب ہوئے ہیں، انھوں نے لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور اُن کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت اور نفاقیت سے روحانیت کی طرف لائے، اُن کی شان بڑی ننھی۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۲)

۲۲ ہزار ایکڑ زمین وابستہ تھی، آپ کا عرس ۲۱-۲۲ رجب کو ہوتا ہے۔

(آبِ کوثر ص ۳۴۲)

اخبارِ الاخیار میں ہے کہ شیخ کی قبر بنگلے میں ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں، اور برکت حاصل کرتے ہیں۔

۱۔ تمام تفصیل نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۰-۲۱-۲۲ و خزینۃ الاصفیاء جلد ۱

ص ۲۸ تا ۲۹ و اخبارِ الاخیار ص ۲۴-۲۵-۲۶ و آبِ کوثر ص ۲۳۸ و ۲۴۲ سے

ماخوذ ہے۔

۲۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۷ تذکرۃ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔

۳۔ نزہۃ الخواطر جلد ۱ ص ۱۵۸ بحوالہ سلسلۃ الذہب۔

انوارِ غوثیہ کے نام سے ایک کتاب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے حالات و مناقب پر آپ کی درگاہ کے خادموں نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں ہے کہ :-

حضرت کے وعظ سن کر ملک سندھ اور علاقہ ملتان اور لاہور کے اہل ہنود میں سے بھی بے شمار لوگوں نے جس میں بہت سے متمول تاجر اور بعض والیان ملک بھی تھے۔ دین اسلام اختیار کیا، اور حضور کے مرید ہوئے۔ اس کے علاوہ حضرت نے عامہ خلایق کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے زراعت اور تجارت کے کام کو رفتہ رفتہ بڑھایا، اطراف ملتان میں جہاں کہیں اچھا موقع ہوا، اُفتادہ جنگلوں کو آباد کرایا، چاہات اور نہریں احداث کرائیں، اور تجارت کی طرف بھی حضرت نے توجہ فرمائی۔

اصلاح و تربیت آپ عوام کی اصلاح و تربیت کی طرف خصوصیت سے توجہ دیتے تھے، اگر لوگوں کی عبادات میں کوئی غلطی محسوس فرماتے تو فوراً اُس کو متنبہ کرتے، فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے فرمایا کہ ملتان میں سلیمان نامی ایک شخص نہایت عابد و زاہد تھا، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اُس کے پاس گئے، اور اُس سے کہا کہ اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو، تاکہ میں دیکھوں کہ تم کس طرح نماز پڑھتے ہو، وہ شخص اٹھا، اور اُس نے نماز شروع کی، لیکن نماز میں حالت قیام میں دونوں قدموں کے درمیان مسنون فاصلہ نہ چھوڑا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ اپنے دونوں قدموں کے درمیان اس قدر فاصلہ رکھو کہ جتنا مسنون ہے۔ اس سے کم اور زیادہ نہ ہونا چاہئے، لیکن

اُس نے پھر بھی دونوں قدموں کے درمیان اتنا فاصلہ نہ کیا اور نماز شروع کر دی
شیخ نے دوبارہ اُسے ٹھکا، اور بتایا کہ دونوں قدموں میں اس قدر فاصلہ
ہونا چاہئے لیکن وہ پھر بھی شیخ کے فرمانے کے مطابق اپنے قدموں کے درمیان
اتنا فاصلہ قائم نہ کر سکا، حضرت شیخ نے اُس سے فرمایا جاؤ اور آج میں
مقیم ہو کر تعلیم و تربیت حاصل کرو، چنانچہ وہ آج چلا گیا۔

ایک دفعہ ایک بہت بڑا عالم دانشور و بخارا سے دہلی آیا، جب وہ ملتان
پہنچا تو اپنے علمی پندار و رعونت کی وجہ سے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی سے
ملنے نہیں گیا۔ جب وہ ملتان سے دہلی روانہ ہونے لگا تو اُس کے ساتھیوں نے
اصرار کیا کہ اُسے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سے ملنا چلے۔ آخر وہ
اپنے ساتھیوں کے اصرار پر آپ کی خدمت میں اس شان سے حاضر ہوا کہ
دستار کا شملہ نیچے تک لٹکا ہوا تھا، اور لمبے لمبے بال شانوں پر پڑے ہوئے تھے،
آپ نے اُسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا دو دو سانپ لے کر آئے ہو، اس
ارشاد کے ساتھ ہی اُس کی رعونت دور ہو گئی، اور اُس نے اُسی وقت اٹھ کر
سر منڈایا، اور دستار کے شملے کو چھوٹا کیا اور آپ سے بیعت ہو کر ایک عرصے
تک آپ کی خدمت میں رہا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت
بیعت لیتے وقت ارشاد

اپنے حلقہ ارادت میں داخل فرماتے تو بیعت لیتے وقت اُس کو بچند
نصیحتیں کرتے اور فرماتے کہ جب تم مجھ سے بیعت کر رہے ہو اور مجھے اپنا پیر
بنارہے ہو تو تمہیں چاہئے کہ اب کسی دروانے پر نہ جاؤ، ایک دروازے کو پکڑو
اور مضبوط پکڑو۔

اعلا کلمۃ الحق حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی بڑے سے بڑے موقعوں پر بھی اعلائے کلمۃ الحق سے نہیں جھکے، اُس وقت ملتان کا گورنر ناصر الدین قباچہ سلطان محمد غوری کا غلام تھا، سلطان قطب الدین ایبکؒ کی وفات کے بعد، جب اُس کا غلام شمس الدین ایلتمش بادشاہ ہوا تو اُس نے ایلتمش سے بغاوت کر کے خود مختاری کا ارادہ کیا، سلطان شمس الدین

ناصر الدین قباچہ سلطان شہاب محمد بن سام غوری کا غلام تھا، سلطان شہاب نے اس کو سندھ کا گورنر مقرر کیا، سلطان قطب الدین ایبک کی دولت کیوں یکے بعد دیگرے اس کے نکاح میں آئیں تھیں، سلطان شمس الدین ایلتمش جب بادشاہ ہوا تو ناصر الدین قباچہ نے اس سے بغاوت کی، سلطان شمس الدین ایلتمش نے اُج کا محاصرہ کیا، جہاں ناصر الدین قباچہ رہتا تھا، قباچہ اُج سے نکل کر بھکر آیا، سلطان ایلتمش نے اس کے تعاقب کے لئے اپنے وزیر نظام الملک قوام الدین محمد بن ابی سعد الجیندی کو ایک لشکر کے ساتھ بھکر بھیجا، اُس نے وہاں پہنچ کر قلعہ بھکر کا محاصرہ کر لیا، ادھر ایلتمش نے اُج کو فتح کر لیا قباچہ نے جب اُس کی فتح کی خبر سنی تو اپنے لڑکے بہرام شاہ کے ہاتھ جو کچھ نذر و جواہر اور خزانہ تھا سلطان شمس الدین ایلتمش کے پاس بھجوا دیا۔ اور ۱۹ جمادی الآخر ۶۲۵ھ کو دریائے سندھ میں ڈوب کر مر گیا، سندھ میں اُس کو گورنری کا زمانہ (۶۰۲ھ سے ۶۲۵ھ) تک ہے۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۲۳۳ بحوالہ طبقات ناصری)

۷ سلطان قطب الدین ایبک ہندوستان کا پہلا خود مختار بادشاہ تھا جو ۱۲۰۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے فقط چار سال حکومت کی اور ۱۲۱۰ء میں وہ لاہور میں چوگان کھیلتے میں گھوڑے سمیت گرا اور اسی صدمے سے وفات پائی، اس کا مزار اناکلی بازار کی کھلی جانب واقع ہے۔ (ماخوذ آب کوثر ص ۱۱۱-۱۱۲)

ایلمتش نہایت نیک، عدل پرور اور انصاف پسند بادشاہ تھا، اور اپنے زہد و تقویٰ، دینداری اور پابندی شریعت کی وجہ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا تھا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، اور ملتان کے مولانا قاضی شرف الدین اصفہانی کو یہ بات پسند نہ تھی، ان دونوں بزرگوں نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ وہ اس کی بغاوت کی تیاریوں سے سلطان شمس الدین ایلمتش کو مطلع کر دیں، چنانچہ دونوں نے علیحدہ علیحدہ خط لکھ کر ایلمتش کو ناصر الدین قباچہ کے منصوبوں سے اطلاع دی، اتفاق سے دونوں کے خط ناصر الدین قباچہ کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ ان خطوں کو دیکھ کر بے حد غضبناک ہوا، اور ایک محضر کے ذریعہ ان دونوں کو طلب کیا، جب یہ دونوں بزرگ اُس کی مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو اپنی داہنی جانب اور قاضی شرف الدین کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا، اور اُن کا خط اُن کے ہاتھ میں دے دیا، قاضی شرف الدین اپنا خط پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ قباچہ نے حکم دیا کہ اسی وقت ان کی گردن مار دی جائے، جلد نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ میں جب اُن کا خط دیا گیا تو انھوں نے اُسے دیکھ کر فرمایا، بیشک یہ خط میرا ہے، اور میں نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح لکھا ہے، تمھاری حصولِ سلطنت کی کوششوں سے سوائے مسلمانوں کے خون بہنے کے اور کچھ نہ ہوگا، قباچہ حضرت شیخ کی یہ گفتگو سن کر کانپ اٹھا، اور اُس نے معذرت کر کے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا، لیکن اُس نے ایلمتش کے خلاف بغاوت کی، ایلمتش اس کا تعاقب کر رہا تھا کہ وہ دریائے سندھ میں ڈوب کر رہ گیا۔

تلاوتِ قرآن مجید تلاوتِ قرآن مجید سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا ایک دفعہ اپنی مجلس میں اپنے خلفاء سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر لے اور چار پارے اور پڑھے، آپ کی یہ بات سن کر سب خاموش رہے۔ اور کسی کی ہمت نہ ہوئی، پھر آپ خود ہی نماز کے لئے کھڑے ہوئے، اور دو رکعت نماز کی نیت باندھ کر پہلی رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کیا، اور چار پارے مزید پڑھے، پھر دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھی۔

فرمایا کرتے تھے کہ اہل اللہ سے مجھے جو فیض پہنچا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور جس کام کے لئے ارادہ کیا وہ پورا ہوا، لیکن اب تک جو کام نہیں ہو سکا وہ یہ ہے کہ ایک بزرگ ابتدائے صبح سے سورج کے طلوع ہونے تک ایک قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے میں نے اس کی بے حد کوشش کی مگر یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں، لیکن سیر العارفین کے مؤلف شیخ جمالی کا بیان ہے کہ اُن کے پیر شیخ سمار الحق کے والد بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا کی عادت تھی کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام مجید شروع کرتے تھے، اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے یہ

عبادت و طاعت حضرت شیخ نظام الدین محبوب الہی سے منقول ہے کہ بابا فرید گنج شکر کثرت سے روزے رکھتے تھے، اور یہاں تک کہ اگر بخار بھی آتا یا فصد گھلواتے تب بھی روزہ نہ چھوڑتے تھے، اور حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی روزے

کم رکھتے تھے، لیکن طاعت اور عبادت بہت کرتے تھے اور یہ آیت بہت پڑھتے تھے یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً۔

اخلاق حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی محسن اخلاق و بہترین عادات ایک مکمل نمونہ تھے تو واضح اور انکسار کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی تعظیم و تکریم ناپسند فرماتے تھے۔

ایک دفعہ خانقلہ میں کچھ مرید وضو کر رہے تھے کہ اتفاق سے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی وہاں تشریف لے آئے، سب مرید وضو نامکمل چھوڑ کر آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور سلام کیا، لیکن ایک مرید وضو مکمل کر کے کھڑا ہوا اور تعظیم بجالایا، آپ نے فرمایا تم سب درویشوں میں افضل ہو اور زاہد ہو۔

لیکن دوسروں کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب ملتان تشریف لائے تو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ان سے بہت تعظیم و توقیر سے پیش آئے اور انھیں اپنے پاس ٹھیرایا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بھی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی بڑی قدر کرتے تھے، چنانچہ جب معتدین نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے عرض کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں تو فرمایا کہ ملتان پر شیخ بہاؤ الدین کا سایہ اور قبضہ کافی ہے، انھیں کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

استغنا و بے نیازی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن اپنے خادم سے فرمایا کہ جس صندوقچے میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں لے کر آؤ۔ خادم آیا، اور اس نے واپس آکر عرض کیا کہ صندوقچہ کہیں نہیں ملتا، فرمایا الحمد للہ

خادم دوبارہ گیا، اس مرتبہ تلاش کرنے پر وہ صندوقچہ لے لیا گیا، اس نے دوبارہ آکر عرض کیا کہ صندوقچہ مل گیا ہے، آپ اس پر بھی الحمد للہ، کہہ کر خاموش ہو گئے، لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے صندوقچہ کلم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا، اور مل جانے پر بھی الحمد للہ فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ بات یہ ہے کہ فقیروں کے لئے دنیا کا وجود اور عدم برابر ہے، انھیں نہ کسی چیز کے ملنے پر خوشی ہوتی ہے اور نہ کسی چیز کے جانے کا غم ہوتا ہے، پھر وہ پانچ ہزار دینار ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیئے۔

جو دوسرا اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مریدوں اور معتقدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا، انتہائی اضطراب کے عالم میں انھوں نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے روحانی مدد طلب کی، خدا کی قدرت سے وہ جہاز غرق ہونے سے بچ گیا، اس جہاز میں جواہرات کے بڑے بڑے تاجر بھی سوار تھے، جب یہ ساحل پر اترے تو ان تاجروں نے اپنے مال کا تہائی حصہ حضرت شیخ بہاء الدین ملتانی کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا، اور ان کی طرف سے خواجہ فخر الدین گیلانی یہ نقد جو اسہلے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر چاندی کے ستر لاکھ ٹکے ہوئے تھے، آپ نے یہ رقم قبول کر لی مگر تین دن کے اندر یہ تمام رقم فقرا و مساکین میں تقسیم کر دی، آپ کی اس فیاضی کو دیکھ کر خواجہ فخر الدین گیلانی اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنا تمام مال و متاع فقرا و مساکین میں تقسیم کر کے درویشی اختیار کر لی، پانچ سال تک وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں رہے، پھر خانہ کعبہ حج کے لئے روانہ ہوئے، مگر جدے پہنچ کر خواجہ فخر الدین گیلانی نے وفات پائی۔

۱۔ فوائد العارفین ص ۱۱۳-۱۱۴ ۲۔ سیر العارفین ص ۳۲ و

خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۴-۲۵

فوائد القواد میں ہے کہ خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے متعلق فرمایا کہ شیخ جب کسی کو کوئی چیز عنایت فرماتے تو بہترین چیز عنایت فرماتے، آپ کے صاحبزادوں کو جو معلم تعلیم دیتے تھے ان کی غیر معمولی توقیر کرتے اور ان کو کمال و دولت سے نوازتے تھے۔

ملتان میں ایک دفعہ قحط پڑا اور ملتان کے حاکم کو غلے کی ضرورت ہوئی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتان نے بڑی مقدار میں غلہ اُس کے پاس بھجوا دیا جب غلہ اُس کے پاس پہنچا تو تقریباً ٹنوں سے بھرے ہوئے سات کونڈے بھی نکلے، ملتان کے حاکم نے آپ کو اس کی اطلاع دی، فرمایا ہمیں پہلے سے معلوم تھا، ہم نے غلے کے ساتھ یہ ٹن بھی دیے۔

جب ۱۲۵۷ء میں منگول ملتان میں داخل ہوئے، اور برج و مورچے گر کر شہر میں قتل غارت شروع کرنے کو تھے تو حضرت مخدوم عالم شیخ بہاؤ الدین زکریا ایک لاکھ درم نقد لے کر پہنچے اور سخیوں کو یہ رقم ادا کر کے شہر کو ان کی تباہی سے بچا دیا۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتان ہمیشہ ساز و سامانوں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔

ایک دفعہ فقراریک لیک بہت بڑی جماعت آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھی، آپ نے ہر درویش کے ساتھ ایک لقمہ کھایا، ایک درویش کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے، فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر کھانا خوب جانتا ہے، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شریک کو کھانوں پر رہی فضیلت ہے جو مجھ کو تمام انبیاء پر اور عائشہؓ کو تمام عورتوں پر ہے۔

حلم و بردباری حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کا امتیازی وصف تھا، ایک دفعہ گدڑی پوش قلندروں کی ایک جماعت نے آپ کے پاس اگر مالی مدد مانگی، آپ نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا، قلندروں نے یہ دیکھا تو گستاخی شروع کی، اور اینٹ پتھر سے آپ کو مارنے لگے، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو، اب قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا فرمایا کہ دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کا بٹھایا ہوا ہوں، خود آکر نہیں بیٹھا، خادم نے دروازہ کھول دیا، قلندر اپنے قصور پر ناام ہوئے اور آپ سے معافی چاہی۔

حضرت بابا فرید گنج شکر سے تعلق حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو بابا فرید گنج شکر

سے بچہ خلوص اور محبت تھی، اس خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکر کو کسی بات پر معذرت کرتے ہوئے ایک رقعہ لکھا، جس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا۔

میان ماوشما عشق بازی ست

حضرت بابا فرید گنج شکر نے اس معذرت کا جواب دیتے ہوئے لکھا۔

میان ماوشما عشق ست، بازی نیست

سماع سے ذوق رکھتے تھے، سیر العارفین میں ہے کہ جب

سماع

عبداللہ رومی قوال ملتان آیا، اور اس نے آپ کی خدمت

میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے اس کا سنانا مشوق کے ساقف سنا ہے، اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہا ہے،

آپ نے فرمایا، اچھا اگر حضرت نے تمہارا گانا سنا ہے تو ہم بھی نہیں گے۔ چنانچہ آپ نے عبداللہ اور اس کے ساتھی کو حجرے میں بلایا، عشاء کی نماز کے بعد جب رات ایک پہر گزر گئی تو آپ خود حجرے میں تشریف لائے۔ دروازہ بند کر دیا اور دو پاسے کلام مجید تلاوت کر کے عبداللہ قوال سے کہا کچھ سناؤ، عبداللہ قوال نے یہ غزل شروع کی۔

مستان کہ شراب ناب خوردند

از پہلوئے خود کباب کردند

جب اس نے اس شعر کو مکرر پڑھا تو حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی، کھڑے ہو گئے اور حجرے کا چراغ گل کر دیا، عبداللہ قوال کا بیان ہے کہ مجھے اندھیرے کی وجہ سے کچھ نہ معلوم ہوتا تھا کہ شیخ پر کیا کیفیت گزر رہی ہے۔ صرف اتنا نظر آتا تھا کہ شیخ گردش کر رہے ہیں جب میرے قریب آتے تھے تو صرف آپ کا دامن نظر آتا تھا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ حجرے سے باہر تشریف لے گئے، اور عبداللہ قوال اپنے ساتھیوں کے ساتھ حجرے ہی میں رہا، صبح کو آپ نے اپنے غلام کے ذریعہ سے پس نقری ٹنکے اور خلعت اُسے بھجوا دیا۔

فارسی کے مشہور شاعر عراقی کی وجہ سے
عراقی اور شیخ بہار الدین
سماع سے حضرت شیخ بہار الدین زکریا
ملتانی کی دلچسپی اور بھی بڑھ گئی تھی، عراقی اپنی سیاحت کے زمانے میں ملتان

۱۔ سیر العارفین ص ۴۱۱ و فوائد الفواد - ص ۱۳۷

۲۔ شیخ فخر الدین ابراہیم نام اور عراقی تخلص تھا۔ فارسی کے عظیم المرتبت شاعر، اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے، اُن کا وطن ہمدان تھا، بچپن میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، اور بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔

تشریف لائے اور ملتان میں وہ شیخ بہار الدین زکریا کی ملاقات کے لئے حاضر

(بقیہ فوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۷)

سال کی عمر میں ہمدان کے مشہور مدرسے میں درس دیتے تھے، سیر العارفین میں ہے کہ انھوں نے خود ہمدان میں ایک عالی شان مدرسہ بنایا تھا، اور وہاں خود درس دیتے تھے۔ سخاوت و فیاضی میں مشہور تھے۔ ایک دن اُن کے مدرسے میں قلندروں کی ایک جماعت آئی، اُن کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا بھی تھا، عراقی اس لڑکے پر عاشق ہو گئے، اور اُن کی یہ حالت ہوئی کہ جب قلندروں کی یہ جماعت ہمدان سے روانہ ہوئی تو دو چار روز بھی اُس لڑکے کی جدائی پر صبر نہ کر سکے، اور بمقام ہو کر قلندروں کی تلاش میں روانہ ہوئے، آخر قلندروں کی یہ جماعت اُنھیں مل گئی، انھوں نے عراقی کو مفتون و بقرار دیکھ کر کہا کہ لمے مخدوم تم بزرگ ہو، اور ہم خوش باش قلند ہیں ہمارا اور تمہارا کیا میل، جب تک کہ تم ہمارے رنگ میں رنگے نہ جاؤ، عراقی نے اُن کی ہمنگی قبول کر لی اور قلندر نہ وضع اختیار کر کے وہ قلندروں کے ساتھ ہو گئے۔ یہاں تک کہ قلندروں کی یہ جماعت ملتان پہنچی، اور قلندر حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ میں پہنچے، سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی نے قلندروں پر نظر ڈالی تو آپ نے عراقی کو پہچان لیا، لیکن آپ نے اپنے تعارف کو ظاہر نہیں فرمایا، دوسرے روز قلندروں کی یہ جماعت ملتان سے روانہ ہو گئی، حضرت بہار الدین زکریا ملتانی نے ان قلندروں کو بلوایا، مگر معلوم ہوا کہ وہ روانہ ہو چکے ہیں۔ شیخ سجدہ متفکر ہوئے، اچانک اس قدر زور کی آندھی اور طوفان آیا کہ تاریکی وجہ سے دن رات معلوم ہونے لگا، اور قلندروں کی وہ جماعت جو سفر کر رہی تھی اُن میں اس قدر افزائ فری پیدا ہوئی کہ وہ منتشر ہو گئے اور جس کے جہاں سینک سمائے اُدھر روانہ ہو گیا، ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، عراقی نے بلا قصد اس باد و طوفان میں جو راستہ اختیار کیا وہ ملتان کا تھا، وہ اسی پریشانی کے عالم میں بغیر اُس کے حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچے، حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کو توجہ باطنی سے معلوم ہوا کہ عراقی خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے اُن کو اندر بلوایا، جیسے ہی وہ آئے آپ نے اُن کو

ہوئے، اور آپ سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ کہا کرتے تھے:-
بر مثال مقناطیس کہ آہن را کشد، شیخ مرا جذب می کند و مقید
خواہد کرد، ازیں جاز و دتر باید رفت۔

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ سلمہ)

سینے سے لٹایا، سینے سے لگاتے ہی عراقی کا دل قلندر بچے کی محبت سے متنفر ہو کر عشقِ الہی کی
لہر مائل ہو گیا اور ان کو لباسِ خاص سے شرف فرمایا اور خانقاہ میں اُن کے لئے ایک حجرہ
متعین فرمایا تاکہ وہ اُس میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کریں پھر عراقی کو شرفِ بیعت سے
شرف فرمایا، یہاں تک کہ انھوں نے آپ کی خدمت میں رہ کر سلوک کے اعلیٰ منازل طے کئے۔
شیخ بہار الدین زکریا ملتانی نے اُن کو یہ شرف بھی بخشا کہ اپنی صاحبزادی کا اُن سے عقد کر دیا۔
عراقی تقریباً پچیس سال تک آپ کی خدمت میں رہے، جب حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی
کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے عراقی کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، شیخ کی وفات کے بعد
لوگوں کے رشک و حسد کی بنا پر جو شخص اس وجہ سے تھا کہ شیخ اُن کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔
عراقی ملتان چھوڑ کر حج کے لئے بیت اللہ روانہ ہوئے۔ حج و روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی زیارت کے بعد وہ روم گئے، اور شیخ صدر الدین قونی قدس سرہ کی خدمت میں
تربیت حاصل کی، لوگ شیخ صدر الدین قونی سے شیخ ابن عربی کی خصوصاً حکم پڑھتے تھے، عراقی
عراقی بھی اس درس کو سنتے، اُسی زمانے میں عراقی نے تعلیمات لکھی، اور شیخ صدر الدین کے سامنے
اُس کو پیش کی، شیخ صدر الدین نے اُن کی تصنیف کو پسند فرمایا، مولانا جلال الدین رومی کی وفات کے بعد
وہ شیخ صدر الدین سے اجازت لے کر دمشق آئے، اور کچھ دن کے بعد ۶ رذی قعدہ ۷۸۵ھ کو عراقی
نے دمشق میں وفات پائی، اُن کا مزار شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار کے عقب میں واقع ہے، عراقی کے
قبر کے پہلو میں اُن کے صاحبزادے کبیر الدین کی قبر بھی ہے جو حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کی صاحبزادی
کے بطن سے تھے، اور ملتان چھوڑ کر دمشق میں اپنے والد کے پاس آ گئے تھے۔

(ماخوذ از سیر العارفین۔ ص ۱۰۳ تا ۱۱۰ و نفحات الانس۔ ص ۵۴۲ تا ۵۴۵)

عراقی ایک طویل عرصے تک ملتان میں رہے، اور حضرت بہاء الدین زکریا
ملتان سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

نفحات الانس میں ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتان سے اُن کو خلوت میں بٹھا کر
چلہ کھنوا یا، ابھی چلے گئے دس ہی روز گزرے تھے کہ عراقی پر وجد و حال کی کیفیت طاری
ہوئی، اُسی عالم میں اُنھوں نے یہ غزل کہی، اور بلند آواز سے گانا شروع کیا ہے۔

نخستیں بادہ کاندہ جام کردند

مست چشم ساقی وام کردند

برائے صید مرغ جان عاشق

ز زلفِ ماہ رویاں دام کردند

بعالم ہر کجا رنج و ملامت

بہم بردند عشقش نام کردند

چو خود کردند رازِ خویشتن فاش

عراقی را چرا بدنام کردند

اہل خانقاہ نے جب اُن کو یہ غزل پڑھتے سنا تو اُن سے اس عمل کو خانقاہ
کے آداب کے خلاف سمجھا، کیونکہ خانقاہ میں سوائے ذکر و مراقبہ کے کسی اور چیز کی اجازت
نہ تھی، اُنھوں نے اس کی شکایت شیخ سے کی، لیکن شیخ نے اُن لوگوں سے فرمایا کہ تمہارے
لئے یہ چیزیں منع ہیں، عراقی کے لئے منع نہیں۔ چند روز گزرے تھے کہ حضرت
شیخ بہاء الدین زکریا ملتان کا ایک مرید اتفاق سے ایک میخانے کے پاس سے
گزرا، اُس نے وہاں دیکھا کہ چند خراباقتی چنگ و درباب کے ساتھ میخانے میں
یہ غزل گارہے ہیں، اُس نے شیخ سے آکر تمام واقعہ بیان کیا، اور عرض کیا کہ اب
آپ کو اختیار ہے جو چاہے فیصلہ فرمائیں شیخ نے فرمایا جو غزل تم سنی ہے پھر
سناؤ، چنانچہ اُس نے پھر وہ غزل پڑھی، جب وہ مقطع پر پہنچا۔

چو خود کردند رازِ خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

شیخ نے اس کو شن کر فرمایا اب اس کا کام پورا ہو گیا، یہ کہہ کر اٹھے اور عراقی کی چلہ گاہ میں پہنچ کر کہا، عراقی! اب تم خرابات میں بھی سناجات کیے لگے ہو، اٹھو اور باہر آؤ، جیسے ہی وہ باہر آئے، اٹھوں نے شیخ کے قدموں پر ہر رکھ دیا، شیخ نے اُن کے سر کو زمین سے اٹھایا، اور اپنے جسم سے خرقة اُتار کر اُن کو پہنایا اور اپنی صاحبزادی اُن کے عقد نکاح میں دی۔ اُن سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام کبیر الدین تھا۔

وفات شیخ بہار الدین زکریا ملتانی نے ۷ صفر ۷۶۱ھ کو وصال فرمایا۔ فوائد الفوائد میں ہے کہ حضرت محبوب الہی خواجہ نظام الدین دہلوی کی محفل میں ایک دفعہ حضرت شیخ بہار الدین ملتانی کی وفات کا تذکرہ چلا، حضرت محبوب الہی نے فرمایا کہ ایک روز ایک بزرگ صورت شخص ظاہر ہوئے اور ایک نفاذ آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین کو دیا، اور کہا کہ یہ خط ایک صاحب نے دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شیخ بہار الدین گنہگار و شیخ صدر الدین اُس کا عنوان پڑھ کر بیدار متجسس ہوئے، اور اپنے والد کی خدمت میں وہ خط پیش کر کے باہر آکر دیکھا دیکھا کہ قاصد جا چکا تھا، خط کے پڑھنے کے ساتھ ہی شیخ بہار الدین زکریا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور آواز بلند ہوئی کہ ”دوست بدوست رسید“ یہ آواز سننے ہی شیخ صدر الدین حجرے میں گئے دیکھا کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔ اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد محبوب الہی نے فرمایا، وہ بھی کتنا اچھا زمانہ تھا جس میں یہ پانچ بزرگ زندہ تھے۔

۱۔ نفحات الانس۔ ص ۵۴۲-۵۴۳ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

۲۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے، راحت القلوب میں آپ کا سنہ وفات (۷۶۵ھ) اخبار الاخبار

میں (۷۶۱ھ) سفینۃ الاولیاء اند تالیف فرشتہ میں (۷۶۶ھ) اور مرآۃ السراہ میں (۷۶۵ھ)

مذکور ہے۔ ۳۔ فوائد الفوائد ص ۲۲۱ ملفوظات پنجشنبہ نیم رمضان المبارک سیر العارفین ص ۱۲

شیخ ابوالغیث یمنیؒ شیخ سیف الدین باخرزیؒ شیخ سعد الدین حمویؒ
شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہم۔

۱۰ شیخ ابوالغیث جمیل یمنی شائع کبار اور عظیم المرتبت بزرگوں میں تھے، صاحب کرامات و خوارق
تھے، ابتداءً رہبری کرتے تھے، اور چند ڈاکوؤں کے ساتھ قافلوں پر ڈاکے ڈالتے تھے، ایک روز
کین گاہ میں ایک قافلے کے لوٹنے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہاتھ کی آواز سنی کہ کہتا
ہے وما صاحب العین علیک عیناً، یعنی اے وہ شخص جو قافلے کے لوٹنے کے لئے نظر
جملے ہوئے ہے تو نہیں جانتا کہ تجھ پر بھی کسی کی نظر جمی ہوئی ہے۔ جب یہ آواز سنی تو اسی وقت
اُن کی طبیعت میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ اور فوراً تائب ہو کر شیخ ابن اللہ کی خدمت میں حاضر
ہو کر ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور شیخ کی توجہ سے تصوف کے اعلیٰ منازل پر فائز
ہوئے، شیخ ابوالغیث یمنی نے ۶۸۷ھ میں وفات پائی (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۷۱ و ۲۷۲)
۱۱ شیخ سیف الدین باخرزی شیخ نجم الدین کبریٰ کے منتخب مریدوں میں تھے، جب شیخ نجم الدین
کبریٰ نے ان کو ابتدائی زمانے چلے میں بٹھایا تو دوسرے چلے میں آپ دروازے پر تشریف
لے گئے، اور دروازہ کھٹکھٹایا، پھر فرمایا اٹھو اور باہر آؤ، پھر یہ شعر پڑھا۔

منم عاشق مرا غم ساندہ دارست

تو معشوقی ترا با غم چہ کارست

شیخ سیف الدین نے ۳۰ سال کی عمر میں ۶۸۷ھ میں وفات پائی، مزار مبارک
بخارا میں ہے (سفینۃ الاولیاء تذکرۃ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی)

۱۲ شیخ سعد الدین حموی کا نام محمد بن موید بن ابی بکر بن ابوالحسن بن محمد بن حموی ہے، شیخ
نجم الدین کبریٰ کے اصحاب و خلفاء میں تھے، اور اپنے وقت کے یگانہ اور فرد فرید تھے صاحب
تصنیف کثیرہ تھے، اُن کی تصانیف میں سجل الادواح مشہور ہے، جس کا شمار
مشکل کتابوں میں ہوتا ہے اور جس کا سمجھنا سوائے اہل بصیرت کے ممکن نہیں، شیخ سعد الدین
کے شیخ صدر الدین توینی سے دوستانہ مراسم تھے، اور شیخ صدر الدین بہت عرصہ تک ان کی

حضرت بابا گنج شکر کے ملفوظات و راحت القلوب میں مذکور ہے کہ جب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے وفات پائی، اسی وقت اُجود صحن دِ پاک میں حضرت بابا گنج شکر بھی ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا۔

برادرِ م بہاء الدین زکریا را از میں بیابان فنا بشہرستان بقا بردند
پھر آپ نے اٹھ کر اپنے مریدوں کے ساتھ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

آپ کا مزار مبارک ملتان میں سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔

تعلیم و نصح

تذکروں سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی کسی تالیف و تصنیف کا پتہ نہیں چلتا، لیکن صاحب اخبار الاخیار نے آپ کے بعض نصح و تعلیمات نقل کی ہیں، جنہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔
اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ نے اپنے بعض مریدوں کو وصیت فرمائی کہ ذکر الہی کو اپنے اوپر لازم کر لو کہ ذکر کی بدولت ہی طالبِ محبت تک پہنچتا ہے، محبت وہ آگ ہے جو تمام میل کچیں کو جلا ڈالتی ہے، جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو جس کا ذکر

(بقیہ فوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷۵)

خدمت میں رہے، شامِ نئے صاحبِ روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات نے اُن کی

ایک رباعی نقل کی ہے جسے ہم تبرکاً یہاں درج کرتے ہیں۔

کافر شوی از زلف نگارم بینی

مومن شوی از عارض یارم بینی

در کفر میاویز و در ایمان منکر

تا عزت یار و افتخارم بینی

شیخ سعد الدین حموی نے ۶۳ سال کی عمر میں ۷۷۷ھ میں وفات پائی، اُن کی قبر شہر کے قریب بحر آباد ہے (مذخرینۃ الاصغیاء جلد دوم ص ۲۷۰)۔ وفوٹ روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات ص ۲۸۷

(سلسلہ صفحہ ۱۷۵) ۱۷۵ بزم صوفیہ ص ۱۰۲ بحوالہ مراۃ الاسرار کلمی۔

کیا جاتا ہے اُس کے مشاہدے کے ساتھ ذکر حقیقت میں ذکر ہوتا ہے یہی وہ ذکرِ کثیر ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس قول **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ** میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔

فرمایا کہ مرید کو چاہئے کہ مراقبہ کرنے والا، اور اپنے اوقات کی جانچ پڑتال کرنے والا ہو، اور حق کے سوا ہر چیز کو اپنے دل سے نکال دے، اور اہل دنیا کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کرے، اور اللہ کی یاد میں مشغول رہے، اگر اُس کو حق تعالیٰ کے ذکر سے موافقت نہ ہوگی تو وہ خدائے تعالیٰ کی محبت کی بُو بھی نہ پاسکے گا۔

ایک دفعہ بعض مریدوں کو لکھا کہ جسم کی سلامتی کم کھانے میں ہے، اور روح کی سلامتی ترکِ گناہ میں ہے، اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے۔

اولاد میں آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین آپ کی وفات کے بعد **اولاد** سند آرائے رشد و ہدایت ہوئے جن کا تذکرہ اس کتاب کے آئندہ اوراق میں آ رہا ہے۔

آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں:۔ (۱) شیخ **خلفاء** حسن انغان (۲) شیخ فخر الدین عراقی (۳) سید صدر الدین احمد بن سید نجم الدین ہروی (۴) شیخ جمال خندان، (۵) شیخ نجیب الدین علی برغش

۱۔ یہ تمام تعلیمات اخبار الاخیار ص ۲۷ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ سید صدر الدین احمد بن سید نجم الدین ہروی معروف بہ میر حسین پہلی مرتبہ اپنے والد سید نجم الدین کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں ملتان آئے، چونکہ اُن کے والد تجارت کی غرض سے ملتان آئے تھے، اور یہ بھی اُس میں بے حد منہمک تھے، اس لئے وہ صرف ایک مرتبہ حضرت شیخ بہار الدین ذکر یا سے ملاقات کر سکے، اور اپنے وطن واپس چلے گئے، لیکن اپنے والد کی وفات کے بعد دنیا سے منہ موڑ کر اور اپنا تمام مال و سامان فقراء میں تقسیم

(۶) آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف (۷) آپ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح (۸) حضرت جلال سرخ بخاری (۹) اور سندھ کے مشہور بزرگ شیخ عثمان مروندی لعل شہباز قلندر مشہور ہیں۔

رہیقہ فٹ، نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۷۷

کر کے وہ دوبارہ ملتان آئے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے دست حق پرست پر بیٹھ ہوئے اور تین سال تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر خرقہ خلافت حاصل کیا، ان کا مزار مبارک شہر ہری میں واقع ہے، اس شہر کے لوگ دوشنبہ کے دن ان کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے آتے ہیں، مزار مبارک شہر کے ایسے پر فضا مقام پر واقع ہے کہ وہاں حاضر ہونے کے بعد روح ایک راحت محسوس کرتی ہے، شیخ جمالی مؤلف سیر العارفین کا بیان ہے کہ اس زمانے میں کہ میں دار السلام ہری میں مولانا نور الدین عبدالرحمان جامی اور مولانا عبدالرحمان لاری کی خدمت میں تھا، میں بھی حضرت سید امیر حسینی کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا، اور ہم نے ظہر و عصر کی نماز وہیں پڑھی، سید امیر حسینی جنیل القدر درویش ہونے کے علاوہ اپنے دور کے مشہور اہل قلم میں تھے۔ ان کی نثری تصانیف میں نزہۃ الادب اور طرب المجالس اور نظم میں زاد المسافرین، سرنامہ اور دیوان کنز الرموز مشہور ہیں، انھوں نے کنز الرموز اس زمانے میں جبکہ وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں تھے تصنیف کی، جس کو دیکھ کر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے اس کتاب کی بے حد تعریف فرمائی۔ شیخ محمود شتری کی مشہور مثنوی ”گلشن راز“ حضرت امیر حسینی کے سوالات کے جواب میں لکھی گئی، طرب المجالس میں انھوں نے اپنے دہلی آنے کا تذکرہ کیا ہے۔

(سیر العارفین ص ۱۱۰-۱۱۱)

(۱۴)

مولانا بدرالدین اسحاق

حالات آپ کا اسم گرامی بدرالدین اسحاق، آپ کے والد کا نام علی اور دادا کا نام اسحاق تھا، آپ نے دہلی میں علوم ظاہری کی تکمیل کی، یہاں تک کہ علم و فضل کی اُس منزل عالی پر فائز ہوئے کہ دہلی کے علماء میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا، بعض علمی مسائل اور اشکال کے حل کرنے کے لئے جو دہلی میں حل نہ ہو سکے تھے، آپ نے بخارا کا ارادہ کیا۔

اجودھن میں حاضری جب آپ اجودھن پہنچے تو اُس وقت حضرت بابا فرید گنج شکر کے علم و ولایت کی شہرت عالم میں پھیل چکی تھی اور طالبانِ حق دور دور سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، مولانا بدرالدین اسحاق کے ایک دوست نے جو اُن کے ساتھ ہم سفر تھے اصرار کیا کہ وہ بھی حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن علمی مسائل و مشکلات کو حل کریں جن کے لئے وہ سرگرداں ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے دوست کے ساتھ حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت بابا فرید گنج شکر نے پہلی ہی صحبت میں اُن کا علمی

مسائل و مشکلات کو اس طرح حل کر دیا کہ مولانا بدرالدین اسحاق حیران رہ گئے، اور آپ کی تقریر کی دلکشی، لطافت، شیرینی، اور علمی تبحر کو دیکھ کر وہ یہ سوچنے لگے کہ اللہ الصمد یہ بزرگ بھی باوجود اس کے کوئی کتاب ان کے پاس نہیں، علمی پندار سے کوسوں دور، معمولی کپڑے پہنے ہوئے، لیکن علم میں کس قدر غیر معمولی تبحر رکھتے ہیں، یقیناً ان کا علم کسی نہیں بلکہ وہی ہے جن مشکلات علمی کے لئے میں بخارا سفر کر رہا تھا، وہ یہیں حل ہو گیا، اس لئے بخارا جانا بالکل فضول ہے۔

وہ اسی وقت حضرت بابا فرید کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، اور حضرت بابا صاحب نے انھیں خلافت سے سرفراز فرمایا۔

من کہ در بیچ مقامے نزد م خیمہ عشق
پیش تو رخت بیفکند م و سوز نہاد م
پھر انھیں یہ شرف بھی بخشا کہ اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ کی شادی ان سے کر کے ان کو دامادی سے بھی مفتخر فرمایا۔

خشیت الہی مولانا بدرالدین اسحاق کا خشیت الہی سے یہ عالم تھا کہ ہر وقت آنکھیں آنسوؤں سے پُر رہتیں، سیر الاولیاء کے مؤلف میر خور کے والد بزرگوار سید مبارک کرمانی کا بیان ہے، کہ مولانا بدرالدین اسحاق اس قدر سریع البکاتھے کہ ایک گھڑی کے لئے بھی آنکھیں آنسوؤں سے خالی نہ رہتیں۔

۱۔ یہ تمام تفصیل اخبار الاخیار ص ۶۷ سیر الاولیاء ص ۱۷۰ اور خزینۃ الاصفیاء

جلد اول ص ۳۱۹ سے ماخوذ ہے

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۷۰

اے زعشت خانہ، عظم خراب
مردم چشم زگر یہ غرق آب

چاشت کی نماز میں مشغول ہوتے تو اس قدر روتے کہ سجدے کے وقت
سجدے کی جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ دونوں آنکھیں اشک باری سے
سفید ہو گئیں تھیں۔

ایک دفعہ صاحب سیر الاولیاء میر خور دکی دادی نے جو حضرت بابا فرید
سے مرید تھیں اُن سے کہا کہ اے بھائی! اگر تم ایک ساعت کے لئے اپنے
آنسوؤں کو روکو تو میں ان کا علاج سترے سے کروں، مولانا بدر الدین نے
روتے ہوئے جواب دیا بہن کیا کروں کہ آنسو میرے قابو میں نہیں۔

از آب دیدہ خانہ چشم خراب شد

بس نامدیم دیدہ خانہ خراب را

عالم تحیر ذوق اور تحیر کی یہ کیفیت تھی کہ ایک روز یہ شعر پڑھا:۔

پیش سیاست غمش روح چہ نطق میزند

اے زہرا صغوہ کم پس تو آواز چہ میزنی

تمام دن اس شعر کے ذوق کی وجہ سے عالم تحیر میں رہے، اور ہر بار جب
اس شعر کو پڑھتے ایک نیا کیف محسوس فرماتے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے
جب شام کی نماز کا وقت ہوا، اور حضرت بابا فرید نے اُن کو امامت کے لئے حکم
دیا تو اُنھوں نے تجیر تحریک کے بعد قراوت کے وقت یہی شعر پڑھا، اور ہوش
ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو حضرت بابا فرید نے دوبارہ امامت کے لئے حکم دیا
اور فرمایا کہ آپے میں رہو، اس دفعہ اُنھوں نے نماز ختم کی۔

۱۔ سیر الاولیاء۔ ص ۱۷۱ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۷۲ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۷۱ ۴۔ ایضاً۔ ص ۱۷۱

۵۔ ص ۱۷۲ و اخبار الاخبار ص ۶۷۔

حضرت محبوب الہی کی تربیت

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کا بیان ہے کہ مجھے مولانا بدر الدین اسحاق سے نہایت محبت تھی، وہ ہر کام میں حضرت بابا فرید کے پاس میری مدد فرماتے اور خود بھی میری تربیت کرتے، جب تک مولانا بدر الدین حیات رہے، سلطان المشائخ نے کسی کو بیت نہیں کیا۔

جامع مسجد اجدھن میں قیام

حضرت بابا فرید گنج شکر کی وفات کے بعد اُن کے تعلقات بابا صاحب کے صاحب زادے اور جانشین شیخ بدر الدین سلیمان سے اچھے نہیں رہے۔ سیرالاولیاء میں ہے کہ جب شیخ بدر الدین سلیمان نے اپنے والد کی سند و رشور ہدایات کو زینت بخشی تو مولانا بدر الدین اسحاق اُن کی خدمت میں بھی اُسی نیاز و بزرگی کے ساتھ حاضر رہے، جس طرح وہ اُن کے والد کی خدمت میں رہتے تھے، کچھ دن کے بعد حاسدوں نے ان دونوں بزرگوں کے درمیان اختلاف کا بیج بویا، جس کی وجہ سے وہ اجدھن (پاک پٹن) کی جامع مسجد میں رہنے لگے، اور آخر عمر تک وہیں رہے۔

وفات

مولانا بدر الدین اسحاق نے ۶۹۷ھ میں وفات پائی، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے اُن کی وفات کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید کے خلفاء میں سے ایک بزرگ کے انتقال کے وقت میں اُن کے پاس موجود تھا، جب وہ منات پاچے تو میں نے اُن کی وفات کا تذکرہ حضرت شیخ الشیوخ بابا فرید سے کیا، آپ نے مجھ سے پوچھا کہ آخر وقت میں اُن کے نماز کے ادا

ادا کرنے کی کیا کیفیت تھی، میں نے عرض کیا کہ اُن کی تین دن تک متواتر نمازیں مانگہ ہوتی رہیں، آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے، لیکن مولانا بدرالدین نے جو اُس مجلس میں موجود تھے فرمایا کہ وہ دنیا سے اچھی حالت میں نہیں گئے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شیخ خیسوخ العالم کے سامنے مولانا کی جرأت مناسب نہ تھی، میں مولانا بدرالدین کی وفات کے وقت بھی موجود تھا، جس روز اُنھوں نے وفات پائی، اُنھوں نے صبح کی نماز باجماعت ادا کی، اور ادو وظائف سے فارغ ہو کر پوچھا کیا اشراق کا وقت ہے؟ پھر اُنھوں نے اشراق کی نماز ادا کی پھر اور ادو وظائف میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ چاشت کی نماز کا وقت آ گیا۔ اُنھوں نے چاشت کی نماز ادا کی، چاشت کی نماز ادا کر گئے وہ سر بسجود ہوئے اور رحمت حق سے پیوست ہو گئے، سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ مجھے اُس وقت اُس بات کا خیال آیا جو اُنھوں نے اُن بزرگ کے انتقال پر حضرت بابا فرید کے سامنے کہی تھی، اور میں نے دل میں کہا کہ اس قسم کی بات کہنا واقعی مولانا بدرالدین کو زیب دیتا ہے یہ

سیر الاولیاء کے مؤلف کے والد سید مبارک کرمانی کہا کرتے تھے، مولانا بدرالدین جلتی ہوئی مشعل کی طرح تھے، جلد ہی کمالات کو پہنچے، اور جلد ہی وہ شیخ خیسوخ العالم حضرت بابا فرید سے جانے لے گئے

مدفن اُن کا مزار پُرانوار مسجد جامع پاک پٹن کے صحن میں ہے، جہاں وہ اکثر ذکر و شغل و عبادت الہی میں مصروف رہتے تھے یہ

اولاد مولانا بدرالدین اسحاق کے دو صاحبزادے تھے، خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے ان دونوں صاحبزادوں اور اُن کی والدہ کو مولانا بدرالدین کی وفات کے

بعد دہلی بلوایا تھا، اور ان دونوں صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی تھی، خواجہ محمد امام کو حضرت محبوب الہی نے خلافت بھی عطا فرمائی تھی، وہ اپنے شیخ کی زندگی ہی میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔

تاریخ مشائخ چشت کے حواشی میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حمید قلندر کی ایک کتاب خیر المجالس کا تذکرہ کیا ہے، یہ سلطان المشائخ کے ملفوظات کا مجموعہ تھا جسے حال ہی میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے۔

صاحب تصانیف تھے، سیر الاولیاء میں ان کی ایک منظوم تصنیف ”تصرف بدری“ کا پتہ چلتا ہے جو ان کے تبحر علمی، بلاغت و فصاحت کی آئینہ دار ہے لیکن یہ کتاب اب یہاں نہیں ملتی، اس کتاب کے خاتمے پر جو چند شعر لکھے گئے ہیں وہ سیر الاولیاء میں منقول ہیں۔ ان میں سے پہلا شعر یہ ہے۔

ہ انی بسطت یدی المیلک الہی

ولیسیل میل الدامع من باقی

اے اللہ میں نے اپنے دونوں ہاتھ تیرے آگے پھیلائے ہیں
(ترجمہ) اور میرے گوشہ چشم سے کسوؤں کی نثر جاری ہے

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کی ایک اور کتاب اسرار الاولیاء کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جس میں انھوں نے شیخ فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات کو جمع کیا تھا۔ لیکن پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مشائخ چشت کے حواشی میں لکھا ہے کہ اسرار الاولیاء جو شیخ بدر الدین کی طرف منسوب کی جاتی ہے، وہ ان کی تصنیف نہیں ہے اور نہ اس میں بابا فرید کے ملفوظات ہیں۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۷۳ ۲۔ تاریخ مشائخ چشت فٹ نوٹ ص ۱۶۶ نمبر (۴)

۳۔ اخبار الاخیار ص ۶۷ ۴۔ تاریخ مشائخ چشت فٹ نوٹ ص ۱۶۵ نمبر (۱)

(۱۵)

شیخ بدرالدین سلیمان

حالات شیخ بدرالدین سلیمان حضرت بابا شیخ فرید الدین شکر گنج کے تیسرے صاحبزادے تھے، جو علم و تقویٰ میں مشہور اور شارح کرام کے اوصاف سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

سجادگی حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج وصال کے بعد آپ کی مسندِ رشد ہدایت کو شیخ بدرالدین سلیمان ہی نے زینت بخشی، اُن کی سجادہ نشینی کے وقت اُن کے تمام بھائی، اور حضرت بابا فرید کے تمام مرید جو پاک پٹن میں موجود تھے حاضر تھے۔

وفات جب شیخ بدرالدین سلیمان نے وفات پائی تو اپنے والد کے گنبد میں مدفون ہوئے یہ

لے یہ تمام حالات سیر الاولیاء ص ۱۸۸-۱۸۹ سے ماخوذ ہیں۔

بایزید بتک زنی

حالات شیخ بایزید بتک زنی قصور کے مشہور صوفیائے کرام میں تھے، آپ نے روحانی تربیت حضرت شیخ کبار کے خلیفہ شیخ بتک زنی سے حاصل کی، اور مرجع خلافت ہوئے۔

ایک روز سماع میں خوش وقت ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو میرے پاس آئے اور میں اُسے خدا تک پہنچا دوں، یہ سن کر خوشگلی قبیلے کے تین افغانی، شیر خاں امجوزی، شیخ پائندہ امجوزی اور شیخ صدر الدین دتوزی اچھٹے، شیخ بایزید نے انہیں سینے لگایا، اور ایک دم سلوک و معرفت کے اعلیٰ منازل طے کرا دیئے۔

مشہور ہے کہ جب وہ سماع سنتے تو حالت وجد و کیف میں یہی مرناتے، اور بہت سے طالبان حق کو حق تک پہنچا دیتے۔

شیخ بایزید بتک زنی کسی بات پر اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر قصور سے خورجے چلے گئے، اور وہیں ہنگامہ ارشاد و تلقین بپا کیا۔

شیخ بایزید نے ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی مفتی غلام سرور
لاہوری نے اس شعر میں اُن کی تاریخ وفات کہی :-

وفات

آہل حق فیاضؒ گو تاریخ اور
۱۰۳۵ھ نیز فرما۔ شیخ کاہل بایزیدؒ
۱۰۳۵ھ

شیخ بایزید بتک زنی کے خلفاء میں جن بزرگوں نے شہرہ
عظمت حاصل کی اُن میں شیرفاں امجوزی، صدرالذکر
شیخ صدو، شیخ پایندہ دتوزی مشہور ہیں۔

خلفاء



marfat.com

(۱۷)

سید شاہ بلاول لاہوری

نام و نسب آپ کا اسم گرامی بلاول، آپ کے والد کا نام عثمان اور آپ کے دادا کا نام سید عیسیٰ قادری ہے۔

محبوب الواصلین میں ہے کہ شاہ بلاول کے بزرگ ہمایوں کے ہمراہ ہرات سے ہندوستان آئے اور موضع شیخوپورہ جولاہور سے دس کوس کے فاصلے پر واقع ہے ہمایوں نے ان کو بطور جاگیر دیا۔ اور اسی موضع میں انھوں نے سکونت اختیار کی، اور یہیں شاہ بلاول کی ولادت باسعادت ہوئی، بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے انوارِ ولایت ہو پڑا تھے۔ آپ کے دادا سید عیسیٰ نے آپ کو تعلیم و تربیت کے لئے لاہور بھیجا۔

تعلیم و تربیت لاہور میں شیخ بلاول نے شیخ فتح محمد سے جو اُس زمانہ کے یگانہ روزگار علماء میں تھے تعلیم و تربیت حاصل کی، اور تھوڑے ہی دنوں میں علوم ظاہری میں غیر معمولی کمال حاصل کیا۔

بیعت۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد عشقِ الہی کا چراغ آپ کے

قلب میں روشن ہوا۔ ایک روز آپ دریاے راوی کے کنارے چلے جا رہے تھے کہ اتفاق سے شیخ شمس الدین کشتی سے اترے اور چانک ایک دوسرے کی ملاقات ہوئی، شیخ شمس الدین نے نہایت شگفت سے شاہ بلاول کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے، پس تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ ہمارے پاس رہو، اور تمہارا نعمت باطنی کا جو حصہ ہمارے پاس امانت ہے اُسے ہم سے حاصل کرو۔ شاہ بلاول نے یہ سنا تو فوراً ہی شیخ شمس الدین سے بیعت کی، اور ریاضتوں و مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔

تربیت روحانی ابتداءً شاہ بلاول کے مزاج میں غصہ زیادہ تھا، بعض باتوں سے آپ کے شیخ نے اُسے محسوس کیا۔ ایک روز آپ سے فرمایا کہ ہم فقرا کے لئے اس قدر جلال و غصہ مناسب نہیں جب تک کہ تم سے یہ غصہ نہ جائے تمہارے لئے ضروری ہے کہ محلہ شاہ ابواسحاق میں جا کر حجرے میں خلوت اختیار کرو اور قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف رہو، چنانچہ آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق چند سال تک خلوت گزریں ہو کر نماز و روزے میں مصروف رہے۔

فیاضی شاہ بلاول بعد فیاض تھے، آپ کی خانقاہ میں دونوں وقت لشکر جاری رہتا، جو آدمی بھی آپ کی خدمت میں آتا، آپ اُسے حاضر پیش فرماتے۔

اوقات شبانہ روز عادت مبارک یہ تھی کہ شاہ بلاول صبح سے چاشت تک مراقبے اور عبادت میں مشغول رہتے، پھر لوگوں کو کھانا تقسیم فرماتے، کھانا تقسیم فرمانے کے بعد دوپہر میں کچھ دیر آرام فرماتے پھر نماز ظہر باجماعت ادا فرماتے، پھر مریدوں کی طرف متوجہ ہوتے، اور ان کو ارشاد و تلقین فرماتے، اسی درمیان میں لوگ پانی

کے کونڈے لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے، شاہ بلاول دعا پڑھ کر ان پر دم کرتے، یہ دم کیا ہوا پانی بیماروں کے لئے شفا میں اکسیر کا حکم رکھتا تھا، اسی دوران میں دو منشی جو آپ کے ملازم تھے حاضر ہوتے، آپ حاجتمندوں کے لئے بادشاہ وقت اور اس زمانے کے اُمراء کے پاس سفارشی خط لکھواتے، خطوط کے شروع میں اللہ بس باقی ہوس لکھواتے تھے، نماز عصر کے بعد رات بے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے، افطار کے بعد مغرب کی نماز ادا فرماتے، اور نماز مغرب سے فارغ ہو کر اپنے حجرۂ خاص میں تشریف لے جاتے اور دو گھنٹے تک نوافل اور صلوٰۃ الاوابین ادا فرماتے، پھر لوگوں کو کھانا تقسیم فرماتے اور خود جو کی روٹی اور چولائی کے ساگ پر اکتفا کرتے، عشاء کی نماز کے بعد آپ حجرے میں تشریف لے جاتے، اور رات کا بڑا حصہ بھی عبادت میں گزارتے تھے۔

صاحبِ نزہۃ النخاطر کا بیان
صاحبِ نزہۃ النخاطر نے آپ کے
محامد و اوصاف کو بیان کرتے
ہوئے لکھا ہے کہ :-

شیخ العالم، فقیہ، زاہد بذال بن عبداللہ حنفی قادری لاہوری اپنے
زمانے کے ایک مشہور عالم تھے، انھوں نے شیخ شمس الدین لاہوری سے
سلوک و معرفت کے منازل طے کیے، ہار شاد و تلقین میں مصروف رہتے
تھے، اور بند و عبادت کی انتہائی منازل پر تھے، شاہ جہاں بن جہانگیر

سے یہ تمام تفصیل خزینۃ الاسفیاء جلد اول ص ۱۶۲ و ۱۶۳ سے ماخوذ ہے۔

شاہ جہاں بن محمد شاہ جہاں بن جہانگیر بن اکبر کیم ربیع الاول ۱۰۲۸ھ میں لاہور میں پیدا ہوا اور
۳۷ سال کی عمر میں جہانگیر کے بعد، ۲ جمادی الثانی ۱۰۳۸ھ کو آگرے میں تخت نشین ہوا، اور ۶۷ سال کی
عمر میں ۲۶ رجب ۱۰۳۸ھ میں وفات پائی (حواشی مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی ص ۲۲۳ و ۲۶۶)

کئی مرتبہ لاہور میں اُن کی خدمت میں عقیدتاً حاضر ہوا۔

شہادۂ بلاء ۷۰ سال کی عمر میں ۲۸ شعبان ۱۰۴۶ھ کو وصال الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار پرنوار لاہور میں دہلی دروازے کے باہر واقع ہے۔

مفتی غلام سرور نے شعر میں آپ کا سنہ وفات نکالا ہے :-

بلاول پیر محبوب بہشت است

۱۰۴۶ھ

وصال آں شبہ دیں شاہِ عرفاں

رائے کنھیالال نے اپنی تاریخ لاہور میں ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے، اس کا بیان ہے کہ ابتدائاً شاہ بلاء کو دریائے راوی کے کنارے جہاں رنجیت سنگھ کی بارہ دری تھی ایک گنبد کے نیچے دفن کیا گیا، لیکن جوں ہی دریائے راوی نے اپنا رخ بدلاتو اس کی وجہ سے بارہ دری کا بہت سا حصہ خراب ہو گیا، چونکہ مزار اس بارہ دری کے بغل میں تھا، اس لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے خود اپنے وزیر سیاح عزیر الدین سے کہہ کر اُن کا جسد موجودہ مقبرے میں منتقل کروادیا، جس وقت قبر کھولی گئی تو کنھیالال کے قول کے مطابق جسد مبارک بالکل صحیح و سالم نکلا، بعد نماز جنازہ اُسے دوبارہ سپرد قبر کیا گیا۔

بچپن میں شاہ صاحب کو یہ شعر بہت پسند تھا۔

یا الہی بدہ تو تو فیقہم

راہ بنما بسوئے تحقیقہم

جب بڑے ہوئے تو اکثر یہ شعر ورد زبان رہتا تھا۔

زندگی مقصود بہر بندگیست

زندگی بے بندگی شرمندگیست

خواجہ بہاری

حالات خواجہ بہاری قصبہ حاجی پور کے رہنے والے تھے، تحصیل علم کے لئے آپ قصبہ کوہ پورہ میں تشریف لائے۔ اور شیخ جمال الدین اولیا سے تعلیم حاصل کی، پھر لاہور تشریف لائے اور علوم دینیہ کی تکمیل ملا محمد فاضل لاہوری سے کی اور اُنھیں کے ہاں مقیم ہو گئے۔

بیعت علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ لاہور کے مشہور بزرگ میاں میر لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سلسلہ قادریہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر حضرت میاں میر سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

عوام کی عقیدت حضرت میاں میر لاہوری کی وفات کے بعد لاہور میں اُن کے خلفاء میں خواجہ بہاری سب سے زیادہ عوام کی عقیدت کا مرکز بنے، لوگ جوق در جوق آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر فیوضِ روحانی کا اکتساب کرتے تھے۔

کرامات سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ قادری نے آپ کی متعدد کرامتیں نقل کی ہیں، خود اُس کا بیان ہے کہ ۱۰۵۰ھ میں میرزا صفی بیگ والی ایران نے قندھار پر حملے کا ارادہ کیا، میں نے حضرت خواجہ بہاری سے

اس کا تذکرہ کیا، فرمایا کہ اُس کی کیا مجال کہ وہ تمہارے ملک پر حملہ آور ہو، وہ انشا اللہ اپنی موت آپ مرے گا، اب اس بات کو ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ خبر ملی کہ دشمنوں نے اُس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

خواجه بہاری رحمہ اللہ میں واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار لاہور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے، صاحب خزینۃ الاصفیاء نے ذیل کے قطعہ میں اُن کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

بہاری چوں بہ جنت رخت بر بست

زدنیاحت یکسر بر کنارے

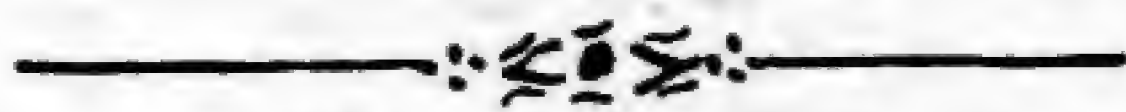
بسال رحلتش سرور رقم کرد

کہ سلطان الولی خواجہ بخاری

۱۰۶۰ھ

عبد اللطیف مؤلف تاریخ لاہور کے بیان کے مطابق خواجہ بہاری نے

۱۰۴۱ھ میں وفات پائی۔



۱۔ خواجہ بہاری کے یہ تمام حالات خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۶۸ و ۱۶۹ سے ماخوذ ہیں۔ آپ کا ذکر بادشاہ نامہ میں بھی ملتا ہے۔

(۱۹)

حضرت سلطان باہو

نام و نسب آپ کا اسم گرامی باہو، آپ کے والد ماجد کا نام باہو محمد تھا، آپ قوم اعوان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا سلسلہ نسب ۳۱ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے، قبیلہ اعوان اپنی اصل کے اعتبار سے یاشمی علوی ہے۔

سوانح حیات حضرت شیخ باہو میں ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد سے سادات بنی فاطمہ جہاں کہیں تھے ان کا وقت عبادت الہی اور گوشہ نشینی میں بسر ہوتا تھا باقی علوی خلافت کے مدعی تھے، وہ ایران سے ہوتے ہوئے خراسان آئے، اور علویوں میں شاہ حسین نے ہرات پر قبضہ کر لیا، ان کے بعد ان کا لڑکا امان شاہ تخت حکومت پر بیٹھا، چونکہ یہ سادات بنی فاطمہ کی بے حد اعانت کرتا تھا اس لئے اس کی اولاد کا لقب اعوان ہوا، سادات فاطمہ اور اعوان یمن چار پشت تک ہرات میں رہے، پھر عباسیوں کے آخری عہد میں پنجاب اور خراسان کے سرحدی علاقے دریائے اٹک کے کنارے کالا باغ میں پہنچے۔ سادات بنی فاطمہ نے اپنا مسکن آج، بلوٹ، چوہاسیدن اور دندا شاہ بلاول کو بنایا اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے، لیکن قبیلہ اعوان کے افراد نے کالا باغ

کے گرد و نواح کے علاقے جو خٹک اور جیوھا توام کے ہندو راجاؤں کے قبضے میں تھے ان راجاؤں کا مقابلہ کر کے ان علاقوں کو فتح کر لیا، پھر قبیلہ احوان نے اپنے شہر اور گاؤں الگ آباد کئے جن شہروں اور گاؤں میں احوان آباد تھے وہ احوان کہلانے لگے۔

پنجابی صوفی پوئیٹ میں بحوالہ مناقب سلطانی منقول ہے کہ سلطان باہو کے آباؤ اجداد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہاں آئے تھے، اور پنڈ وادون خاں اور احمد آباد میں کافروں سے اُن کے معرکے ہوئے اور اُنھوں نے اُن کو حلقہ اسلام میں داخل کیا، مغل فرماں روا شاہجہاں اس خاندان کی بڑی عزت کرتا تھا۔

سوانح حیات سلطان باہو میں ہے کہ سلطان باہو کے والد ماجد حضرت بازید محمد دہلی کے بادشاہ کے منصب دار تھے، وہ نہایت ہی نیک، متبع شریعت، حافظ قرآن کریم، فقیہ، اور عالم بزرگ تھے، اُنھوں نے اپنی خاندان کی ایک خاتون بی بی راستی سے شادی کی تھی، چنانچہ ایک شعر میں حضرت سلطان باہو نے اپنی والدہ محترمہ بی بی راستی کی تعلیم و تربیت کا اس طرح اعتراف کیا ہے۔

رحمت حق بر روانِ راستی

راستی از راستی آراستی

سلطان بازید کو شورکوٹ ضلع جھنگ میں شاہجہاں نے ایک سالم گاؤں قہرگان اور پچاس ہزار بیگھ زمین چند آباد کنوؤں کے ساتھ بطور انعام کے عطا فرمائی، چنانچہ سلطان بازید نے شورکوٹ میں سکونت اختیار کی۔

ولادت سلطان بازید کو شور کوٹ میں سکونت اختیار کئے ہوئے ابھی چند ہی دن گزر سکتے تھے کہ ۳۹۰ھ میں شاہجہاں کے عہد حکومت میں آپ کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے، جن کا نام آپ نے سلطان محمد باہور رکھا۔

بچپن بچپن ہی سے حضرت باہور کی پیشانی سے انوار ولایت تاباں نمایاں نظر آتے تھے، اور بعض ایسی باتیں پائی جاتی تھیں کہ جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ آئندہ چل کر آسمان ولایت کے روشن آفتاب بنیں گے، سلطان باہور نے شور کوٹ ہی میں تعلیم و تربیت حاصل کی، تعلیم ظاہری کے بعد وہ علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سلطان باہور نے براہ راست سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیضانِ باطنی حاصل کیا، اور پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تربیت حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے سپرد فرمائی۔

نہ آپ کا اسم گرامی عبدالقادر، لقب محی الدین، کنیت، ابو محمد اور عرف غوث اعظم تھا آپ نسباً حسنی حسینی سید ہیں، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید ابو صدق موسیٰ جلی دوست، اند آپ کی ولدہ کا نام ام الخیر، امہ الجبار فاطمہ تھا، آپ کی ولادت باسعادت یکم رمضان ۳۹۰ھ میں قصبہ گیلان میں ہوئی، آپ ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کے والد کا یہ شفقت سر سے اُڑ گیا، ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے قصبے میں حاصل کی، اٹھارہ سال کی عمر میں آپ حصولِ علم کے لئے بغداد شریف لے گئے اور مختلف اساتذہ اور شیوخ سے آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی، پھر آپ علم باطن کی طرف متوجہ ہوئے اور عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدات شاقہ کے بعد آپ نے حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی سے بیعت کی، اور ان کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہوئے، اور حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی نے آپ کو خرقہٴ خلافت عطا فرمایا، پھر آپ بغداد میں درس و تدریس اقامہ و رشد و ہدایت تبلیغ اور اعلا کلمۃ الحق میں مصروف ہو گئے۔

بیعت پھر حضرت سلطان باہو حضرت شاہ حبیب اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جنہوں نے ان کی رہبری پیر عبدالرحمن قادری کی طرف کی جو دہلی میں مقیم تھے، اور بظاہر شاہی منصب دار تھے۔ حضرت سلطان باہو دہلی پہنچ کر پیر عبدالرحمن قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر فیض روحانی حاصل کیا، اور پھر اپنے وطن واپس آکر ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے، آپ کا سلسلہ قادری سروری کہلاتا ہے۔ سلسلہ قادری سروری پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے اپنی کتاب "عین الفقر" میں تحریر فرمایا:۔

”وقادری سروری آن است کہ محض بہ فیض ازل بے وسیلہ ظاہری پرورش نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و شرف مجلس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شود، و حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ارشاد و تلقین فرمودہ دستش بدست حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سپارند، آل راقادری و سروری گویند۔ دھکم سروری حکیم

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

شیخ عمر کیمائی کا بیان ہے کہ آپ کی کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی کہ جس میں یہود و نصاریٰ اسلام قبول نہ کرتے ہوں، یا قطع الطرق، رہزن، چور، قاتل، قاسق، فاجر، ملحد، زندیق، بیدین اور بد اعتقاد لوگ آپ کے ہاتھ پر تائب نہ ہوتے ہوں، بھجۃ الامرار میں ہے کہ پانچ ہزار سے زیادہ یہود و نصاریٰ نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اور ایک لاکھ سے زائد فساق، فجار، قطع الطرق اور بد اعتقاد لوگ تائب ہوئے۔

۹۱ سال کی عمر میں ۱۱ ربیع الثانی ۷۵۶ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے، بغداد میں آپ کا

مدفن مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(اخبار الاخیار۔ ص ۱۰ و سیرت غوث اعظم مؤلف ابو البیان)

سرمدی است، وایں را اویسی نیز خوانند۔

سلطان باہو نے رشد و ہدایت کا جو چراغ شور کوٹ میں روشن کیا، اُس کی روشنی سے پنجاب اور سندھ منور ہو گئے۔

اتباع شریعت سلطان باہو خود بھی بقیع شریعت تھے اور اپنی تعلیمات میں اتباع شریعت پر بہت زور دیتے تھے، ایک دفعہ فرمایا اگر کوئی فقیر سیر مو بھی خلاف شریعت چلے، اُسی وقت اس کی تمام تختیں سب ہو جاتی ہیں، وہ اپنے ایک شعر میں اپنے تمام باطنی سر بلندیوں کو اتباع شریعت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

ہر مراتب از شریعت یا فتم
پیشوائے خود شریعت ساختم

سندھ میں سلسلہ باہو سندھ میں حضرت سلطان باہو کا سلسلہ پہلے کٹبار علاقہ ناٹری میں توسط حضرت شاہ غلام حیدر آیا، غلام حیدر اپنے والد محمد حسن سے بیعت تھے۔ محمد حسن ایک واسطہ سے سلطان باہو کے مرید تھے، غلام حیدر کے مرید میاں نور محمد شہداد کوٹی تھے۔ میاں نور محمد نے اپنے دو صاحبزادوں میاں گل محمد (متوفی ۱۳۳۷ھ) اور میاں غلام صدیق (متوفی ۱۳۲۲ھ) کو بھی اپنے مرشد غلام حیدر سے بیعت کرایا تھا۔ میاں نور محمد شہداد کوٹی بڑے جید عالم تھے، انھوں نے علوم رسمیمہ کی تعلیم میاں عبد الحلیم کنڈوی سے حاصل کی تھی، اور انھوں نے سندھ کے مشہور مخدوم عبد الواحد سوستانی کو بھی دیکھا تھا، میاں عبد الحلیم کا مزار روہڑی کے ریلوے اسٹیشن کے قریب دریائے قریب پہاڑی پر ہے میاں عبد الحلیم کنڈوی عاقل شاہ دریلوئی کے شاگرد تھے۔

تصانیف حضرت سلطان باہو کی تصانیف کی تعداد ایک سو چالیس بتائی جاتی ہے، آپ نے نظم و نثر دونوں میں شریعت

طریقت کے رموز و معارف بیان کئے ہیں، نشر میں ہمیں آپ کی جن کتابوں کا پتہ چل سکا ان کے نام یہ ہیں :-

(۱) عین الفقر کبیر (۲) عین الفقر صغیر (۳) عقل بیدار کبیر (۴) عقل بیدار صغیر (۵) کلید التوحید کبیر (۶) کلید التوحید صغیر (۷) مجالستہ النبی (۸) محبت الاسرار (۹) اسرار قادری (۱۰) توفیق الہدایت (۱۱) تیغ برہنہ (۱۲) مجموع الفضل (۱۳) محک الفقر الکبیر (۱۴) محک الفقر الصغیر (۱۵) فضل اللقا (۱۶) شمس العارفین (۱۷) رسالہ روحی اوشنگ شاہی (۱۸) امیر الکونین (۱۹) مفتاح العاشقین (۲۰) قرب دیدار (۲۱) نور الہدی (۲۲) دیوان اردو و فارسی دیوان فارسی (۲۳) دیوان پنجابی۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے جہاں آپ کے غیر معمولی تبحر علمی، غیر معمولی استعداد اور صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے، وہیں یہ کتابیں ایک سالگدازہ طریقت کے لئے عرفان و ہدایت کی ایک گنج گراں مایہ ہیں۔

شاعری حضرت سلطان باہو ایک عظیم المرتبت صوفی اور جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ شاعر بھی تھے، آپ نے اردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں شاعری کی ہے، اور اپنی شاعری میں عرفان و تصوف کو سمو کر شعر کو ایک نیا آب و رنگ بخشا ہے، ہم پہلے آپ کی فارسی پھر پنجابی شاعری کے چند نمونے برکایہاں پیش کرتے ہیں :-

مرا نہ پیر طریقت نصیحتے یاد است

کہ غیر یار خدا ہر نصیحت برباد است

بزلف یار دل بستم، بہ بستن دل چناں مستم

و د عالم رفت از دھم کنوں خود را فدا سازم

ز در و دل چناں خستم زجاں ہم دست خود خستم

کنوں از در و دل گفتم کہ من خود را فدا سازم

ننگ می آید مرا ایمان خویش
بالیقیں من خویش را کافر کنم

تو راہ صفا گز بھوٹی بیا
کہ راہ صفاست راہ رس

آپ کی پنجابی شاعری عوام میں بے حد مقبول ہے، سماع کی محفلیں آپ کے پنجابی اشعار سے گونجتی ہیں، ان میں ایک ایسا سونو گداز پایا جاتا ہے کہ اہل نظر ان پر سر دھنتے ہیں۔ دیکھئے کس گداز سے ارشاد فرماتے ہیں۔

اندھ ہوتے باہر ہو، دست باہو کتھ لبھیندا ہو

ہو دا دل غ محبت والا دم دم نال ٹریندا ہو

جتھے ہو کرے روشنائی، چھوڑاںدھیرا ویندا ہو

دوس جہاں غلام تھیندے باہو چھڑاؤ نو تھیج کو نہ ہو

(ترجمہ) ہو، یعنی ذات زوالِ جلال ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، پھر باہو کہاں ڈھونڈا پھرتا ہے

ہو کی محبت کا داغ ہر دم جلائے رکھتا ہے، اور جہاں جلوہ افروز ہوا وہاں سے

تاریکی غائب ہو جاتی ہے، اے باہو! جس نے ہو یعنی وحدت کو سمجھ لیا دونوں

جہاں اُس کے غلام ہو گئے۔

یار گھاناہ لمسی تینو رچے سردی بازی لائیں ہو

عشق اندھ چھ ہوستا نہ ہو ہو سدا الائیں تو

نال تصور اسم اندھ دے دم نو قید لگائیں ہو

ذاتی نال جان جاتی لیا تدبا ہو نام سدا میں ہو

(ترجمہ) یار تجھے اُس وقت بے گنج تو سردھڑکی بازی لگا دے۔ اور عشق اندھ میں

مست ہو کر ہو ہو پکارے۔ اندھ کے تصور کے ساتھ دم کو قید لگائے، تو باہو۔

اُس وقت کھلا کے گا جب ذات کبریا میں مدغم ہو جائے گا۔

عاشق پڑھن نماز پر دم دی جس وچھ صرف نہ کوئی ہو
 جیہا کیحایت نہ کے اُٹھے درد منداں دل ڈھوئی ہو
 اکھیں نیرتے خون جگر دا اُٹھے وضو پاک کر یو ہو
 باہو جیہ نہ ملے تے ہو تھ نہ پھر کن خاص نماز سوئی ہو

(ترجمہ) عاشق وہ نماز پڑھتے ہیں جس میں کوئی حرف نہیں ہوتا، اور
 یہ نماز ایک ایسی نماز ہے، جسے ہر کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ صرف
 درد مند ہی پڑھ سکتے ہیں، آنسوؤں اور خون جگر سے وضو کرتے
 ہیں اور نہ زبان ملتی ہے اور نہ ہونٹ پھڑکتے ہیں۔

وفات حضرت سلطان باہو یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ کو تریبٹھ
 سال کی عمر میں واصل الی اللہ ہوئے۔ کسی نے اس شعر
 میں آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔
 کاشف اسرار الحق اہل دیں
 ۱۱۰۲ھ
 گشت تایخ وصالش بالیقین

ابدی غلام باہو سے بھی آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

مزار آپ کو شور کوٹ کے قریب دریائے چناب کے کنارے موضع
 تہرگاں کے قلعہ میں دفن کیا گیا، لیکن دریا کے بڑھانے کی وجہ
 سے، اور مزار مبارک کو طغیانی کا خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے آپ کے
 جسد مبارک کو وہاں سے منتقل کر کے دوسری جگہ دفن کیا گیا، یہ واقعہ
 ۱۱۸۱ھ کا ہے، لیکن ۱۳۳۶ھ میں جب کہ حضرت شیخ حاجی سلطان
 نور احمد کی سجادگی کا زمانہ تھا، پھر مزار مبارک کو دریا کی طغیانی کا خطرہ
 لاحق ہوا، چونکہ ماہ محرم ۱۳۳۶ھ میں جسد مبارک وہاں سے منتقل کر کے

اُس جگہ دفن کیا گیا، جہاں اب آپ کا مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے، اس لئے ماہِ محترم ہی میں آپ کا عرس ہوتا ہے۔

حضرت سلطان باہو کے آٹھ صاحبزادے تھے، جن کے اولاد نام یہ ہیں:-

- (۱) شیخ سلطان نور محمد (۲) سلطان ولی محمد (۳) سلطان لطیف محمد
- (۴) سلطان صلح محمد (۵) سلطان اسحاق محمد (۶) سلطان فتح محمد
- (۷) سلطان شریف محمد (۸) سلطان حیات محمد، سلطان حیات محمد نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

اس وقت حضرت محمد حبیب سلطان سجادہ نشین ہیں۔



(۲۰۰)

میر تلخے شاہ قادری قصوری

حالات میر تلخے شاہ قادری شطاری حضرت شاہ عنایت قادری، لاہوری کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، آپ کا سلسلہ طریقت چند واسطوں سے شاہ محمد غوث گوالیری سے جا ملتا ہے، آپ کا سلسلہ طریقت یہ ہے:-

میر تلخے شاہ قادری، شاہ عنایت قادری، شاہ محمد رضا قادری، شیخ محمد فاضل لاہوری، شیخ الدلو قادری اکبر آبادی، شیخ محمد جلال، سید نورزین العابدین چشتی، شیخ عبد الغفور شیخ وجیہ الدین گجراتی، شاہ محمد غوث گوالیری۔

یہ سلسلہ شطاریہ شیخ بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے، اس سلسلے کے بزرگ اپنے آپ کو شطاری اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سلوک اور طریقت میں دوسرے سلسلے کے بزرگوں سے (شطاری) یعنی زیادہ تیز اور سرگرم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جنگلوں میں رہ کر سخت ریاضتیں کرتے تھے، شطاری اپنا سلسلہ شیخ شہاب الدین ہرودی سے ملاتے ہیں، عہدِ وسطیٰ میں شطاریہ طریق تصوف نے بہت زیادہ فروغ حاصل کیا، سب سے پہلے شمالی ہندوستان میں جس بزرگ نے یہ طریقہ جاری کیا وہ شیخ عبد اللہ شطاری تھے، جو اپنے پیر کے ارشاد کی بناء پر ایران سے ہندوستان تشریف لائے، ان کا سلسلہ نسب پانچ واسطوں سے حضرت بایزید بسطامی سے جا ملتا ہے۔ (رد و کوثر، ص ۳۲)

آبائی وطن

میرٹلھے شاہ کا آبائی وطن علاقہ بھاول پور کا ایک مشہور گاؤں
 آج گیلانیوں تھا، کتاب تاریخ ملا صفیاء جوٹلھے شاہ کے
 مرشد شاہ عنایت قادری شطاری لاہوری کی خاندانی تصنیف ہے، اس میں
 اُن کا سلسلہ نسب چودھویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔
 تاریخ آج میں مولانا حفیظ الرحمان بھاول پوری نے گیلانی سادات کا ذکر
 کرتے ہوئے بتلھے شاہ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالوہاب فرزند حضرت
 شیخ عبدالقادر جیلانی کے توسط سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچایا ہے۔
 میرٹلھے شاہ کے اجداد میں جو بزرگ سب سے پہلے عرصہ میں طلب
 سے آکر آج میں آباد ہوئے، وہ حضرت شیخ بندگی محمد غوث تھے، اُن سے
 ڈھائی سو سال قبل بخاری سادات کے بزرگوں میں سید جلال الدین سرخ
 بخاری ملتاں آکر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے دستِ حق پرست پر بیعت
 ہوئے۔ اور اُن سے خرقہ خلافت حاصل کر کے اُن کے ارشاد کی بنا پر آج
 میں آباد ہوئے۔

بتلھے شاہ کا مجموعہ سیرام حال ہی میں پنجابی اکیڈمی لاہور سے شائع ہوا ہے،
 اس کے مرتب کا خیال ہے کہ وہ حضرت غوث اعظم کے فرزند حضرت شیخ
 عبدالرزاق کی اولاد میں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بتلھے شاہ کے اجداد میں کون سے بزرگ سب سے
 پہلے آج آئے، اس کا معین کرنا بہت مشکل ہے، البتہ بتلھے شاہ کے والد
 سخی شاہ محمد درویش آج سے علاقہ ساہیوال کی طرف آئے، اور خود میرٹلھے
 شاہ قصور میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے۔

ولادت بتلھے شاہ کے سنہ ولادت میں بھی اُن کے تذکرہ نگاروں
 میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، تاریخ سات ستارے کا

لہ وطن ولادت کی تفصیل (مقدمہ بتلھے شاہ) شائع کردہ پنجابی اکیڈمی لاہور سے ماخوذ ہے۔

مصنف جو ایک بلکھ ہے، وہ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھتا ہے کہ لاہور سے دکن کی جانب ایک بستی پانڈوکی ہے، وہیں سُجاری سادات کے خاندان میں ۱۱۳۸ھ کے لگ بھگ بلکھے شاہ نے جنم لیا۔ لیکن اُن کا یہ سنہ ولادت اس لئے صحیح نہیں کہ اُن کے پیر شاہ عنایت قادری نے ۱۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ اس لئے ۱۱۳۸ھ میں اُن کی ولادت ایک ناقابل قبول حقیقت ہے۔

بلکھے شاہ کے مصنف مسٹر اسبورن نے ان کی تاریخ پیدائش ۱۶۸۰ء اور تاریخ وفات ۱۷۸۵ء لکھی ہے، اس طرح ان کی عمر ایک سو پانچ سال قرار پاتی ہے، یہ ایک ایسے دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل مسٹر اسبورن نے پیش نہیں کی۔

بلکھے شاہ کے کلام مجموعہ ہائے کلام کے مرتب مولوی انور علی رہتلی، خان عبدالرحمان رئیس موضع ڈھوگری ضلع جالندھر، اور بھائی پریم سنگھ زرگر قصوری ہیں، مگر ان حضرات میں سے کسی نے بھی اپنے مرتبہ مجموعے میں بلکھے شاہ کا سنہ ولادت اور سنہ وفات ذکر نہیں کیا، مولوی انور علی رہتلی نے ان کا سنہ وفات ۱۷۸۵ھ ذکر کیا ہے، یہ وہی سنہ ہے جو صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ میر بلکھے شاہ نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے، اور اکثر آپ پر جذب و مستی کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

میر بلکھے شاہ پنجابی زبان کے عظیم المرتبت شاعر تھے، ایک طرف ان کی ذات فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی تو دوسری طرف اُن کی شاعری اپنے اندر اثر و تاثر اور سوز و گداز کا ایک خزانہ لئے ہوئے

تھی، اُنھوں نے جو کچھ کہا ہے اُس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے، اُن کا ہر شعر روح کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور دل کی پہنائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے پاکیزہ نغموں سے پنجاب کے گاؤں، قصبے اور شہر گونج اُٹھے، ان کی شاعری کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دور دور پھیلی، ملتے شاہ کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے، اور ناخواندہ طبقہ بھی، ان کے اشعار میں لذت محسوس کرتا ہے، آج بھی عورتیں، گھروں میں، کان کھیتوں میں، بچے گلیوں میں، صوفیا خانقاہوں میں ملتے شاہ کے کلام کو پڑھتے اور سر دھنتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی شاعری تصوف کے باریک نکات اور زندگی کے حقائق کو انتہائی حسن و دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے، سلاست و روانی، شیرینی اور سادگی کی وجہ سے اُن کے اشعار عوام و خواص کے ورد ہیں، ان کی کافیوں سے سماع کی محفلیں گونجتی ہیں، ان کی شاعری کافیاں، اٹھارے دوہڑے، سی حرفیاں، اور گندھاں پر مشتمل ہے۔

نمونہ کلام :- ہم ان کے چند اشعار یہاں نموناً نقل کرتے ہیں :-

بلہیا غیر شرع نہ ہو

مسکھ کی نیند بھر کے سو

ہوں نہ انا الحق گو

چڑھ سولی ڈھولے گا دیں گا

پیارا سنبھل کے نیولا کھپو ن بھپلے گا

ملتے شاہ کے جو مجموعہ کلام اب تک شایع ہو چکا

ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مجموعہ کلام

(۱) قانون عشق حصہ اول و دوم۔ مرتبہ مولوی انور علی رحمانی

۱۹۵۲ء - ۱۹۵۹ء - لاہور

(۲) کافیہائے حضرت بٹھے شاہ قصوری۔ مرتبہ بھائی پریم سنگھ زرگری
قصوری قصور۔ ۱۹۵۳ء سمت۔

(۳) کافیاں میاں بٹھے شاہ لاہور ۳۲۸ء

(۴) کافیاں بٹھے شاہ۔ لاہور ۱۹۵۵ء

(۵) کافیاں بٹھے شاہ۔ لاہور ۱۹۵۵ء

(۶) کافیہائے بٹھے شاہ قلمی نسخہ میاں احمد دین صاحب نورائین ضلع گجرات۔

ان نسخوں کے علاوہ ڈاکٹر محمد باقر صاحب پرنسپل پنجاب فارسی یونیورسٹی کے اہتمام و
نگرانی میں پنجابی اکیڈمی لاہور سے ”کلیات بٹھے شاہ“ کے نام سے ان کا مجموعہ کلام حال ہی میں
شائع ہوا ہے جس کو ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے مرتب کیا ہے، یہ کلیات معنوی اور قصوری حیثیت
سے بہت سی خوبیوں کا حامل ہے۔

وفات خزانۃ الاصفیاء میں ہے کہ بٹھے شاہ نے ۱۱۷۵ھ میں وفات
پائی، مفتی غلام سرور صاحب خزانۃ الاصفیاء نے اس
شعر میں ان کا سنہ وفات نکالا ہے:-

رقم کن شیخ اکرم ارتحالش دگر بادی اکبرست توجید
۱۱۷۱ھ ۱۱۷۱ھ

لیکن مغربی پاکستان کے مشہور عالم ڈاکٹر محمد شفیع نے جو مقالہ پنجاب
یونیورسٹی کے تربیتی اجلاس منعقدہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۹ء میں پڑھا، اُس میں
انہوں نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ میر بٹھے شاہ کا سنہ
وفات جو خزانۃ الاصفیاء میں مذکور ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا، انہوں نے
اس مقالے میں بتایا کہ اوراد و وظائف کا ایک نسخہ جو فیروز پور میں عبدالعزیز
خاں کلارک آف کورٹ سشن کورٹ فیروز پور کے پاس محفوظ ہے،

۱۔ مجموعہ ہائے کلام کی تفصیل مقدمہ کلیات بٹھے شاہ شائع کردہ پنجابی اکیڈمی لاہور سے مل گئی ہے۔

جس میں کچھ اجازت نامے جلتے شاہ کی جانب سے درج ہیں، جن سے اس مسئلے پر روشنی پڑتی ہے، اس نسخے میں مختلف قسمی رسائل ہیں، جن میں تعویذات، نقوش، فالنامے، اعمالِ حب اور ادعیہ وغیرہ درج ہیں پہلے رسالے کے آخر میں تاریخ کتابت ۵ ربیع الثانی ۱۱۸۷ھ مندرج ہے۔ دعائے بانٹ العظمہ اس دعا کے آخر میں لکھا ہے کہ

”باذن و اجازت در رخصت حضرت حق آگاہ میاں عبداللہ عشقی شروع نموده، و در عمل آورده شد۔“

ایک جگہ برتر دوم بیان دعوتِ لوعیہ مختلفہ کا عنوان قائم کیا گیا ہے اس سے پہلے ورق پر یہ عبارت درج ہے۔

اجازت در رخصت حمزہ یمانی و بانٹ العظمہ و بانٹ الکرامۃ و حزب البحر اورادِ فتحہ و غیرہ، جمیع دعوت ہا از زبان مبارک حضرت سید عبداللہ عشقی عرف میاں بک شاہ جو فقیر جناب سید عبدالقادر جیلانی بحقائق و معارف آگاہ محبت پناہ حافظ خان محمد دادہ شد، باید کہ قبول نموده آرد ۱۱۸۱ھ و نیز اورادِ سلسلہ قادریہ شطاری (کذا) و مداریہ و چشتیہ و ہر دردیہ خلافت دادہ شد، باید کہ خود ہم مشغول شود، و بطالبان نیز اشغال نماید۔

اس تحریر و ہر سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۸۱ھ تک حیات

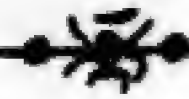
تھے۔



۱۱۸۱ھ یہ تمام تفصیل مقدمہ کلیات جلتے شاہ مرتبہ ڈاکٹر فقیر محمد شائع کردہ پنجابی اکیڈمی لاہور سے ماخوذ ہے۔

فضائل و مناقب مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء
 ان کے مناقب و محامد و اوصاف میں یوں
 رقم طراز ہیں :-

شیخ بود عابد و زاہد و صاحب جذب و
 سر و عشق و محبت و وجد و سماع ، در توحید
 سخنان بلند و تقاریر ارجمند داشت ، دشمار
 دے بزبان پنجابی کہ مملو از معارف و توحید اند ،
 زبان زد خواص و عوام اند ، و کافی ہائے مجوزہ
 وے در مجالس اصفیاء ، قوالاں می خوانند کہ
 موجب زیادتی شوق و ذوق میگردد ، و خوارق
 و کرامت بسیار از وے نقل می کنند



(۲۱)

پیر بہاؤن شاہ

نام و نسب آپ کا اسم گرامی عبدالکریم تھا، لیکن مشہور بہاؤن شاہ کے نام سے تھے، آپ ساداتِ عظام بارہ خانی سے تھے۔ آپ سلسلہ قادریہ میں اپنے والد شاہ بلاق کے مرید و خلیفہ تھے، آپ کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔

بہاؤن شاہ، شاہ بلاق، عبدالرشید لاہوری، شیخ محمد مشہور بہ ملا شاہ، میاں محمد میر بالا پیر لاہوری، شاہ خضر سیوستانی، سید احمد، شیخ عابد کبیر، شاہ ابوالقاسم، شیخ موسیٰ حلبی شاہ ابوبکر، شاہ داؤد، شاہ سلیمان، شیخ زید، شیخ قرشی، قطب الافاق، سید عبدالرزاق، غوث الاعظم ابو محمد عبدالقادر جیلانی۔

رشد و ہدایت اپنے والد کی وفات کے بعد پیر بہاؤن شاہ مسندِ رشید و ہدایت پر رونق افروز ہوئے، ابتداءً مزنگ میں سکونت اختیار فرمائی، جب جذب استغراق کی کیفیت آپ پر طاری ہوئی

تو شیخ پورہ میں تشریف لے جا کر بارہ سال تک عبادت الہی میں مصروف رہے
پھر موضع میرپور میں تشریف لا کر دامنِ کوہ میں سکونت اختیار کی، گہرے قوم کے
بہت سے لوگ آپ سے مرید ہو کر اصلاح و ہدایت سے آراستہ ہوئے۔ اس
کے علاوہ دور دور سے لوگ آکر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

پیر بہاؤن شاہ نے ۱۲۱۳ھ میں وفات پائی، آپ کا
مزار پر انوار حیرپور چو ننگہ میں ہے۔

وفات



(۲۲)

شیخ تاج الدین

مشہور بہ

تاج سرور

حالات شیخ تاج الدین، مشہور بہ تاج سرور، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے پوتے تھے، جو چشتیان علاقہ بھاؤل پور میں مقیم ہو گئے تھے۔

رشد و یدایت آپ کے دست مبارک پر ریگستان یگانہ جیسلمیر کے بہت سے لوگوں نے مذہب اسلام میں داخل ہو کر شریعت بیت حاصل کیا۔

شہادت یہ امر اس علاقے کے راجپوتوں کو ناگوار تھا کہ ان کی وجہ سے بہت سے غیر مسلم اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، انھوں نے آپ سے جنگ کی اور آپ اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ آپ کا مزار و خانقاہ روضہ تاج سرور کے نام سے چشتیان میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

عقیدت حضرت خواجہ نور محمد مہاروی اپنی زندگی میں ہمیشہ ہفتہ وار مہار سے روضہ تاج سرور کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔

۱۰ ذکر کرام۔ مرتبہ محمد حفیظ الرحمان۔ ص ۳۰

(۲۳)

شیخ جمال خنداں

جمال الدین نام تھا، لیکن جمال خنداں کے لقب سے مشہور تھے، اپنے حالات عہد کے جلیل القدر علماء میں تھے، اُج کے رہنے والے تھے۔

خرزیتہ الاصفیاء میں ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے اپنی وفات سے پہلے اپنے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف سے فرمایا تھا کہ اُج میں ایک صاحب حال اور ذی صلاحیت درویش ہے جو ابھی تک کسی سلسلے میں منسلک نہیں ہوا۔ اس کا پورا پورا حصہ ہمارے سلسلے میں مقدر ہو چکا ہے۔ اگرچہ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکا، لیکن ہماری وفات کے بعد وہ تمہارے ذریعہ سے ہمارے سلسلے میں منسلک ہوگا، وہ جذبہ حق میں مجذوب ہے، جب وہ تمہارے پاس آئے تو پہلے روتے اُس کو راہ نہ دینا، یہاں تک کہ چالیس روز کا چڑا اُس سے کھینچو یا جلے۔ اس چلے میں اُسے قرآن مجید کی تلاوت کا حکم دینا، تاکہ جذب کی کیفیت سے نکل کر شعور اور افاقے کی کیفیت پیدا ہو، پھر اسے مرید کرنا، اور جمال مطلق کا آشنابنا، جب وہ سلوک کی منزلیں طے کرے تو ہمارا وہ لباس اور تبرکات ہو تمہارے پاس ہیں سوئے شیخ شہاب الدین مہروردی۔ خرقے کے قم رکھنا اور نصف ناس کو دے دینا، اور کہہ دینا کہ نصف تمہارے لئے ہے اور نصف میرے لئے۔ چنانچہ شیخ صدر الدین عارف نے ایسا ہی کیا۔ جب شیخ جمال حضرت شیخ صدر الدین کی

خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے سلسلہ مہروردیہ میں شیخ صدرالدین کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ایک طویل عرصے تک آپ کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، یہاں تک کہ مرتبہ کماں کو پہنچ کر خرقہ خلافت سے سرفراز کئے گئے، پھر شیخ صدرالدین نے اُن کو اُن کے وطن آج میں رشد و ہدایت کے لئے مامور فرمایا۔

رشد و ہدایت چنانچہ وہ آج میں مقیم ہو کر رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، اور اس سرچشمہ علم و ہدایت سے ہزاروں طالبانِ علم و معرفت فیض یاب ہوئے۔

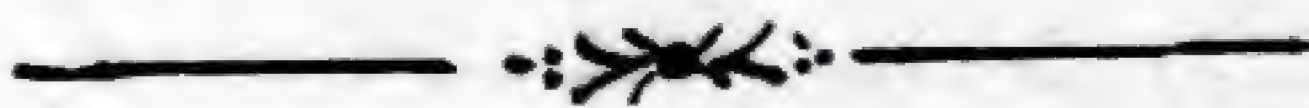
درس و تدریس درس و تدریس حضرت شیخ جمال کا خاص مشغلہ تھا۔ شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری کا بیان ہے کہ وہ ہمیشہ درس دینے میں مشغول رہتے، اگرچہ وہ تمام علوم پڑھتے تھے، لیکن ہدایہ، بزدی، مشارق، مصابیح اور عوارف کے درس میں اُن کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔ اثنائے درس میں اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو فوراً ہی تھوڑی دیر کے لئے سر جھکاتے، پھر سر اٹھا کر بڑی خوبی سے اُس مسئلے کا حل فرماتے۔

اخلاق شیخ جمال اُچی سراپا حسن اخلاق تھے، وہ باطن میں مشغولیتِ حق کے باوجود لوگوں سے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملتے، شاید اسی بنا پر وہ ”جمال خنداں“ کے لقب سے مشہور ہوئے، ہمیشہ موٹے کپڑے استعمال کرتے، اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس قسم کا لباس پہنا ہے۔ ابتداءً امرا و اور بادشاہوں کے تحفے قبول نہ کرتے تھے، مگر آخر میں یہ تحفے قبول کرنے لگے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں سلفِ صالحین کی پیروی کے خیال سے ان کو قبول کرنے لگا ہوں۔ کسی چیز کو اپنے لئے جمع کر کے نہ رکھتے، بلکہ

جو کچھ آتا اسے لوگوں میں خیرات یا ہبہ کر دیتے، کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو صدر جگہ پر بیٹھنے سے اعتزاز کرتے، بلکہ جہاں بھی جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے، خواہ وہ جوتوں کے قریب ہی کیوں نہ ہو، لیکن جہاں بھی بیٹھ جاتے ”صدر آنجا کہ نشیند صدرست“ کی مثال اُن پر صادق آتی تھی، نہایت ہی زاہد و متقی تھے۔

فضائل شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اُن کے مناقب و محامد بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مکے میں شیخ عبداللہ یافعی سے اور مدینے میں شیخ عبداللہ مطری سے سنا، دونوں فرمایا کرے تھے کہ شیخ جمال الدین اپنے زمانے کے یگانہ روزگار ہیں، اور جن بلند مقامات پر فائز ہیں اُس کی مثال اس زمانے میں نہیں ملتی۔

وفات شیخ جمال الدین کی وفات کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ۶۷۷ھ میں وفات پائی، لیکن یہ قول اس لئے غلط معلوم ہوتا ہے کہ شیخ حسین بن احمد اُچی نے شیخ جمال کا زمانہ پایا تھا، اور وہ اُن کے درس میں حاضر رہے تھے اور شیخ حسین بن احمد کا سنہ ولادت ۷۰۷ھ ہے بخزینۃ الاصفیاء میں بھی اُن کا سنہ وفات (۷۶۷ھ) مذکور ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا، قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے انھویں صدی ہجری کے وسط میں وفات پائی ہوگی۔



(۲۴)

سید جلال الدین مکیہ شہ بخاری

معروف بہ

جلال سرخ

نام و نسب اسم گرامی سید جلال الدین، اور لقب جلال سرخ تھا، آپ کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے جا ملتا ہے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

حضرت سید جلال الدین میر سرخ بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر بن سید محمد، بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی اصغر، بن سید جعفر ثانی بن امام والا کرام امام علی نقی علیہ السلام سید علی اصغر کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک سید عبداللہ دوسرے سید اسماعیل سید عبداللہ سید جلال سرخ کے جد امجد تھے، امجد کے بخاری سادات انھیں سید عبداللہ کی اولاد سے ہیں۔

سید جلال سرخ کی والدہ سلطان محمودیادشاہ توران کی صاحبزادی تھیں۔

ولادت حضرت سید جلال سرخ کی ولادت باسعادت ۵۹۰ھ میں ہوئی، ابتدائی سے آپ کی پشانی سے آثار ولایت نمایاں تھیں

بھکر میں تشریف آوری سب سے پہلے حضرت جلال سرخ بخارا سے بھکر تشریف لائے اور بھکر میں سکونت اختیار کی یہ

بیعت پھر آپ نے ملتان جا کر حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی سے سلسلہ بہروردیہ میں بیعت کی، اور مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا، میر علی شیر قانع کی مشہور کتاب تحفۃ الکرام میں ہے کہ۔

سید جلال بخاری جنھیں سید جلال سرخ کا لقب حاصل ہے وہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مرید اور یار ہیں، یہ بزرگ آپس میں چار یار کہلاتے ہیں، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، شیخ فرید الدین، سید عثمان مروندی، محل شہباز اور سید جلال سرخ۔

بزرگی و عظمت آپ کی بزرگی و عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سفینۃ الاولیاء میں ہے۔

از بزرگان صحیح ست، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بودند۔

ازدواج بھکر کے دوران قیام میں وہاں کے ایک مشہور امیر سید بدر الدین کی چھوٹی لڑکی سے آپ نے نکاح کیا، اخبار الاخبار میں ہے

۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۵ - ۳۶ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ اخبار الاخبار ص ۶۱ ۳۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۳ ۴۔ سفینۃ الاولیاء ص ۲۱

۵۔ سید بدر الدین عرف سید بدر بن سید صدر الدین خطیب کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی

کہ اس بحاح کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو دی تھی، اور اس بشارت سے خواب میں سید بدرالدین بھی نوازے گئے تھے یہ

ترک وطن اور وفات خویش واقارب کے رشک و حسد کی بنا پر

آپ بھکر چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے، اور آپ ترک وطن کر کے اُج تشریف لے گئے، اور اُج میں جسے اُس زمانے میں دیوگڑھ کہتے تھے، محلہ بخاریاں آبلو کیا، آپ کی بدولت اُج میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی، وہاں کے راجہ نے آپ کی مخالفت کی، لیکن بالآخر ریاست سے ہاتھ دھو پڑے اور یہ شہر اسلام کا مرکز بنا، پھر آپ نے پنجاب میں شہر جھنگ سیالوں کی بنیاد ڈالی، اور بہت دن تک مغربی پنجاب میں اعلائے کلمۃ الحق اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے اور آپ کی سعی سے راجپوتوں کے کئی قبیلوں نے اسلام قبول کیا، آپ نے ۹۵ سال کی عمر میں ۱۹ جمادی الاول ۶۹۱ھ میں اُج میں وفات پائی، وہیں آپ کا مزار مبارک ہے یہ

اولاد حضرت جلال سرخ کے چار صاحبزادے تھے، جن کے نام یہ ہیں۔
(۱) سید علی (۲) سید جعفر (۳) سید محمد غوث (۴) سید احمد کبیر۔
حضرت سید احمد کبیر کے دو صاحبزادے سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت اور سید ابو قتال وہ آفتاب ولایت تھے جنہوں نے ہندوستان کی سرزمین کو اپنی نورانیت سے منور کر دیا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۷۱ تک پھیلتا ہے۔ وہ ذاتی بزرگی اور اعلیٰ صفات سے منصف تھے، اور یقین و معرفت اور دینی حقائق سے بے بہرہ کے بزرگوں میں ممتاز تھے، اُن کا خاندان سیادت اور نسب کی بزرگی کے لحاظ سے روہڑی (سندھ میں شہور ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (خواب میں) ارشاد کے مطابق اپنی صاحبزادی کو سید جلال بخاری کلاں کے محل میں دیا تھا، جنہیں جلال سرخ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے) تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۱۲۲) ۱۷ اخبار و اخبار ص ۶۱ ۱۷ آب کوثر ص ۱۹۳
۱۷ خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۲۸ ۱۷ تحفۃ الکرام۔ میر علی شیر قلع مٹھوی جلد ۳ ص ۱۲۱

(۲۵)

سید جلال الدین بخاری

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

نام و لقب و خاندان ہم سید جلال الدین تھا، مگر لوگوں میں آپ
مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے
مشہور تھے، آپ کے تذکرہ نگاروں نے اس لقب کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ
نے عید کے روز حضرت بہا ولدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدر الدین عارف
اور شیخ ابوالفتح رکن الدین کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا، اور مراقبے میں عری
طلب کی تو آپ کو ان بندگوں کی طرف سے مخدوم جہانیاں کا لقب ملا،
جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی ملتا ہے اختیار آپ کو مخدوم
جہانیاں کہتا ہے۔

صاحب خزانہ جلالی نے اس خطاب کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایک روز
شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی اپنے گھر سے نکل رہے تھے، جب انھوں نے گھر

کے دروازے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، فوراً ہی سید جلال بخاری دبلیز کی دوسری سیڑھی پر لیٹ گئے۔ تاکہ شیخ رکن الدین کا قدم اُن کے سینے پر رکھا جائے، شیخ رکن الدین نے اُن سے فرمایا کہ اے سید نبوت کا دروازہ بالکلیہ مسدود ہو چکا، رہا رتبہ ولایت تو تم اس مرتبہ پر فائز ہو کہ "مخدوم جہانیاں" ہو، یہ کہہ کر اُنھوں نے ہاتھ پکڑ کر سید جلال بخاری کو اٹھایا اور اپنے سینے سے لگالیا، اور نعمت وافر سے سرفراز فرمایا، اُس وقت سے آپ مخدوم جہاں کہلائے۔ چونکہ آپ کا بہت سا وقت سیاحت میں گزرا، اس لئے جہاں گشت کے لقب سے مشہور ہوئے، اخبار الاخیار میں ہے کہ

سیاحت بسیار کردہ، واز بسیار اولیاء نعمت و برکت یافتہ۔

آپ کی سیاحت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے مصر، شام، عراق، بلخ اور بخارا کے سفر کئے، اور اس دوران میں پختیس حج کئے، اور بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔

مرآۃ الاسرار میں ہے کہ۔

واکثر سفر ربیع مسکون نمودہ، و جمیع مشائخ چہارہ سلسلہ

و چہل یک گروہ را در یافت سہ

سید جلال بخاری کا نسب نامہ یہ ہے :-

مخدوم سید جہانیاں جلال الحق والدین ابو عبدالحسین بن سید احمد کبیر

بن سید جلال الملت والدین سرخ بخاری بن ابی الموید علی بن جعفر

بن محمد بن محمود بن احمد عبد اللہ بن علی اصغر بن عبد اللہ جعفر

بن امام علی نقی بن محمد بن امام محمد تقی، بن امام علی موسیٰ رضا بن امام

موسیٰ کاظم بن جعفر الصادق بن امام محمد باقر بن زین العابدین، بن امام حسین شہید کربلا بن سید علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

آپ کے دادا سید جلال سرخ بخاری سب سے پہلے بخارا سے بھڑکے، مخدوم جہانیاں نے پہلے اپنے والد سید احمد کیسے کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تصوف کی تعلیم پائی، اپنے والد کی بزرگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک دفعہ مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ:۔
میرے والد کسی وقت خوف سے بستر پر نہیں سوتے تھے،
سہرا اور گرما میں کوئی چیز اوپر ڈال لیتے، ہر روز دوبارہ قرآن مجید ختم کرتے، ایک ختم دن میں اور ایک ختم رات میں، وہ نہایت بزرگ آدمی تھے۔
ایک اور جگہ فرمایا کہ:۔

جس وقت والد نماز ادا کرتے، یا قرآن شریف کی آیت پڑھتے تو اس طرح روتے کہ ان کے سینہ مبارک سے نعرے نکلتے تھے،
ایک اور موقع پر فرمایا:۔

جس وقت والد نماز فرض اور نفل میں کھڑے ہوتے تو نعرہ مارتے اور زار زار روتے تھے ۱۷

ولادت اور بچپن مخدوم جہانیاں جہاں گشت عشق میں آج میں پیدا ہوئے، جب آپ سات سال کے تھے تو آپ کے والد آپ کو شیخ جمال خنداں کی خدمت میں لے کر گئے، اُس وقت شیخ جمال خنداں کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا، انھوں نے حکم

۱۷ بیاض قلمی سندھی ادبی بورڈ سوسائٹی بہ کٹکوں جس ۱۹

۱۷ یہ تمام ملفوظات بزم صوفیہ۔ ص ۳۹۶ بحوالہ در المنظوم مطبوعہ دہلی ص ۲۳۸ ص ۵۴۶

ص ۵۵۰ سے منقول ہیں۔

دیا کہ یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کر دی جائیں، جب مخدوم جہانیاں کو اپنا حصہ ملا تو وہ اپنے حصے کی کھجوریں گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے، شیخ جمال خنداں نے یہ دیکھا تو مسکرا کر فرمایا، میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت یہ کھجوریں کیوں کھائیں؟ مخدوم جہانیاں نے جواب دیا کہ جو کھجوریں آپ کے دست مبارک سے عطا ہوئی ہیں مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ میں وہ گٹھلیاں پھینک دوں، یہ سن کر شیخ جمال خنداں نے فرمایا تم فقیر اور اپنے خاندان دونوں کے نام روشن کر دے گے۔

تعلیم مخدوم جہانیاں نے ابتدائی تعلیم آج ہی میں پائی، لطافت اشرفی میں ہے کہ ابتداءً آپ سید محمد بخاری کے زیر تربیت رہے، پھر آج کے قاضی علامہ بہاء الدینؒ سے ابتداءً ہدایہ تک کتابیں پڑھیں، علامہ تفتاویٰ بہاء الدین کی وفات کے بعد آپ تعلیم کے لئے ملتان آئے اور اپنے والد ماجد کے مرشد شیخ ابوالفتح رکن الدین کی خانقاہ میں ٹھہرے، شیخ رکن الدین آپ کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے، اور آپ کی تعلیم اپنی بہن کے صاحبزادے مولانا موسیٰؒ

۱۔ خزینۃ الاصفیاء - جلد دوم - ص ۵۷

۲۔ علامہ قاضی بہاء الدینؒ آج کے رہنے والے تھے، علم و فضل میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے، آج میں درس و تدریس کا مشغلہ تھا، جامع العلوم میں ہے کہ شیخ جلال الدین بن حسین بن احمد حسینی بخاریؒ اپنی نے ان سے ابتدائی کتب درسیہ ہدایہ تک پڑھیں (نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۱۸)

۳۔ مولانا موسیٰ بن جلال ملتان کا اہل نام شیخ نور الدین موسیٰ تھا وہ شیخ رکن الدین کی بہن کے صاحبزادے تھے، انھوں نے شیخ رکن الدین سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی تھی، اور ایک طویل عرصے تک شیخ رکن الدین کی خدمت میں رہ کر فیوضات سے بہرہ ور ہوئے تھے، تکمیل علوم کے بعد وہ ملتان کے مدرسہ بنائیہ میں درس دیتے تھے، مخدوم جہانیاں بھی ان کے شاگرد تھے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۱۶۳)

اور ایک عالم مولانا مجد الدین کے سپرد کی، اور ان بزرگوں سے آپ نے ہدایہ اور بروری ختم کی، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو شیخ رکن الدین نے آپ کو کشتی پر سوار کر کے آنجولہس بھیج دیا۔

درہ منظوم میں ہے کہ آپ نے کلام مجید کی ساتوں قراتیں سیکھیں، پھر مکہ معظمہ میں اور مدینہ منورہ میں بھی شیخ مکہ عبداللہ یافعی سے اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ اس کے علاوہ دونوں شیوخ سے آپ نے صحاح ستہ پڑھی، شیخ عبداللہ مطری کی خدمت میں دو سال رہے اور تہجد کے وقت اُن سے عوارف اور حدیث نبوی پڑھتے، شیخ عبداللہ مطری آپ پر اس قدر شفقت فرماتے کہ مخدوم جہانیاں نے اُن شفقتوں کو بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ عبداللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے، اُن کے ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا، میں نے ایک روز اُن سے عرض کیا اے شیخ! آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کروں گا، آپ میرے مخدوم اور استاد ہیں، لیکن اُنھوں نے فرمایا نہیں، تمہیں اس کی ضرورت نہیں تم میرے پاس نہ آؤ میں ہی تمہارے پاس آؤں گا۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہو۔

شیخ عبداللہ مطری کی شفقتوں کی بنا پر ایک مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں کو مسجد نبوی میں امامت کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے عوارف کا درس جس نسخے میں لیا تھا، وہ نسخہ شیخ شہاب الدین سروردی کے مطالعے میں رہ چکا تھا، جب شیخ عبداللہ مطری کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُنھوں نے وہ نسخہ شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ اس کو سید جلال الدین بخاری کے پاس بھیجا دیا جائے۔

چنانچہ آنھوں نے وہ نسخہ آپ کو بھیجا دیا، جس کو مخدوم جہانیاں بے حد عزیز رکھتے تھے۔ آپ نے عوارف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تسری سے بھی اُن کے وطن شوارہ (عراق) جا کر پڑھا، شیخ شرف الدین شیخ شہاب الدین سرور کے خلیفہ تھے۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے جامع سید علاء الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے کہ مخدوم جہانیاں ایک سوانحی غلام میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ اخبار الاخیار میں ہے۔

جامع ست بیان علم وادیت وسعادت
مراۃ الاسرار میں ہے۔

سید جلال الدین حسین بخاری قدس سرہ از محثمان روزگار
و عارفان صاحب اسرار بود، در علوم ظاہری و باطنی ہم در فقر و
استغنا نظیرے نداشت نہ

مخدوم جہانیاں کا اگرچہ زیادہ وقت رشد و ہدایت میں صرف ہوتا تھا، لیکن علوم فنون کے درس بھی آپ کو غیر معمولی دلچسپی تھی، رشد و ہدایت کے زمانے میں بھی آپ قرآن مجید، کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک) کبھی حدیث میں صحاح ستہ، مشارق الانوار اور مشکوٰۃ المصابیح کبھی فقہ میں بدایہ کبھی تصوف میں عوارف المعارف اور رسالہ مکیہ کبھی قصیدۂ ولایہ کبھی مختلف اوراد کا اور کبھی شرح نواد و اسما کا درس دیتے تھے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل بزم صوفیہ ص ۳۹۸-۳۹۹ بحوالہ در منظوم سے ماخوذ ہے۔
۲۔ اخبار الاخیار ص ۱۲۲۔

۳۔ بزم صوفیہ ص ۳۹۹ بحوالہ مراۃ الاسرار قلمی۔

۴۔ بزم صوفیہ ص ۳۹۹

مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شروع میں اپنے والد
بیعت سید احمد کبیر سے مرید ہو کر تصوف کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے
چچا شیخ صدر الدین بخاری سے خلافت حاصل کی، پھر ملتان حاضر ہو کر شیخ
ابوالفتح رکن الدین سے بیعت ہو کر علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل کی اور ان سے
خرقہ خلافت حاصل کیا۔

لطائف اشرفی میں ہے کہ :-

حضرت مخدوم جہانیاں خلافت و اجازت از صدر و چہل و چند
اولیاء را شیخ و مشائخ اہل ارشاد و خرقہ معین و سلسلہ با حضرت
رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یافتہ اندر علم و شریعت و طریقت
و تصوف از ایشان گرفتہ اند کہ

مرآۃ الاسرار میں ہے :-

اکثر سفر ربیع مسکون نمودہ و جمیع مشائخ چہار دہ سلسلہ و یک
گروہ را در یافت، وہم در کتاب مذکور شیخ راجو تنال نقل می کند
کہ او ذی صد و چند مشائخ صاحب ارشاد دست یافتہ و خرقہ اجازت
از دست ایشان پوشیدہ بود کہ

پھر اسی تذکرہ میں ہے :-

مخدوم جہانیاں اول بخدمت شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ
صدر الدین بن شیخ بہار الدین زکریا قدس اللہ تعالیٰ ارزاہم تربیت
یافت و از دست وے خرقہ پیران ہرودیہ پوشیدہ۔

۱۔ خزینۃ الاسرار - ص ۵۸ بحوالہ اخبار الاخیار ۲۔ بزم صوفیہ بحوالہ مرآۃ الاسرار -

۳۔ لطائف اشرفی - جلد ۱ - ص ۳۹۱

۴۔ بزم صوفیہ - ص ۲۰۰ بحوالہ مرآۃ الاسرار -

اخبار الاخبار میں بحوالہ خزانہ جلالی منقول ہے کہ :-

سیاحت بسیار کرده ، و از بسیارے از اولیاء نعمت و برکت یافتہ ،
و مشہور است کہ دے ہر کرا معافہ کردے ، نعمت کہ آں کس داشت ،
بستدے ، یعنی چنداں توجہ و خدمت کردے کہ آں کس بے اختیار
می شد و رد اودن ہر نعمتے کہ داشت ۔

صاحب اخبار الاخبار نے بحوالہ تاربخ محمدی حضرت مخدوم جہانیاں کے
سلسلہ بیعت و ارادت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ :-

اول خرقہ از عم خود شیخ صدر الدین بخاری پوشیدہ ، کلاہ ارادت
و خرقہ تبرک از شیخ الاسلام ، سند المحدثین ، شیخ عقیف الدین عبداللہ
المطری و رحمہ شریف بنوی علیہ السلام و التحیہ پوشیدہ و مدت
دو سال در صحبت او ملازم بود ، و کتاب عوارف و دیگر کتب سلوک پیش
او تلمذ نمود ، و اخذ طریقت کرد ۔ و تلقین ذکر یافت ۔

شیخ عقیف الدین جب آپ کو نعمتِ باطنی سے سرفراز فرما چکے تو فرمایا کہ
تمہارے چلانے کی قمیچی گناہوں میں ہے ، جب آپ گناہوں پہنچے تو آپ
شیخ امام الدین برادر شیخ الاسلام امین الحق والدین سے ملے ، انھوں نے فرمایا کہ
میرے بھائی شیخ امین الدین نے اپنی رحلت کے وقت مجھے وصیت کی تھی
کہ سید جلال بخاری ہماری ملاقات کے لئے آج اور ملتان سے آرہے تھے ، لیکن
لیکن شیطان نے اثناءِ راہ میں ان کو یہ دھوکا دیا کہ شیخ امین الدین ذاتِ پاچکے
ہیں اس لئے وہ مکہ معظمہ چلے گئے ، وہ وہاں سے واپسی میں گناہوں آئیں گے ۔
جب وہ یہاں پہنچے تو ان کو میرا سلام پہنچانا اور میری قمیچی اور سجادہ ان کو دینا اور

لہ اخبار الاخبار - ص ۱۴۲

لہ اخبار الاخبار - ص ۱۴۲

اُن کو میری طرف سے مجاز اور خلیفہ بنانا، چنانچہ شیخ امام الدین نے ایسا ہی کیا،
اور آپ نے شیخ الاسلام رکن الحق والدین سے خرقہ تبرک پہنا لیا
شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ مخدوم جہانیاں کو چودہ خانوادوں میں
خلافت حاصل تھی ۛ

جن بزرگوں سے آپ نے خرقہ خلافت حاصل کئے اُن کے اسمائے گرامی یہ
ہیں (۱) سید کبیر الدین بزرگوار حضرت مخدوم جہانیاں (۲) شیخ رکن الدین (۳)
حضرت شیخ نظام الدین اولیاء (خواب میں) (۴) حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ شیخ
رکن الدین (خط کے ذریعہ) (۵) شیخ قطب الدین منور دخط کے ذریعہ (۶)
حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (۷) شیخ مکہ عبداللہ یافعی (۸) شیخ مدینہ عبداللہ
مطری (۹) حضرت شیخ قطب عدن فقیہ بصال (۱۰) شیخ ابواسحاق گازی رونی۔
(۱۱) شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین (۱۲) حضرت سید جہدہ حمید حسینی،
(۱۳) حضرت شیخ عمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ شیخ شہاب الدین سرودی
(۱۴) سید احمد کبیر رفاعی کبیر (۱۵) شیخ نجم الدین صنعانی (۱۶) شیخ نجم الدین کبری
(خواب میں) (۱۷) حضرت خضر علیہ السلام (۱۸) حضرت اوحید الدین حسینی،
(۱۹) حضرت شیخ نور الدین ۛ

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ایک
ہندوستان کو واپسی روز شیخ مکہ حضرت عبداللہ یافعی
نے حضرت مخدوم جہانیاں سے فرمایا، اگرچہ دہلی کے بہت سے
دردیش اور اہل دل وفات پا چکے ہیں، لیکن اُن کی برکت کا اثر شیخ

ۛ اخبار الاخیار - ص ۱۴۲

ۛ ایضاً ص ۱۴۲

ۛ یہ تمام اسماء بزم صوفیہ ص ۲۰۱ سے بحوالہ درمنظوم ص ۱۸۱۷ سے ماخوذ ہیں۔

نصیر الدین دہلویؒ میں موجود ہے، اور وہ ”چراغ دہلی“ ہیں، اُن کی ذات بابرکات

سے آپ کا اسم گرامی محمود، نصیر الدین گیل، اور چراغ دہلی لقب تھا، آپ کے دادا شیخ عبداللطیف یزدی خراسان سے لاہور تشریف لائے، آپ کے والد شیخ محمود یحییٰ لاہور ہی میں پیدا ہوئے پھر وہ اودھ میں منتقل ہو گئے، شیخ نصیر الدین خطہ اودھ ہی میں پیدا ہوئے، بعضوں نے آپ کا مقام ولادت اجدھیا، اور بعضوں نے بارہ بنکی لکھا ہے، شیخ نصیر الدین نسباً حسنی سادات میں سے تھے، نو سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا، آپ کی تعلیم و تربیت آپ کی والدہ نے فرمائی، والدہ کے زہد و تقویٰ کا اثر صاحبزادے پر بھی پڑا، آپ شردع ہی سے نماز یا جماعت کے اس قدر پابند تھے کہ جماعت کسی حال میں نہ چھوٹی تھی انہی طرح آثار ولایت و بزرگی ابتداء ہی سے آپ کے چہرے سے عیاں تھے، ابتداءً آپ نے مولانا عبدالکریم شروانی سے تعلیم حاصل کی، پھر مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے علوم ظاہری کی تکمیل کی ۲۳ سال کی عمر میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کی بیعت سے شرف ہوئے، (مخزنیتہ الاصفیاء جلد اول ص ۲۵۳ و ۲۵۴ و سیر العارفین، جلد دوم ص ۲۰)

اخبار الاخیار میں ہے کہ جب خواجہ نصیر الدین سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ سے پوچھا تمہارا کیا مقصد ہے اور تمہارے باپ کیا کام کرتے تھے۔ خواجہ نصیر الدین نے عرض کیا کہ میرا مقصد آپ کی درازی عمر کی دعا اور درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنا ہے۔ میرے والد چند علاموں کے ذریعے سے ردئی کی تجارت کرتے تھے، حضرت محبوب الہی نے فرمایا اچھا سنو، جب میں اپنے مرشد حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں رہتا تھا تو اجدھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے ہوئے کپڑے دیکھ کر کہا کہ نظام الدین تم نے اپنا یہ کیا حال بنایا ہے، اگر تم اور کچھ نہ کرتے صرف اس شہر میں لوگوں کو پڑھاتے تب بھی ایک فاسق ابال زندگی بسر کرتے، میں نے اُس کو کوئی جواب نہ دیا،

مغتنامات میں سے ہے، تمہیں ان کی خدمت میں جانا چاہئے۔ حذر دم جہانیاں

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

اور میں اپنے مرشد حضرت بابا صاحب کی خدمت میں پہنچا، انھوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا نظام الدین! اگر تمہارا کوئی دوست تمہارا یہ حال دیکھ کر پوچھے کہ تم نے اپنا یہ کیا حال بنایا ہے۔ اگر تم تعلیم دیتے تو تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی تو تم اس کو کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ جو کچھ آپ کا ارشاد ہو گا وہی جواب دوں گا، فرمایا اس کے جواب میں یہ شعر نپھ دینا

نہ ہمر ہی تو مرارہ خویش گیر و بر و

ترا سعادتے باد امر انگو نسا ری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اسے سر پر رکھ کر وہاں لے جاؤ جہاں تمہارا دوست مقیم ہے، میں نے فوراً ہی ارشاد کی تعمیل کی، میرے ہم بست نے مجھے دیکھ کر کہا، تمہیں یہ صحبت اور حالت مبارک ہو۔

شیخ نصیر الدین کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد حضرت محبوب الہی نے مجھے اس قسم کی بہت سی نصیحتیں فرماتے رہے۔ (اخبار الاخبار - ص ۸۱)

بیعت کے بعد آپ ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ کبھی متواتر دس روز گزر جاتے تھے اور میں کچھ نہ کھاتا تھا، اور جب خواہشات کا

غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتا۔ (اخبار الاخبار - ص ۸۱)

اس کے علاوہ اپنے شیخ حضرت محبوب الہی کی خدمت بڑی تندہی سے کرتے، اسی لئے آپ کو تمام درویش نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے تھے۔ اور تمام درویش آپ سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ (سیر العارفین جلد ۲ ص ۴۰)

کچھ دن اپنے شیخ کی خدمت میں رہنے کے بعد خواجہ نصیر الدین اپنے وطن اپنی والدہ کے پاس چلے گئے، لیکن وطن سے اکثر حضرت محبوب الہی کی زیارت کے لئے دہلی حاضر ہوتے، دہن آنے کے بعد آپ کی خدمت میں لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ یاد الہی میں فرق آنے لگا۔

نے یہ سنا تو شیخ نصیر الدین کی ملاقات کے مشتاق ہوئے، اور مکہ معظمہ سے دہلی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۵)

ایک دفعہ جب حضرت محبوب الہی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے تو حضرت امیر خسرو کے ذریعہ حضرت محبوب الہی سے کہلایا کہ آپ کا یہ قلام اودھ میں پڑا ہوا ہے، لوگوں کا اس قدم ہجوم ہوتا ہے کہ ذکر الہی میں غلغلہ پڑنے لگا ہے، لگرا جانت ہو تو میں کسی محراب میں سکونت اختیار کروں تاکہ الہیمان سے عبادت الہی کر سکوں، حضرت امیر خسرو نے عشق کے بعد جب وہ حضرت محبوب الہی کی خدمت میں جاتے تھے، خواجہ نصیر الدین کا یہ پیغام حضرت محبوب الہی سے عرض کیا، حضرت محبوب الہی نے فرمایا، اُن سے کہو کہ وہ خلقِ اللہ کے درمیان میں رہیں، اور لوگوں کی جفاؤں کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں، اور اُس کا بدلہ لطف و عطا سے دیں (اخبار الاخیار ص ۸۱)

واللہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین نے اپنے وطن کی سکونت چھوڑ کر مستقل دہلی میں توطن اختیار فرمایا، اور اپنے مرشد کے خاص مَجْرے میں جو جماعت خانے میں تھا رہائش اختیار فرمائی۔ (سیر العارفین جلد ۲ ص ۴۰)

حضرت محبوب الہی نے آپ کی بہترین صلاحیتوں کو دیکھ کر آپ کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا، اور اپنی وفات کے وقت جو تبرکات اُن کو خواجگانِ چشت سے ملے تھے عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں پر صبر کرنے کی وصیت فرمائی۔

مسندِ رشد و ہدایت پر مدفنِ امیر خسرو کے بعد حضرت چلغ دہلی کا تمام وقت طالبانِ حق کی تربیت و اصلاح میں صرف ہوتا تھا، ہر طبقہ اور مختلف شہروں کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور آپ اُن کی اُن کے حال کے مطابق تربیت فرماتے۔

ایک طالب علم کو جو ہدایہ، بزودی اور کثافت پڑھ چکے تھے بیعت لیتے وقت ارشاد فرمایا، جب کوئی حلقہ طریقت میں داخل ہو، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے بلور سر منڈائے آستین چھوٹی کرنے سے یہ مقصد ہے کہ گویا اُس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے تاکہ وہ مخلوق کے سامنے نہ پھیلا یا جا سکے، دامن کے اونچا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ گویا اُس نے اپنا پاؤں

پہنچے، خواجہ نصیر الدین دہلوی نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ امام عبد اللہ یافعی کے ارشاد کی بنا پر

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

قطع کر لیا ہے تاکہ وہ برائیوں اور گناہوں کی جگہ نہ جاسکے، سر کے منڈانے کا مطلب یہ ہے کہ گویا اُس نے حق کی راہ میں اپنا سر کاٹ لیا ہے۔ اب اُس سے کوئی خلافت شریعت بات سرزد نہ ہوگی (خیر المجالس۔ مجلس پانزدہم)۔

ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے کسی کے ظلم کی شکایت کی، فرمایا برداشت کرو۔ صبر سے کام لو، اگر کوئی ظلم بھی کرے تو اُسے معاف کر دو کہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہونا چاہئے۔ (خیر المجالس۔ مجلس پنجاہ و دوم)

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے آپ نے اُن سے پوچھا کیا کرتے ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا متعجب ہوتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ شیخ احمد ہنر والہ بھی نوربانی کیا کرتے تھے، پھر شیخ احمد ہنر دار کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا، کسب و ہنر کا لقمہ پاک ہے، اللہ کے ابدال جو پہاڑوں میں رہتے ہیں وہ پہاڑ سے لکڑی، گھاس، جڑی بوٹیاں، پیاز، میوے وغیرہ لاکر شہر میں فروخت کرتے ہیں، اور اُس کی قیمت سے کھانا خرید کر واپس جاتے ہیں۔ (خیر المجالس۔ مجلس نو و نہم)۔

فرمایا کہ ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے، جو اللہ اور رسول نے فرمایا ہے کہ اُس کی پیروی کرے، اور جس سے روکے اُس سے رک جائے۔ (خیر المجالس۔ مجلس ہشتاد و یکم)۔
ایک لشکر آیا تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر طلب دنیا میں نیت بخیر ہو تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ہے (خیر المجالس۔ مجلس ہشتاد و پنجم)۔

آپ کی خانقاہ میں طالبوں اور مریدوں کا اس قدر ہجوم رہتا تھا کہ ذرا بھی آرام لینے کی فرصت نہ ملتی تھی، ایک روز فرمایا۔

اب مجھے فرصت مشغولی اور خلوت کی	انہوں میں بارے فرصت مشغولی و
نہیں ہے، تمام دن مخلوق کے ساتھ رہنا پڑتا ہے	خلوت ندارم، ہمہ روز با خلق ہی باید بود،
بلکہ اکثر قیلول بھی میسر نہیں ہوتا۔ بارہا میں قیلول	بلکہ قیلول نیز میسر نمی شود، بارہا قیلولی خولم

جو حسن ظن تمہیں ہمارے متعلق پیدا ہوا ہے اس نے ہمیں تمہارے دیدار سے مشرف کیا

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

کہ کچھ بری کھنڈ کہ آئندہ آمدہ ست، برخیزند
(خیر المجانس - مجلس دواز دہم) ہے، اٹھئے۔

سلطان محمد تغلق نے اگرچہ آپ کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، لیکن آپ اپنے پر
کی وصیت کے مطابق ان تمام تکالیف کو سہتے رہے۔

جب سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد ٹھٹھے میں ۷۴۲ھ میں سلطان فیروز شاہ کی تاج پوشی
ہوئی تو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی بھی ان اکابر علماء و مشائخ کے ساتھ شریک تھے جنہوں
نے بالاتفاق فیروز شاہ کو محمد شاہ تغلق کا جانشین بنایا، تاریخ فیروز شاہی (عقیقہ) میں ہے۔

جب سلطان محمد شاہ نے ٹھٹھے میں وفات پائی اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ
ہوا تو حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ
مخلوق خدا کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے، ورنہ ان بکس بندوں کے لئے اللہ
تعالیٰ سے کوئی دوسرا فرماں روا طلب کیا جائے، فیروز شاہ نے جواب دیا کہ میں خدا
کے بندوں کے ساتھ حلم و بردباری سے پیش آؤں گا، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے
فیروز شاہ کو کہلا بھیجا اگر آپ مخلوق کے ساتھ اخلاق و مروت سے پیش آئیں گے، تو ہم
بھی اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے چالیس سال کی حکومت کی دعا کریں گے، آخر وہی ہوا
جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا، سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی،
ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود نے سلطان فیروز شاہ کو تالیس
کھجوریں بھیجی تھیں جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی۔ (تاریخ فیروز شاہی)۔

شمس سراج عقیقہ - ص ۲۹

سلسلہ چشتیہ کے دوسرے بزرگوں کی طرح حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی بھی
سماع سے ذوق رکھتے تھے، لیکن سماع کو مزامیر کے ساتھ پسند نہ فرماتے تھے۔

مذہب جہانیاں نے جواب میں عرض کیا کہ امام عبداللہ یافعی پر خدا کی رحمت ہو کہ
(بقیہ نوت صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

ایک روز حضرت محبوب الہی کے مریدوں نے مجلس سماع منعقد کی، قوالوں نے دن کے ساتھ گانا شروع کیا، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی جو اس مجلس میں شریک تھے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے لوگوں نے بیٹھنے کے لئے اصرار کیا، فرمایا یہ خلاف سنت ہے، لوگوں نے کہا کہ آپ نے سماع کا حکم کر کے اپنے پیر کے مشرب سے رد گردانی کی ہے۔ فرمایا یہ بات حجت نہیں، کوئی دلیل قرآن اور حدیث سے بیان کرو، بعض لوگوں نے یہ بات حضرت محبوب الہی تک پہنچائی۔ حضرت محبوب الہی نے فرمایا نصیر الدین صحیح کہتے ہیں۔ حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں۔

ایک دفعہ کسی نے خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے مزامیر، دف، رباب، اور رقص کے متعلق پوچھا، فرمایا کہ مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں اگر کوئی طریقت سے گرے تو کم از کم شریعت میں رہے، اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا تو پھر اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا، اور نجات کی کیا صورت ہوگی، اول تو سماع ہی میں علماء کا اختلاف ہے مگر یہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں۔ (اخبار الاخیار ص ۸۲)

تکملہ خیر المجالس میں حضرت چراغ دہلی کی وفات کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، تکملہ میں ہے کہ:۔

ایک دن تھر کی غار کے بعد شیخ نصیر الدین چراغ دہلی جماعت خانے سے حجرہ خاص میں تشریف لائے، آپ کوئی دربان نہ رکھتے تھے، آپ کے خادم خاص آپ کے بھلے شیخ زین الدین علی تھے، وہ کبھی خلوت میں ہوتے، کبھی نہ ہوتے تھے، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی ذکر میں مشغول تھے کہ ایک بے باک قلندر تراب نامی خلوت میں آ پہنچا، اس کے پاس ایک چاقو تھا، اس نے شیخ چراغ دہلی پر چاقو سے وار کرنے شروع کئے، اور آپ کے جسم مبارک پر بارہ زخم لگائے، آپ مستغرق کی حالت میں تھے، مطلقاً بچاؤ نہیں کیا، وہاں ایک نالی تھی، اس نالی سے خون بہنا شروع ہو گیا، کچھ مریدوں نے دیکھا تو اندر آئے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بے باک

اُن کے ارشاد کی بناء پر مجھے اس بارگاہ ولایت کی حاضری کی سعادت میسر آئی، اس کے بعد حضرت شیخ نصیر الدین نے آپ کو خاندانِ چشت کے خرقہ خلافت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

قلندر چاقو سے وار کر رہا ہے، اور آپ حرکت تک نہیں کرتے، مریدوں نے چاہا کہ اُس بد بخت کو سخت ایذا پہنچائیں، لیکن آپ نے پسند نہیں کیا، اور اُسے نہ چھوڑا تاکہ کوئی کسی طرح اس کو تکلیف نہ پہنچائے، عبدالمقتدر تھانوی سہری کو جو آپ کے خاص مرید ہیں تھے، اور شیخ صدر الدین طیب اور شیخ زین الدین علی کو اپنے پاس بلایا، اور قسم دی کہ کوئی قلندر کو ضرر نہ پہنچائے۔ اور میں نے اس قلندر کو انعام دے کر اور فرمایا کہ شاید چاقو مارنے میں اُس کے ہاتھ کو تکلیف ہوئی ہوگی۔

سبحان اللہ اہل بصیرت کو آپ کی حسن سیرت معلوم ہو کہ زندگی میں تسلیم و رضامین کیا مرتبہ رکھتے تھے۔ (تکملہ خیر المجالس - ص ۳۱۴ - ۳۱۵)

اس قاتلانہ حملے کے تین سال بعد ۱۸ رمضان المبارک شبِ جمعہ ۱۲۵۷ھ کو حضرت چراغ دہلی نے وصال فرمایا، وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت محبوب الہی کا خرقہ مبارک میرے سینے پر، اُن کا عصا میرے پہلو میں، اُن کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں اُن کا کاسہ، اینٹ کے بجائے میرے سر کے نیچے اور اُن کی کھڑاویں میری بغل میں رکھ دی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو داز نے آپ کو غسل دیا، اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا اُس کی ڈوریاں پلنگ سے نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیں اور کہا کہ میرے لئے یہی خرقہ ہے جو کافی ہے۔ (سیر العارفین - ص ۱۴۷)

حضرت چراغ دہلی کا مزار پرانوار دہلی میں مرجع خاص مقام ہے۔ آپ کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں۔

(۱) خیر المجالس - اس کے مجموعے کے جامع و مرتب حمید شاعر قلندر تھے، حمید شاعر قلندر راگھو سلطان المشلح حضرت نظام الدین محبوب الہی کے مرید تھے، لیکن وہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مجالس میں بھی حاضر ہونے والوں میں سے تھے، پہلے انھوں نے مولانا برہان غریب کے ملفوظات جمع کئے، پھر حضرت چراغ دہلی کے ملفوظات مرتب کئے، جس کا نام انھوں نے خیر المجالس رکھا۔

سے سرفراز فرمایا، اور بے انتہا نوازشیں فرمائیں، اسی کے بعد سے خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے وطن اُج میں قیام فرمایا، اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، آپ لوگوں کو سلوک و معرفت کی تعلیم شریعت کے مطابق دیتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑی شدت سے پابند تھے، غیر شرعی امور پر نہایت سختی سے تنبیہ کرتے۔

ایک دفعہ اُج میں ایک شخص آیا جو اپنے آپ کو ولی اللہ کہتا تھا، لوگ اُس کے بے حد معتقد ہو گئے، حضرت مخدوم جہانیاں بھی اُس سے ملنے کے لئے گئے، جب آپ اُس کے پاس جا کر بیٹھے تو اُس نے نہایت فخر سے کہا، اے سید! ابھی حق تعالیٰ میرے پاس سے اٹھ کر گیا ہے، آپ نے یہ سنا تو نہایت غصے سے اُسے ڈانٹا، اور فرمایا اے بد بخت کیا تک رہا ہے تو کافر ہو گیا، پھر سے کلمہ شہادت پڑھ اور مسلمان ہو، اور پھر شہر کے قاضی کے پاس جا کر اُس سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷)

یہ ملفوظات اُنہوں نے ۱۵۵ھ میں ترتیب دینے شروع کئے تھے، جس کی تکمیل ۱۵۶ھ میں کی۔

(اخبارالانصار ص ۸۶)

(۲) مفتاح العاشقین۔ اس کے جامع و مرتب مولانا حاج اللہ تھے، ان دونوں مجموعوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول و مشہور ہوئی۔ اور اب حال ہی میں اس کو پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔

حضرت چراغ دہلی کے مشہور خلفاء میں حضرت میر سید محمد گیسو دراز (گلبرگ) خواجہ کمال الدین (احمد آباد) شیخ دانیال، شیخ سراج الدین، شیخ صدق الدین اور شیخ یوسف حسینی، شیخ احمد تھانیسی، شیخ محمد متوکل کنٹوری، شیخ قوام الدین اور شیخ عبدالمقتدر مشہور ہیں۔ (بزم صوفیہ ص ۳۲۹)

کہا کہ اس شخص کو اپنے پاس بلاؤ، اگر وہ توبہ کرے تو معاف کر دو، ورنہ اُس پر حد شرعی جاری کر کے اُس کو قتل کر دو، شہر میں چونکہ اس شخص کے بہت سے معتقد تھے، قاضی کو اس معاملے میں کچھ تامل ہوا، آپ نے قاضی کے تذبذب کو محسوس کر لیا۔ پھر آپ نے حاکم شہر سے کہلا بھیجا کہ ایک شخص شہر میں کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اُسے سزا نہ دی تو پھر میں مجبوراً بادشاہ سے شکایت کروں گا، چنانچہ وہ شخص شہر بدر کر دیا گیا۔

ایک دفع کچھ درویش عرب سے آئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے اُن سے پوچھا کہ آپ لوگ کس خاندان سے ہیں، انھوں نے جواب دیا سیدی احمد کبیر کے خاندان سے، فرمایا میں نے سیدی احمد کبیر سے خرقة پہنا ہے، اور انھوں نے مجھے خرقة پہنانے کی اجازت دی ہے۔ وہ صوفی تھے، اور سنت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے، پھر اُن درویشوں کو نصیحت فرمائی کہ تم علمِ شریعت حاصل کرو، سنت کا اتباع کرو اور بدعت سے بچو، پھر اُن کو توبہ کی تلقین کی اور خرقة پہنایا۔

ایک مرتبہ مخدوم جہانیاں نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ سے بھکر واپس

۱۔ الدر المنظوم۔ ص ۵۰۳-۵۰۴ ۲۔ الدر المنظوم۔ ص ۶۵۸-۶۵۹

۳۔ بھکر سندھ کا ایک قدیم شہر ہے جو سندھ کی مدائے حکومت کے بعد اُس وقت آباد ہوا جب سندھ کا قدیم دارالسلطنت الوردیران ہوا، الوردیران کی کچھ آبادی اس جگہ آکر آباد ہوئی۔ پھر اسی آبادی کو بھکر کہنے لگے، بھکر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب سید محمد مکشی صبح کے وقت اس آبادی میں داخل ہوئے تو انھوں نے فرمایا، جعل اللہ بکرتی فی بقعة المبادیث (اللہ میری صبح مبارک جگہ پر کرے) بلکہ عربی میں صبح کو کہتے ہیں، اُس وقت سے یہ شہر بکر کے نام سے مشہور ہو گیا، پھر رفتہ رفتہ یہ نام بھکر ہو گیا، بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب سید محمد مکشی اس مقام میں داخل ہوئے تو اُن کے خادموں نے

آیا، وہاں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اَلْوَرُثَہ کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے اُسے نماز معاف کر دی، یہ سن کر میں اُس کے پاس گیا، امرا اور دوسرے بڑے لوگوں کا، جو ہم تھا، میں اُس کے قریب پہنچا، میں نے اُسے سلام نہیں کیا، بلکہ اُس کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان نماز سے فرق ہوتا ہے، اُس درویش نے مجھے جواب دیا میرے پاس جبریل آتے ہیں، اور جنت سے کھانے لاتے ہیں، خدا کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمہارے لئے نماز معاف کر دی گئی اور تم خدا کے خاص مقرب ہو، میں نے اُس درویش سے کہا کہ کیا یہودہ بکو اس کرتے ہو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو نماز معاف نہیں ہوئی، تجھ جیسے جاہل کے لئے کیسے معاف ہو سکتی ہے، وہ جبریل نہیں شیطان ہے جو تیرے پاس آتا ہے اور تجھے دھوکا دیتا ہے۔ جبریل تو وحی لانے والے فرشتے ہیں، جو سوائے پیغمبروں کے کسی کے پاس نہیں آتے، رہا وہ کھانا جو تمہارے پاس آتا ہے وہ بھی سراسر غلیظ ہے۔ اُس درویش نے کہا کہ وہ کھانا تو بہت مزیدار ہوتا ہے، اور میں اُس میں لذت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ نمبر ۲۵)

اُن سے پوچھا کہاں سامان رکھا جائے؟ فرمایا جہاں تم صبح کے وقت بقر (گلے) کی آواز سنو۔ اُس وقت سے اُس کا نام بقر ہوا، پھر رفتہ رفتہ بھگڑ ہو گیا۔

(تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۴)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا سلسلہ ۱۵)

لے اَلْوَرُثَہ کا قدیم دارالسلطنت تھا، جو روہڑی سے سات میل کے فاصلے پر آباد تھا عرب جغرافیہ دانوں نے اس شہر کو "الرور" رو بھی لکھا ہے۔

محسوس کرتا ہوں۔ میں نے کہا باب اگر وہ فرشتہ تمہارے پاس آئے تو تم کو لا حول
 لا قوۃ الا باللہ العلیٰ المعظیم پڑھنا۔ میں دوسرے دن پھر اُس درویش کے
 پاس گیا، وہ مجھے دیکھ کر میرے قدموں میں گر پڑا۔ اور اُس نے مجھ سے کہا کہ میں نے
 آپ کے کہنے پر عمل کیا، جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لا حول پڑھی، وہ نور امیر
 سامنے سے غائب ہو گیا، اور وہ کھانا جو اُس نے مجھے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے
 ہاتھ سے گر گیا، یہاں تک کہ میرے سارے کپڑے ناپاک ہو گئے، اس کے بعد
 میں نے اس بے نمازی درویش کو توبہ کرائی، اور اُس کی جس قدر نمازیں فوت
 ہوئی تھیں، اُن کی قضا پڑھوائی۔

مریدوں کو نمازِ باجماعت کی سخت تاکید فرماتے، اور تارکِ جماعت کو بدعتی کہتے تھے
 آپ کے ملفوظات کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے ہندو
تبلیغ حضرت مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، گجرات کا
 ایک راجپوت (مولیٰ الاسلام) آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا، جسے آپ نے
 تعلیم دے کر گجرات بھیجا تا کہ وہ اپنے گھر والوں کو اور اپنی قوم میں تبلیغ
 اسلام کرے۔

حضرت قطب عالم اور شاہ عالم جن کے مزار احمد آباد گجرات میں مرج

۱۔ بزم صوفیہ - ص ۲۰۴

۲۔ بزم صوفیہ - ص ۲۰۴

۳۔ حضرت قطب عالم کا اسم گرامی سید بہمان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری تھا آپ قطب عالم کے لقب سے
 مشہور تھے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی ناصر الدین محمود تھا۔ آپ قطب عالم حضرت مخدوم جہانیاں
 جہاں گشت کے پوتے ہیں، حضرت قطب عالم کی ولادت ۴۱۲ رجب ۷۹۳ھ میں ہوئی۔
 آپ کی عمر دس سال کی تھی کہ آپ والد ماجد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا، شاہ راجو
 قتال نے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی، اور دو سال کے عرصے میں آپ کو روحانی مراتب
 کے اعلیٰ منازل پر فائز کر دیا، پھر فرمایا کہ اہل گجرات کی شد و ہدایت تمہارے پر ہے۔

خاص و عام ہیں۔ اور جو وہاں تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنے، حضرت مخدوم جہانیاں کے پوتے اور پرپوتے تھے۔

(بقیہ ذیل نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۵)

وہاں جاؤ، چلتے وقت بعض تبرکات عنایت فرمائیے، چنانچہ آپ اپنی والدہ بی بی ہاجرہ کے ساتھ جو سوادت خاتون کے لقب سے مشہور ہیں، آٹھویں صدی ہجری میں پن تشریف لائے، اور سید راجو قتال کے ارشاد کے مطابق حضرت بابا زرید گنج شکر کے نواسے شیخ رکن الدین کے مشورے سے جو اس زمانے میں وہاں مقیم تھے رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے، جب سلطان مظفر کو جو حضرت مخدوم جہانیاں کا مرید تھا معلوم ہوا کہ آپ تشریف لارہے ہیں تو وہ آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوا، حضرت قطب عالم نے بھی شہر میں مولانا علی شیر سے علوم کی تکمیل کی۔

جب سلطان احمد نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی تو اس نے آپ سے استعفا کی کہ آپ احمد آباد کو شرف اقامت بخش کر مفتخر فرمائیں، چنانچہ آپ پن سے احمد آباد آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ سلطان احمد صبیح موزوں رکھتا تھا۔ وہ ایک قصیدہ آپ کی مدح میں لکھ کر آپ کے آستانے پر حاضر ہوا، اور اس قصیدے کو پڑھا جس کا مطلع یہ تھا:

قطبِ زمانِ ما برہاں بس است مارا

برہان او ہمیشہ چو ناش آشکا را

قصیدہ ختم کرنے کے بعد اس نے عرض کیا کہ میں اس کے صلے میں دعا کا طالب ہوں، حضرت قطب عالم نے فرمایا کہ ہمارے دادا نے تھلے خاندان کے حق میں دعا کی ہے، سلطان احمد نے عرض کیا کہ انصوں نے ہمارے دادا سلطان مظفر کی اولاد کی حکومت کے لئے دعا فرمائی تھی اور میں آپ سے اس شہر کی آبادی کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں اس کی اس استدعا پر حضرت قطب عالم کی زبان سے بے اختیار نکلا، احمد آباد ابد آباد انشاء اللہ ابرؤف بالعباد، پھر آپ نے اساول کہنے میں جو بار بار کے کنارے سکونت اختیار فرمائی، پھر کچھ زمانے کے بعد آپ موضع بٹوہ میں مقیم ہو گئے۔

حضرت قطب عالم نے ۸۰۵ ہجری میں اسی سال چار ماہ اور چوبیس دن کی عمر میں

مغربی پنجاب میں جو قبیلے حضرت مخدوم جہانیاں کی تبلیغی کوششوں سے مسلمان ہوئے بھلول پور کے سرکاری انڈسٹریز میں اُن کی فہرست درج ہے، ان قبیلوں کی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے، اُن میں راجپوتوں کا مشہور قبیلہ کھل بھی شامل ہے۔

”دُر منظم“ میں ہے کہ غیر مسلم خصوصاً ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے، ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ ہو گئی، اُس کی کیفیت تھی کہ تمام تمام رات جاگ کر خدا کی عبادت کرتی۔

حضرت مخدوم جہانیاں جب اُنج سے دہلی تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے تھے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ نمبر ۱۵ اور ۱۶)

(۱۵) وفات پائی، آپ کا مزار پرانوار موضع ثبوہ میں زیارت گاہ خاص دعام ہے۔

(تحفۃ الکرام - جلد اول - ص ۱۶)

(فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

۱۵ حضرت شاہ عالم کا اسم گرامی سید محمد سراج الدین شاہ عالم تھا۔ جو حضرت قطب عالم سید برہان الدین کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی آمنہ تھا، جو کریم خاں بن عماد الدین خاندان خاں کی صاحبزادیاں تھیں جو اُمراءِ سلاطین گجرات میں تھے، حضرت شاہ عالم کی ولادت باسعادت، اردیقند ۱۱۹۰ھ شبِ دوشنبہ کو ہوئی، کلمہ ”وارث علی“ سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے، سترہ سال کی عمر میں گجرات کے مشہور شیخ، شیخ احمد کھٹو نے حضرت مخدوم جہانیاں کا خرقہ خلافت آپ کے حوالے کیا، اور اپنے والد ماجد کی طرف سے ارشاد و تلقین پر مامور ہوئے، حضرت شاہ عالم نے تیسٹھ سال کی عمر میں ۲۰ جمادی ثانی ۱۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار رسول آباد میں ہے، جہاں آپ مقیم تھے۔

حضرت شاہ عالم کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں (تحفۃ الکرام —

جلد اول - ص ۲۴-۲۵ و سیفۃ الاولیاء)

۱۶ آب کوثر - ص ۳۲۵ ۱۷ تمام تفصیل برہم صوفیہ - ص ۲۳۲ بحوالہ الدُر المنظم

ص ۹۸ سے ماخوذ ہے۔

ملتان کے گزٹیر میں سر ایڈورڈ میکلیگن نے بعض قبائل کے قبول اسلام کی تاریخ بھی لکھی ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ پنجاب کا مشہور قبیلہ "نون" مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر ایمان لایا۔

انڈین ہسٹاریکل ریکارڈکیشن کے تیسویں سالانہ اجلاس میں ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی حال وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے ایک دستاویز کا تذکرہ کیا ہے، جس سے سلطان محمود بیگڑہ کے مفتوحہ علاقے میں حضرت مخدوم جہانیاں کی تبلیغی کوششوں اور شہروردیوں کے صوبہ نہ نظام پر روشنی پڑتی ہے، کاٹھیاواڑ کی مسلم ریاست منگروں میں موجودہ نواب صاحب کے مورث اعلیٰ جن کا نام سید سکندر بن مسعود تھا۔ ان کو مخدوم جہانیاں نے اس علاقے میں تبلیغ و ارشاد کے لئے بھیجا تھا، جب فیروز تغلق کے بعد دہلی کی حکومت کمزور ہو گئی تو گرنار کے ہندو مقدمہ نے سر اٹھایا، اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ اپنی ڈاڑھیاں منڈائیں، گاؤں کشی ترک کریں۔ مسجدوں میں شیولنگ نصب کر کے اُس کی پوجا کریں، اس پر منگروں کے سجادہ نشین نے حضرت شاہ عالم کو جو اس وقت احمد آباد میں بڑا اثر رکھتے تھے لکھا کہ ہمارے بزرگوں کو آپ کے پروردگار حضرت مخدوم جہانیاں نے یہاں بٹھایا تھا، اور آج ہم پر یہ قیامت گزر رہی ہے، حضرت شاہ عالم نے جواب میں لکھا کہ آپ فکر نہ کریں، خدا کا راز ہے، آپ فلاں فلاں زطیفے پڑھتے رہا کریں۔ میں بھی انشاء اللہ پوری کوشش کروں گا، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی سلطان محمود بیگڑہ نے گرنار فتح کر لیا۔

۱۔ آب کوثر۔ ص ۳۲۵ ۲۔ آب کوثر۔ فٹ نوٹس ص ۳۱۸-۳۱۹ بحوالہ

انڈین ہسٹاریکل ریکارڈکیشن کی کارروائی سلسلہ۔

اتباعِ شریعت حضرت مخدوم جہانیاں سید پابندِ شریعت اور متبعِ سنت تھے، فرمایا کرتے تھے کہ حقیقت شریعت ہے، اور جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا، حقیقت تک نہ پہنچ سکے گا۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا جو شریعت سے عاری ہے، وہ طریقت و حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا جو شیخ طریقت اور حقیقت کو جانتا ہے، لیکن شریعت سے واقف نہیں، وہ شیخ نہیں جاہل ہے، کوئی صالح آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ شریعت، حقیقت اور طریقت کا علم اس کو نہ ہو۔

اتباعِ سنت کے سلسلے میں ایک مرتبہ فرمایا کہ سالک کو چاہئے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے، اُس کے ذریعہ سے اس کو حق تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا، بعض اہل بدعت بدعت کو قرب حق کا ذریعہ جانتے ہیں، اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہیں۔ ڈاڑھی ترشواتے ہیں جیسا کہ قلندروں کا شیوہ ہے، لیکن اس سے تقرب حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ بُعْد اور گمراہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يَّحْبِبْكُمْ اللّٰهُ لَہ

عام معمولات حضرت مخدوم جہانیاں کی روزِ مرہ کی زندگی کے عام معمولات یہ تھے، پانچ وقت کی نماز کے علاوہ

تہجد، اشراق، چاشت، صلوٰۃ الاوابین، تراویح، اور دوسری نفلیں اس قدر پڑھتے، جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ پڑھتے تھے۔ زیادہ تر وہ اوراد و وظائف پڑھتے جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے، رات کو عبادت میں

ساری رات نہ جاگتے بلکہ کچھ دیر سو رہتے فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات جاگتا رہا اُس نے ترک سنت کیا، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تو یہ ہے کہ انا اصلی وانا م یعنی میں نماز پڑتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں، کھانا تنہا نہ کھاتے بلکہ تقسیم کر کے کھاتے، اور فرماتے کہ حدیث میں ہے وہ ملعون ہے جو تنہا کھانا کھاتا ہے، اپنے غلام کو مارتا ہے، بخل کرتا ہے، آگ کی پکی ہوئی چیزوں کو کھا کر منہ دھوتے، اور کلی کرتے کہ یہ سنت ہے، کھانا کھا کر دو گناہ شکر ادا کرتے، فرماتے کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص دو گناہ شکر طعام ادا نہیں کرتا، اور سو رہتا ہے اُس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے، اور فرماتے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا۔ رمضان شریف میں سحری کے وقت خلال ضرور کرتے، فرماتے کہ یہ سنت موکدہ ہے، ریشمی اور بار یک کپڑوں کو ناشروع سمجھتے، ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے حضرت مخدوم

لہ سلطان فیروز شاہ کے والد کا نام سپہ سالار رجب تھا، رجب کے دو بھائی تھے، سلطان غیاث الدین محمد تغلق اور ابو بکر تغلق، یہ تینوں بھائی سلطان علاء الدین کے عہد حکومت میں خراسان سے دہلی آئے، رجب کے باپ ۷۵۰ھ میں سلطان فیروز شاہ پیدا ہوا، سلطان محمد تغلق جب تخت پر بیٹھا اُس وقت فیروز شاہ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، سلطان محمد تغلق نے فیروز شاہ کو نائب امیر واجب مقرر کیا، سلطان محمد تغلق، فیروز شاہ کو بہت عزیز رکھتا تھا، جب سلطان محمد تغلق نے ۷۵۲ھ میں ٹھٹھے میں وفات پائی، اور مغلوں کے ایک گروہ نے اُس کے لشکر کو تباہ کرنا شروع کیا تو تمام امراء، علماء اور مشائخ نے جو اُس وقت لشکر میں موجود تھے، باہمی مشورے سے سلطان فیروز شاہ کو تخت نشین کیا اور دریائے سندھ کے کنارے ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو اُس کی تاج پوشی ہوئی، تاج پوشی سے پہلے جب اُس سے بادشاہ بننے کے لئے اصرار کیا گیا تو اُس نے کہا کہ میں توجع کا ارادہ کر چکا ہوں، مجھے اس سے معاف رکھو، لوگ نہ مانے، اُس نے کہا اگر تم یہ بوجہ میری گردن پر رکھنا ہی چاہتے ہو تو

جہانیاں کی خدمت میں چونتیس جوڑے کپڑے بھیجے، آپ نے انہیں دیکھتے ہوئے فرمایا، اگر شریعت کے مطابق ہوں گے تو پہنوں گا، پھر فرمایا کہ رشیم اور سونا رسول اللہ کی اُمت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لئے حلال کیا گیا ہے، ایک دفعہ بارہ ایک کپڑوں کے متعلق فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کا کپڑا بارہ ایک ہوا، اُس کا دین بارہ ایک ہوا، گریباں دار کرتا پہننا بدعت سمجھتے، اور پیروی سنت میں بغیر گریباں کے کرتے پہنتے، ایک دفعہ ایک مرید نے جویتوں کا ایک جوڑا پیش کیا، اس کو قبول کرتے ہوئے فرمایا، نعلین پہننا سنت ہے، میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک کو دیکھا تھا، اور اپنی آنکھوں پر رکھا تھا، جب کوئی تحفہ پیش کرتا تو کسی نہ کسی صورت میں اُس کا بدلہ ضرور دیتے، اور فرماتے حدیث میں ہے کہ جو شخص تمہارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اُس کا بدلہ دو، اگر بدلہ دینے پر قادر نہیں تو اُس کے لئے دعائے خیر کرو، یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ دعا ہدیہ کا بدلہ ہو گئی، پیروی سنت میں ایندھن بھی باہر سے لانے کی

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ)

ذرا صبر کرو تا کہ میں دو رکعت نماز ادا کر لوں، فیروز شاہ نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی، نماز ادا کرنے کے بعد اُس نے دعا کرتے اور روتے ہوئے کہا، اے اللہ ملکوں کا اطمینان اور عالم کا انتظام اور فرماں روائی کو صحیح طریقے پر چلانے کا کام بغیر تیری توفیق اور مدد کے انسان کی قوت سے باہر ہے، الہی! میں اس کام میں تیری ہی مدد اور تجھ ہی سے قوت چاہتا ہوں۔ (تاریخ فیروز شاہی - ص ۴۴-۴۵)

سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۳۸ سال کی حکومت کے بعد ۱۸ رمضان المبارک ۷۷۷ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ معصومی - ص ۵۲-۵۳)

کوشش کرتے، اور معمولی سے معمولی باتوں میں بھی اتباعِ سنت کا خیال رکھتے۔
مرآۃ الاسرار میں ہے کہ :-

در جمیع امور صوری و معنوی قدم بقدم حضرت رسالت پناہی
صلی اللہ علیہ وآلہ میرفت۔

شاہانِ وقت کی عقیدت سلطان محمد تغلقؒ حضرت مخدوم جہانیاں
سے عقیدت رکھتا تھا، اُس نے آپ کو
شیخ الاسلام بنا کر چالیس خانقاہیں آپ کے تصرف میں دیں، لیکن آپ اُن کو
چھوڑ کر حج کے لئے تشریف لے گئے۔

خزینۃ الاسفیاریں ہے :-

و در عہد سلطان محمد تغلق شیخ الاسلامی و سند خانقاہ محمدی در
سیوستان بامضافات بوی مخصوص گشت۔

اس واقعہ کی تفصیل حضرت مخدوم جہانیاں نے ایک موقع پر اس طرح بیان

۱۔ یہ تمام تفصیلات بزمِ سوفیہ ص ۵۰۴ و ۵۰۶ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ سلطان غیاث الدین کی وفات کے بعد فخر الدین جوہا سلطان محمد تغلق کے نام سے ۲۵ھ میں
تحت نشین ہوا، ۲۵ھ میں سلطان محمد تغلق کے غلام طغی نے بغاوت کی، محمد تغلق نے
اُس کا تعاقب کیا، طغی بھاگ کر ٹھٹھے پہنچا، محمد شاد تغلق اُس کا تعاقب کرتے ہوئے ٹھٹھے
آیا جب وہ ٹھٹھے سے چودہ میل کے فاصلے پر تھا، اُس روز عاشورہ تھا، اُس نے روزہ
رکھا، اور پھلی سے روزہ انظار کیا، جس سے سلطان محمد تغلق کی طبیعت خراب
ہو گئی، آخر ۲۱ محرم الحرام ۵۲ھ کو گیارہ روزہ بیمار رہ کر ۲۷ سال کی حکومت
کے بعد وفات پائی۔ (تاریخ معصومی۔ ص ۴۹۔ تاریخ مسلمانانِ پاکستان و ہندوت

نولفہ سید ہاشمی فرید آبادی۔ ص ۳۱۹)

۳۔ خزینۃ الاسفیاریں جلد دوم ص ۵۸

فرمائی کہ جب سلطان محمد تغلق نے مجھے شیخ الاسلام مقرر کیا، اور میرے انتظام میں چالیس خانقاہیں دیں۔ تو خواب میں مجھے اپنے مرشد شیخ ابو الفتح رکن الدین نظر آئے۔ اور فرمایا کہ تم حج کو چلے جاؤ، ورنہ غرق ہو جاؤ گے، صبح کو شیخ کے امام نے کہا کہ سید جلد روانہ ہو جاؤ۔ شیخ نے اشارہ کیا ہے، میں اپنے والد سے اجازت لینے کے لئے روانہ ہو گیا، میرے پاس خرمج نہ تھا، لیکن اللہ نے فتوحات پنیہا ایک شخص حج کو جا رہا تھا، مگر اُس کے گھروالوں نے اُسے ٹوٹا لیا، اُس نے اپنا سفر خرچ مجھے دے دیا۔ اس کے علاوہ ایک گھوڑا بھی نذر کیا، مگر میں نے وہ گھوڑا مولانا نظام الدین کو دے دیا۔ انھیں دق تھی، میں پیدل حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا تو مغرور ہو جاتا اور کچھریں پڑا رہتا۔

فیروز تغلق اگرچہ شیخ علاؤ الدین ابو دھنی بنسٹہ حضرت شیخ فرید گنج شکر کا مرید تھا، لیکن اس کو حضرت سید جلال الدین بخاری سے جو غیر معمولی عقیدت تھی، اور وہ اُن کا جس قدر احترام کرتا تھا، اس کا اندازہ تاسخ فیروز شاہی کے مختلف اندراجات سے ہوتا ہے، تاسخ فیروز شاہی میں ہے کہ:-

حضرت شیخ جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر دوسرے یا تیسرے سال بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لئے آج سے فیروز آباد تشریف لاتے دونوں کے درمیان بحد محبت تھی، دونوں اس محبت میں اضافہ کرنے کی کوشش فرماتے۔

حضرت سید جلال الدین جب آج سے تشریف لاتے اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ منڈک اُن کے استقبال کے لئے جاتا اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی تو سید جلال الدین بخاری کو بے حد اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لاتا۔

حضرت سید جلال الدین بخاری کبھی تو منارے سے متصل
کوشک معظم کے اندر شفا خانے میں، اور کبھی شاہزادہ فتح خاں کے
حظیرے میں قیام فرماتے۔

جب سید جلال الدین بخاری اپنی قیام گاہ سے مقررہ طریقے
کے مطابق بادشاہ سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تو بادشاہ
اپنی عظمت و شان کے باوجود تخت گاہ پر کھڑا ہو جاتا، اور بعد
انکسار اور تواضع کے ساتھ سید جلال الدین بخاری سے ملاقات
کرتا۔ پھر دونوں بزرگ جام خانے کے اوپر جا کر بیٹھتے۔ جب
سید جلال الدین بخاری واپس ہوتے تو اُس وقت بھی فیروز شاہ
جام خانے کے اوپر تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا، اور جب تک کہ
حضرت سید جلال الدین محل حجاب تک نہ پہنچتے اسی طرح کھڑا رہتا
وہاں پہنچنے کے بعد سید جلال الدین بخاری بادشاہ کو سلام کرتے
سلطان سلام کا جواب دیتا، جب سید جلال الدین نظروں سے
غائب ہو جاتے تو اُس وقت بادشاہ بیٹھ جاتا۔

سبحان اللہ کیا حسن ادب تھا جو بادشاہ حضرت سید جلال الدین
بخاری کے لئے بجالاتا تھا۔

فیروز شاہ بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سید جلال الدین
بخاری کی قیام گاہ پر ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوتا، اور یہ
دونوں بزرگ ایک جا بیٹھ کر محبت آمیز گفتگو فرماتے، آج اور ہلی
کے باشندے اپنی اپنی حاجتوں اور غرض سید جلال الدین بخاری کی
خدمت میں پیش کرتے، اور حضرت سید جلال الدین بخاری اپنے
خدام کو حکم دیتے کہ ان کی حاجات کو قلم بند کر لیں۔

جب بادشاہ ملاقات کے لئے آتا تو وہ حاجت مندوں کے

کاغذات کو اس کی خدمت میں پیش کرتے، سلطان فیروزان کاغذات کو غور سے پڑھ کر ہر حاجت مند کی اس کے سر و صے کے مطابق حاجت روائی کرتا۔

چند روز کے قیام کے بعد حضرت سید جلال الدین بخاری فیروز آباد سے اُج روانہ ہو جاتے، اور بادشاہ اُسی طرح ایک منزل تک اُٹھیں پہنچانے کے لئے جاتا۔

سلطان فیروز سے
جام بابینہ کی سفارش
ٹھٹھے پر ۶۴۷ھ میں جب سلطان فیروز نے دوبارہ حملہ کیا، اُس وقت سندھ کا فرماں روا جام بابینہ تھا، جام بابینہ نے فیروز شاہ کے حملے کی خبر سن کر اور یہ معلوم کر کے کہ اس مرتبہ فیروز تغلق بڑی تیاریوں کے ساتھ آرہا ہے، دریائے سندھ کے پل اور گھاٹ کو توڑ دیا، اور جام بابینہ اور

لے (ترجمہ) تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عقیف (شائع کردہ درالترجمہ جامع عثمانیہ میں - ۳۳۳ھ) فیروز شاہ تغلق نے ٹھٹھے پر پہلا حملہ ۶۴۷ھ میں تخت نشین ہوتے ہی کیا تھا، اس نے اپنے وزیر خانہاں سے ایک وفد کہا کہ افسوس ہے جہاں پناہ محمد شاہ تغلق کے دل میں ایک تمناباتی رہی کہ ٹھٹھے کو فتح نہ کر سکے، ہمیں وفات کے وقت مجھ سے جہاں پناہ (محمد تغلق) نے فرمایا تھا کہ اگر میں اس بیماری میں بچ گیا تو ٹھٹھے کو فتح کر کے چھوڑ دوں گا، اور اگر میں مر گیا تو یہی ایک تمنابیل میں سے جاؤں گا، اب میں چاہتا ہوں کہ جہاں پناہ کی آخری آرزو پوری کروں، خانہاں نے قصور ڈی دیر سوچنے کے بعد محمد سلطان فیروز تغلق سے عرض کیا کہ حضور نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ نیک ہے، اور ویسے بھی دنیا کے بادشاہ نے ملک فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسیع کرتے ہیں۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنے وزیر سے مشورے کے بعد حکم دیا کہ ٹھٹھے پر حملے کے لئے فوج تیار ہو۔ جب وہ فوج تیار ہو گئی تو فیروز تغلق ایک بڑے لشکر کے ساتھ ٹھٹھے روانہ ہوا، جام بابینہ اُس وقت ٹھٹھے کا بادشاہ تھا، اُس نے فیروز تغلق کے حملے کی

اُس کا لشکر ایک جگہ قلعہ بند ہو گیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ کھیتیاں پک چکی تھیں اور فصل

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۷ و ۵۸)

(بقیہ ۵۷) خبر سن کر ایک بڑا لشکر تیار کیا، اور ٹھٹھے کی اس آبادی کے قریب جو دریائے سند کے کنارے تھی، لڑائی کے لئے مورچے بنائے، اس عرصے میں فیروز تغلق بھی ٹھٹھے پہنچا، دونوں کے لشکروں میں زبردست جنگ ہوئی، اتفاقاً فیروز تغلق کے لشکر میں جانوروں کی بیماری پھیل گئی، یہ دبا اس قدر شدید تھی کہ تین چھتے فوج کے سواروں کے گھوڑے اور بوجھ اٹھانے والے دوسرے جانور مر گئے، اُسی کے ساتھ قحط بھی پھیل گیا، اور غلے کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی، جام باہنہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر فیروز تغلق کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، فیروز تغلق نے یہ دیکھ کر کہ حالات اس کے موافق نہیں اس حملے کو آئندہ پر ملتوی کر کے اپنے لشکر کے ساتھ گجرات روانہ ہوا، اور خان اعظم ظفر خاں کو جس کے تحت بمبائی لشکر تھا، اپنا قائم مقام بنا کر ٹھٹھے میں چھوڑا، ٹھٹھے کے رہنے والوں کو حیب معلوم ہوا کہ فیروز تغلق چلا گیا ہے تو انھوں نے اس کا تعاقب کیا، ظفر خاں چونکہ ٹھٹھے کے قرب و جوار میں موجود تھا، اُس نے سندھیوں کا مقابلہ کیا، جس کی وجہ سے سندھیوں کو واپس ہونا پڑا۔

(ماخوذ از تاریخ فیروز شاہی (عفیہ)

(بقیہ ۵۸) سومرہ خاندان کے بعد سندھ میں ستمہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی، اس خاندان کے بادشاہوں نے جام کا لقب اختیار کیا تھا، جس وقت سلطان فیروز تغلق نے سندھ پر فوج کشی کی اُس وقت سندھ میں جام باہنہ اور جام جونہ کی حکومت مشترک تھی، جام باہنہ خاص طور پر سلطنت دہلی کے خلاف تھا، اور مغلوں کے ساتھ مل کر سندھ اور گجرات کے سلطنت دہلی کے مقبوضہ علاقوں پر دھاوا بولتا رہتا تھا، اس کی اس حرکت سے سندھ اور گجرات کے گورنر بے حد پریشان تھے۔ ایک مرتبہ جب سلطان فیروز تغلق نے لکھنوتی پر فوج کشی تو باہنہ نے صوبہ مٹان کے علاقوں پر بھی حملے کئے (توضیحات و استدراکات تاریخ محبوی اردو ترجمہ شائع کردہ سندھی

ادبی بورڈ۔ ص ۴۷۲ بحوالہ منشآت ماہرو۔ ص ۱۱۸)

کٹنے کے لئے تیار کھڑی، فیروز تغلق کے لشکر نے دریائے سندھ کے کنارے
 ڈیرے ڈال دیئے، اور وہیں لڑائی کے لئے مورچے تیار کئے، سندھیوں نے
 قلعے سے نکل کر وہ جان پر کھیل کر لڑائی شروع کی، لڑائی کا رنگ دیکھ کر فیروز
 تغلق نے فوراً اندر کے لئے ایک قاصد اپنے وزیر خانبہاں کے پاس دہلی روانہ
 کیا، قصدرے ہی دن کے بعد ایک بڑا لشکر دہلی سے فیروز تغلق کی مدد کے لئے
 پہنچا، اس مرتبہ اہل سندھ کی قسمت کا ہانسہ پلٹ چکا تھا، کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا
 جب غلہ کٹ کر گھروں میں پہنچنے نہ پایا تھا۔ فیروز تغلق کے لشکریوں نے گھیتوں ہی
 میں غلے پر قبضہ کر لیا، جس کی وجہ سے سندھ میں ایسا قحط پڑا کہ اہل سندھ کی
 جان کے لئے پڑ گئے، پھر یہ کہ فیروز تغلق کو ایک بہت بڑی فوجی مدد دہلی
 سے پہنچ گئی، جس نے سندھ والوں کو اور بھی پریشان کر دیا۔ جام بابینہ نے
 جب یہ حالات دیکھے تو بے حد پریشان ہوا، اور اسے اپنی شکست کے آثار صاف
 دکھائی دینے لگے، اس نے حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری
 کے پاس اپنلیک قاصد آج بھیجا، اور کہلایا کہ اگر حضرت تشریف لاکر صبح کرادیں
 تو ہزاروں انسان خوں ریزی سے خراج جائیں گے، اس کی خواہش پر مخدوم
 جہانیاں آج سے ٹھٹھے تشریف لائے، مخدوم جہانیاں جب لشکر میں پہنچے تو اہل
 شکر نے جان و دل سے قدمبوسی کی سعادت حاصل کی، مخدوم جہانیاں نے
 ان سے فرمایا اطمینان رکھو، چند روز میں فتح ہوگی، جب آگے بڑھے تو سلطان
 فیروز تغلق نے نہایت خلوص و عقیدت سے استقبال کیا، اور بہت ہی
 تعظیم و توقیر کے ساتھ لشکر میں لایا، دونوں نے مصافحہ کیا، مخدوم جہانیاں
 نے فرمایا کہ ایک پارسا اور سالجہ عورت ٹھٹھے میں موجود تھی، اس کی دعا کی برکت سے
 ٹھٹھے فتح نہیں ہوتا تھا، میں خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا، لیکن وہ پاک دامن
 درمیان میں حائل ہو جاتی تھی، اب تین روز ہوئے کہ اس عورت نے جنت کی
 راہ لی، اب امید ہے کہ ٹھٹھے جلد فتح ہو جائے گا، اہل ٹھٹھے کو معلوم ہوا کہ حضرت

سید جلال الدین شاہی لشکر میں تشریف رکھتے ہیں تو آپ کی خدمت میں متواتر پیامات روانہ کئے، اور اپنی مصیبتوں کا اظہار کیا، حضرت سید جلال الدین نے بھی اُن کی خاطر سلطان فیروز سے کہہ کر ان کو مطمئن کیا اور حضرت کے سفارش فرمانے پر، سلطان فیروز سے معافی چاہی، سلطان فیروز نے اس کو معاف کر دیا، اور اپنے ساتھ دہلی لے گیا، پھر جام بابنیہ کو دوبارہ سندھ کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔

۱۷۷۱ء میں حضرت مخدوم جہانیاں دہلی دہلی میں رُشد و ہدایت تشریف لائے، اُس وقت سلطان فیروز سومانہ کی مہم میں دارالسلطنت دہلی سے باہر گیا ہوا تھا، آپ کو اُس کی ملاقات کے لئے دہلی میں دس مہینے قیام کرنا پڑا، اُس زمانے میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے روحانی اور مذہبی فیوض حاصل کرتے، آپ کی مجلسوں میں کبھی درس و تدریس ہوتی، کبھی فقہی اور شرعی مسائل بیان فرماتے، کبھی اخلاق و معاشرت کے بہتر بنانے کی تعلیم دیتے، کبھی تصوف کے اسرار و معارف بیان فرماتے۔

اُسی زمانے میں جب کہ مخدوم جہانیاں کا قیام دہلی میں تھا، اور سلطان فیروز تغلق سومانہ کی مہم پر تھا، آپ کے بھائی سید صدر الدین، سلطان فیروز سے شاہی لشکر میں جا کر ملے، سلطان فیروز اُن کے ساتھ نہایت تعظیم و توقیر سے پیش آیا، جب وہ مخدوم جہانیاں کے پاس آئے تو اُنھوں نے بتایا کہ بادشاہ نے ان کو ایک گاؤں، دو ہزار ٹنکے اور خلعت عنایت فرمائی۔

اُسی دہلی کے قیام کے زمانے عید انجی آگئی۔ عید انجی کی صبح ہوئی تو مخدوم جہانیاں نے حسبِ عادت فجر کی نماز ادا کی، شانوں سے اسمائے الہی

کے درندے فارغ ہوئے، آفتاب ابھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ مصلیٰ سے اٹھے،
 غسل فرمایا، اور جب سورج کسی قدر بلند ہو گیا تو پالکی میں سوار ہو کر عید گاہ کو
 روانہ ہوئے، معتقدین بھی ساتھ تھے، راستے میں تکبیر کہنے کی تاکید فرماتے، عید گاہ
 کے قریب پالکی سے اتر پڑے، تازہ وضو کیا، ڈاڑھی میں کنگھی کی، پھر عید گاہ
 میں داخل ہوئے، اُس وقت زیادہ لوگ جمع نہیں ہوئے تھے، محراب کے سامنے
 پہلی صف میں جا کر بیٹھ گئے، معتقدین بھی پیچھے بیٹھ گئے اور فجر کی نماز کے بعد
 کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، خطیب نے آنے میں کچھ دیر کی تو فرمایا بقرعید
 کی نماز جلدی ہونی چاہئے تاکہ قربانی جلد ہو، اور جانور بے چارے قید میں بند
 نہ رہیں، اذبح ہو کر جلد اپنی منزل کو پہنچ جائیں، پھر اپنے خاص خادم کو بلا کر فرمایا کہ
 مطبخ کے داروغہ کو تاکید کر دو کہ سلام پھیرتے ہی جا کر قربانی کرے تاکہ ہم دو تلوں
 کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں کہ یہ مستحب ہے اسی اشار میں فیروز شاہ
 کو وزیر خانبخشاں آیا، اُسے دیکھ کر پوچھا کہ تمھاری قبا شروع ہے یا نہیں، جواب
 دیا شروع ہے۔ پھر پوچھا، سوئے بند سوتی ہے یا ریشمی؟ اس نے جواب دیا،
 سوتی، پھر فرمایا تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر گے ڈال دینا، ورنہ نماز مکروہ
 ہو جائے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے تم اپنے
 بالوں کو کھول دو، تاکہ وہ بھی تمھارے ساتھ سجدہ کریں، اسی ضمن میں فرمایا
 کہ بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ایسی نماز اُس کے
 منہ پر ماری جاتی ہے، اسی درمیان میں قاضی القضاۃ صدر جہاں نے
 قدس سرہ کی سعادت حاصل کی اور آپ کو نماز کے بعد مدعو کیا، نماز شروع
 ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیروں میں سہو ہو گیا، نماز کے بعد
 علماء نے مخدوم جہانیاں سے اس سہو کے متعلق پوچھا، فرمایا کہ عیدین کی
 تکبیریں واجب ہیں، مناسب تو یہ ہے کہ نماز کو پھر سے لوٹا لیا جائے، لیکن
 جمع بہت بڑا ہے اس لئے لوگوں کو نماز کے لوٹانے میں تکلیف ہوگی،

اس لئے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں خطیب کے خطبے کے بعد حضرت مخدوم جہانیاں نے چار رکعت نماز اور پڑھی اور اپنے ہمراہیوں سے پڑھوائی، ابھی آپ نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ دست بوسی کے لئے لوگوں کا ہجوم ہو گیا، ہجوم اس قدر تھا کہ مشکل سے پاکی لائی گئی، اور جب آپ پاکی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو لوگ پاکی کے ساتھ دوڑ رہے تھے، کوئی پاکی کو چومتا، کوئی پاکی اٹھانے والوں کو چومتا، جب ہجوم بے حد بڑھ گیا تو خادموں نے ہجوم کو منتشر کیا، تاکہ کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہو جائے۔ قاضی القضاۃ صدر جہاں بھی پاکی کے ساتھ تھے، جب آپ اُن کے گھر پہنچے، تو وہاں علماء، آئمہ، قضاۃ اور صدور کا مجمع تھا، جو آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، گفتگو کے درمیان میں حضرت مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ بعض مکبر اکبر کو بحد "اکبار" کہتے ہیں، ان کو روکو یہ لفظ کفر کا ہے، اکبار شیطانوں کے نام میں سے ایک نام ہے، پھر فرمایا مستحب یہ ہے کہ موزن صاحب علم اور مفتی ہو، تاکہ فتویٰ بھی دے سکے، پھر دوسرے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی اس کے بعد آپ نے اشراق کی نماز پڑھی، جب آپ نماز پڑھ چکے تو صدر جہاں نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، فرمایا عید الفصحی میں قربانی کے گوشت سے افطار کرنا سنون ہے، صدر جہاں نے فوراً کباب کی ایک سیخ منگوائی آپ نے اُسی سے افطار کیا، اور ہمراہیوں سے بھی افطار کرنے کے لئے کہا، اس کے بعد صدر جہاں نے دسترخوان بچھوایا، سب لوگ کھانا کھانے کے بعد رخصت ہوئے۔

ایک دفعہ مخدوم جہانیاں جامع مسجد نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے،

۱۔ یہ تمام تفصیل بزم صوفیہ تالیف سید صباح الدین ص ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ سے بحوالہ الدر المنظوم مآخوذ ہے۔

مؤذن نے اذان میں اکبر کی جگہ اکبار کہا، آپ نے فرمایا یہ کفر ہے، اور سید الحجاب اور قاضی القضاۃ صدر جہاں کو اس طرف توجہ دلائی، سلطان فیروز کو جب خبر ہوئی تو اُس نے مؤذن کو طلب کیا، وہ نہایت پریشان ہو کر مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا میں بادشاہ سے کہوں گا کہ تمھاری روٹی موقوف نہ کرے، لیکن تجسیر میں اکبار نہ کہو، اور اور نہ حی علی الصلوٰۃ کے بجائے حی علی الصلوٰۃ کہو، اس سے معنی بدل جاتے ہیں۔

سلطان فیروز خود بھی حضرت مخدوم جہانیاں کی قیام گاہ پر حاضر ہوتا تھا، ایک دفعہ وہ حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس آیا، اُس وقت آپ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک آپ نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا ہاجب آپ نماز ختم کر چکے تو دونوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا، فیروز تغلق نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری آپ کی خدمت میں پیش کی، حضرت مخدوم جہانیاں نے وہ پھول اُن لوگوں میں تقسیم کر دیئے جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے، پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا، اور دعائیں دیں، اُس کے بعد اپنے ساتھیوں سے دو رکعت نماز نفل باجماعت ادا کرنے کے لئے کہا۔ مولانا سراج الدین نے امامت کی، سلطان فیروز بھی جماعت میں شریک ہوا، نماز ختم ہو گئی تو حضرت مخدوم جہانیاں نے فرمایا، حضرت امام شافعیؒ کے

۱۔ بزم صوفیہ، بحوالہ الدر المنظوم۔ ص ۴۲۲

۲۔ حضرت امام شافعیؒ کا نام محمد بن ادریس، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب شافعی ہے، آپ قبیلہ قریش سے ہیں، امام شافعیؒ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں اپنے والد کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب سے مل جاتا ہے، آپ کی والدہ کا نام آمنہ المحسن تھا اُن کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہے۔ پھر فقہ کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ عبادات میں غیر مسلک بہر عمل کیا جاسکتا ہے، لیکن معاملات میں غیر مسلک پر عمل کرنا بالکل جائز نہیں، اس کے بعد سلطان فیروز سے نماز کی نیت خانہ کعبہ کی زیارت، حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی بزرگی، خرقة مشلح اور نفس کی دشمنی پر بات چیت کرتے رہے، اس کے بعد آپ نے سلطان فیروز سے سفارش کر کے شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے پوتوں اور دوسرے لوگوں کے لئے وظائف مقرر کرائے، سلطان فیروز رخصت ہونے لگا، تو اس نے آپ سے اپنے پوتوں کے لئے دعا کی درخواست کی، آپ نے

(بقیہ فوٹو سلسلہ صفحہ گذشتہ)

اُمّ الحسن بنت حمزہ بن قاسم بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب۔

اس طرح آپ قریشی، ہاشمی، علوی، فاطمی، اور آئمہ اربعہ میں تیسرے امام ہیں امام شافعی نے حضرت امام مالک سے تعلیم حاصل کی، جب تک آپ مدینے میں رہے۔ امام مالک سے علمی اکتساب کرتے رہے، جب آپ عراق آئے تو امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن سے استفادہ فرماتے رہے۔

امام شافعی کی ولادت بعضوں کے قول کے مطابق غزہ میں اور بعضوں کے قول کے مطابق عسقلان میں اور بعضوں کے قول کے مطابق متا میں ۱۵۰ھ میں ہوئی جب آپ کا سن شریف صرف سات سال کا تھا تو آپ حفظ قرآن مجید سے فارغ ہو چکے تھے، اور تیرہ سال کی عمر میں وہ حرم میں کہا کرتے تھے سلونی ماشئتم ربحہ سے پوچھو جو تم پوچھنا چاہو اور پندرہ سال کی عمر میں آپ فتویٰ دیتے تھے۔

امام شافعی نے ماہ رجب ۲۰۴ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار پرانوار قرآنہ مضافات مصر میں واقع ہے۔ (سفینۃ الاولیاء - تذکرہ حضرت امام شافعی - خزینۃ الاصفیاء جلد اول - ص ۵۰)۔

اُن کے لئے وہی دعائیں کیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کو دیا کرتے تھے، سلطان فیروز رخصت ہونے لگا تو آپ اُسے رخصت کرنے کے لئے زینے سے اترنے لگے، لیکن سلطان فیروز نے آپ کو ہاتھ پیر کر روکا، آپ نے فرمایا، جب تم مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہو، تو مجھے کچھ تمھاری تعظیم کرنی چاہیے۔ سلطان فیروز نے عرض کیا کہ واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں، میں تعظیم کا مستحق نہیں ہوں۔

سلطان فیروز دوسری دفعہ حضرت مخدوم جہانیاں کی زیارت کے لئے آیا تو آپ نے یہ اشعار پڑھے۔۔۔

ہمت بس بلند روزی کن
کہ من از تو ہمیں ترا خواہم

ہر آنکو غافل اندوہ یک زمان ست
در آن دم کافرست اما نہان ست
مبادا غائبے پیوستہ باشد
در اسلام بروئے بستہ باشد
حضوری بخش اے پروردگارم
کہ من غائب شدن طاقت ندارم

سلطان فیروز کو یہ اشعار پسند آئے، اس نے یہ اشعار خود بھی لکھے، اور سید الحجاب کو حکم دیا کہ وہ بھی لکھ لے۔

خانبہاں وزیر کو نصیحت
اُس زمانے میں کہ جب کہ سلطان فیروز سوانہ
کی بہم پر تھا، اور حضرت مخدوم جہانیاں دہلی

میں مقیم تھے، سلطان فیروز کی عدم موجودگی میں اُس کا وزیر خانبہاں آپ کی قدم بوسی کے لئے آیا، آپ نے اُس کو نصیحت فرمائی کہ وہ عدل و انصاف میں شریعت کو ہر حال میں پیش نظر رکھے، خانبہاں دوسری مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بادشاہ کی طرف سے چونتیس جوڑے کپڑے آپ کے لئے لایا، حضرت مخدوم نے اُن کو دیکھ کر فرمایا اگر مشروع ہوئے تو بہنوں کا، ورنہ بچوں کی والدہ کو دے دوں گا، خانبہاں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ وہ مشروع ہیں، جب آپ کو یقین ہو گیا تو کپڑے قبول کر لئے، اور فرمایا میں بادشاہ کا دیا ہوا کپڑا پہن لیتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم بجالانا واجب ہے۔

شہزادوں کی نصیحتیں ایک روز شہزادہ مبارک خاں اپنے لڑکوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت مخدوم جہانیاں کی نظر اُس کی ٹوپی پر پڑی، فرمایا، ایسی ٹوپی پہننا جائز نہیں، اُس کے ٹکے بھی ویسی ہی ٹوپیاں پہننے ہوئے تھے، آپ نے اُن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ تو بچے ہیں، اُن سے مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن ان کے ولی سے پرسش ہوگی۔

اخلاق حضرت مخدوم جہانیاں حسن اخلاق کا سرِ ایل تھے، آپ کے اخلاق سے دوست دشمن سب متاثر ہوتے۔

فیاضی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ اور معتقدین کے پاس سے جو تحائف آتے انھیں قبول کر لیتے اور اُن میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ کر دوسروں میں تقسیم کر دیتے، فرمایا کرتے تھے کہ کہیں سے بھی کوئی فتوح

آتی ہے تو میں اس لئے قبول کر لیتا ہوں کہ شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فتوح کو اس لئے قبول کرو کہ دوسروں تک پہنچاؤ اور کچھ اپنی ضرورت کے لئے بھی رکھو۔
مخدوم جہانیاں جب مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے فرماں روا نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کئے، لیکن آپ نے یہ تمام سکے اپنے اُن ساتھیوں کو دے دیئے جو مقروض تھے۔

شیراز میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک شاگرد نے جو آپ سے مصلح پڑھتا تھا، کئی ہزار دینار نذر کئے، لیکن آپ نے یہ دینار اپنے اُن رفیقوں میں تقسیم کر دیئے جن کو اپنی لڑکیوں کی شادی کرنی تھی۔

ایک دفعہ سید سمس الدین عراقی مسعود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میرا آج کا وظیفہ بھی تک نہیں ملا، آپ نے اپنے خادم کو بلا کر فرمایا کہ اگر کہیں سے کوئی فتوح آئی ہو تو ان کو دے دو، خادم نے عرض کیا کہ آج تو کوئی فتوح نہیں آئی، فرمایا بنئے سے قرض لے کر ان کا وظیفہ دے دو۔ مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے، فرمایا ضرورت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے۔

ایک دفعہ ایک سید آئے، اُنھوں نے آپ سے کفن کے لئے کپڑا مانگا، اتفاقاً اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا، اور نہ نقد روپیہ موجود تھا، فرمایا جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے، بستر میں سے روئی نکال لیا اور کپڑا کفن کے لئے دے دو، اور روئی فروخت کر کے اس کی قیمت رکھ لو تاکہ درویشوں کے وظیفے کے کام آئے، یہ فرما کر نمازیں مشغول ہو گئے، خادم نے ارشاد کی تعمیل کی، اور کہنے لگا کہ حضرت قطب عالم کیسی شفقت فرماتے ہیں، پھر اُس نے یہ آیت پڑھی ”وَمَا ارسلناک الا رحمة للعالمین“ آپ نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی، اور فرمایا یہ آیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ

آلہ وسلم کی شان میں ہے، اور کسی کے لئے نہیں ہو سکتی۔
 ایک دفعہ ایک عرب آیا، اُس نے کہا کہ میں لکھنوتی جانا چاہتا ہوں مجھے
 سفر خرچ اور کچھ کپڑا دیدیجئے۔ اُسی وقت اتفاق سے ایک مرید طشت میں
 بھر کر مصری تھکالا یا حضرت مخدوم جہانیاں نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو، اُس نے
 وہ مصری لے لی اور پھر کپڑا مانگا، اُسی وقت آپ کے جسم پر جو کپڑے تھے، وہ
 کسی مرید نے عاریتاً پہنائے تھے تاکہ وہ تبرک ہو جائیں، آپ نے عرب سے فرمایا
 اگر یہ کپڑے میرے ملکیت ہوتے تو تمہیں دے دیتا، لیکن وہ عرب مانگتا رہا۔
 خادموں کو یہ دیکھ کر غصہ آیا، عرب نے کہا کیا آپ مجھے مرواڈالنا چاہتے ہیں،
 فرمایا اگر وہ تمہیں ماریں تو تم مجھے مار ڈالنا، یہ کہہ کر آپ نے اپنی گردن جھکا دی
 عرب آپ کے اس اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور آپ کے قدموں پر
 گر پڑا، آپ نے اس کو اٹھا کر گلے سے لگا لیا، اور اپنی ٹوپی پہنا کر
 رخصت کیا۔

طبعیت میں بے حد انکسار اور خاکساری تھی، ایک دفعہ
 انکسار ایک مرید نے القاب میں قطب عالم، شیخ الشیوخ اور
 سید السادات لکھا، فرمایا مجھ کو گدائے عالم کہو، مریدین اور معتقدین پاؤں
 چومنے کی کوشش کرتے، لیکن آپ ان کو روکتے، بعض مرید سجدہ تہنیتی کرنا
 چاہتے۔ فرماتے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔

جب کوئی حضرت مخدوم جہانیاں سے ملاقات کے
 مہمان نوازی کے لئے آتا تو آپ اُسے ضرور کچھ نہ کچھ کھلاتے، فرمایا

۱۔ یہ تمام واقعات بزم صوفیہ ص ۲۲۹ و ۲۳۰ سے ماخوذ ہیں بحوالہ الدر المنظوم -

ص ۲۳۸ - ۲۶۲ - ۲۵۸ - ۶۸۰ - ۶۸۶ - ۱۸۶ -

۲۔ بزم صوفیہ - ص ۲۳۱ بحوالہ الدر المنظوم ص ۲۵۳

کفش پہنوں، آپ نے اُس کے عوض میں اُن کو دستار روانہ کی جس سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۷)

نے مولانا ابوتوامہ سے تعلیم حاصل کی، تعلیم ہی کے زمانے میں اپنے استاد کی صاحبزادی سے عقد کیا، جب وہ علوم شرعیہ کی تکمیل کر چکے تو بطائف اشرفی میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ توجہ نظام الدین محبوب الہی کی شرف ملازمت کے لئے دہلی تشریف لے گئے، اور ارادت و ارشاد کے لئے درخواست کی، حضرت سلطان المشائخ نے عالم غیبی اور فضلے لاریبی سے استفسار فرمایا، اور استغراق میں نہ جھکیا، پھر فرمایا میرے بھائی شرف الدین تمھاری مریدی اور سلوک کی تعلیم بادرہم نجیب الدین سے متعلق ہے، تم اُن کے پاس جاؤ، وہ تمھارے نظام میں ہیں۔ جب وہ شیخ نجیب الدین کے پاس جانے لگے تو فرمایا کہ فقیروں کے یہاں سے خالی نہ جاؤ، تم کو اس خاندان سے صفائی اور سماع مبارک ہو۔ بطائف اشرفی، مطبوعہ نصرت المطابع دہلی۔ ص ۷۷، ۷۸

جب وہ سلطان المشائخ کے ارشاد کے مطابق شیخ نجیب الدین کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا، فطیر برسوں سے تمھارے انتظار میں ہے تاکہ تمھاری افانت تمھارے سپرد کر دے، اور فوراً اُن کو بیعت کر لیا، اور کچھ نصیحتیں فرما کر رخصت کیا، اور فرمایا اگر راستے میں کوئی خبر لے تو واپس نہ آنا، بیعت کے بعد دہلی سے رخصت ہوئے، ابھی راستے ہی میں تھے کہ مرشد کے دھماکے کی خبر ملی، لیکن مرشد کی ہدایت تھی کہ واپس نہ لو، جب ضلع آ رہے میں بھیا کے جنگل میں پہنچے تو سور کی آواز سنی، آواز سن کر دل میں ایک ہوک اٹھی اور جذب و سرستی میں جنگل میں غائب ہو گئے بھیا کے جنگل میں انھوں نے بارہ سال گزارے جب دل نوبہ معرفت سے منور ہو گیا تو آبادی کی طرف رخ کیا اور بہار شریف میں سکونت اختیار کر لی، سلطان محمد تغلق نے جب اُن کی بزرگی اور درویشی کی شہرت سنی تو بجا الملک مقطع بہار کے نام حکم جاری کیا کہ حضرت کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے، اور اس کے اخراجات کے لئے پرگنہ راجگیران حضرت کے لئے کیا جائے، مجد الملک نے اس کی تعمیل کی، اور اسی

مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں سرتاج سمجھتا ہوں۔

حضرت جہانگیر سمنان سے آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو آپ ان سے نہایت شفقت سے ملے اور فرمایا کہ ایک مدت کے بعد طالب صادق کی بوداوغ میں پہنچی اور ایک زمانے کے بعد گلشن سیادت کی سیرمحلّی۔

باوجود اس کے کہ حضرت مخدوم
قادر یہ سلسلے سے عقیدت
 جہانیاں سلسلہ ہروردیہ میں بیعت

(تبیہ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵)

خانقاہ میں بیٹھ کر انھوں نے رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا۔

۶۔ شوال شب پچشنبہ ۸۲۷ھ کو حضرت شرف الدین احمد بن یحییٰ نے وصال فرمایا۔ تاریخ وصال کلمہ "پر شرف" سے نکلتی ہے۔ مزار پر انوار بہار شریف میں ہے۔
 حضرت شرف الدین کی تصانیف کی تعداد کثیر بتائی جاتی ہے، لیکن ان میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں۔

- (۱) مکتوبات صدی۔ مطبوعہ مطبع اسلامی لاہور۔ (۲) مکتوبات دو صدی۔
- (۳) مکتوبات بست و ہشت (۴) ملفوظات (۵) معدن المعانی (۶) مخ المعانی
- (۷) راحت القلوب (۸) خوان پر نعمت (۹) کنز المعانی (۱۰) گنج لایفنی (۱۱)
- مونس المریدین (۱۲) تحفہ غیبی (۱۳) فوائد رکنی (۱۴) شرح آداب المریدین (۱۵)
- ارشاد السالکین (۱۶) ارشاد الطالبین (۱۷) اجوبہ (۱۸) اوراد خرد (۱۹) اوراد اوسط
- (۲۰) فوائد المریدین (۲۱) اجوبہ زاہدیه (۲۲) رسالہ اشارات (۲۳) رسالہ میکہ (۲۴)
- اوراد کلاں۔ (ماخوذ از بزم صوفیہ - ص ۳۷۶ تا ۳۷۷)

لے آپ کا اسم گرامی محمد شرف اور جہانگیر لقب تھا، آپ کی ولادت باسعادت سمنان میں ہوئی آپ کے والد محمد ابراہیم سمنان کے حاکم تھے، آپ کی والدہ کا نام خدیجہ بیگم تھا جو خواجہ احمد سیوی کی صاحبزادی تھیں، سید اشرف سمنانی نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید تجوید کے ساتھ حفظ کر لیا

تھے، لیکن سلسلہ عالیہ قادریہ سے بھی بے حد عقیدت و محبت رکھتے تھے، اخبار الاخبار میں بحوالہ خزائنہ جلالی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ نعمی الدین عبدالقادر

(بقیہ فوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ)

تھا، اور چودہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے، اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد عثمان کے تحت سلطنت پر بیٹھے، لیکن طبیعت ابتدائی سے سلوک کی طرف مائل تھی، ایک رات خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اگر سلطنت الہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ، اور شیخ علاء الدین بنگالی کی خدمت میں حاضر ہو، اس خواب کے بعد آپ نے اپنی والدہ سے سفر کی اجازت طلب کی، انھوں نے فرمایا کہ اے عزیز سوا دتمند تمہارے نانا خواجہ احمد سیوی نے مجھے بشارت دی تھی کہ میرے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ولایت کے نور سے عالم منور ہو جائے گا، میں سمجھتی ہوں کہ اُس کا وقت آہنچا، تمہیں یہ سفر مبارک ہو، میں تمہیں حق مادری بخش کر خدا کے حفظ و امان میں سپرد کرتی ہوں، اس کے بعد آپ عثمان کی حکومت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان روانہ ہوئے، ہندوستان میں آپ سب سے پہلے آج میں حضرت سید محمد دوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۷۱ و ۳۷۲)۔

لطائف اشرفی میں ہے کہ مخدوم جہانیاں نے آپ کو رکھتے ہی فرمایا۔

بعد از مدتے بوئے طالب صادق بہ دماغ رسیدہ، بعد از روزگارے

نسیم از گنزار سیادت وزیدہ، فرزند بسیار مردانہ برآمدہ امی، مبارک باد، زود قدم

در راہ نہد۔ برادر م علاء الدین منتظر مقدم شریف بستند زینہار در راہ جے نکائی

(لطائف اشرفی جلد دوم ص ۴۴)

پھر حضرت مخدوم جہانیاں نے آپ کو نعمت باطنی سے مستفیض فرمایا، پھر آپ دبی ہوئے ہوئے بہار میں عین اُس وقت پہنچے جب مخدوم الملک حضرت شرف الدین یحییٰ میسری کا جنازہ رکھا ہوا تھا، انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ مہن کے جنازے کی نماز وہ پڑھائے جو صحیح النسب

جیلانی نے فرمایا ہے کہ خوش خبری ہو ان لوگوں کو جنہوں نے مجھے دیکھا، اور میرے
دیکھنے والے کو دیکھا، اور میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا، واقعی آپ

(تشیف نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ)

سید ہوتا رکب سلطنت ہوا، اور ساتوں قرا توں کا قاری ہو، چونکہ یہ تمام صفات حضرت جہانگیر
سمنانی میں موجود تھیں، اس لئے آپ نے اُن کے جنازے کی نماز پڑھائی، پھر اُن کی قبر پر تبرک
مربوبہ کیا، اور عازم بنگالہ ہوئے۔ اُس زمانے میں بنگال سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے بزرگ شیخ مدد الدین
علاء الحق بن شیخ سعدا ہوری بنگال میں سلسلہ چشتیہ کے فیوض و برکات کو عام کر رہے تھے، انھوں نے
حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کی آمد سے کچھ دن پہلے اپنے مریدوں سے کہا تھا کہ وہ شخص جس کا
میں دو سال سے انتظار کر رہا ہوں، اور اُس کی ملاقات کے چشم برادر ہوں دو ایک دن میں پہنچنے والا
ہے، جب سید اشرف جہانگیر سمنانی پنڈوہ کے قریب پہنچے تو اُس وقت شیخ علاء الدین قبول فرما رہے
تھے، یکایک اُٹھے اور فرمایا دوست کی بواہی ہے، فوراً ہی اپنے مریدوں کے ساتھ حضرت اشرف
جہانگیر سمنانی کے استقبال کے لئے شہر سے باہر گئے، جیسے حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کی نظر
حضرت شیخ مدد الدین پر پڑی تو فوراً اُن کے قدموں پر گر پڑے، حضرت شیخ علاء الدین نے
اُن کو اٹھا کر کھینچ لیا اور یہ شعر پڑھا:

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے

بامید رسد امیدوارے

آپ حضرت شیخ علاء الدین کے ساتھ اُن کی خانقاہ میں تشریف لائے، اور حضرت شیخ
علاء الدین نے آپ کو بیعت کیا، حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اُس وقت فی البدیہہ۔
ان اشعار میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

علاء الحق والدین گنج نابات

نہادہ تاج و دولت بر سرین

برآوردہ مرا از چاہ آفات

نہی پیرے کہ ترک از سلطنت داد

رہطائف اشرفی جلد دوم۔ ص ۹۹

قطب ہیں اور سچے ہیں مجھے آپ کے اس قول سے قوی اُمید ہے کہ حق تعالیٰ حضرت شیخ کے اس قول کے مطابق مجھ پر بھی رحمت کرے گا، بعد اس کے اپنی رویت کے سلسلے کو ایک واسطہ سے حضرت شیخ شہاب الدین سرور دی تلمذ پہنچایا اور یہ سلسلہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا کے علاوہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے فلاں

(بقیہ فوٹو گزشتہ سلسلہ)

ایک دفعہ حضرت اشرف جہانگیر کمر باندھ رہے تھے، حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق نے پوچھا کیا کر رہے ہو، حضرت اشرف جہانگیر نے جواب دیا۔

میان برائے خدمت می بندم

یعنی خدمتِ خلق کے لئے کمر باندھ رہا ہوں، فرمایا کہ۔

اگر می بندی محکم بند کہ سچ در میان نداری

یعنی اگر کمر باندھ رہے ہو تو مضبوط باندھو۔ تاکہ پھر در میان میں کوئی چیز باقی نہ رہے

حضرت اشرف جہانگیر نے عرض کیا۔

از زوئے نفس از میان کشیدہ ام تا زندہ ام

یعنی میں نے نفس کی آرزو کو میان سے دور کر دیا ہے، جب تک زندہ ہوں، حضرت

علاء الحق نے آپ کو مبارک باد دی۔ (لطائف اشرفی جلد ۲ ص ۱۳۸۰)

روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے بعد آپ اپنے مرشد سے رخصت ہوئے

میر ہوتے ہوئے قصبہ محمد آباد کہنہ (اعظم گڑھ) پہنچے۔ محمد آباد سے ظفر آباد آئے۔ ظفر آباد سے

جون پور گئے، یہیں اُس دور کے مشہور عالم قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے آپ سے بیت

بنو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، آپ نے اُن کو "ملک العلماء" کا خطاب عطا کیا، جون پور سے روانہ

ہو کر مہینی پہنچے، وہاں سے بھد دنڈ (؟) آئے، پھر آپ روح آباد میں مقیم ہوئے جو آج کل کچھ جھپ

کے نام سے موسوم ہے، یہاں ایک خانقاہ بنائی، کچھوچھ شریف میں قیام فرما کر آپ نے طالبان

حق کی اصلاح و تربیت اور رشد و ہدایت کا کام شروع کیا۔ کچھوچھ میں کچھ دن قیام کے بعد

کو دیکھا ہے، انھوں نے حضرت شیخ شہاب الدین بہروردی کو دیکھا ہے، اور
حضرت شیخ شہاب الدین بہروردی نے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کو
دیکھا ہے۔

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ)

شیخ بدیع الدین مدائک کے ساتھ بہت اشد اور مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور مختلف مقامات
کی سیاحت کرتے ہوئے کچھ چھ شریف واپس ہوئے، دوسری دفعہ میر کبیر سید علی
کے ساتھ دنیا کی سیاحت کی، پھر کچھ چھ واپس ہوئے اور وفات تک کچھ چھ
میں مقیم رہے۔

۲، ۳ محرم ۸۸۷ھ کو حضرت اشرف جہانگیر سمنانی نے کچھ چھ میں وصال فرمایا
اُس وقت آپ کی عمر شریف ایک سو چھ سال کی تھی، مزار پر انوار کچھ چھ میں زیارت گاہ
خاص و عام ہے، آپ کے خلفاء میں فیض شہاب الدین دولت آبادی، شیخ غمیس الدین اودھی
شیخ صفی الدین ردولوی، شیخ سہار الدین ردولوی، مولانا علم الدین جائسی، شیخ خیر الدین
سدھوری اور قاضی محمد سدھوری مشہور ہیں۔

حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات پر تین کتابیں ملتی ہیں، ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) بشارات المریدین (۲) کتببات اشرفی (۳) لطائف اشرفی فی بیان طوائف
صوفی ان تینوں کتابوں میں جو کتاب سب سے زیادہ آپ کی تعلیمات اور سوانح حیات کی آئینہ دار
ہے وہ لطائف اشرفی ہے، جس کو آپ کے مرید حضرت نظام الدین یعنی لقب بہ نظام حاجی
غریب الیمینی نے مرتب کیا تھا، جو آپ کی خدمت میں تیس سال رہے تھے، یہ کتاب ۱۲۹۵ھ
میں نصرت المطالع دہلی سے چھپی تھی اور (۹۰۰) صفحات پر مشتمل ہے جو اب کمیاب ہے۔
(یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۷۱ و ۳۷۲ و ۳۷۳ و ۳۷۴ لطائف اشرفی سے ماخوذ ہے)

(نٹ نوٹ صفحہ ہذا سلسلہ)

۱۰ اخبار الاخبار۔ ص ۱۴۲۔

تصوّف کا ایک بڑا مقصد خدمتِ خلق ہے، مظلوم اور
خدمتِ خلق مجبور انسانوں کی مدد کرنا، اور اُن کے کام آنا سب
 سے بڑی نیکی ہے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی مجبور اور مظلوم
 انسانوں کی مدد کرنے، اور اُن کی حاجت بآری کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔

سیر العارفین میں ہے کہ فیروز تغلق کا وزیر خانبہاں ابداً حضرت مخدوم
 جہانیاں کا سخت مخالفت تھا، ایک مرتبہ اُس نے ایک نو لیسندہ کے بیٹے کو کسی بات پر
 قید کرادیا، اُس کا باپ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس کی بے گناہی ظاہر
 کر کے سفارش کا طالب ہوا، حضرت مخدوم جہانیاں اُس کی سفارش کے لئے
 خانبہاں کے پاس گئے، لیکن خانبہاں نے اندر ہی سے کہلا بھیجا کہ میں شیخ سے نہ
 ملوں گا، اور نہ اُن کی سفارش مانوں گا، ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ آئندہ ہر
 دروازے پر نہ آئیں، لیکن اس کے باوجود انہیں مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں
 اُس کے دروازے پر گئے، اور ہر مرتبہ اُس نے یہی جواب دیا، اُنیسویں مرتبہ
 اُس نے کہلا بھیجا کہ اے سید! تمہیں غیرت نہیں آتی کہ میں کتنی مرتبہ تم سے
 انکار کر چکا ہوں۔ مگر تم پھر میرے دروازے پر آنے کو مجبور دہوتے ہو، حضرت مخدوم
 جہانیاں نے جواب دیا، اے عزیز! میں جتنی مرتبہ تمہارے دروازے پر آتا ہوں
 مجھے اس کا ثواب مل جاتا ہے، لیکن ایک مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوا، میں چاہتا
 ہوں کہ اُس مظلوم کو تمہاری قید سے چھٹکارا دوں تاکہ تم بھی اس کے ثواب
 میں شریک ہو، یہ سن کر خانبہاں بے حد متاثر ہوا۔ وہ گھر سے باہر آیا اور آپ کا
 مرید ہو گیا۔

حضرت جلال الدین بخاری اردو زبان کے اُن محسنین میں ہیں
اردو پر احسان جن پر تاریخ ادب اردو کو ہمیشہ فخر رہے گا کہ وہ ایسے

جلیل القدر اور اکابر صوفیہ کے آغوش میں پٹی ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت فیروز تخلق کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لاتے تھے، ایک دفعہ آپ دہلی تشریف لائے، جب فیروز شاہ تخلق سے ملاقات ہوئی تو اس سے اردو زبان میں مخاطب ہو کر یوں مزاج پرسی کی۔
 ”کاکا فیروز چنگا ہے“

وفات سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت نے ستر سال کی عمر میں عین عید اضحیٰ کے دن ۸۷۸ھ وفات پائی، آپ کا مزار پیرانوار آج میں زیارت گاہ خاص دعام ہے۔

اولاد آپ کے بعض صاحبزادوں کے نام یہ ہیں، سید شمس، سید ماہ، سید صدر الدین اور سید سلطان محمود ناصر الدین۔
 سید ناصر الدین کے مناقب و محامد بیان کرتے ہوئے صاحب خزینۃ الاصفیاء رقمطراز ہے۔

سید ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری قدس اللہ سرہم جامع بود، میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت و شرافت و سیادت و نجابت و خوارق و کرامات و در ولایت و تہمعالی و مراتب بلند داشت۔

سید ناصر الدین اپنے والد بزرگوار سے بیعت تھے اور انھیں سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ سید ناصر الدین نے ۸۷۸ھ میں وفات پائی، مفتی غلام سرور لاہوری نے اس قطعہ میں تاریخ وفات نکالی ہے۔

اردو زبان کا اہل مولد۔ مقالہ سید حسام الدین راشدی بحوالہ جمعات شاہی محفوظات شاہ عالم۔

کے خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۶۹

بہجتِ ناصر الدین چوں سفر کرد
عباس سالِ دصال آں شہ دیں
زعارف "ناصر الدین" کامل آمد
دگر قطبِ مکرم ناصر الدینؒ
حضرت سید جلال بخاری مخدوم جہانیاںؒ جہاں گشت کی اولاد کے
متعلق بزمِ صوفیہ میں بحوالہ مرآۃ الاسرار منقول ہے کہ۔

”حضرت سید جلال (بخاری) کی بہت سی اولاد تھی، اور
اُن کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبے کو پہنچے، اُن میں سے
ایک شاہ جلال بھی تھے، جو اپنے بھائیوں کے جھگڑے کی وجہ
سے آج سے قنوج چلے گئے تھے اور اسی شہر میں سکونت اختیار
کر لی تھی اُنھوں نے اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت
پائی، اُن کے دسید جلال کے صاحبزادے بھی صوری و
معنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے، قنوج اور نواح
قنوج کے لوگ اُن ہی کے سلسلہ ارادت سے منسلک رہے،
اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، حضرت کے بعض فرزند
دہلی کے نواح شکارپور میں محو خواب ہیں، اُن میں شاہ عمر،
شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحب کشف و کرامات تھے اور
بہت مشہور ہوئے، حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم
گجرات میں مدفون ہیں۔“

خلفاء
حضرت مخدوم جہانیاں کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے،
اُن میں سے مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں۔ (۱) سید ناصر الدین

معروف بہ شیخ راجہ قتال۔ (۳) شیخ اخئی راجہ گیری۔ (۳) حضرت سید علم الدین

لے شیخ اخئی راجہ گیری کا اصل نام جمشید تھا، لیکن چونکہ ان کو حضرت مخدوم جہانیاں اخئی کے خطاب سے یاد فرماتے تھے اس لئے یہ اخئی کے نام سے مشہور ہو گئے، شیخ اخئی کا وطن موضع زہرا پرگنہ دریا بادرکھار اور دھرمپور تھا، جوانی ہی میں ترک دنیا کر کے حضرت مخدوم جہانیاں کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، اور آپ سے خرقہ خلافت حاصل کر کے شرق و جہ کے صاحب ولایت ہوئے، انھیں سید مخدوم جہانیاں نے قنوج بھیجا جب وہ قنوج پہنچے تو وہاں لوگوں کا ہجوم اس قدر ہوا کہ وہ وہاں سے دل برداشتہ ہو کر دریاے گنگا کے کنارے موضع راجہ گیری متوطن ہو گئے، اور اسی موضع میں عرفان و ہدایت کی شمع روشن کی، شیخ اخئی راجہ گیری نے ۱۱۱۰ شوال روز چہار شنبہ ۸۶۰ھ میں وفات پائی۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم۔ ص ۶۳-۶۴)

۲۱ سید علم الدین پلائیں سادات ترمذ میں سے تھے، ان کے اجداد میں میر سید کمال ترمذی سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں ہندوستان آکر قصبہ کھنبل میں متوطن ہوئے۔ پھر سید علم الدین کے دادا کھنبل سے نکل کر قنوج میں سکونت پذیر ہوئے۔ میر سید علم الدین نے حضرت مخدوم جہانیاں کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، اور حضرت مخدوم جہانیاں کے ارشاد کی بناء پر جون پور آئے، اور سلطان ابراہیم شرتی کی ملازمت میں داخل ہو کر اس کے امراء میں شمار ہوئے، انھیں پٹہ پلاون (؟) جاگیر میں ملا۔ سید علم الدین، میر سید اشرف جہانگیر کمنانی کے ہم عصر تھے، دونوں میں دوستانہ مائتھے، اور باہمی خط و کتابت بھی تھی۔ سید علم الدین نے ۸۶۰ھ میں وفات پائی، ان کا مزار پراوار پلاون میں ہے۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۶۴ و ۶۵)

(۴) حافظ شیخ سراج الدین۔ (۵) سید اشرف الدین مشہدی۔ (۶) شیخ بابو تاج بکھری۔ (۷) سید محمود شیرازی (۸) سید سکندر بن مسعود (۹) سید علاء الدین بن سعد حسینی (مرتب جامع العلوم) (۱۰) سید اشرف الدین سامی (۱۱) مولانا عطاء اللہ

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے تین
ملفوظات مجموعوں کا اب تک پتہ چل سکا ہے۔

(۱) خزائنہ جلالی :- اس مجموعے کا تذکرہ مختلف کتابوں میں ملتا ہے لیکن یہ مجموعہ ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا، شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب آب کوثر کے صفحہ ۳۲۵ کے ایک فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ انھوں نے اُج کے سفر میں خزائنہ جلالی کا ایک خطی نسخہ موجودہ سجادہ نشین درگاہ شریف اُج کے پاس دیکھا تھا، یہ مسائل و ارشادات کی ایک مبسوط کتاب ہے، اس میں سوانحی حالات بہت کم ہیں۔

(۲) سراج الہدایہ :- یہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ ہے، سید صباح الدین عبدالرحمن نے اپنی کتاب بزم صوفیہ میں لکھا ہے کہ ان ملفوظات کے جامع احمد برنی ہیں جو حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید تھے، اس میں ۱۷۷۷ کے دس مہینے کے ملفوظات ہیں۔

۱۷۷۷ حافظ سراج الدین حضرت مخدوم جہانیاں کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، وہ مخدوم جہانیاں کی امامت پر مامور تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے برسوں اُن کی اقتدائی حضرت مخدوم جہانیاں اُن پر بے حد شفقت فرماتے تھے، حافظ سراج الدین نے ۱۷۷۷ میں وفات پائی، مزار مبارک کاپلی میں ہے۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۶۸ و ۶۹)

۱۷۷۷ لطائف اشرفی جلد اول ص ۳۹۲۔

سراج الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ ریاست رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔
 لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مجموعہ کے جامع کے نام اور اس مجموعہ
 کی تدوین کے سنہ میں کوئی تسامح ضرور ہوا ہے، کیونکہ سراج الہدایہ کا ایک قلمی
 نسخہ علی گڑھ میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔
 اس میں اس مجموعے کے جامع کا نام سید عبداللہ اور اس مجموعے کا سنہ ترتیب
 ۱۸۷۷ء مرقوم ہے، یہ مجموعہ حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول - در بیان احادیث -

باب دوم - در بیان خواندن فقہ و مسائل دین -

باب سوم - در بیان فوائد و احکام شرع -

باب چہارم - در بیان حکایات لطیفہ -

باب پنجم - در بیان قصص انبیاء -

باب ششم - در بیان ہفتاد و سہ ملت -

باب ہفتم - در بیان نصائح و فضائل حدیث -

باب ہشتم - در بیان اشعار عربی و نظم فارسی -

باب نہم - در بیان مسائل متفرقہ -

اس کتاب سے ہم آپ کی تعلیم و ارشاد کے بعض نمونے پروفیسر خلیق احمد

نظامی کے نسخے سے یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں، ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ

حرام است عورتان نامحرم را کہ در پیش مردمان بیگانہ

بیابند، و نامحرم کسے است کہ عقد مناکحت باوے شرعاً

پیوندند۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ :-

مکر وہ است طعام و شراب ملوک و سلاطین ۱۵

ایک اور جگہ کسب معاش پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

بہترین کسبہا چہار چیز است، یکے غزا، دوم تجارت، سوم زراعت،

چہارم صنعت مشرور کردن ۱۶

(۳) جامع العلوم :- حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کا تیسرا

مجموعہ ہے جس کے جامع و مرتب آپ کے مرید سید علاء الدین بن سعد حسینی ہیں

یہ ۸ ربیع الآخر ۱۲۸۷ھ سے ۱۲۸۸ھ تک کے ملفوظات ہیں، یہ اُس

زمانے کے ملفوظات ہیں جب حضرت مخدوم جہانیاں ۱۲۸۷ھ میں دہلی تشریف

لائے تھے اور سلطان فیروز تغلق بہیم سامانہ پر گیا ہوا تھا، اُس کی ملاقات کے

لئے آپ کو دس مہینے دہلی بھرنا پڑا تھا، اُس زمانے میں لوگ آپ کی مجلس میں

مختلف قسم کے علمی، مذہبی، فقہی اور تصوف کے متعلق سوالات کرتے تھے۔

آپ ان کو جوابات دیتے تھے، آپ کے ان ملفوظات کو سید علاء الدین بن سعد

حسینی نے جامع العلوم کے نام سے جمع کیا تھا، اس کا اُردو ترجمہ الدر المنظوم

فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم کے نام سے دو جلدوں میں مولوی ذوالفقار احمد نقوی

نے نواب سید نور الحسن کی فرمائش پر کیا جو مطبع انصاری دہلی سے شایع ہوا،

یہ ترجمہ (۸۵۵) صفحات پر مشتمل ہے، ان ملفوظات میں تصوف کے ہم حقائق

و معارف، شرعی، فقہی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل ہیں۔

ان کے علاوہ حضرت مخدوم جہانیاں کے مکتوبات کا ایک

مکتوبات قلمی مجموعہ ”مقرر نامہ“ کے نام سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

کی لائبریری سبحان اللہ، کلکشن میں موجود ہے، جس کا نمبر ۲۹۷۱ ف ۱۱ ہے۔

اس کے جامع تاج الحق والدین احمد بن معین سیاہ پوش علوی ہیں، اس کی ترتیب و تدوین کی تکمیل ۶ رجب ۱۳۳۷ھ میں ہوئی یہ مجموعہ ان بیالیس خطوط پر مشتمل ہے جو آپ نے مولانا عزالدین کے نام تحریر فرمائے تھے، اس مجموعے کے کاتب کا نام ملا الہ یار ہے، ہم ان مکاتیب میں سے بعض خطوط کے اقتباسات ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

ایک خط میں مولانا عزیز الدین کو تحریر فرمایا۔

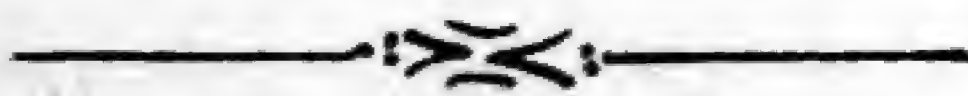
بیوستہ در آن بکوشد کہ در زمرہ اہل صنفہ در آید، یعنی در عمل بکوشد و در مجاہدہ باشد۔

ایک اور گرامی نامے میں اُن کو تحریر فرمایا۔

ہر عالم و درویش کہ بتلا بنفس و ہوا باشد، او از جملہ معافی حقانی
محبوب بماند۔

ایک اور والا نامے میں اُن کو لکھا۔

علی الدوام باید کہ نفس خود را نصیحت گیرد کہ تا سعادت ہر دو جہاں
یابد، در سنت پیغمبر علیہ السلام متابعت کند، تا سعادت و کرامت سرمدی
یابد کما قال النبی من خالف سنتی فهو کافر، باید کہ پیوستہ از صحبت
ملوک و اغنیاء اجتناب نماید، تا ثمرہ سالکان از خدا عز و جل یابد۔



۱۷ مقرر نامہ قلمی - مکتوب نمبر ۱۹

۱۸ مقرر نامہ قلمی - مکتوب نمبر ۱۸

۱۹ مقرر نامہ قلمی - مکتوب نمبر ۱۶

مقرر نامہ کی ان تمام معلومات کے لئے میں اپنے عزیز ترین دوست محمد ایوب قادری کا
ممنون ہوں کہ انھیں کی بدولت اس کتاب کے متعلق یہ معلومات حاصل ہوئیں۔

سید شاہ جمال قادری ہروردی

حالات سید شاہ جمال قادری شیخ لکرا کے مرید و خلیفہ تھے، اُن کا سلسلہ طریقت چند واسطوں سے حضرت شیخ شہاب الدین ہروردی سے جا ملتا ہے، اُن کا شجرہ طریقت یہ ہے:-

شاہ جمال، شاہ لکرا بیگ، شاہ شرف، شاہ معروف، جعفر الدین، فییم الدین ہروردی، شیخ جمال، شیخ عارف صدر الدین، شیخ بہار الدین زکریا ملتانی، شیخ الشیوخ شہاب الدین ہروردی۔

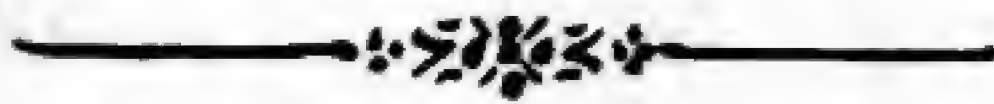
سید شاہ جمال کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ اور جمالِ صوری و معنوی کا پیکر تھے، اُن کے دوسرے بھائی کا نام سید جلال تھا وہ بھی اہلِ حال اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔

وفات سید شاہ جمال نے شاہجہاں کی حکومت کے زمانے میں وفات پائی، اُن کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ سید جمال کی

سہ جہانگیری وفات کے بعد شاہزادہ خرم شاہجہاں کے لقب سے تخت نشین ہوا، اس کا عہد حکومت جمادی الآخر ۱۰۳۵ھ سے جنوری ۱۰۳۶ھ سے یکم ذی قعدہ ۱۰۳۶ھ م جولائی ۱۰۳۶ھ ہے۔ (تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت ص ۵۱۱ و ص ۵۳۷)۔

عادت مبارک تھی کہ اکثر اوقات اپنے حجرے میں عبادت و ریاضت کے لئے
جلد کھینچتے تھے، ایک دفعہ انھوں نے اپنے حجرے میں جلد کھینچا، اُن کے ارٹلر
کے مطابق حجرے کا دروازہ بند کر دیا گیا تیس روز گزرے تھے کہ بارش اس قدر
سخت ہوئی کہ حجرے کا ایک حصہ بارش کی وجہ سے گر پڑا، اسی حادثے میں انھوں
وفات پائی، اشارۂ غیبی کی بنا پر مریدوں نے اسی حجرے کو دفن قرار دے کر
نشان قبر قائم کیا، اُن کا مزار مبارک لاہور میں اچھرہ کے قریب ایک ٹیلے پر
واقع ہے جسے دمرہ کہا جاتا ہے۔

تاریخ لاہور مؤلفہ عبداللطیف میں ہے کہ انھوں نے ۱۰۶۱ھ میں وفات
پائی، ان کے ایک بھائی شاہ کمال بھی تھے، اُن کا مزار بھی اپنے بھائی کے مزار
کے قریب اچھرہ میں واقع ہے۔



شیخ جان محمد لاہوری

حالات شیخ جان محمد لاہوری، شیخ محمد اسماعیل کلاں لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے، طریقت و شریعت، فقہ و حدیث میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، اور لاہور کے محلہ پرویز آباد میں سکونت رکھتے تھے۔

بچپن میں شیخ محمد اسماعیل کے خلیفہ شیخ عبد الحمید کی خدمت میں تعلیم کے لئے حاضر ہوئے۔ اور ان سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن طالب علمی کے زمانے میں اپنے استاد کے ساتھ شیخ محمد اسماعیل لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ محمد اسماعیل ان کو نہایت خوش ہوئے، اور محبت سے فرمایا اے لڑکے جب تم عالم و فاضل ہو جاؤ گے تو ہمارے ساتھ حدیث کا تکرار کرو گے، شیخ جان محمد فرط ادب اور شرم و حیا سے خاموش رہے، لیکن ان کے استاد شیخ عبد الحمید نے فرمایا بیٹا جواب کیوں نہیں دیتے، کہو کہ اگر میں آپ کی برکت سے علم کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا، شیخ جان محمد نے اپنے استاد کے ارشاد کے مطابق یہ ہی جواب دیا، شیخ محمد اسماعیل نے خوش ہو کر ان کے لئے دعا فرمائی۔ شیخ کی دعا قبول ہوئی اور انھوں نے علم و فضل میں غیر معمولی تبحر و کمال حاصل

کیا، شیخ عبد الحمید نے جب دیکھا کہ اُن کا شاگرد علم و فضل میں اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ اب اس کے لئے کسی دوسرے استاد کی ضرورت ہے تو وہ اُن کو مولانا تیمور لاہوری کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور اُن کو تعلیم کے لئے مولانا تیمور لاہوری کے سپرد کیا، شیخ جان محمد نے تھوڑے ہی دن میں تحصیل علم کر کے مولانا تیمور سے سند اور دستارِ فضیلت حاصل کی۔

بیعت شیخ محمد اسماعیل کلاں لاہوری ایک روز اپنے مدرسے میں محو مراقبہ تھے کہ دورانِ مراقبہ میں شیخ جان محمد لاہوری کا خیال آیا، اور انہوں نے شیخ جان محمد کی طرف توجہ دی، شیخ کی کشش نے اُن پر اس درجہ اثر کیا کہ وہ فوراً بیقرار ہو کر شیخ محمد اسماعیل کلاں کے حجرے کے دروازے پر پہنچے، اور دروازہ کھٹکھٹایا، شیخ محمد اسماعیل نے ان کو فوراً اندر بلا لیا، بغل گیر ہوئے، اور بیعت کر کے ان کو مراتبِ عالی پر پہنچا دیا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے وعدے کے مطابق دو شنبہ اور جمعہ کے دن ہمیں حدیث کا تکرار کرایا کرو، چنانچہ وہ شیخ محمد اسماعیل کی زندگی تک پابندی سے ان دو دنوں میں اپنے شیخ کو حدیث کا تکرار کرتے تھے، اور لاہور کی مسجد قصابان میں درس دیتے تھے۔

معیشت نزہۃ الخواطر میں ہے کہ وہ اپنی روزی اپنی محنت سے حاصل کرتے تھے۔

وفات شیخ جان محمد لاہوری نے ۱۳۱۲ھ میں وفات پائی، قطعہ تاریخ وفات جو آپ کے مزار پر تحریر ہے وہ یہ ہے۔

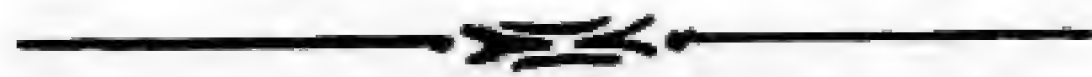
۱۔ خزینۃ الاصفیاء۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۳ و ۱۱۴ ترجمہ تذکرۃ علمائے ہند مترجمہ محمد ایوب قادری۔
ص ۱۴۳-۱۴۴ شایع کردہ پاکستان ہسٹریکل سوسائٹی کراچی ۱۴۲۵ھ نزہۃ الخواطر۔ جلد ۵ ص ۱۰۵۔

جہاں معنی و جانِ محمد
کہ از عشقِ محمد گشت محمود
خرد از فضلِ حق تاریخِ سالش
”وصالِ عاشق و معشوق“ فرمود

۱۱۲۰ھ

مزارِ مبارک گڑھی شاہو کے قریب اُس سڑک پر واقع ہے جو میاں
میر کے مزار کو جاتی ہے۔

اوزنگ زیب نے ۶۵۰ ایکڑ زمین شیخ جان محمد لاہوری کی اہلیہ نور خاتون
کو عطا فرمائی تھی، اس فرمان کی عبارت، ہمیں تاریخ لاہور میں ملتی ہے۔



شاہ چراغ لاہوری

نام و نسب آپ کا اسم گرامی سید عبدالرزاق لقب شاہ چراغ اور آپ کے والد کا نام نامی سید عبدالوہاب تھا، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:-

سید عبدالرزاق بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر ثالث
بن محمد غوث بالاپیر زین العابدین بن سید عبدالقادر ثانی بن سید
محمد غوث اچھی گیلانی۔

جب آپ پیدا ہوئے اُس وقت آپ کے دادا سید عبدالقادر ثالث
حیات تھے، انھیں سید عبدالرزاق کی پیدائش کی اطلاع دی گئی، اس خبر کو
سن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہمارے گھر میں ایک چراغ پیدا ہوا
ہے، جو اس خاندان کو روشن کرے گا، اُسی روز سے آپ چراغ شاہ کے
لقب سے مشہور ہوئے۔

شاہ چراغ نے سلسلہ قادریہ میں اپنے والد ماجد سید عبدالوہاب
بیعت کے دستِ حق پرست بہت کی جو اپنے عہد کے عظیم المرتبت
شیوخ میں تھے، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے والد ہی
سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

شاہ چراغ ایک عرصے تک مختلف ممالک کی سیاحت کرتے رہے، پھر زیارت حرین شریفین سے مشرف ہوئے، اور وہاں کے شیوخ سے بھی روحانی فیوض حاصل کئے۔

سیاحت شاہ جہاں کی عقیدت رکھتا تھا، اُس کی تمنا تھی کہ آپ کے کسی ایک صاحبزادے سے اپنی لڑکی منسوب کرے، لیکن آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے آپ کے محامد و مناقب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

جامع بود میان علوم ظاہری و باطنی، و شرافت و نجابت و بیاد و شجاعت و سخاوت، خرقہ ارادت و خلافت از پدر بزرگوار خود داشت۔
وفات شاہ چراغ ۲۲ رذی قعدہ ۱۰۶۸ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، شاہ جہاں نے آپ کے روضہ مبارک کی تعمیر کی۔

مفتی غلام سرور نے اس قطعہ میں آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے:-

شاہ دنیا، شاہ عقبی شہ چراغ
 رفت چوں آواز جہاں اندر جہاں
 گشت روشن سالِ ترحیلش ز دل
 "سید حق آفتابِ عارفان"

شاہ چراغ نے اپنے بعد سات صاحبزادے چھوڑے جو سب کے **اولاد** سب علم و فضل زہد و ورع میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے، لیکن آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے سید مصطفیٰ نے سند رشد و ہدایت کو زینت بخشی، سید مصطفیٰ ابن شاہ چراغ نے ۱۲ شعبان ۱۰۸۴ھ کو وفات پائی۔

(۲۹)

شیخ حسن افغان

حالات

شیخ حسن افغان، حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کے مقبول ترین خلفاء میں اور سلسلہ سہروردیہ کے مشہور شیوخ میں تھے۔ وہ کوہ سلیمان کے رہنے والے تھے کہ جس میں افغان رہتے ہیں۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ وہ اپنے نہد و عبادت، ذوق و شوق، عشق و محبت میں اپنی نظر نہ رکھتے تھے، علوم ظاہری سے محض اُمی تھے، حروف تہجی تک کی شناخت نہ تھی، لیکن علوم باطنی کی اس اعلیٰ منزل پر فائز تھے گویا لوح محفوظ کا علم اُن کے سینے پر منقش ہے۔ بن کی بزرگی کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگوں نے ایک کاغذ پر تین سطریں لکھ کر دیں، جس میں سے ایک سطر میں کلام مجید کی ایک آیت تھی، دوسری سطر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث تھی، اور تیسری سطر میں شائع کرام کے اقوال تھے، پھر اُن سے پوچھا بتائیے کہ کس سطر میں رسول اکرم کی حدیث ہے، اور کس سطر میں شائع کرام کے اقوال ہیں، شیخ حسن نے سب سے پہلے اس سطر پر انگلی رکھی جس میں آیت قرآنی لکھی ہوئی تھی، اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کا نور مجھے

زمین سے لے کر عرش تک نظر آتا ہے، پھر اس سطر پر انگلی رکھی جس میں حدیث تحریر
تھی اور کہا کہ یہ رسول اکرم کی حدیث ہے، اس کا نور میں ساتویں آسمان تک
دیکھتا ہوں، پھر آنکھوں نے اس سطر پر انگلی رکھی جس میں اقوال شائع تھے اور
فرمایا کہ بزرگان دین کے اقوال ہیں، ان کا نور میں زمین سے آسمان دیکھتا ہوں۔
صاحب کشف تھے، ان کی کشفی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ
کشف مغرب کی نماز کے ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے، اور
جماعت میں شریک ہو کر امام کی اقتدا کی جب نماز ختم ہو گئی تو آپ امام کا ہاتھ پکڑ
کر ایک گوشے میں لے گئے، اور تنہائی میں اس سے فرمایا کہ امام صاحب ہم نے نماز
میں تمہاری اقتدا کی، تم عین نماز میں دہلی سے ہندوستان گئے، اور وہاں سے
غلام خرید کر ان غلاموں کو ملتان لائے، پھر وہاں سے ان کو فروخت کرنے کے
لئے غزنی گئے، اور میں تمہارے پیچھے دست بستہ ننگے پاؤں پھر رہا تھا، تم ہی بتاؤ
کہ میں ایسی نماز کا کیا نام رکھوں۔

شیخ حسن افغان نے ۶۸۹ھ میں وفات پائی، ان کا مزار پرنوار، حضرت
شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے روضہ مبارک کے عقب میں واقع ہے۔
شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے ان کے متعلق بارہا فرمایا کہ اگر قیامت
فضائل کے روز حق تعالیٰ سوال کرے گا کہ کیا ہے تو میں عرض کروں
گا، کہ حسن افغان کو لے کر آیا ہوں۔

(۳۶)

شیخ حمید الدین ابو حاکم قریشی ہنکاری

نام و نسب آپ کا اسم گرامی شیخ حمید الدین، کنیت ابو حاکم اور لقب سلطان التارکین تھا، آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت ابوسفیان بن حارث سے جا ملتا ہے۔

شیخ حمید الدین بن سلطان بہار الدین بن سلطان قطب الدین بن سلطان رشید الدین بن سلطان ابو علی بن شیخ المشائخ شیخ یحییٰ ہنکاری بن شیخ ابو طاہر بن شیخ المشائخ ابراہیم ابو الحسن علی ہاکمی ہنکاری بن شیخ محمد ہنکاری بن شیخ یوسف ہنکاری بن شیخ شریف عمر بن شیخ شریف عبدالوہاب بن حارث قریشی۔

شیخ حمید الدین کے دادا سلطان قطب الدین کیج وکران کے بادشاہ تھے، اور آپ کے نانا حضرت سید احمد توختہ جیسے جلیل القدر درویش تھے سید احمد توختہ نے ہندوستان آتے ہوئے اپنی صاحبزادی بی بی ہاج کی شادی سلطان قطب الدین کے صاحبزادے سے کر دی تھی۔

ولادت سلطان التارکین ابو المنیث شیخ حمید الدین کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول ۷۵۵ھ میں ہوئی، ابھی آپ کی

عمر میں ہی سال کی تھی کہ آپ کے دادا سلطان قطب الدین نے وفات پائی۔ اور آپ کے والد سلطان بہار الدین مسند حکومت پر بیٹھے، بارہ سال کی حکومت کے بعد سلطان بہار الدین نے تخت و تاج اپنے بھائی سلطان شہاب الدین کے حق میں چھوڑ کر مدد ویشی اختیار کی، سلطان شہاب الدین کی حکومت کو دو سال ہی گزرے تھے کہ انھوں نے وفات پائی، سلطان شہاب الدین کے دو صاحبزادے، امیر البقا اور ملک سرور بالکل بچے تھے، اس لئے تخت سلطنت پر شیخ حمید الدین بیٹھے، تقریباً آپ اکیس سال تک نہایت عدل و انصاف سے بادشاہی کرتے رہے۔

آخر آپ نے ترک سلطنت کر کے اپنی جگہ اپنے چچا زاد ترک سلطنت بھائی امیر البقا کو تخت شاہی پر بٹھایا۔

”ذکر کرام“ میں آپ کے ترک سلطنت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ حمید الدین اپنی حکومت کے زمانے میں دو پہر کو ایک باغ میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ اس باغ اور محل کی نگرانی اور آپ کی خدمت فرش گستری نونیت نامی ایک لونڈی کے سپرد تھی، جو ہمیشہ آپ کا بستر بچاتی تھی، ایک دن شیخ حمید الدین آرام کے لئے اس محل میں تشریف لائے، دیکھا کہ آپ کے بستر پر نونیت لونڈی سو رہی ہے، یہ دیکھ کر آپ کو بیدار غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس لونڈی کے سزاوار کوڑے لگائے جائیں، چنانچہ اس حکم کی فوری تعمیل ہوئی، اور لونڈی کے کوڑے لگائے جانے لگے، لیکن وہ بجائے آہ و بکا کے ہر کوڑے پر ہنستی تھی، آپ کو لونڈی کی اس حرکت پر تعجب ہوا، اور آپ نے اس کو بلا کر اس سے اس کی وجہ پوچھی، لونڈی نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ میں سوچتی ہوں کہ جب اس آرام دہ بستر پر بے اختیار نہ نیند کی یہ سزا ہے تو ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو ہمیشہ اس بستر پر سوتے ہیں، لونڈی کے اس جواب نے شیخ حمید الدین کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اور دل دنیا سے متنفر

ہو کر زہد و ورع کی طرف مائل ہو گیا۔

لاہور میں تشریف آوری ترک سلطنت کے بعد شیخ حمید الدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ لاہور آئے اور اپنے نانا حضرت سید احمد توختہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دستِ حق پرست پر طریقہ شطاریہ میں بیعت کی، اور مختلف ریاضتوں اور محابدوں کے بعد ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

جب حضرت سید احمد توختہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے شیخ حمید الدین سے ارشاد فرمایا کہ صاحبزادے! اب تمہارا حصہ ایسے شخص کے پاس ہے جو سلسلہ سہروردیہ میں مرید ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضری حضرت سید احمد توختہ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق بغداد میں

سے شیخ شہاب الدین ابو یوسف عمر بن محمد بکری سہروردی، حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد سے ہیں، ان کی ولادت رجب ۸۳۵ھ میں ہوئی، انھوں نے فیضِ روحانی اپنے چچا ابو نجیب سہروردی سے حاصل کیا، اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت میں بھی رہے، ان کے علاوہ بھی وہ دوسرے شائخین کبار کی خدمت میں حاضر رہے، کہا جاتا ہے کہ وہ جزیرہ خیادان میں بعض ابدالوں کے ساتھ بھی رہے، اور انھوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے بھی ملاقات کی تھی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے ان سے فرمایا کہ تم مراقبہ کے آخر میں مغموم ہونے والوں میں ہو، شیخ سعد الدین حموی سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے شیخ محمد الدین ابن عربی کو کیا پایا؟ فرمایا وہ ایک دریا موجیں ماریںے والا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، پھر اس نے پوچھا کہ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی

شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے ، شیخ شہاب الدین نے انھیں بشارت دی کہ تمہارا حصہ شیخ رکن الدین ابو الفتح بن صدر الدین بن عارف بن شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کے پاس ہے، اگرچہ ابھی اُن کا زمانہ ولایت بہت دور ہے لیکن مجھے توقع ہے کہ تم اُن کے عہد ولایت کو پاؤ گے، اور اُن سے اپنا حصہ حاصل کرو گے۔

چنانچہ شیخ حمید الدین آپ کے ارشاد کے مطابق ملتان حاضر ہوئے اور ایک طویل عرصے تک شیخ رکن الدین کی ولایت کے منتظر رہے، جب شیخ رکن الدین نے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ ۱۷)

کو کبسا پایا، فرمایا اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو سہروردی کی پیشانی میں چمکتا ہے وہ دوسرا ہی ہے، شیخ شہاب الدین اپنے وقت کے شیخ الشیوخ تھے، اودار باب طریقت دور سے اُن کے پاس مسائل طریقت پوچھنے کے لئے آتے تھے، شیخ شہاب الدین نے ۷۳۲ ہجری میں وفات پائی۔ اُن کی تصانیف میں عوارف، اعلام الہدیٰ مشہور ہیں۔

شیخ شہاب الدین نے ہندوستان میں سلسلہ سہروردی کی اشاعت اور فروغ کے لئے بہت سے مرید بھیجے تھے مشہور ہے کہ انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفاء ہیں، ان کے خلفاء میں شیخ نور الدین مبارک غزنوی، شیخ ضیاء الدین رومی، قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بہار الدین زکریا ملتانی مشہور ہیں۔ شیخ بہار الدین زکریا ملتانی نے سلسلہ سہروردیہ کو ہندوستان میں غیر معمولی ترقی دی، اور انھوں نے ملتان اور آج میں سہروردیہ سلسلے کی خانقاہیں قائم کیں۔

(ماخذ از نفحات الانس صفحہ ۴۲۰ و تاریخ مشائخ چشت ص ۱۳۲)

مسند شیخت کو زینت بخشی تو وہ شیخ زکین الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔

پھر آج اور سکھر کے درمیانی علاقے میں آپ اعلیٰ تبلیغ اسلام

کلمۃ الحق، تبلیغ اسلام اور ارشاد و تلقین میں مصروف رہے، اس کے بعد آپ قلعہ موہ میں تشریف لائے، یہ قلعہ رائے ساہی دوم نے تیار کرایا تھا، اور رانا کیلاش نے اس قلعے کی چار دیواری تیار کرائی تھی۔ یہاں بھی آپ کی بدولت بہت سے ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

شیخ حمید الدین نے ایک سو تیس سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول ۷۳۷ھ میں وفات پائی، سلسلہ سہروردیہ میں آپ سے زیادہ طویل عمر کسی نے نہیں پائی۔

ذکر کرام میں ہے کہ ان کی وفات ملتان میں ہوئی، لیکن ان کی نعش ملتان سے لاکر سو میں دفن کی گئی جو علاقہ بھاو پور تحصیل رحیم یار خاں کے ریلوے اسٹیشن ترنڈہ سے جانب شمال چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

شیخ حمید الدین کے ملفوظات ”گلزار حمیدیہ“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، جواب ملفوظات

نایاب ہیں۔

۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۵۴-۵۵ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ رائے ساہی سیہرس کو بیٹا تھا جو قبل اسلام اپنے باپ سیہرس کے بد اثر میں تخت نشین ہوا اور اس نے اپنے باپ کے مقرر کردہ ملکی ضابطوں کو بجال رکھا، عدل و انصاف، نیک اطوار بخشش، حکم، تواضع و سیاست اور دبدبے کو اپنا شعار بنایا، اور سندھ پر ایک عرصے تک حکومت کرتا رہا (معصومی)

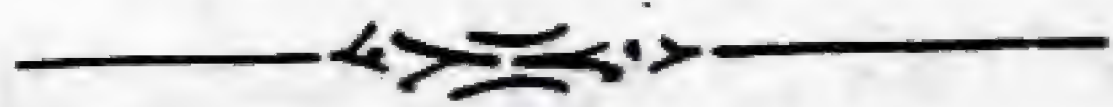
۳۔ ذکر کرام تالیف محمد حفیظ الرحمن بھاولپوری مطبوعہ محبوب المطابع ص ۱۰۶ تا ۱۰۳۔

شاعرِ شاعرین شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، اور
حاکم تخلص فرماتے تھے، ہم آپ کا ایک شعر تبرکاً یہاں
نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے ہمعصر شیخ سعدی شیرازی کی عظمت
کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

من حاکم ولے چو ہوا خواہِ سعدیم
مٹورا بفضلِ رونقِ شیرازِ کردہ ام

لے شیخ سعدی کا نام مصلح الدین ان کے والد کا نام عبد اللہ تھا، تخلص سعدی فرماتے تھے۔ شیراز
کے نامور شاعر اور جلیل القدر علماء اور صوفیاء میں تھے۔ ان کی ولادت ۱۰۹۵ھ میں ہوئی۔
تحصیل علم کے لئے وہ بہت سے ممالک کی سیاحت کرتے رہے، ہندوستان پہنچ کر سومات
کے بت کو توڑا، شیخ شہاب الدین ہروردی اور دوسرے اکابر مشائخ کی صحبت میں رہے،
ان کی تصانیف میں گلستاں بوستاں کو ساری دنیا میں غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل
ہے۔ شیخ سعدی نے ایک سو بیس سال کی عمر میں ۱۱۹۱ھ میں وفات پائی، ان کا مزار
پرانوار شہر شیراز کے باہر واقع ہے۔

رسفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت شیخ سعدی و خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۹-۴۰



(۳۱)

مخدوم شیخ حامد

نام و نسب آپ کا اسم گرامی حامد تھا، آپ کے والد کا نام عبدالرزاق تھا جو سید عبدالقادر ثانی کے صاحبزادے تھے، شیخ حامد، حامد بن بخش کے نام سے بھی مشہور تھے۔ صاحب اخبار الاخبار مخدوم شیخ حامد کے محامد و مناقب کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

مخدوم شیخ حامد رحمۃ اللہ علیہ ابن شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر الحسنی الجیلانی صاحب سجادۃ برحق و خلیفہ مطلق حضرت غوث الثقلین بود، بزرگ عالی شان و رفیع المکان، منظر کبریا، و جلال، صاحب تصرف و کرامات و ابہت و عظمت و جلالت، ہمتے بس عالی داشت و مقامے بس بلند

بیعت و خلافت شیخ حامد نے اپنے دادا شیخ عبدالقادر کے دست حق پرست بیعت ہو کر ان سے خرقہ خلافت

لے یہ تمام تفصیل اخبار الاخبار ص ۲۰۶ اور خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۲۸ و ۱۲۹

سے ماخوذ ہے۔

حاصل کیا تھا، جو سلسلہ قادریہ کے اکابر شیوخ میں شمار ہوتے تھے، شاہان وقت آپ کے دروازے کی خاک روبری کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے تھے۔

رشد و ہدایت شیخ حامد تمام عمر یاد الہی اور رشد و ہدایت میں مصروف رہے، اور سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کرتے رہے، اور خلقت میں قبولِ عظیم رکھتے تھے۔

سخاوت و فیاضی صاحبِ نجارا لاخیا ران کی سخاوت و فیاضی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ حامد کے پاس دنیا کے اسباب میں سے کل چیزیں موجود تھیں، لیکن کبھی نصاب کے جس سے زکوٰۃ واجب ہو مالک نہ تھے۔

انتخابِ بجاوگی شیخ حامد نے اپنی زندگی ہی میں اپنے صاحبزادے شیخ موسیٰ کو اپنا خلیفہ اور سجادہ نشین منتخب کر دیا تھا۔
وصال شیخ حامد نے ۱۳۷۸ھ میں وصال فرمایا، آپ کا مزار پرانوار آج میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اولاد شیخ حامد کے دو صاحبزادے تھے، شیخ موسیٰ اور شیخ عبدالقادر آپ کی وفات کے بعد آپ کے دونوں صاحبزادوں میں سجادہ نشینی کے مسئلے پر جھگڑا شروع ہوا، اور یہ جھگڑا ایک مدت تک چلتا رہا، اور شیخ موسیٰ اپنا وطن چھوڑ کر اکبر آباد آ گئے، اکبر نے ان کو یلغ نشو کا منصب دیا۔

شیخ موسیٰ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحبِ اخبارِ الاخیار کے پیر بھی تھے وہ رسالہ وصیت میں شیخ موسیٰ سے اپنے مرید ہونے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

بامرید مرید حضرت سیدی میں نے اپنے والد کے حکم سے حضرت

سندی کلیم اللہی الشیخ موسیٰ سیدی سندی شیخ موسیٰ گیلانی سے
گیلانی ام۔ بیعت کی۔

شیخ موسیٰ نے شیخ عبدالحق محدث کو خلافت سے بھی نوازا تھا، خود
ایک جگہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ شیخ موسیٰ مجھ سے بید محبت
فرماتے تھے، مجھے نر زندی میں قبول کیا، تلقین فرمائی اور خلافت سے
نوازا۔

شیخ موسیٰ اتباع شریعت و سنت میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے،
صاحب اخبار الاخبار ان کے محامد و اوصاف کی مدح سرائی ان الفاظ
میں کرتے ہیں۔

وہے سلمہ اللہ تعالیٰ در خلق و خلق و ارث حضرت
نبوی ست، و در زمان خود صاحب سجادہ راستیں سلسلہ عالیہ
قادر یہ ست، اور ابید گاہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ،
ورائے نسبت باطنی نسبت دیگر ست کہ اہل خصوص را باشد،
بارہا بطرف رویت آں حضرت، حضرت عالم پناہ صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم مشرف شدہ، و بحضور مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی بطریق
کشف قبور ملاقات نموده، بطرف بیعت وہے مشرف گشتہ ست،
وہے در شجاعت و سخاوت و علم و حلم و ارث حضرت مرتضویہ
رضیہ ست، و در حسن صورت و سیرت نقادہ اثنا عشر
ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ شیخ موسیٰ شریعت
کے معاملے میں اس قدر سخت اور اتنے پابند تھے کہ وہ اس معاملے میں بادشاہ
کی بھی پروا نہ کرتے تھے، اگر وہ بادشاہ کے حضور میں دیوان خانہ خاص

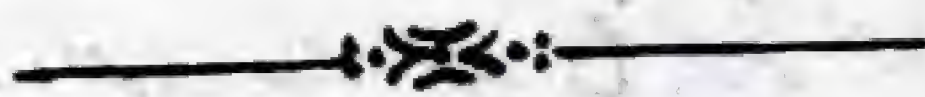
یا عام میں ہوتے، اور نماز کا وقت ہو جاتا تو دیوان خلعے میں خود اذان دے کر نماز باجماعت شروع کر دیتے، اور کسی کو ان کے روکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

شیخ موسیٰ کی صحبت میں بڑی کشش تھی، جو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ان کا گردیدہ ہو جاتا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ وہ اس حدیث کا مصداق تھے۔

کانت فی عینی موسیٰ موسیٰ کی آنکھ میں ملاحظت تھی، جو ان کو ملاحظۃ، من راہ احبہ۔ دیکھ لیتا، ان سے محبت کرتا۔

شیخ موسیٰ کے بھائی شیخ عبدالقادر کے متعلق رود کوثر میں ہے کہ شیخ موسیٰ کا اپنے بھائی شیخ عبدالقادر سے سجادہ نشینی کے سلسلے میں تنازعہ ہوا تھا، اور شیخ عبدالقادر اس سلسلے میں فتح پور بھی آئے تھے، لیکن ایک دو باتوں پر ان کی اکبر سے چپقلش ہو گئی، اور انھوں نے وراثت و مدد معاش کا قضیہ ترک کر کے آج میں واپس جا کر متوکلانہ زندگی شروع کر دی۔

خلفاء شیخ حامد کے خلفاء میں شیخ شیر علی شاہ، شیخ داؤد کرمانی اور شیخ موسیٰ مشہور ہیں۔



۱۔ منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۹۲

۲۔ اخبار لاخيار۔ ص ۲۰۶

۳۔ رود کوثر مؤلفہ شیخ اکرام ص ۶۱

۴۔ شیخ شیر علی شاہ کا مرقعہ طمان سے سات کوس کے فاصلے پر مغربی جانب واقع ہے خزینۃ الصغیاء

۵۔ خزینۃ الصغیاء جلد اول۔ ص ۱۲۸

جلد اول ص ۱۲۸

شیخ حسین لاہوری

نام و نسب آپ کا اسم گرامی شیخ حسین، آپ کے والد کا نام شیخ عثمان ڈھاڑک تھا، جو کپڑا بن کر اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔

ولادت شیخ حسین ۱۲۵۹ھ میں پیدا ہوئے، اور سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید کی تعلیم شیخ ابوبکر سے حاصل کی جو حافظ قرآن مجید اور عالم تھے، دس سال کی عمر میں آپ حفظ قرآن مجید سے فارغ ہوئے۔

بیعت اسی زمانے میں شیخ بہلول دریائی لاہور تشریف لائے۔ اور آنکھوں نے مسجد شیخ ابوبکر میں قیام فرمایا۔ شیخ حسین بھی اتفاق سے اس مسجد میں آگئے، شیخ بہلول دریائی نے ان سے فرمایا، میاں صاحبزادے ہیں وضو وغیرہ کے لئے تھوڑا سا پانی لا دو، شیخ حسین نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی، اور دریائے پانی ایک ٹوٹے میں آپ کی وضو کے لئے رکھا، شیخ بہلول نے وضو کر کے دو گناہ ادا کیا، اور دعا فرمائی کہ الہی

اے شیخ بہلول دریائی قادر یہ سلسلے کے جلیل القدر شیوخ میں تھے، وہ شاہ لطیف بری

اس لڑکے کو عارف بنا، اور اپنا عشق و محبت عطا کر، دعائے اُسی وقت قبولیت کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور شیخ حسین نے فوراً ہی آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور شیخ بہلول نے چند سال میں شیخ حسین کو عرفان و سلوک کی اعلیٰ منزلوں پر پہنچا دیا۔

شیخ حسین ۲۶ سال تک مسلسل ریاضتیں اور مجاہدے

ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف رہے، دن کو دریائے راوی کے کنارے جنگلوں اور بیا بانوں میں اپنا وقت عبادتِ الہی میں گزارتے تھے، اور رات کو شیخ ابوالحسن ہجویری کے روضہ مبارک پر حاضر ہوتے اور محویت و مراقبے میں ساری ساری رات گزارتے تھے۔

تفسیر مدارک کا درس شیخ حسین کی عمر چھتیس سال کی تھی ایک روز وہ شیخ سعدی اللہ

لاہوری سے تفسیر مدارک کا درس لے رہے تھے، جب وہ اس آیت پر پہنچے، وَمَا الْحَيٰوةُ اِلَّا نِيَا اِلٰهٍ وَلَعِبٌ، اور شیخ سعدی اللہ نے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۱۷)

قادری کے مرید و خلیفہ تھے، حقیقت الفقر او میں ہے کہ شاہ لطیف بڑی کی دقت کے بعد تصوف کے بعض مشکل مسائل کے حل کرنے کے لئے نجف اشرف گئے، اور حضرت علی کے روضہ مبارک پر دو سال تک مستکف رہے، پھر کربلائے معلیٰ حاضر ہوئے، اور روضہ امام مجتبیٰ پر حاضر ہوئے، اور باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوئے پھر بغداد حاضر ہوئے، اور حضرت غوث اعظم کے روضے پر ایک سال تک مستکف رہے۔ شیخ بہلول نے ۹۸۲ھ میں وفات پائی بہلول شاہی سلسلہ ان ہی بزرگ سے چلا۔

رخزنیۃ الاصغیاء جلد اول ص ۱۳۸ ۱۷ شیخ سعدی اللہ ایسی لاہوری علم و فضل اور صلاح و

اس کے ظاہری معنی بیان کئے تو شیخ حسین نے کہا میں ظاہری معنی نہیں
 پوچھتا، مجھے تو حال چاہئے، یہ کہہ کر آپ پر سرمستی کی کیفیت طاری
 ہوئی، اور کتاب کو دریا میں ڈال دیا، اور طریقہ ملامتیہ اختیار کر لیا۔
 شیخ حسین نے ماہ جمادی الثانی ۱۰۸۸ھ میں اکبر کے
وفات دورِ حکومت میں وفات پائی "مست عشق ازل سے
 اُن کا سنہ وفات نکلتا ہے۔"



(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

نقوی میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے۔ وہ شیخ عبد الجلیل بن عمر صدیقی بیانوی ثم لکنوی
 کے مرید تھے، ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر روحانی اکتساب کرتے
 رہے۔ پھر مختلف شہروں کی سیاحت کی۔ (نزہۃ الخواطر۔ جلد ۵ ص ۱۵۶۔)

(فٹ نوٹ سلسلہ صفحہ ہذا ۱۷)

۱۷ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء سے ماخوذ ہے۔

(۳۳)

شیخ حسن کُنجدگر

مشہور بہ

حسوتلی

حالات شاہ حسن کُنجدگر شاہ جمال لاہوری کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، ابتداءً لاہور میں غلہ فروشی کا کاروبار کرتے تھے، ایک روز شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضانِ باطنی کے طالب ہوئے شاہ جمال نے فرمایا کہ غلے کی خرید و فروخت میں ناپ و تول کی برابری کا خیال رکھو، اسی روز سے شیخ حسن نے کم تولنا موقوف کیا، اور ایناطریقہ یہ بنایا کہ جو گاہک اُن کے پاس آتا تھا، ترازو اور باٹ اُس کو دیتے اور کہتے تھے کہ تم خود غلہ تول لو، یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے اُن کو تجارت میں اس قدر برکت دی کہ انھوں نے ترازو اور باٹ سونے سے بنائے، ایک ایک روز وہ شیخ جمال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی دعا سے خدائے مجھے اس قدر برکت عنایت فرمائی ہے کہ میں نے ترازو اور باٹ بھی سونے کے بنائے ہیں، فرمایا کہ ان کو دریا میں ڈال دو، شیخ حسن نے آپ کے ارشاد کے مطابق وہ ترازو اور باٹ دریا میں ڈال دیئے، اتفاق

سے دو روز کے بعد دیہات کے کچھ غلہ فروش اُس دریا سے گزرے، وہ ترازو اور باٹ اُن کے پاؤں کو لگے، وہ اُس ترازو اور باٹ کو اٹھا کر شیخ حسن کے پاس لئے، اور کہا کہ تمہاری یہ ترازو اور باٹ ہمیں دریا میں سے ملے ہیں، ہم اُن کو لے کر تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ تمہاری چیز تم کو پہنچا دیں شیخ حسن اس ترازو اور باٹ کو لے کر شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اگرچہ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق ان کو دریا میں ڈال دیا تھا، لیکن یہ پھر میرے پاس پہنچ گئے، شاہ جمال نے ارشاد فرمایا، لے حسن! یہ تمہارے معاملے کی صفائی اور راست بازی کا امتحان تھا، جب سے تم نے کم تولنا چھوڑا، اور اپنے آپ کو راست بازی اور سچائی سے آراستہ کیا، خدا نے تمہیں برکت عنایت فرمائی، تم نے دیکھا کہ جو کچھ تم نے راست بازی اور دیانت داری سے کہا یا، باوجود اس کے کہ تم نے اُس دریا میں ڈال دیا، وہ بھی تمہیں واپس مل گیا، شیخ حسن پر شاہ جمال کی اس گفتگو کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ سب کچھ راہِ خدا میں لٹا کر سلسلہ سہروردیہ میں شاہ جمال کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، اور چند سال کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد کے تصوف کے اعلیٰ منازل پر فائز ہوئے۔

شیخ حسو، مادھولال حسین کے معاصر تھے، اُن کی دوکان چوک جھنڈے میں ابھی تک موجود ہے۔

شیخ حسن نے ۱۱۵۹ھ میں وفات پائی، اُن مزار پر انوارِ وقاات لاہور میں ہے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم میں اہے ماخوذ ہے۔

۲۔ تاملخ لاہور۔ عبداللطیف

(۳۴)

شیخ حامد قادری ہروردی

حالات شیخ حامد قادری ہروردی کے والد کا اسم گرامی حسن تھا۔ شیخ حامد علوم ظاہری و باطنی زہد و ورع، تقویٰ اور قرأت و تجوید میں پورے پنجاب میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، شیخ حامد کی ولادت باسعادت ۱۰۶۸ھ میں عہدِ عالمگیری میں ہوئی۔

انھوں نے سلسلہ ہروردیہ میں مولانا تیمور لاہوری بیعت کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، ان کا سلسلہ طریقت یہ ہے:-

شیخ حامد، مولانا تیمور لاہوری، مولانا عبد الکریم،
مخدوم طیب، شیخ برہان الدین، مخدوم حسین، شیخ میلون
شیخ حسام الدین متقی ملتانی۔

عہدِ عالمگیرِ دیکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ جولائی ۱۶۵۸ء وفات ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ
فروری ۱۷۰۷ء تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۵۳۶ و ص ۵۶۶۔

درس و تدریس شیخ حامد لاہور میں درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، اور اپنے زمانے میں مرشد زمانہ اور استاد یگانہ تھے، حکام وقت اُن کی غاشیہ برداری کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔

وفات شیخ حامد نے ۵۹ سال کی عمر میں ۱۱۶۶ھ ہجری میں وفات پائی۔



(۳۵)

شیخ حامد لاہوری

حالات شیخ حامد لاہوری، سید آدم بنوری کے خلفائے خاص میں تھے، وہ روحانیت کے اس بلند مرتبے پر فائز تھے کہ حضرت سید آدم نے اپنی موجودگی میں ان کو اپنے طالب و مریدوں کو تلقین اور تربیت کی اجازت دی تھی۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ شیخ حامد کم بولتے، کم سوتے کم کھاتے، اور بے ضرورت بات نہ کرتے تھے، امرا اور دولتمندوں کی صحبت سے متنفر تھے۔

وفات شیخ حامد لاہوری نے جمعرات ۲۲ جمادی الآخر ۱۲۵۲ھ میں وفات پائی۔

(۲۶)

خواجہ خدابخش

نام و نسب اسم گرامی خدابخش، آپ کے والد محترم کا نام احمد علی، اور دادا کا نام خواجہ محمد عاقل تھا، آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔

سجادہ نشینی خواجہ خدابخش نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اپنے والد خواجہ احمد علی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت حاصل کی، اور اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے۔

چاچڑال میں منتقلی سجادہ نشینی کے بعد خواجہ خدابخش کچھ عرصے اپنے وطن کوٹ مٹھن میں مقیم رہے، لیکن اسی زمانے میں سکھوں کے مظالم کی خبریں ڈیرہ غازی خاں سے آپ کے پاس پہنچنے لگیں، مسلمانوں نے خود ان سے سکھوں کے مظالم بیان کئے۔ اور بتایا کہ سکھ اس قدر مظالم کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں نماز پڑھنے، اذان دینے اور تلاوت قرآن مجید سے روکتے ہیں، اور اگر ان کی کوئی بات نہ مانے

تو اسے بے دریغ قتل کر دیتے ہیں، لوگوں کی زبان سے یہ باتیں سن کر
آپ رونے لگے، اور فرمایا کہ مجھ سے مسلمانوں پر یہ منظم نہیں دیکھے جاتے
چنانچہ آپ ہجرت کر کے چاچڑاں تشریف لائے اور وہیں سکونت
اختیار کر لی۔

چاچڑاں تشریف لانے کے بعد آپ کی
رُشد و ہدایت خانقاہ رُشد و ہدایت کا وہ مرکز بنی کہ
دور دور سے لوگ آپ کے پاس ارشاد و تلقین کے لئے حاضر ہوتے
تھے، آنے والوں کے لئے آپ نے اگرچہ اعلیٰ اور وسیع پیمانے پر ہندو کا
انتظام فرمایا تھا، جس سے عمدہ عمدہ کھانے لوگوں کو ملتے تھے، لیکن آپ
خود سوکھی روٹی کھاتے تھے، بیماروں کے علاج اور ان کی دیکھ بھال
کے لئے آپ نے ایک دواخانہ بھی قائم کیا تھا، جس میں ایک طبیب
ملازم تھا جو باقاعدہ مریضوں کا علاج اور ان کی دیکھ بھال کرتا تھا۔
مناقب فریدی میں ہے کہ اس کثرت سے زمیندار اور رئیس آپ کی
خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ روزانہ بارہ بارہ من غلہ گھوڑوں کی
خوراک میں خرچ ہوتا تھا۔

اتباع شریعت کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ
اتباع شریعت ترک سنت بھی نہ فرماتے تھے۔

خواجہ خدابخش کے آئینہ اخلاق میں استغناء اور بے نیازی
استغناء کا وصف نمایاں نظر آتا ہے، متعدد مرتبہ بعض رئیسوں اور
نوابوں نے ان کی خدمت میں جاگیریں پیش کیں، لیکن آپ نے قبول نہیں
فرمائی، ایک دفعہ نواب بہاول پور نے چند مواضعات پیش کئے تو اسے

رد کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے مشائخ نے کبھی یہ چیزیں قبول نہیں کیں، اس لئے میں بھی یہ قبول نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ ان مواضع کے قبول کرنے میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ زمین داری کے ساتھ مل گزاری کے جھگڑے پیش آئیں گے، پھر کبھی نہ کبھی عدالت اور کچہری کی نوبت پیش آئے گی۔ ان جھگڑوں میں پڑ کر فقیری کہاں باقی رہتی ہے، مجھے ان کی ضرورت نہیں، خدا سبب الاسباب ہے یہ

خواجہ خدابخش کے زمانے میں کئی مدارس کا قیام اور درس و تدریس مدارس قائم ہوئے، وہ ان مدارس

میں صبح کے وقت نہایت پابندی سے حدیث، فقہ اور تصوف کا درس دیتے تھے۔

خواجہ خدابخش نے ۱۲ رذی الحجہ ۷۶۹ھ کو وفات پائی، مزار مبارک کوٹ بھٹن میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

وفات

آپ کے خلفاء میں (۱) غلام فخر الدین (۲) صاحبزادہ نصیر بخش (۳) کریم حیدر (۴) مولوی غلام کبریا (۵) مولوی محمد صالح ملتانی (۶) مخدوم عنایت شاہ (۷) حیدر بخش (۸) قاضی فتح محمد ملتانی (۹) سید لال شاہ شہور میں۔ خواجہ خدابخش کے دو صاحبزادے تھے، بڑے صاحبزادے کا نام اولاد مولانا فخر الدین اور چھوٹے صاحبزادے کا نام مولانا غلام فرید تھا۔ خواجہ خدابخش کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے مولانا فخر الدین مسند سجادگی پر متمکن ہوئے، مولانا فخر الدین نے ۵ جمادی الاول ۱۲۸۸ھ کو وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے ان کے چھوٹے بھائی مولانا غلام فرید نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔



(۳۷)

شیخ داؤد کرمانی شیرگڑھی

نام و نسب آپ کا اسم گرامی داؤد، آپ کے والد کا نام تامی سید
فتح اللہ تھا، آپ کے بزرگوں کا وطن کرمان تھا، آپ کا
سلسلہ نسب یہ ہے :-

سید داؤد کرمانی بن سید فتح اللہ بن سید مبارک بن سید
فیض اللہ باقی بن سید صفی الدین آدم کرمانی بن سید نقی الدین احمد
بن سید عبد المجید بن سید عبد الحفیظ بن سید عبد الرشید بن سید
ابوالفتحم بن سید ابوالمکارم بن سید ابوالحسن بن سید
ابوالفیض بن سید ابوالفضل بن سید ابالباقی بن ابوالمعالی محمد
بن سید ابوالوہب بن سید ابوالحیات بن سید محمد بن سید محمد ماہ
بن سید شاہ محمد میر بن سید مسعود بن سید محمود بن سید ابوالاحمد
بن سید داؤد بن سید ابوالبرہہ سم اسماعیل بن سید محمد بن
موسى برفق بن امام موسى علی رضا رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

ہندوستان میں آمد ہندوستان میں سب سے پہلے شیخ داؤد
کے والد سید فتح اللہ شریف لائے اور
ہیبت پور میں سکونت اختیار کی پھر چند دن کے بعد وہ قصہ چنی وال

میں جو لاہور سے جانب جنوب چالیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے منتقل ہو گئے۔

ولادت شیخ داؤد کے والد نے اُن کی ولادت سے چند ماہ پہلے وفات

پائی اور اُن کی والدہ نے اُن کی پیدائش سے کچھ دیر بعد وفات پائی، اس لئے اُن کی پرورش اُن کے بڑے بھائی نے کی۔

تعلیم و تربیت شیخ داؤد نے ابتدائی تعلیم و تربیت قصبہ چنی وال

میں حاصل کی، پھر وہ تعلیم کے لئے لاہور تشریف لے گئے، اور بقیہ علوم کی تکمیل اُس زمانے کے مشہور عالم اور شاعر، مولانا جامی کے شاگرد شیخ اسماعیل بن عبداللہ اچھی سے کی

شیخ اسماعیل کی پیشین گوئی شیخ اسماعیل اپنے عزیز شاگرد شیخ داؤد کی غیر معمولی صلاحیتوں اور

زہد و ورع کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ جس طرح ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہماری

۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۲۹ سے ماخوذ ہے و نیز ہذا

جلد ۴ ص ۱۰۸ پر ہے کہ شیخ داؤد کی پرورش ان کے والدین کی وفات کے بعد اُن کے بھائی نے کی۔

۲۔ شیخ اسماعیل بن عبداللہ بن محمد شریف حسنی اچھی شہم لاہوری، شیخ عبدالقادر حیلانی

کی اولاد میں سے تھے۔ یہ اُنج میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد

سے حاصل کی۔ اُنھوں نے مولانا عبدالرحمان جامی سے بھی علوم ظاہری کا

اكتساب کیا تھا، اُنھیں اس پر فخر تھا کہ ان کی ملاقات مولانا جامی سے ہوئی

اور جامی کی شاگردی کی سعادت اُن کو میسر آئی، پھر عہد اکبر میں شیخ اسماعیل

نے لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور اکبر نے ان کو کچھ زمین بطور انعام

دے دی تھی، شیخ اسماعیل نے ۹۸۸ھ میں لاہور میں وفات پائی۔

(نزہۃ النخاطر جلد ۴ ص ۳۷ و ص ۱۰۸)

ملاقات مولانا جامی سے ہوئی اور ہم نے اُن سے علمی اکتساب کیا، اسی طرح یہ ہمارا شاگرد بھی شہرت، قبولیت، اور بزرگی کے اس مقام پر فائز ہو گا کہ لوگ اس سے ملنے پر فخر کریں گے، اور اس کی ملاقات کو اپنے لئے باعثِ برکت سمجھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔^۱

بیت تعلیم کے زمانے میں ہی شیخ داؤد کی یہ حالت تھی کہ تمام تمام رات اس طرح نمازیں گزارتے کہ کبھی ساری ساری رات قیام میں رہتے، کبھی تمام رات رکوع میں گزار جاتی، اور کبھی تمام شب سجدے میں بیٹھے رہتے، چند سال آپ نے اس طرح صحرا میں گزارے کہ دنیا اور اہل دنیا سے آپ کو تعلق نہ تھا، ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد نسبتِ اولیٰ آپ نے براہِ راست حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی سے حاصل کی، اور حضرت غوث اعظم کے اشارہٴ روحانی کے بعد سید حامد گنج بخش قادری کے دستِ حق پرست پر بیت ہو کر خرقہٴ خلافت حاصل کیا۔ شیخ حابد گنج بخش سے بیت ہونے کے بعد ریاضتیں اور مجاہدے بھی شیخ داؤد نے بڑی ریاضتیں کیں، آپ دیبال پور کے صحرا میں ننگے پیروں پر ننگے سر پھرا کرتے تھے، سوائے جنگل کے پرندوں اور جانوروں کے کوئی آپ کا ساتھی نہ تھا، ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد شیخ داؤد نے شیر گردھ صناع منگمری میں سکونت اختیار فرمائی۔

صاحبِ اخبارِ الاخبار کا بیان ہے کہ وہ مجلس میں اس طرح مضطرب اور حیران بیٹھے رہتے جیسے وہ شخص بیٹھا ہے جس کی کوئی چیز کم ہو جاتی ہے، یا کوئی شخص اپنے محبوب کے انتظار میں ہوتا ہے، پھر اچانک اُن پر

ذوق و شوق کی کیفیت طاری ہو جاتی، اور حقائق و معارف بیان کرنے پر آتے تو نہایت ہی حکیمانہ نکتے بیان فرماتے، کبھی کبھی بیان فرماتے کہ عراق کی ہوائیں میرے دل کو چھو رہی ہیں جو اپنے ساتھ نفحات الہی کو لئے ہوئے ہیں، اکثر اوقات عراق کی جانب دیکھتے رہتے یہ

شیخ داؤد اور سلیم شاہ سوری
اُس زمانے میں جب کہ شیخ داؤد، شیر گڑھ میں ارشاد و تلقین میں مصروف تھے، یہ زمانہ سلیم شاہ سوری کی بادشاہت کا تھا، مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کا ستارہ اقبال سوریوں کے زمانے میں بھی عروج پر تھا۔

۱۔ اخبار الاخبار - تذکرہ شیخ داؤد - ص ۲۰۷

۲۔ سلیم شاہ کا اصل نام جلال خاں تھا، جو شیر شاہ سوری کا چھوٹا بڑا بھائی تھا، اس کا بڑا بھائی شاہزادہ عادل خاں شیر شاہ سوری کی وفات کے وقت دن تھینور میں تھا، پٹھانوں نے چھوٹے بڑے کے جلال خاں کو بلا کر جو اس وقت مضافاتِ پٹنہ میں تھا شیر شاہ سوری کی جگہ ۹۵۲ھ میں تخت نشین کیا، جلال خاں نے تخت نشین ہو کر اسلام شاہ کا لقب اختیار کیا، پھر آگے چل کر سلیم شاہ کے لقب سے مشہور ہوا، سلیم شاہ نے اپنے باپ کے آئین و انتظام کو برقرار رکھا، سرکاری ضوابط کی ایک کتاب مرتب کرائی۔

۹۶۱ھ میں سلیم شاہ نے آٹھ سال دو ماہ اور آٹھ روز کی حکومت کے بعد انتقال کیا۔

۱۶۱ تا ۱۶۳ (ماخوذ از سیر المتاخرین جلد اول ذکر اسلام شاہ ص ۱۶۱ تا ۱۶۳)

۳۔ مخدوم الملک کا نام عبداللہ، ان کے والد کا نام شمس الدین انصاری تھا، ان کے بزرگوں کا اصل وطن ٹھٹھہ تھا، مخدوم الملک کے دادا ٹھٹھے سے جالندھر منتقل ہوئے، اور مخدوم الملک سلطان پور (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالقادر سرہندی سے کتبِ درسیہ پڑھیں، پھر دہلی آئے، اور حدیث شیخ ابراہیم بن حسین حسینی ایرجی سے پڑھی، پھر اپنے وطن لوٹ کر درس و تدریس تصنیف و تذکیر میں مشغول

اور وہ سلیم شاہ کے عہد میں مذہبی امور کے صدر الصدور تھے، مخدوم الملک

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۷)

ہو گئے، اور غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، ہمایوں نے انھیں شیخ الاسلام بنایا، اور صدر الاسلام
ما خطاب انھوں نے شیر شاہ سوری سے حاصل کیا، اور وہ مسلسل عہد اکبر تک صدر الصدور
رہے، تمام بادشاہ اور ان کے امراء ان کی عزت کرتے تھے، شیر شاہ ان کی اس قدر تعظیم و تکریم
کرتا تھا کہ ان کو اپنے پاس بٹھاتا تھا، اور ان کے سامنے ندریں پیش کرتا تھا، جب ہمایوں جلاوطنی
کے بعد لوٹ کر آیا اور دوسری مرتبہ تخت پر بیٹھا تو اس نے ان کو شیخ الاسلام کا لقب دیا، اکبر
نے ان کو اپنے دور حکومت میں مخدوم الملک کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

دیکھو کہ مخدوم الملک نے اپنے اثر و اقتدار کو دو کاموں کے لئے استعمال کیا،
ایک تو کسب زر کے لئے اور دوسرے بادشاہوں کو فیلا مملکت کا خطرہ دکھا کر ہر اس عالم و
درویش کو اذیت پہنچانے کے لئے جو ان سے کسی مسئلے میں اختلاف رکھتا تھا، ان کے مال
کے جمع کرنے کا یہ عالم تھا کہ جب وہ مرے تو تین کروڑ روپے نقد ان کے گھر سے نکلے، ان کے
قبرستان سے کئی صندوق ملے جن میں سونے کی اینٹیں بھری ہوئی تھیں، اور جو قبروں میں مردوں
کے بہانے سے دفن کئے گئے تھے، انھیں شرعی حیلوں سے شارع کا اصل مقصد ضائع
کر دینے میں ذرا مائل نہ ہوتا تھا، زکوٰۃ کے متعلق ان کا یہ عمل تھا کہ سال کے اخیر میں تمام مال
اپنی بیوی کے نام پر کر دیتے تھے، اور ان کی بیوی سال بھر کے اندر وہ مال ان کو واپس کر دیتی
تھیں، اس حیلہ شرعی سے وہ اپنے آپ کو ادائی زکوٰۃ سے بچائے رکھتے تھے، حج کے متعلق
جب کوئی ان سے پوچھتا کہ آپ پر حج فرض ہے تو فریضہ حج سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے
کہتے کہ اگر میں خشکی کے راستے سے جاؤں تو رافضیوں کے مذک سے گزرنا پڑتا ہے، سمندری
راستے سے سفر کروں تو فرنگیوں سے معاہدہ کرنا پڑتا، اور وہ بھی مومن کی ذلت ہے، اس لئے
فریضہ حج کی ادائی سے معذور ہوں۔

شیخ علانی جو اپنے علم و فضل اور زہد و ورع میں مشہور ہیں مخدوم الملک نے کوڑوں

کے دستِ احتساب سے شیخ داؤد شیر گڑھی بھی نہ بچ سکے، غالباً مخدوم الملک ہی

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۷۷)

سے اس طرح پڑایا کہ وہ شہید ہو گئے، شیخ داؤد شیر گڑھی کو بھی انھوں نے تنگ کرنے کی کوشش کی۔

اکبر کے زمانے میں بھی مخدوم الملک نے بڑا عروج حاصل کیا، لیکن جب اکبر نے دین الہی کی بنیاد رکھی، اور مخدوم الملک کا حریف شیخ مبارک برسرِ اقتدار آیا، جس نے مخدوم الملک کے ہاتھوں تکلیف اٹھائی تھی، اور اکبر کو عمار اپنی راہ میں حاس نظر آئے تو اس نے اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے ۹۸ھ میں مخدوم الملک کو حج کے لئے جانے کا حکم دیا اور کہا کہ وہ بلا اجازت واپس نہ آئیں۔ چنانچہ وہ مکہ معظمہ چلے گئے، وہاں ان کی ملاقات شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی سے ہوئی، جو مخدوم الملک کے ساتھ نہایت تعظیم و توقیر سے پیش آئے۔ لیکن جب اکبر کے خلاف ملک میں برہمی پھیلی اور بغاوت ہوئی تو مخدوم الملک یہ خیال کر کے کہ شاید اکبر کی حکومت اس گڑبڑ میں ختم ہو جائے گی، واپس آ گئے، مگر جب وہ ہندوستان پہنچے تو یہ بغاوت فرو ہو چکی تھی، مخدوم الملک نے ۹۹ھ یا ۱۰۰ھ میں خون کی وجہ سے لہذا باغجرات میں وفات پائی، بعضوں کا بیان ہے کہ اکبر کے زہر دلوئے کی وجہ سے ان کی وفات واقع ہوئی۔

مخدوم الملک کی ان تمام شخصی کمزوریوں کے باوجود ان کی اس خوبی کا اعتراف کرنا ہوتا ہے کہ وہ ترقی شریعت اور ردِ بدعت میں ہمیشہ کوشاں رہے، یہاں تک کہ اس محضر پر بھی جسے شیخ مبارک نے اکبر کے مجتہد ہونے کے لئے تیار کر لیا تھا اور جس پر علماء سے توثیق و دستخط لئے گئے تھے، مخدوم الملک نے باکراہ دستخط کئے تھے۔

مخدوم الملک کی تصانیف میں کشف الغمہ، منہاج الدین، بھمت الانبیاء، شرح عقیدۃ بنظیر، رسالہ فی تفضیل العقل علی العلم، منہاج الوصول اور ان کے علاوہ بعض دوسری کتابیں مشہور ہیں۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۰۶ - ۲۰۷ اور دو کوثر - ص ۸۹ تا ۹۱)

کے مشورے سے فرمان جاری ہوا کہ شیخ داؤد دربار میں حاضر ہوں، چنانچہ آپ اپنے دو ایک ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، گوالیر کے باہر مخدوم الملک سے ملاقات ہوئی، بات چیت کے درمیان میں مخدوم الملک نے آپ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے مرید ذکر کرتے وقت، یا داؤد کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں غالباً سننے والے کو اشتباہ ہوا ہے نہ یا داؤد یا ورد کہتے ہوں گے، مخدوم الملک آپ کے تقدس و ورع سے بہت متاثر ہوا، آپ نے اسے کچھ نصیحتیں بھی فرمائیں اور شیرگرہ واپس ہو گئے۔

شیخ قطب عالم صاحبزادہ حضرت
شیخ عبدالعزیز جو اس زمانے کے
سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے، اُن کا بیان ہے کہ جب میں شیخ داؤد کی

لہ شیخ قطب عالم چشتیہ سلسلے کے مشہور بزرگ شیخ عبدالعزیز کے صاحبزادے تھے۔
ابنہما خواجہ باقی باللہ جب مرشدِ کامل کی تلاش میں دہلی آئے تو شیخ قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کی خانقاہ میں رہ کر یاد الہی میں مصروف ہو گئے۔ ایک روز شیخ قطب عالم نے عالم شافعی میں محسوس کیا کہ خواجہ باقی باللہ کا حصر بخارا میں ہے، انھوں نے باہر آکر خواجہ باقی باللہ سے فرمایا کہ جاؤ تمھیں بخارا کے مشائخ بلاتے ہیں، اُس وقت شیخ قطب عالم کے پاس خرقة موجود نہ تھا، ایک ازار بھی، چلتے وقت شیخ قطب عالم نے وہ ازار خواجہ باقی باللہ کو دی، خواجہ باللہ نے اُسی ازار کو دستار کے بجائے سر پر لپیٹا اور بخارا روانہ ہو گئے، اور خواجہ امکنگی کی خدمت میں حاضر ہوئے، امدان سے سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کی، سلسلہ نقشبندیہ کے سنوک کی تکمیل کرنے کے بعد خواجہ امکنگی نے اُن سے فرمایا کہ ہندوستان کو تھوڑی ضرورت ہے، تم وہاں جاؤ، اور خلق خدا کو فیض یاب کر دینا چاہئے خواجہ باقی باللہ ہندوستان آئے، اور سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ اُس زمانے میں جبکہ خواجہ باقی باللہ سلسلہ

خدمت میں پہنچا تو اُن کے وعظ و نصیحت کے طریقے کو دیکھ کر میرے دل میں خیال گزرا کہ کہیں شیخ مہدوی تو نہیں۔ یہ خیال میرے دل میں گزرا ہی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۱۵)

نقشبندیہ کے فروغ و ترقی میں مصروف تھے، شیخ قطب عالم اُثران کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوتے، اگرچہ ابتداء میں خواجہ باقی باللہ شیخ قطب عالم سے باطنی فیض حاصل کرتے رہے، اور ایک طالب کی حیثیت سے اُن کی خانقاہ میں ایک عرصے تک مقیم رہے تھے، شیخ قطب عالم کے خلفاء میں شیخ جائیدہ اور شیخ عبدالغنی بدایونی مشہور ہیں۔ (ماخوذ از رود کوثر صفحہ ۱۹۱-۱۹۲ بحوالہ انفاس العارفین)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۱۵)

شیخ عبدالعزیز بن حسن طاہر جونپوری پیدا ہوئے اور ۱۲۹۸ھ میں اپنے والد کے ساتھ دہلی تشریف لائے، اور اپنے والد کے خلیفہ میاں قاضی خاں طفر آبادی کے دستِ حق پرست پر بیت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، وہ عوام میں بکرمواج اور شکر بار کے عرف سے مشہور ہوئے۔ شیخ عبدالعزیز نے علوم ظاہری کی تکمیل سید راجو قتال کے خلیفہ حاجی عبدالوہاب بکائی اور اُن کے صاحبزادے محمد سے کی، شیخ عبدالعزیز بچپن ہی سے ریاضت و عبادت کی طرف مائل تھے، یہاں تک کہ ابتدائے حال میں جن اوراد و اشغال کا آپ نے التزام کیا تھا وہ آخر عمر تک فوت نہیں ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار لاخیر اُن کے محامد و اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

در اتباع مشائخ و حفظ قواعد ایشاں یگانہ عصر بود، اوراد تو اضع و
حلم و صبر و رضا و تسلیم و شفقت بر خلق و رعایت فقر و نظیر نبود
در زمان خود یادگار مشائخ چشت بود، در دہلی بوجود او سلسلہ
از شاد و شیخت برپا بود۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالعزیز محتاجوں کی

ہی تھا، ابھی میں نہ بیان سے کچھ کہہ بھی نہ پایا تھا کہ انھوں نے میری طرف مخاطب ہو کر بغیر کسی سابقہ تقریب کے فوراً ہی میرے اس خیال کی تردید واضح طور پر کر دی ہے

اتباع شریعت شیخ داؤد شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ اتباع شریعت سے سب مومن تجاوز نہ فرماتے

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۵

حاجت پوری کرنے کی بڑی کوشش کرتے تھے، جب وہ شیخ قاضی خاں کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنا سارا سامان گھوڑا گاڑی جو کچھ اُن کے پاس تھا سب کا سب راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ اکبر کے ابتدائی دور میں شیخ عبدالعزیز کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، پیرم خاں اُن کا بہت مستعد تھا، اور اکبر کے دوسرے امیر بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے تھے، شیخ عبد العزیز بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، انھوں نے شیخ امان کے رسالہ غیریہ کے جواب میں رسالہ عینیہ لکھا تھا، فنِ سلوک پر ان کی کتاب آداب السوگ مشہور ہے، اُن کے والد حسن طایر بھی مصنف تھے، ان کی ایک کتاب مفتاح الفیض کا تذکرہ بعض کتابوں میں ملتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز نے ۶ جمادی الاخریٰ ۹۷۵ھ میں وفات پائی ان کا مزار پرانوار اُن کی خانقاہ کے صحن میں واقع ہے، شیخ عبدالحق میث دہلوی نے حسب ذیل قصیدہ تاریخ وفات کہا۔

شیخ کامل، عارفِ دورانِ خود عبد العزیز
آنکہ می داد اہلِ دل را مجلسش یاد از بہشت
ہر صہ از اوصافِ اہلِ اندر عالم نمود
حق تعالیٰ ز اولِ فطرت بذاتِ او سرشت
یادگارِ اہلِ چشت او بود در دورانِ خود
گشت از آن تالیخِ فتش "یادگارِ اہلِ چشت"

(ماخوذ از اخبار الاخیار ص ۲۸۲ و رد کوثر ص ۶۶ و ۶۷) ۹۷۵ھ اخبار الاخیار ص ۲۸۲

تھے، ملا عبد القادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ ایک مرتبہ شیر گڑھ میں

۱۰ ملا عبد القادر بدایونی کے والد کا نام ملوک شاہ تھا، اگرچہ ان کا جدی وطن بدایوں تھا، لیکن وہ ۹۲۷ھ عہد شیر شاہی میں اجمیر کے ایک موضع بسا در میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید کی تعلیم سید محمد کئی سے سنھل میں حاصل کی اور بعض علوم عربیہ کی تعلیم اپنی والدہ کے دادا محمد محمد اشرف بسا در سے پائی۔ اور اسی زمانے میں قصیدہ بردہ اور کنز الدقائق کے بعض اسباق شیخ حاتم سنھلی سے پڑھے، پھر آگرے آئے اور مفتی ابوالفتح بن عبد الغفور تھانوی سری اور شیخ مبارک بن خضر ناگوری سے مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی، اور بعض کتابیں فارسی ابوالمعالی سے پڑھیں، اور نجوم، حساب، موسیقی، شطرنج اور بعض دوسرے فنون علی ہر بن فارغی سے حاصل کئے، اور تقریباً چالیس سال تک فیضی اور ابوالفضل کے ساتھ رہے، علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد اودھ کے والی امیر حسن خاں کی ملازمت میں ایک صوبیل عرصے تک منسلک رہے، پھر ۹۸۱ھ میں آگرے آئے۔ اور جلال خاں قوری اور عین الملک شیرازی کی سفارش سے اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوئے۔ تھوڑے ہی دن میں اکبر کی نظر میں غیر معمولی تقرب حاصل کر لیا، اور اکبر نے انھیں اپنی امات کے لئے منتخب کیا، پھر انھیں حکم دیا کہ وہ اہل ہند کی کتابوں کو فارسی میں منتقل کریں، چنانچہ انھوں نے اقفروید کو بھاؤن دکنی کی مدد سے فارسی میں منتقل کرنا شروع کیا، لیکن چونکہ بھاؤن دکنی اقفروید کے مشکل مقامات کو سمجھانے سے قاصر رہتا تھا، ملا عبد القادر نے بادشاہ سے اس ترجمہ سے معذرت کی، پھر یہ ترجمہ فیضی کے سپرد ہوا، اس کے بعد ملا عبد القادر نے ہما بھارت اور رامائن کا ترجمہ کیا اور ۹۹۶ھ میں وہ رامائن کے ترجمے سے فارغ ہوئے، پھر انھوں نے بادشاہ کے حکم سے جامع رشیدی اور بحر الاسماء لکھیں، پھر تاریخ کشمیر شاہ محمد شاہ آبادی کا انتخاب کیا، پھر حجم البلدان کے دس اجزاء کو فارسی میں منتقل کیا، ان کے علاوہ ان کی تصانیف میں تاریخ الفی، اور الادب لون فی فضل الجہاد فی سبیل اللہ، نجات الرشید، اور ان کی مشہور تاریخ منتخب التواریخ ہے۔

آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور دو تین روز آپ کے پاس مقیم رہے وہ شیخ داؤد کے متعلق اپنے تاثر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ کے جمال میں کوئی چیز ایسی نظر آتی تھی، جس سے دنیا کے صاحب جمال محروم ہیں، گفتگو اور تبسم میں چہرے پر ایسا نور چمک اٹھتا تھا کہ دلوں کی تاریکیاں دور ہو جاتی تھیں اور وجہ اللہ کا بھید عیاں ہو جاتا تھا، ملاقات کے وقت آپ ملا عبد القادر بدایونی سے نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور آپ نے بدایون کو بہت ہی قیمتی نصیحتیں فرمائیں اور ان کے سوالات کا جواب دیا، اور اعزاز بھی بخشا کہ اپنی ٹوپی انھیں عنایت فرمائی۔ بے نیازی اور ستغنا کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ اکبر بادشاہ نے جب وہ پنجاب میں تھے شہباز خاں کنبوہ کو آپ کے پاس بھیجا اور تمنا

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، ملا عبد القادر نے ستاون سال کی عمر میں سنہ ۱۰۸۵ھ میں وفات پائی (ماخوذ از تذکرۃ الخواطر جلد ۴ - ص ۲۳۷ تا ۲۴۰)

(فٹ نوٹ سلسلہ صفحہ ہذا ۱۵) ۱۵ منتخب التواریخ جلد ۳ -

۱۵ نواب میاں شہباز خاں کنبوہ اکبر کے اہل و عیال میں تھا، ذخیرۃ الخواہین میں ہے کہ اس کا سلسلہ چھٹی پشت میں میاں حاجی جمال سے جا ملتا ہے جو مخدوم حضرت بہار الدین زریا ملتان کے رہتے، اور حضرت بہار الدین زریا ملتان ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت بہار الدین زریا ملتان کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے کہا کہ میں آپ سے اور اس کے پیغمبروں کا واسطہ رکھتا ہوں، میرے نام پر اپنی لڑکی کی شادی کے لئے ایک ایک شرفی چاہتا ہوں، آپ اس کو یہ سوال سن کر سخت متروک ہوئے۔ حاجی جمال نے آپ کو متروک دیکھ کر عرض کیا کہ آپ سائل کو میرے حوالے کیجئے، میں اسے مطمئن کر دوں گا، حاجی جمال اس سائل کو

نظارہ کی کہ وہ آپ کے پاس آئیں، لیکن آپ نے معذرت کرتے ہوئے کہلا
بھیجا کہ میں یہاں بھی دعا گو ہوں، جو میں کر سکتا ہوں وہ یہاں بیٹھے ہوئے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ)

لے کر اپنے گھر آئے، اور سائل سے کہا کہ تم ایک پنمبر کا نام لیتے جاؤ، میں تمہیں ہر نام پر
ایک اشرفی دیتا جاؤں گا۔ سائل کو صرف بس پنمبروں کے نام یاد تھے۔ حاجی جمال نے بس اشرفیاں
دے کر اس سے کہا اور نام لو، مگر وہ کسی اور پنمبر کا نام نہ لے سکا۔ پھر اس نے حضرت مخدوم
زکریا غسانی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے پنمبروں کے نام کے مطابق اشرفیاں
حاصل کر لیں۔ آپ نے حاجی جمال سے پوچھا، حاجی جمال نے سارے واقعہ بیان کیا، حضرت
مخدوم بہاول الدین زکریا یہ واقعہ سن کر متبسم ہوئے، اور حاجی جمال اور ان کی اولاد کے لئے
دعا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ تمہاری اولاد میں کوئی خفیف العقل نہ ہوگا، اور دولت سے بھی
ان کو حصہ ملے گا، چنانچہ اس قوم کی فہم آج بھی مشہور ہے۔

زب شہباز خاں کنوہ کے آباؤ اجداد زب اور ریاضت و درویشی میں شہرت رکھتے تھے
ازمدہ خود بھی خدا پرستی میں مشہور تھا۔ ابتداً شہباز خاں کنوہ ہمدانبری میں تائب کو تو ال قرار
ہوا، یہاں تک کہ چند دن میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے کو تو ال ہو گیا۔ اور اکبر کا منظور نظر
بن گیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے ایک صدی منصب سے ہفت ہزاری ذات و سوات تک پہنچا،
۱۹۰۹ء میں جب اکبر گجرات گیا، شہباز خاں کنوہ خدمت بخشی گری پر مامور تھا، پھر چند دن
کے بعد تعلقہ سورت بھیجا گیا، اُس کے بعد اُس نے متعدد مہموں پر مامور ہو کر نمایاں
خدمات انجام دیں۔

۱۹۱۸ء میں جب کہ اکبر مہم کن اور خاندیس کی طرف متوجہ تھا، اکبر نے رانا سانگا
کے مقابلے کے لئے بھیجا، اس نے وہاں پہنچ کر اس کے مقابلے میں بہترین تدبیریں اختیار
کیں، لیکن ابھی وہ اس کے مقابلے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ اس نے وفات پائی۔ نواب
شہباز خاں کی نعش کو اس کی وصیت کے مطابق اجمیر لایا گیا، لیکن مجاورانِ درگاہ حضرت
خواجہ معین الدین اجمیری نے اس کو اندرون احاطہ دفن نہ ہونے دیا، اور بیرون احاطہ

بھی کر رہا ہوں۔

اعلائے حق حضرت شیخ داؤد کے تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ وہ اعلائے حق، امر بالمعروف میں شمشیر برہنہ

(بقیہ نٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷۲)

دفن کیا گیا، مگر رات کو مجاوروں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی لُن سے ارشاد فرماتے ہیں کہ شہباز خاں محبوب درگاہ رب العالمین اور ہمارا محبوب خاص ہے، اس کو اندرون احاطہ ہمارے گنبد کے شمالی جانب دفن کرو دو سرے دن مجاوروں نے اس کی نعش کے صندوق کو قبر سے نکال کر اس جگہ دفن کیا، جہاں حضرت خواجہ بزرگ نے اُن کو خواب میں ارشاد فرمایا، اور آج بھی وہیں اُس کی قبر موجود ہے۔

شہباز خاں کنبہ شریعت اسلامیہ کلبے حد پابند، اور علم، صلحا، اور فقر اور کی بہت تعظیم و توقیر کرتا تھا، اُس کی پابندی شریعت کا یہ عالم تھا کہ اس سے تمام عمر میں نماز پنجگانہ ہیجدا، اشراق اور چاشت کی نماز اور عصر کی سنتیں کبھی قضا نہیں ہوئیں، ہر وقت با وضو رہتا تھا، اور خلاف سنت لباس نہ پہنتا تھا، اس کے ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی۔ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھتا رہتا تھا اور غروب کے درمیان قبلہ رخ بیٹھا رہتا اور دنیاوی باتیں نہ کرتا، وہ ہر وقت نماز کا اس قدر پابند تھا کہ ایک دن شام کے وقت اکبر بادشاہ فتح پور سیکری میں ٹالاب کے کنارے تفریح کر رہا تھا، اتفاق سے اُس نے امراء کے جوگہ میں سے شہباز خاں کنبہ کا ہاتھ پکڑا اور ٹہپنے لگا، یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا، اس وقت ہر آن شہباز خاں کی آنکھیں سورج پر لگی ہوئی تھیں کہ یہیں ایسا نہ ہو کہ سورج غروب ہو جائے اور اُس کی نماز قضا ہو جائے، حکیم ابوالفتح اور حکیم علی جو اُس وقت امراء کے جگے میں موجود تھے آپس میں کہنے لگے کہ اگر آج شہباز کنبہ کی نماز قضا نہ ہوئی تو ہم سمجھیں گے کہ واقعی وہ فطری دیندار ہے اور ہم اس کے مرید ہو جائیں گے ورنہ ہم اُس سے آشنائی چھوڑ دیں گے کہ اس کی دینداری محض رواجی ہے، اتفاقاً جب

تھے اور پند و مواعظت، اور ارشاد و ہدایت میں ان کا تمام وقت گزرتا تھا، وہ
 ان صوفیانِ خام اور علمائے سوئے سے سخت بیزار تھے، جنہوں نے علم اور
 تصوف کے پرے میں دنیا طلبی اور حبِ جاہ کو اپنا مقصد بنا رکھا تھا، فرمایا،
 کہتے تھے کہ جن علماء نے بادشاہوں اور امیروں کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے
 ان سے وہ مکھی ہزار درجہ بہتر ہے جو نجاست پر بیٹھی رہتی ہے، پھر یہ
 رباعی پڑھتے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷)

شہباز خاں نے دیکھا کہ نماز کا وقت بہت تنگ ہو چکا ہے تو اس نے اکبر سے نہایت
 عاجزی سے کہا کہ نماز کا وقت بکھلا جا رہا ہے۔ اکبر نے اس سے کہا کہ قصا کرینا کیا تم
 ہمیں تنہا چھوڑ کر چلے جاؤ گے، شہباز کنبوہ نے اپنا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ سے چھڑا لیا،
 اور فوراً ہی وہ مال بچھا کر نماز میں مشغول ہو گیا، اور نہایت خشوع و خضوع سے
 نماز ادا کی، پھر حسبِ عادت تہنِ رخ ہو کر تسبیح میں مشغول ہو گیا، اکبر اس کے سر پر
 بار بار ہاتھ مارتا تھا کہ وہ اٹھے، لیکن وہ اسی طرح تسبیح میں مصروف رہا، حکیم ابو الفتح
 نے یہ منظر دیکھ کر کہا واقعی شہباز کنبوہ دیندار انسان ہے، اب اسے نجات دلائی
 جائے، وہ فوراً ہی امر کی ایک جماعت کے ساتھ آگے بڑھا، اور اس نے آگے
 بڑھ کر بادشاہ سے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت کی یہ تمام غیبت صرف اس شخص پر فرمانا صحیح نہیں،
 دوسرے بھی مراحیم خسروانہ کے امیدوار ہیں۔ تب بادشاہ نے اسے چھوڑا۔

شہباز خاں کنبوہ کی دینداری کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے تمام عمر اکبر کے
 دوسرے خلائین اور امرا کی طرح ڈاڑھی نہیں منڈائی اور نہ شراب پی، اور نہ اپنی انگوٹھی پر مرید کا
 نقش نقش کرایا، جیسا کہ اس وقت دین الہی کے ماننے والوں کا دستور تھا، اور ساری
 عمر اسلام پر ثابت قدم رہا۔

راخوذاذ ذخیرۃ الخواصین۔ ص ۱۴۸ تا ۱۶۰۔ مطبوعہ پاکستان بشارت سوسائٹی

آں کس کہ ز غوغا نر بد واسے براؤ
 بر خلقِ جہاں دل بد ہد واسے براؤ
 در دستِ تقیر نیست نقدے جز وقت
 آں نیز گراز دست دہد واسے براؤ

تبلیغ اسلام
 ملا عبد القادر بدایونی جو دو چار روز آپ کی خدمت میں
 رہے تھے، ان کا بیان ہے کہ شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا
 ہو جس میں سو سو پچاس پچاس ہندو اپنے اہل و عیال کے ساتھ آپ کی خدمت
 میں حاضر ہو کر اسلام نہ قبول کرتے ہوں۔

وفات
 شیخ داؤد ^{۱۵۷۴ھ} میں واصل الی اللہ ہوئے، مشتاق
 منان سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

شیر گڑھ میں آپ کا مزار پڑاوار زیارت گاہ خاص عام ہے۔
 شیخ داؤد شیر گڑھ کی خلفاء میں مولانا جمال الدین معروف
 خلفاء
 بہ شیخ بہلول دہلوی شاہ ابو المعالی لاہوری اور شاہ ابوالحاق
 لاہوری مشہور ہیں۔

شیخ جمال الدین کا اصل وطن دہلی تھا، وہ عہد اکبری کے مشاہیر علماء
 اور صوفیاء میں تھے، انھوں نے علومِ محقول کی تعلیم سید رفیع الدین سلامی

۱۔ ماخوذ از تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم۔ مطبوعہ انارکلی کتاب گھر۔ لاہور۔ ص ۴۲۔

۲۔ منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۳۴

۳۔ اخبار الاخبار تذکرہ شیخ داؤد۔ ص ۲۰۸

۴۔ مولانا سید رفیع الدین محدث شیرازی بن مرشد الدین حسینی صفوی شیرازی ہندوستان
 کے مشہور علماء و صوفیاء میں تھے، انھوں نے علامہ جلال الدین محمد بن اسد صدیقی
 دہلوی سے تعلیم حاصل کی، پھر حج و زیارت کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے،

شیرازی سے حاصل کی، اور سلوک و طریقت کی منزلیں شیخ محمد داؤد جہنی وال سے طے کیں، اور دہلی میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، درس و تدریس کے ساتھ انھوں نے ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری کیا تھا، دور دور سے لوگ حاضر ہوتے اور آپ سے اکتساب فیوض باطنی کر کے واپس جاتے۔

لیکن جب اکبر کے دور میں شیخ مبارکؒ کو عروج ہوا، اور دین الہی کی بنیاد پڑی تو وہ ہندوستان سے دل برداشتہ مکہ معظمہ چلے گئے، اسی زمانے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷۷)

اور حدیث کی تعلیم شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمان سخاوی مصری صاحبِ ضور اللامع سے حاصل کی جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے۔ پھر سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں آگرے تشریف لائے، اور وہیں مقیم ہو گئے، سکندر لودھی آپ کی عیدِ توقیر کو تعظیم کرتا تھا، اور آپ کو حضرت عالی کہہ کر مخاطب کرتا تھا، سید رفیع الدین نے ۹۵۴ھ میں آگرے میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۱ صفحہ ۱۱۵)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

۱۷ شیخ مبارک بن خضر ناگوریؒ ۹۱۷ھ میں ناگور میں پیدا ہوئے، ان کے والد سندھ کے رہنے والے تھے، شیخ مبارک نے علومِ رسمی کی تکمیل گجرات میں خطیب ابوالفضل کا زرونی اور مولانا عماد الدین محمد طاری سے کی، ان علوم کے ساتھ صوفیہ سے طریقت کے بھی سبق لئے، فلسفہ اور وحدت الوجود کی کتابیں بھی مطالعہ کیں، قرآن مجید کو دس قراتوں سے حفظ کیا، اور شاطبی کو حفظ کر لیا، ان کا ارادہ حجاز اور اسلامی ممالک کے سفر کا تھا، مگر ایک بزرگ کے مشورے پر ۹۵۷ھ میں آگرے چلے آئے، اور جہنا پار چار باغ کے محلے میں قیام کیا، اور علم و فضل کے علاوہ زہد و تقویٰ میں غیر معمولی شہرت حاصل کی، ابتداءً زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا

میں جب شیخ مبارک نے بادشاہ وقت کے امام عادل ہونے کا محضر تیار

(تبیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ)

کہ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان کی مجلس تذکیر میں سونے کی انگوٹھی، ریشمی لباس، یا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہن کر آئے۔ اگر کوئی ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہن کر ملنے آتا تو پانچے کتر وادیتے انگوٹھی اتر وادیتے، جب سوریوں کی بساط سلطنت الٹی اور منلوں کا آفتاب حکومت طلوع ہوا تو مخدوم الملک نے ان پر عقائد کا فساد اور غالباً تیموبقال سے ساز باز کا الزام لگایا شیخ مبارک جان بچانے کے لئے چھپ کر بھاگے، اور مدتوں ادھر ادھر جان بچاتے پھرتے رہے، آخر ایک امیر مرزا عزیز کو کہ سفارش پر ان کی جان بخشی ہوئی، پھر وہ ایک زمانے تک اپنے بچوں کے ساتھ دہلی کی مختلف درگاہوں میں مقیم رہے، یہاں تک کہ ۹۷۴ھ میں ان کا بڑا بیٹا ابوالفیض فیضی نے اکبر کے دربار میں اپنی شاعری کے ذریعہ رسائی حاصل کی، پھر اکبر کے دربار میں اس کا چھوٹا بھائی ابوالفضل اس طرح باریاب ہوا کہ دوسروں کے قدم ڈگمگائے، اکبر جو اس زمانے میں علماء سے دل برداشتہ تھا، ابوالفضل اور فیضی نے ان کے مقابلے میں اپنے والد شیخ مبارک کو پیش کیا، شیخ مبارک ہی نے بادشاہ کے امام عادل ہونے کا محضر تیار کیا، جس پر علماء سے جبراً دستخط لے گئے، یہ محضر ۹۷۹ھ کو مرتب ہوا، اور اسی پر فیضی اور ابوالفضل نے اکبر کے دین الہی کی عمارت تعمیر کی اب شاہی تقرب کی وجہ سے شیخ مبارک کی زندگی کا رنگ بالکل بدل گیا، زہد و مجاہدات کے بجائے زندگی دوسرے سانچوں میں ڈھل گئی یا تو حرمت سماع کا اس درجہ قائل تھے کہ موسیقی کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں دیتے تھے، یا وقت کا بڑا حصہ سرود و موسیقی میں گزرنے لگا، یہاں تک کہ صحت خراب ہو گئی، بصارت کمزور ہو گئی، آخر میں لاہور میں مقیم ہو گئے تھے، دس و تیس کا سلسلہ جاری رہا۔ انھوں نے ایک تفسیر منہج البیون المعانی و مطلع شمس الثانی کے نام سے چار جلدوں میں لکھی، ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ اس میں مجددیت کی ضرورت

کیا، اور دارالحکومت کے علماء کے اس پر دستخط لئے گئے تو وہ محضر علمائے دہلی کے دستخط کے لئے دہلی بھی بھیجا گیا، لیکن شیخ جمال الدین نے اس محضر پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جس قدر اس پر دستخط ہو چکے ہیں کافی، ہم گوشہ نشینوں کو اس کے لئے کیوں تکلیف دی جاتی ہے، اگر ایسے ہی اس محضر پر دستخط ضروری ہیں تو ہندوستان کے تمام شاہیر علماء کے اس پر دستخط لئے جائیں، اس کے بعد جب مشرق کے علماء نے بادشاہ کے خلاف فتویٰ دیا تو جن دہلی کے علماء پر حکومت نے شبہ کیا کہ وہ اس مسئلے میں مشرق کے علماء سے ربط رکھتے ہیں، ان میں شیخ جمال الدین بھی تھے، جب حالات زیادہ خراب ہوئے تو وہ ۹۱۷ھ میں اپنے شاگردوں اور مریدوں کی ایک جماعت کو لے کر حج کے ارادے سے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے تقریباً تیرہ سال وہاں مقیم رہے، سنہ ۹۱۷ھ میں خان اعظم

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷)

پر تقریر تھی، اور یہ اشارہ بھی نکلتا تھا کہ دسویں صدی ہجری کا مجدد خود مستند ہے، شیخ مبارک نے، ارذی تعدہ ۱۵۹۳ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ لاش کچھ دن بعد لاہور سے لا کر چارباغ آگرے میں دفن کی گئی، شیخ مبارک کے تین بیٹے ابوالفیض فیضی، ابوالفضل اور ابوالخیر مشہور ہیں، شیخ مبارک کے تفصیلی حالات حسب ذیل کتابوں سے ملتے ہیں:-

- (۱) منتخب التواتر - جلد ۲ صفحہ ۴۳۰-۴۳۱ (۲) مآثر الکرام جلد اول ص ۱۹۲-۱۹۳
- (۳) بزم نیمورت - ص ۸۰ (۴) دربار اکبری - ص ۴۰۷-۴۰۸ (۵) حدائق الحنفیہ - ص ۳۹۴ (۶) بوستان انخیا - ص ۱۴۷-۱۵۳ (۷) خزائن تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد اول - مرتبہ سید ہاشمی فرید آبادی - ص ۴۷۵-۴۷۸ و تذکرہ علمائے ہند مترجمہ ایوب قادری ص ۴۰۲-۴۰۳ شائع کردہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی

دربارِ اکبری کی گمراہیوں اور بے لاکھ رویوں سے بیزار ہو کر حج کے لئے گیا، تو شیخ جمال الدینؒ نے اس کے ساتھ واپس آئے۔
تذکرہ میں ہے کہ ناصر الملک پیر محمد خاں، خانخانان اور خانِ اعظم کو کلتاش کو

۱۔ پیر محمد خاں شروانی بعداً طالب علم تھا، بیرام خاں کے توسط سے امارت لے مرتبے کو پہنچا، اور بیرام خاں کا مطلق العنان وکیل ہو گیا۔ وہ اس قدر مغرور تھا کہ جو لوگ اس کے پاس جاتے تھے۔ انھیں بار نہیں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ خانخانان میرزا عبدالرحیم، جب وہ بیمار تھا اُس کو مزاجِ چرسی کو گیا، لیکن اُس نے اسے بھی ملاقات کا موقع نہ دیا، خانخانان کو اس سے بے حد رنج ہوا، خانخانان نے اس سے امارت چھین لی، یہاں تک کہ یہ صرف ملا پیر محمد رہ گئے۔ چند روز قلعہ میانہ میں محبوس رہا، پھر اُسے چھوڑ دیا گیا، اور وہ گجرات چلا گیا، جب بیرام خاں سے اکبر کی آویزش ہوئی تو یہ گجرات سے اکبر کے دربار میں پہنچا، اور منصبِ پنج ہزاری اور ناصر الملک کے خطاب سے سرفراز ہو کر بیرام خاں کے مقابلے کے لئے متعین ہوا۔ پھر یہ دکن میں متعین کیا گیا، ۹۵۹ھ میں اکبر کے جلوس ساتویں سال وہ مالوے سے لشکر جمع کر کے عازمِ سیسر دیوبند پورہ و بیجا گڑھ ہوا، جب اُس نے نربدا کو پار کیا تو اُس نے وہاں کے اکثر قبیلوں اور دیہات کو قتل و غارتگری کر کے برباد کر دیا، اور برہان پور میں پہنچ کر شہر پر قبضہ کر کے قتلِ عام کیا، اور وہاں کے اکثر علماء و سادات کو اپنے سامنے شہید کرایا حاکم اسیر اور باندہا درجو مالوے سے بھاگ کر وہاں پناہ لئے ہوئے تھا زمینداروں کے ساتھ پیر محمد پر حملہ آور ہوئے۔ پیر محمد خاں اُن کے مقابلے کی تاب نہ لا کر مندر کی جانب لڑا جب نربدا کے کنارے پہنچا تو اُس نے اور اُس کے سارے پیروں نے اپنے آپ کو بے تحاشا دریائے نربدا میں ڈال دیا۔ اتفاق سے جب پیر محمد خاں دریائے زحل ہو رہا تھا تو اونٹوں کی ایک قطار اس کے پاس سے گزری، اُس کا گھوڑا بصرہ کا، اور وہ گھوڑے سے گر کر دریائے غرق ہو گیا، (ذخیرۃ الخواہین جلد اول ص ۱۰۰ - ۱۰۳)

مطبوعہ پاکستان بھارتیکل سوسائٹی - کراچی۔

۱۔ میرزا عبدالرحیم خانخانان سپہ سالارِ عہدِ اکبری کے مشاہیر امرا میں تھا۔ وہ بروز پنجشنبہ

حضرت شیخ جمال الدین سے بے حد عقیدت تھی، وہ چاہتے تھے کہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۲)

۱۲ صفر ۹۶۲ھ میں لاہور میں جمال خاں میواتی کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا، مولانا فرید الدین دہلوی کے اس مصرع سے اس کی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔

دُور دریلئے سعادت آمد

جمال خاں میواتی کے دو لڑکیاں تھیں ایک ہمایوں بادشاہ کے عقید میں تھی، اور دوسری خانخاناں کے والد محمد بیرم خاں کے نکاح میں تھی، اپنے والد کی شہادت کے بعد اوائل ۹۶۹ھ میں اگر وہ اکبر کے حفرہ میں پیش ہوا، آخوند ملا محمد امین اند بخانی کہ جو اس زمانے کے علماء مشہور تھے اس کے تعلیم و تعلم پر مامور ہوئے، اس طرح خانخاناں نے ظل شاہی میں تعلیم و تربیت حاصل کی، یہاں تک کہ امراء میں اپنے باپ کے قائم مقام ہوا۔ اُس نے اپنے زمانہ ولادت میں تین نمایاں کام انجام دیے، ایک اس کی سپہ سالاری میں فتح احمد آباد و گجرات کا زمانہ سر ہوا، یہ جنگ مظفر گجرات سے سرکج میں احمد آباد سے تین کوس کے فاصلے پر ۱۳ محرم ۹۹۲ھ کو ہوئی اور اس میں خانخاناں نے کامیابی حاصل کی، اس فتح کے بعد اکبر نے اس کو خانخاناں کے خطاب اور منصب پنج ہزاری سے سرفراز کیا۔

دوسرے دکن کی فتح تھی، یہ جنگ جمادی الآخر ۱۰۰۵ھ میں پہلی مرتبہ چاند بی بی سے ہوئی اور دوسری دفعہ آخر شوال ۱۰۱۵ھ میں ہوئی، جس میں خانخاناں کو فتح حاصل ہوئی۔

تیسرے سندھ کی فتح تھی، اس فتح کے بعد وہ لاہور میں مامور کیا گیا اور سندھ کے ترخانان فرماں روا میرزا جانی بیگ کا مقابلہ کر کے اس نے ۹۹۹ھ میں سندھ کو محل حکومت کا صوبہ بنادیا اس مہم میں وہ کامیابی حاصل کر کے اند میرزا جانی بیگ کو اپنے ساتھ لے کر ہر جمادی الثانی ۱۰۰۵ھ کو کراہاں و فتح یاب آگرے پہنچا۔

عہد جاگیر میں وہ دکن سے فرماں شاہی کی بنا پر نکال کی گونری کے لئے لاہور پہنچا، اس وقت جہانگیر لاہور میں تھا، لاہور میں پہنچنے کے بعد بیمار ہوا، لیکن وہ بیمار ہی میں

حضرت اُن کے مال و دولت میں سے کچھ قبول کریں لیکن آپ نے یہ کہہ کر

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۷۷)

بنگال کے لئے روانہ ہو گیا، ابھی دہلی پہنچا ہی تھا کہ ۷۲ سال کی عمر میں ۱۲ ستمبر ۱۸۷۱ء کو اس نے وفات پائی، اور ہمایوں کے مقبرے کے قریب مدفون ہوا۔

صاحب مقالات الشعراء کا بیان ہے کہ مغل امرا میں سے کوئی بھی فیاض و سخاوت میں شان خاناں کا ہمسر نہ تھا، خود بھی بہت بڑا صاحب علم و فضل، اور بلند پایہ شاعر تھا، ترکی فارسی اور ہندی میں شعر کہتا تھا، اس نے اکبر کے حکم سے نزک باری کا ترجمہ ۱۵۹۹ء میں ترکی سے فارسی میں مکمل کیا تھا، یہ ترجمہ بمبئی سے باہتمام ملک الکتاب شائع ہوا تھا شعرا و ادباء اہل کمال کا بے حد مدد و اعانت تھا اس کے درباری شعرا میں ملازعی، عرفی شیرازی، نظیری، ملا مرشد، نیر جردی، شلیبی، صفا ہانی، فردوسی کا شانی وغیرہ تھے، جنہیں اس نے بعض قصائد پر بڑے بڑے انعامات سے نوازا تھا، اس کے فارسی کے چند شعر ہم نمونہً یہاں درج کرتے ہیں۔

شمارِ شوق نہ دانستہ ام کہ تا چند است
جز این قدر کہ دلم سخت آرنہ مند است
نہ دلم دانم و نہ دانہ این قدر دانم
کہ پائے تا بسرم ہر چہ ہست در بند است
ادائے حق محبت غنایتے است از دوست
و گرنہ خاطر عاشق ہیچ خرسند است
مرا فردخت محبت دے نہ اندیشم
کہ مشتری چہ کس است و بہائے من چند است

نیم فضول کہ جویم وصال، ہجو توئی
بس است، ہجو منے را خیال، ہجو توئی

ہمیشہ انکار کر دیا کہ میں تو گھر بناتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۲)

خانانہ کے حالات حسب ذیل کتابوں میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

(۱) راجہ رحیمی۔ جلد ۲-۳، (۲) مائٹالا مرا۔ جلد ۱۔ مقالات الشعراء۔

(یہ تمام تفصیل مقالات الشعراء و حواشی مقالات الشعراء ص ۲۳۲ تا ۲۴۰ سے ماخوذ ہے۔)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۳)

۵۳ خان اعظم کا نام مرزا عزیز کو کہ تھا، اس کے والد کا نام شمس الدین محمد خان اعظم تھا، اکبر کے اُمراء اعظم میں سے تھا، اس کے علاوہ وہ اکبر کے ہم عصر اور بچپن کا دوست تھا، اور اکبر بھی اس کے نہایت خصوصیت اور التفات کے ساتھ پیش آتا تھا، مرزا عزیز کو کہ کی مال چچی کا اکبر نے دودھ پیا تھا، اور وہ اس کا احترام اپنی جیتی ماں سے زیادہ کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ خاندانِ انکھ نے اکبر کے ہاں اس قدر تقرب و اختصاص اور شان و شوکت حاصل کی تھی کہ کوئی اکبر کے دربار میں ان کا ہمسرہ نہ تھا، خود خان اعظم میرزا عزیز کو کہ اکبر کے ہاں اس قدر مقرب و منظور نظر تھا کہ بادشاہ اس کی گستاخیوں سے بھی درگزر کرتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ مجھ میں اور خان اعظم میں دودھ کی نہر کا واسطہ ہے، خان اعظم نہایت دیندار اور مسلکِ اہل سنت و الجماعت کا سختی سے پابند تھا، اکبر اُمراء میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس نے کسی نہ درجے میں اکبر کے خیالات و عقائد کی پیروی نہ کی ہو، سوائے خان اعظم اور میاں شہباز خان کتبہ کے کہ ان دونوں نے نہ کبھی شراب پی اور نہ ڈاڑھی منڈوائی، جلوسِ اکبری کے چوبیسویں سال، وہ مالوہ میں تھا، خانانہ کے گجرات سے بدل جانے کی وجہ سے اس کا تقریر گجرات کی گورنری پر ہوا، لیکن اُس نے مالوہ کو چھوڑنا پسند نہ کیا، آخر ۵۳۵ جنوسِ اکبری میں وہ احمد آباد چلا گیا۔

جب ۵۳۵ ہجری میں اکبر نے اس کی بلوایا تو اُس نے بیماری کا عذر کر کے حجاز جانے کی اجازت چاہی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ وہ بادشاہ کے سامنے سجدہ تعظیم بجا نہ لاتا تھا، اور

کہیں دل نہ ویران ہو جائے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۵)

نہ ڈاڑھی منڈاتا تھا، اور نہ ان گرامیوں میں بتلاتھا جو اکبر کے دربار میں ہوتی تھیں، بلکہ لمبی ڈاڑھی رکھتا تھا، اس لئے وہ اکبر کے دربار میں جانا پسند نہ کرتا تھا، اسی لئے اس نے بیماری کا عذر کر کے اکبر سے حجاز جانے کی اجازت چاہی تھی، لیکن اکبر بھی اس کے کترانے کو تیار نہ کیا، اس نے خان اعظم کو جواب میں لکھا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تم حاضری میں یہ چیلے بہانے کیوں کر رہے ہو، حقیقت میں یہ تمھاری لمبی ڈاڑھی تھیں ہمارے دربار کی حاضری سے روکتی ہے۔

کہتے ہیں کہ مرزا عزیز کو کہ اکبر کو اس کے دین الہی کے بارے میں بہت ہی صاف اور کھری کھری باتیں لکھتا تھا، یہاں تک کہ اس نے ایک مرتبہ اکبر کو بطور طنز کے لکھا کہ تم نے حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی جائے فیضی اور ابو الفضل کو مقرر کیا ہے، اب شیخین کی بجائے کن کو مقرر کرنے کا ارادہ ہے۔

چنانچہ مرزا عزیز کو کہ سن ۱۰۱۵ھ میں بلاول سے جو سونمات کے قریب ہے، فرنگیوں سے صلح کر کے اپنے چھ لاکھ کے خیم، انور، عبداللہ، عبداللطیف، ترضی، عبدالغفور اور چھ لاکھ اور سو ملازمین کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہو گیا، کہتے ہیں کہ اس نے حرمین شریفین میں بہت روپیہ خیرات کیا، جب اسے وہاں اکبر کی مہربانیوں کی اطلاع ملی، اور اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ اس سے ناراض نہیں ہے تو وہ واپس لوٹ آیا، اور سن ۱۰۱۶ھ میں پھر شاہی ملازمت میں منسلک ہو گیا، مرزا عزیز کو کہ نے صاحب ذخیرۃ الخوانین کے قول مطابق سن ۱۰۲۹ھ میں اور صاحب مائثر الامراء کے بیان کے مطابق سن ۱۰۳۳ھ میں جبکہ وہ سلطان داور بخش پسر شاہزادہ سلطان خسرو کا امین اور بھائی تھا احمد آباد میں وفات پائی، اس کی لاش دہلی لائی گئی اور دہلی میں مدفون ہوا۔

صاحب ذخیرۃ الخوانین میرزا عزیز کو کہ کی ذہانت و طباعی، علم و فضل اور اس کی

ہندوستان کے مشہور عالم اور لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے
مادری سلسلے کے جدِ اعلیٰ شیخ جمال الدین ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۳۵)

سیرت و کردار کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

خانِ اعظم در علم تواریخ و حریف روز مرہ بے ہمتا بودہ، و حافظہ

نہایت داشت، و بغایت حلیم و متواضع بود۔

کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا، صاحبِ مقالات الشعراء نے اس کے چند شعر نقل کئے
ہیں، جنہیں ہم یہاں نمونہ نقل کرتے ہیں:-

اگر مرا نرساںد فلک بہ آں مہتاباں

علی ولی خدا شاہِ اولیاء برساند

بچوں نے شد حاصل مرا کام دل انداموس و ننگ

بعد ازیں خواہم زدن بر شیشہ ناموس و ننگ

(ماخوذ از مقالات الشعراء و حواشی مقالات الشعراء ص ۱۹۵ تا ۱۹۹ و

ذخیرۃ الخوانین - بلد اول - ص ۹۲)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۳۵)

۳۵ یہ تمام تفصیل مولانا ابوالکلام آزاد کے تذکرے ص ۲۹ تا ۳۵ سے ماخوذ

ہے۔

حضرت شاہ درگاہی لاہوری

حالات حضرت درگاہی لاہوری سلسلہ قادریہ میں شیخ عبدالرزاق شاہ چراغ لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ لاہور میں شاہ چراغ لاہوری کے ساتھ آئے۔ اور سلسلہ قادریہ میں خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد انھوں نے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بھی فیض حاصل کیا۔ شاہ درگاہی نہایت متقی و پرہیزگار بن کر گئے۔

وفات شاہ درگاہی نے شاہ عالمگیر کے زمانے میں ۱۱۲۲ھ میں وفات پائی۔

لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید ایڈمنسٹر جنراٹ ہا سپٹل نے اپنے مضمون لاہور کے صوفیائے کرام میں ان کا مزار ہال روڈ گرجا کے قریب فور و من کالج کے پچھاٹک کے متصل بتایا ہے۔

خزینۃ الاصفیاء میں چاد پاتیاں والے کے قریب اور سید اسماعیل محدث کے مزار کے متصل ان کا مزار بتایا گیا ہے یہ

(۳۹)

شاہ دولہ گجراتی

نام و نسب آپ کا اسم گرامی دولہ تھا، آپ کا سلسلہ نسب، سلطان بہلول لودھی سے جانتا ہے، اور سلسلہ طریقت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی پر مستہی ہوتا ہے۔ شاہ دولہ کا سلسلہ طریقت یہ ہے :-

شاہ دولہ، شاہ سید مرست، شاہ مونگا، شاہ کبیر،
شیخ شہر اللہ، شیخ یوسف، پیر برہان، شیخ صدر الدین،
شیخ بدر الدین شیخ اسماعیل قریشی، شاہ صدر الدین عارف،
شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔

شاہ سلطان بہلول لودھی کا دادا ملک بہرام فیروز شاہ کے عہد میں اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر ملتان آیا، اور ملتان کے حاکم ملک مردان کی ملازمت میں منسوب ہو گیا ملک بہرام کے پانچ - لڑکے تھے، ملک شاہ، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد اور ملک خواجہ، یہ پانچوں بھائی اپنے والد کی وفات کے بعد ملتان میں رہے، ملک شاہ جو سب سے بڑا تھا، اُس نے خضر خاں کی ملازمت اختیار کر لی،

سلسلہ ہروردیہ کے علاوہ شاہ دولابجراتی نے مشائخ چشتیہ سے بھی فیوض باطنی حاصل کئے تھے۔

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۷)

اور خضر خاں و اقبال خاں کی آویزش میں اس نے خضر خاں کی طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے یہاں تک کہ اقبال خاں اُس کے ہاتھ سے مارا گیا، جس کے صلے میں ملک شاہ کو اسلام خاں کا خطاب ملا، اور ترقی کرتے کرتے سرہند کی حکومت اس کے تفویض ہوئی، اُسی زمانے میں سلطان بہلول کا باپ ملک کالا دورالہ کا حاکم مقرر ہوا جو سرہند کے قریب تھا، اور نیازی افغانوں سے ایک لڑائی میں لڑتا ہوا مارا گیا، اُس وقت سلطان بہلول ماں کے پیٹ میں تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں جب کہ اس کی والدہ کی مدت وضع حمل قریب تھی، اس پر مکان کی چھت گر پڑی اور وہ مر گئی۔ چونکہ مدت حمل کے آٹھ ماہ گزر چکے تھے اُس کا پیٹ چیر کر سلطان بہلول کو سسکتی ہوئی حالت میں نکالا گیا، ایک ماہ کے بعد اس کو اُس کے چچا اسلام خاں کے پاس سرہند میں لایا گیا اور اسلام خاں نے اس کو نہایت شفقت و محبت سے پرورش کیا، اور اس کا نام بہلول رکھا، افغان اس کو حقارت سے بلو کہتے تھے۔ جب بہلول جوان ہوا تو اسلام خاں نے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دی، جب سلطان مبارک شاہ کے زمانے میں جنگ شیخ علی بابلی میں اسلام خاں مارا گیا تو بہلول اس کے قائم مقام ہوا اور ترقی کرتے کرتے امیرالامرائی کے عہدے پر فائز ہوا، جب سلطان محمد شاہ تخت نشین ہوا، اُس نے بہلول کو دھبی کے کارہائے نمایاں دیکھ کر اپنے محرمین میں شامل کیا، اور اس کو خانخانان کے خطاب سے سرفراز فرمایا، اور اپنی فرزند کی شرف بخشا، لیکن بہلول آخر میں کسی وجہ سے سلطان محمد شاہ سے ناراض ہو کر اُس کے پاس سے چلا گیا، اسلام خاں کا لڑکا قطب خاں جو اپنے آپ کو بہلول کا ہمسر سمجھتا تھا، اور چشمک رکھتا تھا، وہ بہلول سے منحرف ہو کر سلطان محمد شاہ کے پاس آیا، اور سلطان محمد شاہ سے ایک لشکر لے کر حسام خاں عرف حاجی شرقی کی سرداری میں بہلول پر

غلامی شاہ دولابھی بچے ہی تھے کہ آپ کے والدین کا سایہ شفقت سرے اٹھ گیا۔ اور بعض قسی القلب انسانوں نے آپ کو ایک ہندو کے ہاتھ فروخت کر دیا، آپ نے اپنے آقا کی خدمت کچھ اس طرح انجام دی کہ اس نے آپ کی خدمات سے متاثر ہو کر آزاد کر دیا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۷)

حملہ آور ہوا، دونوں میں عظیم جنگ واقع ہوئی، لیکن فتح و کامرانی بہلول لودھی کو حاصل ہوئی اس فتح کے بعد بہلول نے سلطان محمد شاہ کو لکھا کہ اگر حسام خاں کو قتل کر کے وزارت کا عہدہ حمید خاں کے سپرد کیا جائے تو میں فرماں برداری اور اطاعت گزاری کا عہد کرتا ہوں۔ سلطان محمد شاہ نے حسام خاں کو ہر طرف کر کے حمید خاں کو اپنا وزیر مقرر کیا، اس سے بہلول کو بڑی تقویت پہنچی اور طاقت و قوت حاصل کر کے اس نے بتدریج سرہند، شام، لاہور، دیال پور اور حصار قیروزہ اور دوسرے شہروں کو فتح کر لیا، اور دہلی کے فتح کرنے کے ارادے سے بڑھا، لیکن کامیاب نہ ہو سکا، آخر سرہند میں لوٹ کر اس نے اپنے آپ کو سلطان بہلول لودھی کا خطاب دے کر اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

جب سلطان علاؤ الدین تخت سلطنت پر بیٹھا، اور اس کی نااہلی کی وجہ سے ملک میں طوائف الملوک پیدا ہوئی، اور اس کی حکومت اپنی نااہلی کی وجہ سے صرف دہلی اور بدایون تک رہ گئی تو ۷۸۵ھ میں اس نے دہلی کو اپنے دو بھائیوں کے سپرد کر کے اپنا دار السلطنت بدایون کو بنایا، دہلی میں ان دونوں بھائیوں میں اختلاف شروع ہوا یہاں تک کہ دونوں بھائیوں میں کشت و خون کی نوبت پہنچی، حمید خاں وزیر الممالک بدایون سے فرار ہو کر دہلی پہنچا، اور دہلی پہنچ کر شہر اور خزانے پر قابض ہو گیا۔ علاؤ الدین اس کی گوشمالی کے لئے نکلا، حمید خاں یہ خبر سن کر فرار ہو کر بہلول لودھی کے پاس پہنچا، اور بہلول لودھی کو حکومت دہلی کی دعوت دی، بہلول لودھی دیال پور سے آکر دہلی پر قابض ہو گیا۔ اور دہلی پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد اس نے سلطان علاؤ الدین کو لکھا کہ میں نے دہلی پر

بیعت آزاد ہونے کے بعد شاہ دولایید سرست سیال کوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے وقت کے جلیل القدر ہونیا میں تھے، اور ایک عرصے تک اُن کی خدمت میں رہ کر اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ سید سرست کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اتفاق سے اُن کے حلقہ ارادت میں ایک اور صاحب بھی تھے جو انھیں کے ہم نام تھے، سید سرست نے چاہا کہ اُن صاحب کو انعمتِ باطنی سے سرفراز کریں، اپنے حجرے سے آواز دی دولایہاں آؤ، اتفاق وہ موجود نہ تھے، شاہ دولانے سنا تو فوراً اُن کی خدمت میں حاضر ہو گئے، سید سرست نے اُن کو دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تم کو نہیں بلایا تھا، یہ فوراً لوٹ آئے، اور حجرے کے دروازے کے پاس بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد سید سرست نے پھر آواز دی کہ دولایہاں آؤ، اُس وقت بھی وہ دولاموجود نہ تھے، یہ پھر حاضر ہو گئے۔ سید سرست نے ان کو روحانی نعمتوں سے سرفراز کر کے فرمایا کہ جس کو خدائے تعالیٰ سرفراز فرماتا ہے وہی شاہ دولاموتا ہے۔

اس کے بعد ایک عرصے تک شاہ دولاپر جذب وستی کی کیفیت طاری رہی، آپ کا وقت زیادہ تر دیرانوں اور جنگلوں میں گزرتا تھا، اہل حاجت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

بدنظمی کی وجہ سے قبضہ کر لیا ہے، لیکن میرا مقصد حکومت نہیں بلکہ یہ ملک آپ کا ہے، سلطان علاء الدین نے اس کو جواب میں لکھا کہ میرے باپ نے تمہیں مہیا کیا تھا، میں تمہیں اپنے بھائی کے مانند سمجھتا ہوں اور دہلی کی سلطنت تمہیں بخشا ہوں، میرے لئے تو بدایوں کی حکومت کافی ہے سلطان علاء الدین کے اس خط کے بعد بہلول لودھی تختِ دہلی پر بیٹھا، سلطان بہلول لودھی نے ۳۹ سال حکومت کی۔ اس کا عہد سلطنت ۸۵۵ھ تا ۸۹۲ھ ہے۔

(سیر المتاخرین جلد اول مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ص ۱۳۵-۱۳۶)

آپ کے کشف و کرامات کو دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور آپ کی دعاؤں سے اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں کامیاب ہو کر جاتے۔

فیاضی و سخاوت

شاہ دولا کی فیاضی و سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ خزانہ غیب سے آپ کو ملتا تھا بے حساب غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے، ایک بڑے پیلے پر آپ نے لنگر چائی کر رکھا تھا، غریب اور فقراء اُس سے کھانا کھاتے۔ آپ کی بارگاہ ان اخراجات کو دیکھ کر امراء اور ملوک کی بارگاہ معلوم ہوتی تھی۔

گجرات اور سیال کوٹ وغیرہ میں آپ کے تعمیر کرائے ہوئے بہت سے کنوئیں برائے اور پل اب تک موجود ہیں، جنہیں دیکھ کر شاہی حمارتوں کا دھوکا ہوتا ہے۔
سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، آپ کی مجلس کبھی سماع سے خالی نہ ہوتی تھی۔

آپ کے حاسدوں اور مخالفوں نے آپ کی مخالفت میں شاہجہاں کے سامنے ایک محضر پیش کیا، لیکن شاہجہاں نے اس پر توجہ نہ دی۔
استجاب دعا بعد مستجاب الدعوات تھے، جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا تھا وہ پورا ہو جاتا تھا۔

اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں اولاد کے لئے دعا کا طالب ہو کر آتا تو آپ اُس سے فرماتے اگر تم اپنے بڑے لڑکے کو ہماری نذر کر دو گے، خدائے تعالیٰ تم کو اولاد سے نوازے گا، جو طالب دعا اس کو قبول کر لیتا، پہلا لڑکا جو اس کے گھر میں پیدا ہوتا، اس میں چند عجیب باتیں پائی جاتی تھیں، ایک تو یہ کہ اس کا سر بہت چھوٹا ہوتا، دوسرے گونگا ہوتا، تیسرے مسلوب الحواس ہوتا تھا، جب یہ لڑکا پیدا ہوتا، اس کے والدین اُس کو آپ کی خدمت میں لاتے، اور آپ اس کو اپنے پاس رکھ لیتے، اس قسم کے سیکڑوں بچے موش شاہ دولا کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ اس وقت بھی جب کہ میں یہ کتاب
خزینۃ الاصفیاء لکھ رہا ہوں چارپٹے جس میں دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں،
اسی شکل و شباحت کے آپ کے مزار پر موجود ہیں۔

صاحب معارج الولاہ کا بیان ہے کہ میں
”حسن ابدال“ جاتے ہوئے شاہ دولہا کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت
شاہ مراقبے میں تھے اور قوال مشائخ چشت کی تعریف میں کچھ گارہے
تھے، جب آپ نے مراقبے سے سر اٹھایا تو میری طرف متوجہ ہوئے، اور
مجھے کچھ مٹھائی عطا فرمائی، میں نے عرض کیا کہ میں اس ظاہری نعمت کا طالب
نہیں ہوں مجھے تو باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمائیے۔ ہنستے ہوئے فرمایا تم
یہ تولو، وہ نعمت بھی تم کو ملے گی، پھر مجھے اپنی عنایت سے ظاہری اور باطنی
نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

شاہ دولہا نے ۱۰۷۵ھ میں وفات پائی،

وفات

..... بخت رسید شہ دولہا

۱۰۷۵ھ

سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

آپ کا مزار مبارک شہر گجرات (پنجاب) میں زیارت گاہ خلق ہے یہ

————— ❦ —————

(۲۰)

حضرت شیخ رکن الدین

نام و نسب اسم گرامی رکن الدین، کنیت ابو الفتح تھے، شیخ صدر الدین کے صاحبزادے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے، اُن کی والدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے رابوۃ عصر کہلاتی تھیں، وہ شیخ بہاء الدین زکریا سے غیر معمولی عقیدت رکھتی تھیں، حافظ قرآن مجید تھیں، تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتی تھیں، روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتی تھیں۔

بشارت خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ایک دفعہ چاند رات کو بی بی راستی سلام کے لئے اپنے خسر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اُس وقت شیخ رکن الدین پیٹ میں تھے، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اُن کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور غیر معمولی تکریم سے پیش آئے۔ بی بی راستی خسر کا خلعت معمول طرز میں دیکھ کر متعجب ہوئیں، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے اُن کے استعجاب کو محسوس کر کے

فرمایا، بی بی یہ تمہاری تعظیم نہیں ہے، بلکہ یہ اُس بچے کی تعظیم ہے جو تمہارے پیٹ میں ہے، اور جو ہمارے خاندان کا روشن چراغ ہو گا۔

بچپن شیخ رکن الدین کی عمر چار سال کی تھی، ایک روز وہ کھیلنے چار پائی کے قریب آ گئے، اُس وقت شیخ صدر الدین بھی اپنے والد کے پاس مودب بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ بہار الدین زکریا ملتانی نے اپنی دستار اُتار کر چار پائی کے پائے پر رکھ دی تھی، شیخ رکن الدین نے کھیلے ہوئے وہ دستار اُٹھائی اور اپنے سر پر رکھ لی، شیخ صدر الدین نے انھیں ڈانٹا اور کہا بیٹا! یہ بے ادبی ہے، حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی نے فرمایا، صدر الدین اسے دستار پہننے سے مت روکو کہ وہ ہماری دستار کا حق دار ہے، اور ہم یہ دستار اُسے عطا کرتے ہیں، چنانچہ جب اپنے والد کی وفات کے بعد شیخ رکن الدین سند سجادگی پر رونق افروز ہوئے تو وہی دستار اُن کے سر پر رکھی گئی۔

تعلیم شیخ رکن الدین نے علوم ظاہری کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اور روحانی فیوض اپنے دادا حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی سے حاصل کئے، یہ دونوں بزرگ اُن سے بحد محبت رکھتے تھے اور شیخ رکن الدین بھی ان دونوں بزرگوں کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ کبھی اُن سے آنکھ اٹھا کر بات نہ کرتے، اور نہ اُن کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اُن کے اس ادب کو دیکھ کر حضرت شمس الدین تبریزی نے اُن کو ”رکن الدین عالم“ کا خطاب دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ”رکن عالم“ کے نام سے مشہور ہوئے، انھیں دونوں سے انھوں نے ظاہری و باطنی کمال حاصل کئے۔

علوئے مرتبت
صاحب سیر العارفین نے اُن کے علوئے
مرتبہ کی تصویر اپنے اشعار میں اس
طرح کھینچی ہے:۔

جان معرفت، سلطان معنی
وجودش آیت، در شان معنی
دلش از طلعت اسرار سرور
ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بے باک
بظاہر در شریعت چست و چالاک
بریدہ گردن شیطان خناس
خریدانش ز تیغ پاسِ انفاس
بملک فقر از کشف و کرامات
زودہ بر عرش کوس استقامات
کلامش پاک از طامات و از شط
یگانہ شیخ رکن الدین ابو الفتح
بملک فقر جز نعمت نبودش
جمالی ریزہ ہیں خوانِ جودش

ریاضتیں اور مجاہدے
حضرت شیخ رکن الدین کے خلیفہ
مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا
کابیان ہے کہ جب شیخ رکن الدین منزل کمال تک پہنچ گئے، تب بھی
تہجد کے وقت سے دوپہر تک عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے

۱۔ سیرۃ العارفین جلد ۲ ص ۱

۲۔ بزم صوفیہ ص ۲۶۳ بحوالہ الدلیل للعلوم ملفوظات مخدوم اردو ترجمہ ص ۴۴۵۔

خلافت شیخ رکن الدین حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کے مرید اور اپنے والد شیخ صدر الدین کے خلیفہ تھے۔ چھتیس سال کی عمر میں وہ اپنے والد کی مسندِ رشد و ہدایت پر رونق افروز ہوئے۔ جو کوئی بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا، اپنے دامن کو گوہرِ مراد سے بھر کر جاتا، اسی لئے لوگ اُن کو ”قبلہ حاجات“ کہتے تھے۔

سلاطین وقت سے تعلقات۔ علاء الدین خلجی شیخ رکن الدین کو اپنے زمانے میں بڑا عروج ہوا، سلطان علاء الدین خلجی اُن کا بڑا مستعد تھا، وہ اُس کی زندگی میں دومرتبہ دہلی تشریف لائے، بادشاہ نے اُن کا شاندار استقبال کیا، اُس نے دو لاکھ ٹنگے اُن کے تشریف لانے پر، اور پانچ لاکھ ٹنگے، ان کے رخصت کے وقت پیش کئے، اُنھوں نے وہ رقم لے کر مستحقین اور غریب میں تقسیم کر دی۔

قطب الدین خلجی سلطان علاء الدین خلجی کے بعد ۱۲۹۵ء میں اُس کا بیٹا شہاب الدین قطب الدین مبارک کے نام سے تختِ سلطنت پر بیٹھا، وہ حضرت خواجہ نظام الدین سلطان المشائخ کے خلاف

۱۔ خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۴۸

۲۔ سلطان علاء الدین خلجی اپنے چچا اور ولی نعمت سلطان جلال الدین خلجی کو قتل کر کر رمضان ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء دہلی میں تختِ سلطنت پر بیٹھا، اس نے ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔ وہ پہلا زمانہ ہوا تھا جس نے قریب قریب تمام پاکستان اور ہندو دکن میں اپنا خطبہ پڑھوایا۔ (ماخوذ از تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت۔ جلد اول ص ۲۹۶)

۳۔ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۴۸۰۔

۴۔ خواجہ نظام الدین کا اسم گرامی محمد، اور آپ کے والد کا نام نامی احمد، اور آپ کے دادا کا نام علی تھا جو بنجار کے رہنے والے تھے، سلطان المشائخ و نظام اولیاء آپ کا لقب ہے۔

تھا، اس کی کوشش یہ تھی کہ حضرت خواجہ نظام الدین سلطان المشائخ کے اثر و رسوخ کو کم کیا جائے۔ اور دہلی میں ایک اور بارگاہ قائم کی جائے، چنانچہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ)

آپ کے دادا علی بخاری اور نانا خواجہ عرب دونوں کے دونوں بخارا سے آکر کچھ دن لاہور میں مقیم ہوئے، پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے۔ بدایوں ہی میں خواجہ صاحب ماہ صفر ۱۱۳۸ھ میں پیدا ہوئے، جب آپ پانچ سال کے تھے تو والد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی والدہ بی بی زلیخا نے باوجود غربت و افلاس کے آپ کو تعلیم دلوائی، ابتدائی تعلیم بدایوں ہی میں ہوئی، یہیں آپ نے مولانا علاء الدین اصولی سے قدرتی ختم کی، پھر آپ کی والدہ آپ کو تعلیم کے لئے دہلی لائیں، جہاں آپ نے مولانا شمس الدین دامنانی سے مقامات حریری کے چالیس مقامات پڑھے، پھر مولانا کمال الدین زاہد سے حدیث میں مشارق الانوار کی سند لی۔ اسی زمانے میں جب کہ آپ بدایوں میں مولانا علاء الدین اصولی سے تعلیم حاصل کر رہے تھے، اور اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ ابو بکر قوال ملتان سے آپ کے استاد مولانا علاء الدین اصولی کی خدمت میں آیا، اور وہاں کے بزرگوں کا تذکرہ کرنے لگا، اُس نے شیخ بہار الدین زکریا ملتان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میں شیخ بہار الدین زکریا کے سامنے گارہا تھا، جب میں اس پر پہنچا۔

لقد سعت حجة الهوى كبدى

تو اتفاق سے مجھے دوسرا مصرع یاد نہ آیا، اُنھوں نے فوراً ہی مجھے دوسرا مصرع بتایا، بھر دھان کی عبادت و ریاضت کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اُن کی ریاضت و عبادت سے حد سے باہر ہے، یہاں تک کہ اُن کی کینز بھی چلی پیتے ہوئے ذکر الہی کرتی ہیں، اس طرح کی وہ بہت سی باتیں اُن کے متعلق بیان کرتا رہا۔ پھر اس نے کہا کہ میں ملتان سے اجودھن گیا، میں نے وہاں ایک ماہتابِ ولایت کو دیکھا جنھوں نے اپنی تابانی اور درخشانی سے عالم کو منور کر رکھا ہے، ابو بکر کی زبان سے بلا فیدہ منج شکر

اس نے اس غرض سے شیخ رکن الدین کو ملتان سے دہلی بلایا۔ لیکن دونوں بزرگ ایک دوسرے سے اس خلوص اور محبت سے ملے، اور ان میں اتنا

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷۷)

ما ذکر سن کر حضرت خواجہ محبوب الہی کے دل میں آن کی محبت کا چراغ روشن ہو گیا اور یہ کیفیت ہوئی کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے آپ بابا فرید گنج شکر کا ذکر کرتے تھے۔

جب سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی دہلی تشریف لائے تو ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں رہتے تھے، اس کے قریب ہی بابا فرید گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا مکان تھا جن کی صحبت میں حضرت بابا فرید گنج شکر کی ملاقات اور دیدار کا شوق اور بھی بڑھا۔

آخر آپ ۵ ارجب ۷۵۵ھ کو بابا فرید کی خدمت میں ابو دھن حاضر ہوئے، خواجہ محبوب الہی کا بیان ہے کہ جب میں نے حضرت بابا فرید کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی تو بابا فرید نے مجھے دیکھ کر سب سے پہلے یہ شعر پڑھا۔

لے آتش فراق دہا کباب کرد

سیلاب اشتیاق جا ہا خراب کرد

اور اسی وقت کلاہ چار ترک کی سر سے اتار کر میرے سر پر رکھ دی، میں نے چاہا کہ میں بابا فرید سے کچھ عرض کروں لیکن میں خوف و دہشت سے کچھ نہ کہہ سکا، میری دہشت کو مشاہدہ فرما کر آپ نے مجھ سے فرمایا ہر داخل ہونے والے کے لئے دہشت ضروری ہے۔ میں اُسی روز آپ کی بیعت سے مشرف ہوا۔ میں نے بیعت ہونے کے بعد عرض کیا کہ میرے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے کیا میں تعلیم کو چھوڑ کر اور دوزخ طائف میں مشغول ہو جاؤں؟ فرمایا ہم کسی کو تعلیم سے منع نہیں کرتے تم اس کو بھی جاری رکھو، اور دوزخ طائف و اوراد کی بھی پابندی کرو۔

سلطان المشائخ ۳ ربیع الاول ۷۵۵ھ اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر تعلیم و

سلوک اور دوستانہ رہا کہ قطب الدین کے سامنے منصوبے خاک میں گئے، حضرت خواجہ نظام الدین سلطان للشارع نے جب شیخ رکن الدین کے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳۵)

تربیت حاصل کرتے رہے آپ نے چھ پاب تجوید سے بابا فرید سے پڑھے، اس کے علاوہ بابا فرید سے عوارف کے چھ ابواب پڑھ کر سند حاصل کی، پھر تعلیم و تربیت اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر نے آپ کو سند خلافت سے سرفراز فرمایا اور دہلی جانے کی اجازت دی، سند خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ دہلی تشریف لائے۔

سیر العارفین میں ہے کہ ابتداءً آپ نے غیاث پورے میں سکونت اختیار کی۔ اس زمانے میں آپ کی خانقاہ میں فقر و فاقے اور نہایت عسرت کے ساتھ بسر ہوتی تھی، اُس زمانے میں مولانا برہان الدین غریب اور مولانا کمال الدین یعقوب پٹنی آپ کی خانقاہ میں مصروف ریاضت تھے، ایک دفعہ چار روزہ کا فاقہ ہو گیا، پڑوس کی ایک ضعیفہ خاتون نے یہ حال دیکھ کر کچھ آٹا بھیجا، خراج کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کی ہنڈیا میں ڈال کر آگ پر جڑھا دیا، اتنے میں ایک درویش گدھی پوش آیا، اور کچھ کھانے کو مانگا، حضرت مجیب الہی الہی نے وہ ہنڈیا اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دی، اُس نے اُس ہنڈیا میں سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں رکھے اور ہنڈیا کو ٹپک کر یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

شیخ فرید الدین گنج شکر نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیا، ازہانی داشت، ومن دیگ فقر ظاہری اول شکستم، حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے حضرت محبوب الہی کی عسرت اور تنگی جاتی رہی۔ جب سلطان معز الدین کی قباد نے غیاث پورے کے پاس کیلوکھڑی میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اپنا محل بنوایا تو وہاں امراء اور اراکین سلطنت کا ہجوم ہو گیا اور حضرت محبوب الہی کی خدمت میں لوگوں کا ہجوم رہنے لگا، اس ہجوم کو دیکھ کر آپ

دہلی میں پہنچنے کی خبر سنی تو ان کے استقبال کے لئے اپنی قیام گاہ سے نکل کر حوض علانی تک ان کو لینے کے گئے اور وہ پہلے شخص تھے جو دہلی میں سب سے پہلے شیخ رکن الدین سے ملے، جب سلطان قطب الدین نے ان سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ مکہ)

گھبرانے لگے اور آپ نے غیاث پورے کی سکونت ترک کرنے کا ارادہ کیا، ابھی آپ اسی خیال میں تھے کہ ایک خوبصورت نوجوان آیا، اور اُس نے یہ دو شعر پڑھے۔

روزے کہ تو بہ خدای نمی دانستی
کا نگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دلِ خلتے بر بود
در گوش نشست نمی دارد سود

یہ اشعار پڑھ کر اُس نے کہا کہ اول تو آدمی کو مشہور نہ ہونا چاہئے، اور جب وہ مشہور ہو جائے، پھر اُسے کوشش کرنی چاہئے کہ کل قیامت کے دن اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شرمندگی نہ ہو، مخلوق سے کنارہ کر کے حق کے ساتھ مشغول ہو جانا بہل ہے، لیکن مردانگی اور مردوں کا کام یہ ہے کہ انجمن میں بھی ان کی خلوت ہو، اور مخلوق خدا کے ہجوم کے باوجود ان کی مشغولی حق میں فرق نہ آئے، حضرت محبوب الہی کا بیان ہے کہ میں نے اُسی وقت نیت کی کہ اب میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت محبوب الہی کے مجاہدات اور ریاضتوں کا یہ عالم تھا کہ۔

جوانی میں تیس سال بڑے سخت مجاہدے کیے، پھر جوانی کے بعد باقی زندگی اس سے بھی سخت مجاہدوں میں گزاری، تمام عمر صائم اللہ رہے، رات اور دن میں چار پانچ سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے، اگرچہ

پوچھا کہ شہر والوں میں سب سے پہلے آپ کا استقبال کس نے کیا، فرمایا
اُس شخص نے جو شہر میں سب سے بہتر ہے، یہ کہہ کر شیخ رکن الدین نے
سلطان قطب الدین کو نا امید کر دیا۔ جس کے لئے اُس نے شیخ رکن الدین
کو بلایا تھا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۴)

خانقاہ میں آپ کا قیام کوٹھے پر رہتا تھا، مگر اسی سال کی عمر میں بھی
کوٹھے سے اتر کر نماز باجماعت ادا کرتے، روزانہ کا طریقہ یہ تھا کہ
فجر، اشراق، اور چاشت کی نمازوں کے بعد آپ جماعت خانے میں
سندِ رشد و ہدایت پر تشریف فرما ہوتے، اُس وقت اکابر علماء اور
جلس القدر صوفیاء کا اجتماع ہوتا اور آپ تصوف اور سلوک کے
نہایت اہم نکات بیان فرماتے، پھر شہر کے غربا اور مساکین آتے اور
آپ اُن کو نقد و غلہ اور دوسرے تحائف دیتے، آپ کا ارشاد تھا کہ خانقاہ
کی ساری چیزیں غربا میں تقسیم کر دی جائیں، کوئی چیز باقی نہ رہنے پائے،
ظہر کی نماز سے پہلے قیلولہ فرماتے، ظہر کی نماز کے بعد مجلس منعقد ہوتی۔
اس مجلس میں آپ زیادہ تر علمی مسائل بیان فرماتے، کشاف اور دوسری
کتابوں کا درس بھی ہوتا تھا، عصر کی نماز کے بعد آپ کوٹھے پر واپس
تشریف لے جاتے، وہاں ایک علمی مجلس ہوتی، اور حاضرین کی تواضع
خک اور ترمیوون اور شربتوں سے ہوتی، عشاء کی نماز کے لئے پھر
نیچے آتے، اور نماز پڑھ کر کوٹھے پر حجرے میں چلے جاتے، اُس وقت آپ
کے مرید اور خلیفہ خاص حضرت امیر خسرو آتے اور کچھ حکایتیں سناتے،
جن کو آپ نہایت دلچسپی سے سنتے، کبھی کبھی عزیزوں اور رشتہ داروں
کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آ جلتے، جب امیر خسرو چلے جاتے خادم

شیخ رکن الدین اگرچہ یادشاہ کے ہمان تھے، لیکن ان کا زیادہ وقت حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی صحبتوں میں بسر ہوتا تھا، اور دونوں ایک دوسرے کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۴۵)

خاص وضو کا پانی لا کر رکھتا، پھر آپ اٹھ کر دروازہ بند کر دیتے، پھر کیا ہوتا، کسی کو خبر نہیں، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، صبح ہونے سے پہلے خادم سحری لا کر پیش کرتا، اس میں سے کچھ نوش فرمالیتے، جو کچ جاتی اُسے تقسیم کرنے کا حکم دیتے۔

حضرت محبوب الہی نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرما رہے ہیں کہ نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، اس خواب کے بعد سے سفر آخرت کے لئے بچپن رہے، وفات سے چالیس دن پہلے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا، جب لوگ کھانے کے لئے اصرار کرتے تو فرماتے جو کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشتاق ہو وہ دنیا کا کھانا کیا کھائے، بیماری کی شدت ہوئی تو دوا پینے کے لئے کہا گیا۔ فرمایا:۔

در دمنده عشق را دار و بجز دیدار نیست

وفات کے روز لنگر خانے اور آپ کی ملکیت میں جتنی چیزیں تھیں غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیں تاکہ خدائے تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو، خادم نے کچھ غلہ درویشوں کے لئے رکھ لیا تھا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا اس کو بھی لٹا دو اور ہر توشے خانے میں بھاڑو دے دو، چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کی گئی، نماز کا وقت آتا تو ایک نماز کئی کئی دفعہ پڑھتے اور فرماتے میرویم، میرویم، میرویم۔

وفات سے کچھ پہلے تبرکات خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفاء کو دیں، اور ان کو خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا، حضرت نصیر الدین چراغ کو بابا فرید کا

سیر الاولیاء میں ہے کہ پہلی ملاقات کے بعد جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے جامع مسجد تشریف لائے۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی وہاں موجود تھے، وہ اپنی جگہ سے اٹھے، اور وسیع صحن طے کر کے شیخ رکن الدین کے پاس آئے جو اس وقت تک نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے، سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی ان کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ گئے، جب وہ نماز

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۷۷)

دیا ہوا مصلیٰ، خرقة، تسبیح اور لکڑی کا پیالہ دے کر فرمایا تمہیں دہلی میں رہنا چاہئے، اور لوگوں کی جفا برداشت کرنی چاہئے۔ پھر صبح کی نماز پڑھی، طلوع آفتاب کے وقت ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ کو آپ نے وصال فرمایا، مزار مبارک دہلی میں ہے، روضہ مبارک کی عمارت سلطان محمد تغلق کی بنوائی ہوئی ہے۔

چونکہ آپ نے ساری عمر تہجد میں گزاری اس لئے کوئی اولاد نہیں تھی، آپ کے مشہور خلفاء میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت شیخ قطب الدین نور ماہسوی، حضرت امیر خسرو، حضرت شیخ حسام الدین ملتانی، حضرت شیخ برہان الدین غریب، حضرت شیخ حسام الدین سوختہ، حضرت شیخ حسن دہلوی، حضرت شیخ منتخب الدین خلد آبادی اور حضرت شیخ شرف الدین بولہلی قلندر بانی تپ مشہور ہیں۔

حضرت محبوب الہی کے ملفوظات کے چار مجموعے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔
(۱) فوائد الفواد۔ اس مجموعے کے مرتب خواجہ حسن بھٹائی ہیں یہ ۷۸۵ھ سے ۷۹۱ھ تک کے ملفوظات ہیں۔

(۲) افضل القوائد۔ اس مجموعے کے جامع حضرت امیر خسرو ہیں۔
(۳) راحت المحبین۔ اس مجموعے میں آپ کے ایک نامعلوم مرید نے ۷۸۹ھ سے ۷۹۹ھ تک کے ملفوظات درج کیے ہیں۔

(۴) سیر الاولیاء۔ سید مبارک امیر خور کی تالیف ہے جو حضرت خواجہ

نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے اٹھ کر بڑی گرمجوشی سے معانقہ کیا، پھر شیخ رکن الدین حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کا ہاتھ پکڑ کر اس جگہ آئے جہاں حضرت سلطان المشائخ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے، اور جب دونوں مسجد سے روانہ ہو کر اپنی پالکی کے پاس پہنچے تو دونوں ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ پہلے وہ اپنی پالکی میں سوار ہوں، حضرت محبوب الہی کے اصرار پر شیخ رکن الدین پہلے اپنی پالکی میں سوار ہوئے۔

اُسی زمانے میں جب کہ شیخ رکن الدین دہلی میں شاہی ہمان تھے، وہ حضرت محبوب الہی کی ملاقات کے لئے اُن کی خانقاہ میں تشریف لائے، اتفاق سے شیخ رکن الدین کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، پالکی سے باہر آنا چاہا لیکن، حضرت محبوب الہی نے روک دیا، اور وہیں پالکی کے پاس حضرت محبوب الہی اور دوسرے لوگ بیٹھ گئے اس موقع پر شیخ رکن الدین کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کو بعض علمی باتوں کے پوچھنے کا خیال دل

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید تھے، یہ کتاب اگرچہ حضرات چشت کے حالات میں ہے لیکن اس کے آخر میں حضرت محبوب الہی کے ملفوظات بھی ہیں، امیر خور د نے اس کتاب کو ششم میں مرتب کیا تھا۔

(یہ تمام حالات خزینۃ الاصفیاء، جلد اول، سفینۃ الاولیاء، سیر الاولیاء، السیر العارفین ہزم صوفیاء سے ماخوذ ہیں۔)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷) ۱۷ اخبار الاخیار ص ۶۵۔ سیر الاولیاء ص ۱۳۵-۱۳۶

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا سلسلہ ۱۷)

۱۷ شیخ عماد الدین اسماعیل شیخ ابو الفتح رکن الدین کے چھوٹے بھائی تھے، یہ ملتان میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد شیخ صدر الدین اور اپنے بڑے بھائی شیخ ابو الفتح رکن الدین کے

میں آیا، اور انھوں نے ان دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ میں کیا مصلحت تھی، شیخ رکن الدین نے فرمایا غالباً اس میں حکمت یہ تھی کہ بعض کمالات و درجات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت پر منحصر تھی، اور اس کا عملی ظہور اصحابِ صفہ کی صحبت پر موقوف تھا، حضرت مجاہد پانی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسند ۱۵)

تعلیم و تربیت حاصل کی، فقہ اور اصول فقہ کی طرف شیخ عماد الدین اسماعیل نے غیر عمری توجہ کی، یہاں تک کہ فتویٰ اور تدریس میں طالبین کا مقصد بنے، شیخ ابو الفتح رکن الدین نے وفات پائی، تو ان کی جگہ سجادگی پر شیخ عماد الدین متمکن ہوئے۔ پھر خلافت ان کی اولاد میں چلی، شیخ عماد الدین اسماعیل کے بعد ان کے صاحبزادے، صدر الدین حلیم ان کے قائم مقام ہوئے۔ شیخ عماد الدین اسماعیل کے سنہ وفات کا پتہ نہیں چلتا، صاحب گزار ابراہیم کے اس مصرع سے کہ "عماد الدین عمادِ قسریں بود" سے خیال ہوتا ہے کہ ان کا سنہ وفات (۷۹۵ھ) ہے۔ نزہۃ الخواطر جلد ۳ ص ۱۳ و ۱۴

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا بسند ۱۵)

۱۵ صفحہ ساٹھان کو کہتے ہیں، یہ ایک ساٹھان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارے پر کچھ سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا، صحابہؓ میں سے اکثر تو مشاغلِ دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت و زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن چند بزرگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تربیت حاصل کرنے کے لئے وقف کر دی تھی، ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کرتے تو اس خلق نے نکل جاتے، ان میں سے کچھ دن کو جنگل سے ٹہریاں چن کر لاتے اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتے، یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے اور رات کو اسی چوترے (صفہ) پر پڑے رہتے، حضرت ابو ہریرہؓ بھی انھیں لوگوں میں سے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہو سکیں۔

نے فرمایا کہ میرے خیال میں ہجرت مدینہ میں یہ حکمت تھی کہ جو اصحاب مدینہ جو اپنی بے سرو سامانی کی وجہ سے مکہ معظمہ تک حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مستفیض ہو کر ظاہری اور باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں، اس گفتگو کے بعد کھانا منگوایا گیا، اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد حضرت محبوب الہی کے خادم خاص اقبال نے آپ کی طرف سے بیش قیمت کپڑا اور سوا شرفیاں ایک باریک کپڑے میں سے جملہ رک رہی تھیں۔ شیخ رکن الدین کی خدمت میں پیش کیں، شیخ رکن الدین نے حضرت محبوب الہی کو مخاطب ہو کر فرمایا اُسْتَنْزِہِبْکَ یعنی (اپنا سوتا چھپائیے) حضرت محبوب الہی نے فوراً جواب دیا اُسْتَنْزِہِبْکَ وَذَہَابْکَ وَمَذْہِبْکَ یعنی (اپنے سونے کو جانے کو اور جانے کی جگہ کو چھپائیے) شیخ رکن الدین نے اس نذرانے کے قبول کرنے میں تامل کیا، حضرت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ راتوں تک لٹک آتی، اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے، اور چھت میں لگا دیتے، کھجوریں ٹپک ٹپک کر گرتیں یہ اٹھا کر کھا لیتے، کبھی دودو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے، اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ اکثر نماز میں شریک ہوتے، لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے، باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں، اُن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقے کا کھانا آتا تو مسلم اُن کے پاس بھیج دیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا تو اُن کو بلاتے اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، اکثر ایسا ہو کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو مہاجر اور انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دودو کو اپنے ساتھ لے جاتا اور کھانا کھلاتا۔ (ریلزنی علامہ شبلی نعمانی حصہ اول ص ۱۹۲ طبع ششم)۔

محبوب الہی نے وہ نذرانہ اُن کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کے حوالے کر دیا۔

شیخ رکن الدین اور حضرت شیخ رکن الدین اور خواجہ سلطان المشائخ کے باہمی تعلقاً نظام الدین محبوب الہی میں جو محبت و خلوص تھا، اُس کا اندازہ اس سے

ہوتا ہے کہ ایک دفعہ شیخ رکن الدین سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ اتفاق سے یہ زمانہ عشرہ ذالحجہ کا تھا۔ جب شیخ رکن الدین حضرت محبوب الہی سے ملے تو فرمایا یہ زمانہ حج کا ہے، حج کے لئے کوشش کرتا ہے اُسے حج کا ثواب ملتا ہے، میں حج کی سعادت حاصل نہ کر سکا، میں نے کوشش کی کہ میں آپ کی زیارت کروں، یہ سن کر حضرت محبوب الہی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ جب شیخ رکن الدین پاکی میں بیٹھ کر حضرت محبوب الہی کی ملاقات کے لئے تشریف لے جانے لگے تو میرے والد پاکی میں شیخ رکن الدین کے لئے کھانا رکھنے لگے، آنکھوں نے دیکھا کہ پاکی میں ہر طرف کاغذ بکھرے ہوئے ہیں، میرے والد نے اُن کاغذات کو ایک طرف جمع کر کے کھانا رکھنے کے لئے جگہ نکالنی چاہی، شیخ رکن الدین نے حضرت محبوب الہی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، آپ کو معلوم ہے یہ کاغذات کیسے ہیں؟ پھر خود ہی فرماتے لگے یہ حاجت مندوں کی عرضیاں ہیں، جو وہ مجھے اس لئے دیتے ہیں کہ میں انھیں بادشاہ تک پہنچاؤں، لیکن انھیں کیا معلوم کہ میں آج کس بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں؟

۱۔ یہ تمام تفصیل اخبار الاخبار ص ۶۶ و ۶۷ اور سیر الاولیاء ص ۱۴۰ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۳

۳۔

آخری ملاقات غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق تختِ سلطنت پر بیٹھا، اُس سے بھی شیخ رکن الدین کے تعلقات اچھے رہے، اور وہ اُس کے یہاں آکر مہمان ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حضرت محبوب الہی مرض الموت میں مبتلا تھے، شیخ رکن الدین اُن کی مزاج پُرسی کے لئے آئے، اُس وقت حضرت محبوب الہی عالمِ تحریر میں تھے، مریدین پریشان تھے کہ اس عالمِ تحریر میں دونوں کی ملاقات کیسے ہوگی، لیکن ایک دم حضرت محبوب الہی کا تحریر جاتا رہا، شیخ رکن الدین کو دیکھ کر تعظیماً چار پائی سے اُترنا چاہتے تھے، مگر شدتِ ضعف کی وجہ سے نیچے نہ اُتر سکے، شیخ رکن الدین کو چار پائی پر بیٹھنے کے لئے کہا، لیکن شیخ رکن الدین تعظیماً چار پائی پر نہ بیٹھے، اُن کے لئے کرسی لائی گئی، وہ اُس بیٹھے، شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ انبیاء کو زندگی اور موت کا اختیار دیا جاتا ہے، اور جو اولیاء و انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں انہیں بھی اختیار ملتا ہے، کاش آپ کی زندگی کچھ اور ہوتی کہ ناقصوں کو آپ کماں تک پہنچا سکتے، یہ سن کر حضرت محبوب الہی اشکبار ہو گئے، اور فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ نظامِ تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، شیخ رکن الدین نے یہ سنا تو رونے لگے، یہاں تک کہ حاضرین مجلس پر گریہ طاری ہو گیا۔

اس ملاقات کے بعد حضرت محبوب الہی نے وفات پائی، آپ کے جنازے کی نماز شیخ رکن الدین نے پڑھائی، وہ اس سعادت پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔

۷۵۰ھ سلطان محمد تغلق لوٹے ۷۵۰ھ میں تختِ سلطنت پر بیٹھا، اُس نے یکم ماہ محرم ۷۵۰ھ کو

وفات پائی (تاریخ معصومی ص ۲۹ و ۳۰) سیر الاولیاء ص ۱۸۱

کشف

شیخ رکن الدین کی قوتِ کشفی بے حد بڑھی ہوئی تھی، وہ نورِ باطن سے اپنے ملنے والوں اور مریدوں کے دل کے حالات معلوم کر لیتے تھے، اسی لئے اُن کو ابوالفتح بھی کہتے تھے۔ مجمع الاخبار میں ہے کہ ایک روز سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا طہیر الدین لنگ سے پوچھا کہ تم نے شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت دیکھی ہے، انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز لوگ شیخ رکن الدین کی قدم بوسی کے لئے جمع تھے، اس مجمع کو دیکھ کر میرے دل میں گزرا کہ شاید شیخ کے پاس کوئی تسخیر کا عمل ہے، ورنہ میں بھی عالم ہوں میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، میں کل شیخ کے پاس جاؤں گا، اور اُن سے پوچھوں گا کہ وضو میں اگلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیا حکمت ہے؟ رات کو جب میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ رکن الدین مجھ کو حلو ا کھلا رہے تھے، صبح کو جب میں اُٹھا تو اُس کی شیرینی میری زبان پر تھی، میں نے خیال کیا اگر یہی کرامت ہے تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے، جب صبح کو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا آئیے میں تمہارا منتظر ہی تھا، پھر فرمایا جنابت دو قسم کی ہوتی ہے، جنابتِ جسم اور جنابتِ دل، جنابتِ جسم تو عورتوں سے مقاربت کی وجہ سے ہوتی ہے، مگر دل کی جنابت ماہموآ لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم کی جنابت سے پاکی پانی سے حاصل ہوتی ہے، لیکن دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور

سند مجمع الاخبار کا تذکرہ اخبار الاخبار ص ۶۳ پر ملتا ہے۔

۱۷ غازی ملک تغلق ^{۱۳۲۵ھ} کو غیاث الدین کے لقب سے خسرو خاں کے بعد تختِ سلطنت پر بیٹھا، اور ربیع الاول ^{۱۳۲۵ھ} کو چھت کے نیچے دب کر وفات پائی (تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۳۰۱ و ۳۰۲)

ہوتی ہے پھر فرمایا کہ پانی کی بھی تین صفتیں ضروری ہیں تاکہ وہ پاک کرنے والا اور نجاست کا دور کرنے والا ہو، اور وہ تین صفتیں رنگ، مزہ اور بو ہے، لہذا شریعت نے کلی کو اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے کہ کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے، اور ناک میں پانی ڈالنے سے اُس کی بو معلوم ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان متمثل نہیں ہو سکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں شیطان نمودار نہیں ہوتا کہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ مولانا ظہیر الدین تم ثولی علوم سے تو مالا مال ہو، لیکن حالی علوم سے خالی ہو، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ میں شیخ رکن الدین کی زبان سے یہ باتیں سن کر پسینے پسینے ہو گیا یہ

سلطان غیاث الدین تغلق سے شیخ رکن الدین کے تعلقات خاص تھے، جب وہ فتح دکن سے دہلی واپس ہوا تو شیخ رکن الدین بھی اُس کے استقبال کے لئے گئے، اُس کے لڑکے سلطان محمود نے دہلی سے دو کوس کے فاصلے پر ایک نیا محل تعمیر کرایا تھا، سلطان غیاث الدین نے اس محل میں قیام کیا، شیخ رکن الدین بھی بادشاہ کے ساتھ اُسی محل میں مقیم تھے، رات کو شیخ رکن الدین اور دوسرے لوگ سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک نور باطن سے شیخ رکن الدین نے محسوس کیا کہ جس کمرے میں وہ کھانا کھا رہے ہیں اُس کی چھت گرنے والی ہے، اُنہوں نے اچانک سلطان غیاث الدین سے فرمایا کہ اس محل کی عمارت نئی ہے، مصلحت یہ ہے کہ فوراً ہی اس جگہ سے باہر چلے ایسا نہ ہو کہ یہ چھت گر پڑے، یہ کہہ کر

شیخ رکن الدین آٹھے۔ اور کمرے سے باہر بھل گئے، مگر غیاث الدین نے نکلنے میں دیر کی، اتنے میں کمرے کی چھت گر پڑی اور سلطان اور اس کے بعض کمرے اس چھت کے نیچے دب کر مر گئے۔

وفات شیخ رکن الدین نے حضرت محبوب الہی کے دس سال بعد وفات پائی، وفات سے تین مہینے پہلے انھوں نے لوگوں سے ملنا جلنا، اور بات چیت کرنا چھوڑ دیا تھا، صرف نماز باجماعت کے لئے حجرے سے نکلتے تھے۔ ۱۶ رجب ۷۳۵ھ کو عصر کے بعد اپنے مرید مولانا طہیر الدینؒ محمد کو حجرے میں بلا کر کہا، ہماری تجہیز و تکفین کا سامان تیار رکھو، اسی روز نماز مغرب کے بعد، صلوٰۃ الاوائین پڑھ رہے تھے کہ عین سجدے کی حالت میں وصال فرمایا۔ شیخ رکن الدین کے اولاد نہ تھی، اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی محمد اسماعیل سجادہ مشیخت پر رونق افروز ہوئے۔

مزار مبارک ملتان میں اپنے دادا اور اپنے والد کے مزار کے متصل واقع ہے۔

سید طہیر الدین بن تاج الدین حسینی واسطی، ظفر آبادی مشہور شعرا میں تھے، ایک زمانے تک اپنے عہد کے بادشاہوں کی ملازمت میں منسلک رہے، پھر سلطان المشرع خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور فیوض باطنی حاصل کئے، ان کا دیوان بھی ہے، اور تصوف پر ان کی ایک کتاب رموز المعانی ہے، انھوں نے دہلی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۶۷)

۲ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۵۰ و تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۴۱۱۔

تذکروں میں شیخ ابو الفتح رکن الدین کی کسی تصنیف کا پتہ
وصایا نہیں چلتا، مگر اخبار الاخبار میں مجمع الاخبار سے، شیخ
 رکن الدین کے کچھ وصایا، اور ملفوظات کا اقتباس ملتا ہے، جن میں سے
 بعض وصایا اور ملفوظات ہم یہاں تیسرا نقل کرتے ہیں، اپنے ایک
 مرید کو لکھتے ہیں:-

”اے عزیز! آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت
 اور صفت، اُن میں سے صفت قابلِ توجہ ہے، اس لئے کہ اللہ
 صورتوں کو نہیں بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے۔ اگر کسی کا دل اوصافِ
 ذمہ سے پر ہے تو اُس کا شمار چوپایوں میں ہے، اوصافِ
 ذمہ کو دور کرنے کے لئے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے، اور
 تزکیہ نفس اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ
 بندہ خدائے عزوجل سے استعانت نہ کرے، وما ابرئ
 نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم رنی
 وان ربی لغفور رحیم۔ جب تک کہ اس کا فضل و رحمت
 دستگیری نہ کرے تزکیہ حاصل نہیں ہوتا، ولولا فضل اللہ
 علیکم ورحمته مازکی منکم من احد ابدا، اور
 اللہ کے فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندے
 کو اس کے عیوب کے لئے چشم بینا عطا فرماتا ہے، اور
 عظمتِ الہی کے انوار کے پر تو سے ساری کائنات اُس
 کی نظر میں ہیج ہو جاتی ہے اور دنیا میں پھنسے رہنے والوں
 کی وقعت اُس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے، اور جب
 اُس کے قلب پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو اُس سے
 ہیمانہ اوصاف جس میں اہل دنیا گرفتار ہیں اُن سے

نفرت ہو جاتی ہے، اور اس میں اوصافِ ملکیہ رونما ہوتے ہیں، چنانچہ اس میں بجائے ظلم و غضب، کبر و بخل اور حرص کے عفو و حلم و تواضع، سخاوت اور ایثار کا ظہور ہوتا ہے، مگر یہ خوبیاں عقیقی کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں، طالبانِ حق کے اوصافِ اس سے بھی بلند تر ہیں تخلّقوا باخلاق اللہ اُن کے لئے مسلم ہے، ہر آدمی کی فہم وہاں تک نہیں پہنچتی ہے۔

عہدِ سب مہمرا کہ نگیرم بجز تو دوست

شرطیت مہمرا کہ نخواہم بجز تو، میج

ایک اور موقع پر ایک مرید کو لکھا کہ :-

”ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی کی، حاضرین نے تعجب سے پوچھا کہ امیر المومنین بدی تو کسی کے لئے آپ سے نہیں ہو سکتی لیکن نیکی کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے، فرمایا، من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیہا یعنی جس نے اچھے کام کئے اپنے نفس کے لئے کئے اور جس نے بُرے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے، پس جو کچھ بھی نیکی اور بدی مجھ سے صادر ہوئی درحقیقت وہ میرے ہی لئے ہے نہ کہ دوسروں کے لئے۔“

اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے :-

صلاح این کس صلاحِ اولیں ست

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ :-

”اعضائے جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً و فعلاً

باز رکھنا چاہئے، اور لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، لایعنی مجلس سے وہ مجلس مراد ہے جو بندے کو خدا سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، اور بظاہر کی صحبت سے بھی پرہیز ضروری ہے، بظاہر وہ لوگ ہیں جو طالبِ حق نہیں ہیں۔

فضائل و مناقب
ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب فیروز شاہی میں شیخ ابوالفتح رکن الدین کے مناقب و محامد کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:-

”پہچناں در تمامی عصر علانی شیخ رکن الدین کہ شیخ بن شیخ بن شیخ بود، بر سجادہ شیخ صدر الدین و شیخ بہاء الدین در ملتان ستقیم بود، و کد ام شرف و بزرگی و جلالت و منقبت از آں بہتر و از آں بالاتر بود کہ پدر او صدر الدین و جد او شیخ بہار الدین ذکر یا باشد، و ہم در عہد علانی، شیخ رکن الدین دادِ طریقت مشائخ می داد، و حق تکمیل مریداں می گذاشت، و سجادہ جد و پدر را منور می داشت و تمامی الہائی دریائے سندھ از ملتان و آج و فرود تر و مرلیہ آستانہ متبرک شیخ رکن الدین قدس الشہرہ العزیزہ تشبث بخلق نمودہ بودند، و چندین علما و از شہر و دیار ہند مریداں حدت اوشدہ، و در کشف و کرامت شیخ رکن الدین کسے را شبھے و شکے نمائندہ بود، و مآثر خاندان بزرگوار او از وصف بیرون است، و شیخ بہار الدین ذکر یا را در میان سالکان

بلکہ یہ تمام ملفوظات و وصایا اخبار الاخیار ص ۶۳ و ۶۴ سے ماخوذ ہیں۔

خدا طلبان "باز سپید" گفتند معنی ہر کہ خود را بجناح او
ببندد، بخدا رسد و شیخ الاسلام صدر الدین باوصاف کمال و
تکمیل سخاوت در غایت افراط داشت، و با چندان مال کہ خدمت
اورا از میراث پدر رسید، از وفور اعطای آن بزرگ را بیشتر ایا
در قرض گذشتے

شیخ ابو الفتح رکن الدین کے خلفاء میں، حضرت مخدوم
خلفاء جہانیاں جہاں گشت، شیخ وجیہ الدین سیاح سنائی

سند تاریخ فیروز شاہی

۷۷ شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنائی کے والد کا نام قاضی حمید الدین مہلج تھا،
شیخ وجیہ الدین ملازمت کے لئے شام سے دہلی آئے، اور اہل دقار کے
پاس دوڑ دھوپ کر کے منشیوں میں ملازم ہو گئے، ایک روز وہ دریا کے
کنارے سے گزرے۔ دیکھا کہ شیخ رکن الدین نماز پڑھ رہے ہیں۔ شیخ رکن الدین
کو دیکھ کر شیخ وجیہ الدین نے اپنے قلب میں اُن کی غیر معمولی عقیدت و
محبت محسوس کی، فوراً ہی شیخ رکن الدین کے پاس آئے۔ شیخ رکن الدین
جب نماز سے فارغ ہوئے تو فوراً ہی اُن کے قدموں میں گر گئے، اور
اُن کے دست حق پرست پر بیعت کی، ملازمت اور تمام کاروبار کو چھوڑ
کر وہ اپنے شیخ کے ساتھ دہلی سے ملتان آئے، اور مجاہدوں، اور
ریاضتوں کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا، شیخ وجیہ الدین پر تفرید و
تجربہ کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ سوائے تہجد کے مطلقاً دنیاوی
اسباب و سامان اپنے پاس نہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ لوٹا اور عصا جو عموماً
درویشوں کے پاس رہتا ہے، وہ اس سے بھی بے نیاز تھے، خرقہ خلافت
حاصل کرنے کے بعد وہ ایک طویل عرصے تک سیاحت میں مصروف رہے،

اور شیخ حمید الدین ابو حاکم قریشی ہنکاری مشہور ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳۱۲)

یہاں تک کہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس حاضر ہوئے، اور اس سیاحت کے زمانے میں بہت سے شیوخ کی صحبت سے مستفیض ہوئے، دہلی میں وہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت محبوب الہی اُن کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ اپنے پاس بٹھاتے تھے، غالباً اُنھوں نے سلسلہ چشتیہ میں فیض حضرت محبوب الہی سے حاصل کیا تھا۔

جب سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خاں کے قتل کے بعد تخت دہلی پر بیٹھا، تو اُس نے سماع و سرود کو بالکل روک دیا، اور حکم دیا کہ کوئی مطرب اور قوال کسی صوفی کے سامنے نہ گئے ورنہ اُس کی زانگہ دنی سے کھینچ لی جائے گی، اس شاہی حکم کے بعد سماع کی محفلیں سرور گئیں، کسی قوال کی یہ مجال نہ تھی کہ نغمے کے لئے زبان کھول سکے، اتفاقاً امیر حسن قوال جو بہت ہی خوش گلو تھا، شیخ وجیہ الدین سیاح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ وجیہ الدین نے اُس سے التجا کی کہ وہ اُن کے کان میں آہستہ آہستہ کوئی شعر پڑھے، امیر حسن نے دروازہ بند کر کے آہستہ آہستہ گانا شروع کیا۔ جب اس شعر پر پہنچا۔

”زاہد دیں برآمد و ملاز اعتقاد“

تو اس شعر کو سن کر شیخ وجیہ الدین پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی، بے اختیار اٹھے اور دروازہ کھول دیا، سماع کی آواز سن کر ہزاروں صوفی سماع سننے کے لئے جمع ہو گئے، اور اُن کے وجد سے نیک شور برپا ہو گیا، دہلی سے تغلق آباد تک جو تقریباً ایک فرسنگ ہے، اہل حال جمع تھے، جب یہ خبر غیاث الدین تغلق کے کان میں پہنچی تو اُس نے حکم دیا کہ سلطان قطب الدین کے قتل کے بعد جو خزانے کا روپیہ خسرو خاں نمک حرام نے صوفیوں پر تقسیم

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۷)

تقسیم کیا ہے وہ حساب لایا جائے تاکہ میں دیکھوں کہ شیخ وجیہ الدین تبارح کو کتنے لاکھ کی نذر پیش ہوئی ہے۔ چنانچہ خسرو خاں کے زمانے کا حساب لایا گیا لیکن دیکھنے پر معلوم ہوا کہ شیخ وجیہ الدین نے کوئی نذر قبول نہیں کی، بلکہ جب اُن کو نذر پیش کی گئی اُنھوں نے واپس کر دی، یہ معلوم کر کے سلطان غیاث الدین اُن سے خوش ہو گیا اور اُن کو طلب کیا، اور تین روز تک اپنا مہمان رکھا اور قوالوں کو بھی کافی انعام دیا، اور سماع کی ممانعت کے بارے میں جو حکم اُس نے دیا تھا، وہ منسوخ کر دیا۔ شیخ وجیہ الدین نے ۷۳۷ھ میں وفات پائی۔

(ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء۔ جلد ۲ ص ۵۴ و ۵۵۔)

(۴۱)

سید راجو قتال بخاری

نام و نسب اسم گرامی، صدر الدین تھا، لیکن مشہور راجو قتال کے لقب سے تھے، والد کا اسم گرامی سید احمد کبیر تھا، اور سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت آپ کے حقیقی بھائی تھے، چونکہ آپ نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے تھے اس لئے آپ کو قتال یعنی قتالِ نفس کہتے تھے۔

بیعت و خلافت سید راجو قتال نے ابتداءً اپنے والد سید احمد کبیر سے بیعت کی اور خلافت حاصل کی، پھر اپنے بھائی سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں گشت سے مرید ہو کر خرقہ، خلافت حاصل کیا، اور حضرت مخدوم جہانیاں کے وصال کے بعد آپ نے سجادۂ شیخت کو رونق بخشی یہ

استغراق ریاضتوں اور مجاہدوں کی کثرت کی وجہ سے آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، اخبارِ لاخیا میں

پیوستہ در عالم استغراق بود، و باخلق انبساط و اختلاط نہ کردے۔

جلالی شان

خزینۃ الاصفیاء اور سیر العارفین آپ کی جلالی کیفیت کے نئی واقعات ملتے ہیں جن سے آپ کی جلالی کیفیت کے ساتھ تبلیغ اسلامی کے شدید جذبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ جس زمانے میں کہ حضرت مخدوم جہانیاں درض الموت میں تھے تو اُج کا ہندو تحصیلدار نواہوں نامی حضرت مخدوم کی عیادت کے لئے آیا، اور دوران گفتگو میں کہنے لگا کہ خدائے وحدہ لا شریک حضرت مخدوم کو صحت عطا فرمائے۔ کہ حضرت مخدوم ختم الاولیاء میں جس طرح کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم الانبیاء ہیں۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے جب یہ بات سنی تو سید راجو قتال سے مخاطب ہو کر فرمایا، سُنتے ہو کہ یہ شخص کیا کہتا ہے، پھر فرمایا کہ اس نے اس وقت صریحاً توحید باری تعالیٰ، اور حضرت خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا ہے، اور شریعت کے احکام کے مطابق یہ مسلمان ہے، اگر اب یہ مرتد ہوگا تو واجب القتل قرار پائے گا، سید راجو نے کہا میں واقف ہوا، نواہوں مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ تھا، وہ راتوں رات اُج سے بھاگ کر دہلی پہنچا، اور فیروز تغلق بادشاہ دہلی سے تمام کیفیت بیان کی، بادشاہ نے بھی اُسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ مسلمان ہونے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوا، ادھر سید راجو قتال حضرت مخدوم جہانیاں کے وصال کے بعد اُن کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے، جب فیروز تغلق نے آپ کے آنے کی خبر سنی تو اُس نے دہلی کے علماء کو جمع کر کے اُن سے

مشورہ کیا کہ کوئی ایسی صورت نکالی جائے کہ سید راجو قتال بھی ناراض نہ ہوں اور نواہون پر بھی کسی قسم کی زبردستی نہ ہو، حاضرین میں سے قاضی عبدالقادرؒ

لے قاضی عبدالقادر، قاضی رکن الدین شرکی کنڈی کی اولاد میں تھے۔ اُن کا سلسلہ نسب یہ ہے :-

قاضی عبدالقادر بن محمود بن سلیمان شرکی الکنڈی بن قاضی۔

منہاج الدین بن قاضی رکن الدین تھانیسری ثم الدہلوی۔

قاضی عبدالقادر تھانیسری پیدا ہوئے تعلیم و تربیت دہلی میں حاصل کی، علوم ظاہری کی تعلیم شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودی سے حاصل کی، اور کشاف و نزہوی حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے پڑھیں، اُس زمانے میں کہ قاضی عبدالقادر دہلی میں دوسرے علماء سے تعلیم پا رہے تھے، وہ اکثر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور اُن سے علمی مباحث کرتے، شیخ نصیر الدین اُن کو ان علمی مباحث کی وجہ سے بہت عزیز رکھتے تھے، اور اُن کو تحصیل علم کی طرف رغبت دلاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ قاضی عبدالقادر نے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، اور درس و تدریس مشغول ہو گئے، قاضی عبدالقادر کے مشہور تلامذہ میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی اور ابو الفتح ہیں۔

کہتے ہیں کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو کہیں سے کچھ روپیہ مل گیا تھا، اُن کا خیال تھا کہ وہ اس روپیے کو کسی جگہ دفن کر دیں وہ اسی خیال میں قاضی عبدالقادر کی خدمت میں حاضر ہوئے، قاضی عبدالقادر نے اُن پر نظر ڈالتے ہی فرمایا کہ تم روپیہ دفن کرنے کی فکر میں ہو علم کے حصول میں کہاں مشغول رہ سکتے ہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک طالب علم آتا ہے کہ اُس کا پوست بھی علم ہے، مغربی علم ہے اور اُس کے استخوان بھی علم ہیں، اس طالب علم سے اُن کی مراد قاضی

کے لڑکے شیخ محمد نے جو ایک ذہین اور طباع نوجوان تھا، فیروز تخلق سے کہا کہ جب سید راجو قتال تشریف لائیں تو آپ اُن سے کہیے کیا آپ نواہون کا فرکا فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ کہیں گے ہاں، اس کے بعد اُن کے لئے نواہون کو مسلمان کہنا مشکل ہو جائے گا۔ سلطان فیروز کو شیخ محمد کی یہ بات پسند آئی، چنانچہ جب سید راجو قتال تشریف لائے تو سلطان فیروز نے اُن سے یہی سوال کیا، لیکن سید راجو قتال نے فرمایا میں تو نواہون مسلمان کے تصفیے کے لیے آیا ہوں کہ جس نے میرے سامنے اور دوسرے گواہوں کے سامنے اسلام کا اقرار کیا ہے، اُس پر شیخ محمد سپر قاضی عبدالمقتدر نے کہا کہ اُس نے دل سے اسلام کا اقرار نہیں کیا۔ اس لئے شرعی حیثیت سے اُس کا اسلام ثابت نہیں، سید راجو قتال نے غصے سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

شہاب الدین ہوتے تھے، صاحب الاخیرتے قاضی عبدالمقتدر کے فضائل و مناقب ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں۔

خلیفہ شیخ نصیر الدین محمود ست، دانشمند فیاض بود، و درویش کامل، استاد قاضی شہاب الدین است و بغایت فصیح و بلیغ بود، و فصاحت و غزل دارد، و بزبان عربی قصیدہ او کہ در معارضہ لایمۃ البعم گفتہ است، دلالت دارد بر کمال فصاحت، او دائم درس می گفت و با فائدہ علم مشغول بود۔

قاضی عبدالمقتدر نے ۲۶ محرم ۷۹۱ھ کو اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی، اُن کا اور اُن کے والد کا مزار خواجہ قطب الدین اوشی کی درگاہ کے متصل حوض شمس کے جانب خانقاہ شیخ عبدالصمد میں واقع ہے۔ (ماخوذ از اخبار الاخبار ص ۱۵۱ و نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۷۱)

شیخ محمد کی طرف دیکھا، وہ اُسی وقت پیٹ کے درد سے تڑپنے لگا، اور تھوڑی دیر کے بعد مر گیا، سلطان فیروز نے یہ دیکھا تو فوراً نواہون کو سید راجو قتال کے حوالے کر دیا، سلطان نے اور آپ نے ہر چند اس کو مسلمان ہونے کے لئے کہا مگر وہ نہ مانا، آخر ارتداد کے الزام میں اُس کی گردن ماری گئی۔^{۱۵}

آب کوثر میں ہے کہ حضرت سید راجو قتال نے اشاعتِ اسلام اُج میں اشاعتِ اسلام کے فرائض انجام دیئے، اور گجرات کے صاحبِ ہمت بزرگوں کی تربیت کی، جنہیں آپ نے علومِ باطنی سے مالا مال کر کے گجرات کے قدیمی دارالخلافہ میں اشاعتِ اسلام کے لئے بھیجا۔ حضرت سید راجو قتال نے ۱۶ جمادی الآخر ۸۶۷ھ میں مبارک شاہ کے عہد میں وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک اُج میں ہے۔^{۱۶}

وفات فضائل حضرت مخدوم جہانیاں اکثر سید راجو قتال کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے خلق کے ساتھ مشغول رکھا، اور شیخ راجو کو اپنے ساتھ۔^{۱۷}

خلفاء تحفۃ الکرام میں ہے کہ آپ سے ایک بڑی جماعت روحانی استفادہ کر کے منزلِ کمال کو پہنچی، ان میں سے عارف نامی سندھ کے بلوچ بھی تھے جو اسمِ بامسمیٰ تھے، اور سید علی کبیر بن سید حامد قتال بھی آپ ہی کی اولاد سے ہیں جو نواب بناری کے مُصنّف ہیں۔^{۱۸}

^{۱۵} یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۶۶-۶۷-۶۸ سے ماخوذ ہے۔

^{۱۶} آب کوثر مؤلفہ شیخ محمد اکرام ص ۳۲۱۔

^{۱۷} خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۶۸۔

^{۱۸} اخبار الاخیار ص ۱۵۲۔

^{۱۹} تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۲۔

شاہ رضا قادری لاہوری

شاہ رضا قادری کو پنجاب کے صوفیائے کرام میں خاص حالات عظمت و شہرت حاصل ہے، وہ علم و فضل کے اعتبار سے بھی نہایت بلند مرتبہ رکھتے تھے، اور سلوک و معرفت کے بھی اعلیٰ منازل پر فائز تھے، صاحب فتویٰ تھے، استجاب دعا کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ زبان سے فرماتے وہ اسی طرح ہوتا، صاحب کشف و کرامات تھے، صاحب خزینۃ الاصفیاء ان کے محامد و مناقب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ متاخرین صوفیاء میں شاہ رضا قادری حن ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بہرہ ور تھے، وہ لاہور اور پنجاب میں دوسروں کا حصہ نہ بن سکیں۔

شاہ رضا نے سلسلہ قادریہ شطاریہ میں شیخ محمد فاضل قادری بیعت لاہوری سے بیعت ہو کر عرفان و تصوف کے منازل طے کئے، ان کا شجرہ طریقت جو شیخ محمد غوث گوالییری سے جا ملتا ہے یہ ہے۔
شاہ محمد رضا قادری، شیخ محمد فاضل لاہوری، شیخ الہ داد

شاہ شیخ محمد غوث گوالییری شیخ فرید الدین عطار کی نسل سے تھے، شیخ ظہور جانی تمیز حضور

قلدری اکبر آبادی، شیخ محمد جلال، سید نور، زین العابدین، شیخ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

گوالیاری نے شیخ محمد غوث گوالیاری اور اُن کے بھائی کو اپنی فرزندگی میں لیا، اور ان دونوں کو سلوک و معرفت کی مکمل تعلیم دی، پھر مزید فیضان کے لئے انھیں کوہ چنار کے جنگلات میں چھوڑ دیا، ————— ان جنگلات میں آپ نے تیرہ برس تک بڑی ریاضتیں کیں۔ اور درختوں کے پتے کھا کر یاد الہی میں مصروف رہے، مغلوں کے ہندوستان پر حملے کے بعد شیخ محمد غوث نے شروع ہی میں مغل فرماں رواؤں سے خوشگوار روابط قائم کر لئے تھے، منتخب التواریخ میں ہے کہ ہمایوں، شیخ محمد غوث اور اُن کے بھائی سے انتہائی عقیدت رکھتا تھا، اس قسم کی عقیدت سے دوسرے بزرگوں سے کم تھی، اس نے طریقہ دعوتِ اسماء انیس دو بزرگوں سے حاصل کیا تھا۔

جب بابر نے قلعہ گوالیار فتح کرنے کے لئے فوجیں بھیجیں، اُس زمانے میں شیخ محمد غوث قلعے میں تھے، شیخ محمد غوث نے ان حملہ آوروں کو ایک ترکیب بتائی جس سے قلعہ آسانی سے فتح ہو گیا، شیخ ہی کے مشورے کی بناء پر مغل سرداروں نے تمارخاں والی قلعہ گوالیار سے قلعے میں رات گزارنے کی اجازت مانگی، اُس نے اجازت دے دی، اور بے فکر ہو کر سو گیا، صبح کو جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ بہت سے مغل سپاہی خدمت گاہ بن کر قلعے میں داخل ہو چکے ہیں، قلعے کے دربان بھی شیخ محمد غوث کے مرید تھے، انھیں بھی اپنے پیر کا حکم پہنچ چکا تھا کہ وہ مغلوں کے قلعے میں داخل ہونے پر تعارض نہ کریں۔ تمارخاں نے مجبور ہو کر مغلوں کی اطاعت قبول کر لی اور قلعہ اُن کے حوالے کر دیا، بابر اور ہمایوں سے شیخ محمد غوث کے تعلقات بہت خوشگوار رہے۔ لیکن جب ۱۵۳۹ء میں شیر شاہ سوری نے ہندوستان کی حکومت پر قبضہ جمایا تو وہ شیخ محمد غوث کے درپے آزار ہوا۔ شیخ نے اس کی مخالفت کا اندازہ کر لیا، اور وہ اپنے اہل و عیال اور مریدوں کے ساتھ گجرات ہجرت کر گئے۔ وہ تقریباً اٹھارہ سال گجرات کے علاقے میں رہے، اُن کا کچھ زمانہ جانا پور میں، کچھ وقت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

بھڑوچ میں اور کچھ زبانہ احمد آباد میں گزرا، اور وہاں بھی انھوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی، لیکن شیخ علی متقی نے شیخ محمد غوث کی بعض تصانیف کی بنا پر ان کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا، اُس عہد کے بادشاہ سلطان محمود گجراتی نے اس فتوے کے متعلق ایک دوسرے عالم شیخ وجہہ الدین سے پوچھا، لیکن وہ شیخ محمد غوث سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ انھوں نے شیخ محمد غوث سے بیعت کر لی۔ اور شیخ علی متقی کے فتوے کو پھاڑ کر پھینک دیا، اس طرح شیخ کا اثر اور بھی بڑھ گیا، اور بہت سے لوگ اُن کے مرید ہو گئے، جب ۱۵۵۵ء میں ہمایوں ہندوستان پر دوبارہ قابض ہوا تو شیخ محمد غوث نے دوبارہ اکرے کا رخ کیا لیکن اُن کے پہنچتے تک ہمایوں وفات پا چکا تھا، اور اکبر اُس کا جانشین تھا۔ اور اس کی کم سنی کی وجہ سے تمام ملکی امور کا انتظام بیرم خاں کے سپرد تھا، اس وقت اکبر کے صدر الصدو شیخ گدائی تھے، شیخ گدائی شیخ محمد غوث کے خلاف تھے۔ انھوں نے بیرم خاں کو باور کرایا کہ شیخ محمد غوث نے اپنے رسالے ”سراجیہ“ میں خود معراج کا دعویٰ کیا ہے اور اپنے آپ کو پیغمبروں پر فضیلت دی ہے۔ اُن سے دریافت کیا جاتے کہ یہ کہاں تک جائز ہے، شیخ گدائی کے اس کہنے پر مشائخ و علماء کا جلسہ ہوا، اور اُس جلسے میں میں اس رسالے پر بحث ہوئی اور شیخ پر اعتراض کئے گئے، آخر شیخ افسردہ ہو کر گوالیا چلے گئے، اکبر کے عہد میں گو اُن کی قدردانی اُن کے شایان شان نہ ہوئی، لیکن پھر بھی ان تعقبات کے مد نظر جرم غفلت فرماں رواؤں سے اُن کے چلے آ رہے تھے، اُن کے لئے بیش بہا جائزہ مقرر ہوئی، مائثر الامراء میں ہے کہ۔

جناب عرش آشیانی نے اُن کا ایک کردار دم وظیفہ مقرر کیا تھا۔

ذخیرۃ النخواتین میں شیخ فرید بھکری کا بیان ہے کہ شیخ کو نو لاکھ روپے کی جاگیر ملی تھی اور چالیس ہاتھی اُن کی فوج میں چلتے تھے۔

وفات شاہ محمد رضا ۱۲ جمادی الاول ۱۱۱۹ھ کو واصل، اللہ ہوئے۔
آپ کا مزار تحصیل لاہور کے قریب بٹی بازار میں واقع ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

شیخ نے اکبر کے ان عطایا سے گوالیار میں ایک خانقاہ بنوائی، جہاں ہر وقت سماع و سرود کی محفلیں گرم رہتی تھیں، شیخ خود بھی معرفت کے گیت کہلاتے اور گواتے تھے۔
شیخ محمد غوث گوالیاری نے انہی سال کی عمر میں ۱۱۶۲ھ میں وفات پائی، اور گوالیار میں اپنے عیال و روضے میں مدفون ہوئے۔

شیخ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ان کو سماع و سرود اور وجد سے غیر معمولی شغف تھا، اور خود انھوں نے موسیقی میں بعض کتابیں بھی تصنیف کی ہیں، ہندوستان کا سب سے بڑا موسیقار تان سین انھیں کے روضے کے احاطے میں مدفون ہے۔

شیخ کی تصانیف میں رسالہ معراجیہ، جواہر خمسہ، کلید معجزان، کنز الوجدات، ضحائر و بھاسا اور بحر الحلوۃ مشہور ہیں۔

شیخ محمد غوث گوالیاری کی وجہ سے سلسلہ شکاریہ کو غیر معمولی فروغ اور ترقی ہوئی، اس سلسلے کے متاخر ذہنوں میں شیخ غوث کے مرید شاہ وجیہ الدین احمد آبادی اور ان کے شاگرد شیخ صبغة اللہ بھڑوچی نے اس سلسلے کی اشاعت میں غیر معمولی جدوجہد کی، اسی سلسلے میں مشہور تذکرہ نگار غوثی مانڈوی صاحب گمزار ابراہار داخل تھا۔

(راخوذا زرد کوثر - مؤلفہ شیخ محمد اکرام - ص ۶ تا ص ۴۱)

(فٹ نوٹ سلسلہ صفحہ ہذا۔)

۱۷ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۸۹ سے، اخذ ہے۔

۱۸ لاہور کے صوبائے کرام مضمون - لیفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب ایڈمنسٹریٹو جرنل -

(۴۳)

شیخ رحمت شوریانی

حالات شیخ رحمت شوریانی حضرت پیر کبار کی اولاد سے تھے، اور حضرت پیر کبار ہی سے روحانی تربیت حاصل کی تھی۔
سارج الولايت میں ہے کہ وہ تمام حیوانات اور پرندوں کی گفتگو سمجھتے تھے، اور اکثر اوقات اُن سے باتیں کرتے تھے۔

وفات سے پہلے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے پر غیب سے ایک آدمی ظاہر ہوگا اُسی کو امام بنانا اور میری نعش کو قصورے جا کر میرے خاندانی قبرستان میں دفن کرنا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

مفتی غلام سرور لاہوی نے ذیل کے قطعہ میں اُن کی تاریخ وفات نکالی۔

چونکہ رحمت پیر رحمت بھیر رحمت

از جہاں در رحمت حق شد نہاں

سالِ وصالش پیر رحمت اقدس ست

”مقتدای عشق“ ہم آمد عیاں
۱۰۲۵ھ

لے یہ تمام تفصیل خزینۃ الاحفیا جلد اول ص ۲۵۶ سے ماخوذ ہے۔

(۴۴)

سُلطان سخی سرور

نام و نسب حضرت داتا گنج بخش ہجیری کے بعد پنجاب میں جس بزرگ
نے سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل کی وہ
سُلطان سخی سرور ہیں، آپ کا اسم گرامی سید احمد تھا، چونکہ لوگ آپ کے پاس
حصول مراد کے لئے آتے اور کوئی نامراد نہ جاتا تھا، اس لئے آپ سُلطان سخی سرور،
لکھ داتا اور لکھی خاں کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب چند
واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے، آپ کا سلسلہ نسب
یہ ہے۔

سید احمد بن سید زین العابدین بن سید عمر بن سید عبد اللطیف
بن سید بہار الدین بن سید غیاث الدین بن بہار الدین بن سید
صلاح الدین بن سید زین العابدین بن سید عینی بن سید صلح
بن سید عبد الغنی بن سید جلیل بن خیر الدین بن سید ضیاء الدین
بن سید داؤد بن سید عبد الجلیل رومی بن سید اسماعیل
بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام
زین العابدین علی بن سید الکونین امام حسین بن امام

علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ لہ

سب سے پہلے سلطان سخی سرور کے والد ماجد سید زین العابدین نے
عرب سے تشریف لائے مضافات ملتان کے ایک قصبہ کرسی کوٹ میں سکونت اختیار
کی، اور اسی موضع کے مقدم پیرا نامی کی صاحبزادی عائشہ سے عقد کیا جو
قوم کھوکھر سے تھے۔

ولادت موضع کرسی کوٹ میں ہی سلطان سخی سرور کی ولادت
باسعادت ہوئی۔

تعلیم سلطان سخی سرور نے علوم ظاہری کی تکمیل مولوی محمد اسحاق
لاہوری سے کی اور تصوف میں آپ اپنے والد کے علاوہ
حضرت غوث اعظم اور شیخ شہاب الدین بہروردی سے بھی مستفیض ہوئے۔
اور شاہ مودود چشتی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

ذریعہ معیشت خزانہ الاصفیاء میں ہے کہ آپ اپنی معیشت کے
لئے بکریاں چراتے تھے، اور کاشتکاری کی طرف
رغبت رکھتے تھے۔

لہ خزانہ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۴۵ و ۲۴۶ ۵۵ ایضاً

۵۵ خواجہ مودود کا لقب قطب الدین تھا۔ آپ کے والد کا نام خواجہ یوسف تھا، خواجہ مودود کی ولادت
۵۵۰ھ میں ہوئی سات سال کی عمر میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا اور سوہ سال کی عمر میں علوم
رسمیہ تکمیل کی اور اپنے والد سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اسی سال کی عمر میں اپنے والد کی
وفات کے بعد سجادہ میثقت پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد و منقین میں مشغول ہو گئے، ماہِ حجب
۵۵۵ھ میں خواجہ مودود نے وصال فرمایا آپ کا مزار مبارک چشت میں واقع ہے۔

(خزانہ الاصفیاء جلد اول و سفینۃ الاولیاء)

۵۵ خزانہ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۴۶

سودھرا میں قیام بغداد سے واپسی کے بعد، لاہور سے ساڑھے ستر میل کے فاصلے پر شمال مغرب کی جانب موضع سودھرا میں جو وزیر آباد کے قریب ہے رہنے لگے، اور اسی موضع میں آپ ارشاد و تلقین میں مصروف ہوئے۔ چند ہی دن میں شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دور سے آکر اس شیخ معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہوتے تھے، اور کوئی ناکام واپس نہ جاتا تھا، اسی لئے آپ سلطان سخی سرور اور لکھو داتا کے لقب سے مشہور ہوئے۔

دہونکل میں قیام پھر آپ چند سال دہونکل میں مقیم رہے۔ اور کئی سال تک دہونکل میں ارشاد و تلقین فرماتے رہے۔ پھر آپ پر وطن کی محبت غالب آئی، اور ڈیرہ غازی خاں کے ایک گاؤں کھری کوٹ میں جسے اب شاہ کوٹ کہتے ہیں واپس تشریف لے گئے، وہاں آپ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

ازدواج شاہ کوٹ میں جب آپ کا قیام تھا تو ملتان کے حاکم کنہوہ خاں نے اپنی لڑکی کا عقد آپ سے کر دیا، یہ امر آپ کے حاسدوں کے لئے اور بھی ناگوار خاطر ہوا، خود آپ کے خالہ زاد بھائی محسن حسد کی وجہ سے آپ کے دشمن ہو گئے، حضرت سلطان سخی سرور نے ان کی دشمنی محسوس کر کے

لے دہونکل میں حضرت سہان سخی سرور کو ہزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے، ساڑھ کی پہلی جمعرات کو آپ کا عرس نہایت شاندار طریقے پر منایا جاتا ہے، اس میں بے شمار سلطانی جمع ہوتے ہیں جو پیر بھائی بھی کہلاتے ہیں، زائرین کے یہ قافلے دہونکل جاتے ہوئے دریائے راوی کے اُس طرف مقبرہ شہنشاہ جہانگیر میں ٹہرتے ہیں، اور یہاں بڑا میلہ لگتا ہے، یہ میلہ دو تین روز تک رہتا ہے جس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ (ماخوذ از فٹ نوٹ رود کوثر مؤلفہ شیخ محمد اکرام ص ۹۲)

شاہ کوٹ سے نکل کر ایک پہاڑ کے دامن میں اپنے بھائی سید عبدالغنی اور اپنے بیوی بچے کو ساتھ لے کر قیام فرمایا۔

شہادت

چنانچہ حاسدوں نے وہاں پہنچ کر آپ کو، آپ کے بھائی سید عبدالغنی، اور آپ کے صاحبزادے سید سراج الدین اور آپ کی اہلیہ کو شہید کر دیا، یہ المناک واقعہ ۱۱۸۱ھ میں پیش آیا، مفتی غلام سرور نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا۔

سید سرور سخی احمد

بود سلطان عالم و والی

جست سرور چو سال تاریخش

ہاتفش گفت سرور عالیؑ

۵۷۷ھ

تبلغی جد جہد
افسوس ہے کہ حضرت سلطان سخی سرور کے تفصیلی حالات سے ہمارے قدیم تذکرے بالکل معمری نظر آتے ہیں کہ جن سے ان کی تبلیغی جدوجہد کو پیش کیا جاسکتا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، اور آج آٹھ صدیاں گزرنے کے بعد بھی پنجاب میں ان کا اثر کافی پایا جاتا ہے، پنجاب کے صوفیائے کرام میں شاید ہی کوئی ایسا بزرگ ہو کہ جو ہندوؤں کے قلوب پر اتنا اثر رکھتا ہو۔

ہندو سلطانیوں کی عقیدت مندی
آج بھی پنجاب میں ان کے ہندو معتقد

”سلطانی“ خصوصاً ضلع جالندھر میں تمام زراعت پیشہ ہندو جاٹ جو سکھ نہیں ہو گئے

۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۴۵ تا ۲۴۹ و آب کوثر ص ۹۱ تا

ص ۹۲ سے ماخوذ ہے۔

سلطانی ہیں، ضلع جالندھر کے سرکاری گزٹریں ہیں۔ کہ
 ضلع جالندھر کی ہندو آبادی دو حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے، گرد
 کے سکھ یعنی سکھ اور سلطانی جو ایک مسلمان پیر جسے سلطان سخی سرور
 یا لکھ داتا بھی کہتے ہیں پیرو ہیں، زراعت پیشہ ہندوؤں میں سلطانیوں
 کی اکثریت ہے، اور ان میں کئی چمار بھی ہیں، اگر وہ گوشت کھاتے
 ہیں تو صرف حلال کیا ہوا گوشت کھاتے ہیں، وہ سکھوں کے
 خلاف حقہ کثرت سے پیتے ہیں، اور سر کے بال جس طرح چاہے
 رکھتے ہیں، ان کے دیہات میں گاؤں سے باہر سلطان کی زیارتیں
 ہوتی ہیں، آٹھ یا دس فٹ کے قریب اونچی، چوڑی اور لمبی جن کے اوپر
 ایک گنبد ہوتا ہے۔ اور چار کونوں پر چھوٹے چھوٹے مینار ہوتے ہیں، ہر
 جمعرات کو یہ زیارت صاف کی جاتی ہے اور رات کو چولہے جلانے جاتے
 ہیں، جمعرات کو اس زیارت کا نگہبان جو مسلمان اور بھرائی قوم
 کا فرد ہوتا ہے، گاؤں گاؤں ڈھول بجا کر نیاز اکٹھی کرتا ہے۔

ضلع لدھیانہ کے گزٹریں بھی تقریباً اسی مفہوم کا اندراج ہے، تحقیقی
 طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ سلطان سخی سرور سے ہندوؤں کی یہ عقیدت مندی
 کب سے شروع ہوئی، لیکن قیاس یہ ہے کہ گزشتہ چار سو سال سے پنجاب کے
 جاٹ یہ عقیدے رکھتے ہیں، اور پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں
 یہ عقیدے مغربی پنجاب سے مشرقی پنجاب کی طرف پھیلتے چلے گئے، اور ان
 عقاید کے ماننے والوں کی تعداد اس قدر بڑھی کہ سکھوں کے پیشوا گورو گوبند سنگھ
 نے جن جاٹوں کو سکھ بنایا تھا وہ ہی سلطانی جاٹ تھے۔

سلطانیوں کی رسمیں
 ہے کہ ماہ فروری کے درمیان میں
 پابندی سے سلطان سخی سرور کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، ہر گاؤں

سے بھڑائی اپنے اپنے گھاؤں کے قافلے کر ڈیرہ غازی خاں روانہ
 ہوتے ہیں، سکھوں کے دور حکومت میں دیوان سادون مل نے جوآن کے
 زمانے میں ملتان کا گورنر تھا ان ہندوؤں کو جو سلطان سخی سرور کی زیارت
 کے لئے جاتے تھے روکنے کے لئے فی کس سو روپے جرمانہ کیا، لیکن وہ
 جانے سے اس پر بھی نہ رُکے۔ جالندھر گزیر مرتب ہونے کے وقت تک
 سلطانی ہندو اپنے اس عقیدے پر بڑی پختگی سے جمے ہوئے تھے یہ

(۲۵)

سید احمد توختہ لاہوری

نام و نسب سید احمد نام، توختہ لقب تھا، آپ سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت علیؑ سے جا ملتا ہے۔ شجرہ نسب یہ ہے۔

سید احمد توختہ ترمذی بن سید علی ترمذی بن سید حسین مدنی
بن سید شاہ ناصر مدنی بن سید موسیٰ بن سید علی بن علی اصغر
بن امام زین العابدین بن امام حسین بن اسد اللہ الغالب
علی ابن ابی طالبؑ۔

توختہ کی وجہ تسمیہ آپ کے نام ساتھ توختہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک رات آپ کے پیر نے آپ کو اپنے حجرے میں سے آواز دی، جب یہ پہنچے تو آپ کے پیر کے حجرے کا دروازہ بند تھا آپ نے ادب کی وجہ سے، اور محض اس خیال سے کہ آپ کے پیر کے آرام میں خلل نہ واقع ہو دروازہ نہیں کھٹکھٹایا، بلکہ آپ تمام رات دوازے کے سامنے کھڑے رہے، جب صبح کو آپ کے شیخ نے دروازہ کھولا تو آپ کو دوازے کے پاس کھڑا ہوا دیکھ خوش ہو کر آپ کو توختہ کا لقب دیا توختہ ترکی زبان میں کھڑے

ہونے والے کو کہتے ہیں، اور اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو ہر وقت کا حاضر باش ہو۔

سید احمد توختہ لاہوری ہندوستان کے عظیم المرتبت حالات اور قدیم شیوخ میں ہیں، ابتداً ترمد میں سکونت رکھتے تھے، پھر اشارۃ غیبی کی بنا پر ترک وطن کر کے عازم ہندوستان ہوئے، آپ کے ساتھ آپ کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں، ان میں ایک کا نام بی بی حاج اور دوسری کا نام بی بی تاج تھا، جب آپ کچھ دسکران پہنچے تو آپ نے اپنی بڑی صاحبزادی بی بی حاج کا عقد شاہنلوہ بہار الدین محمد بن قطب الدین محمد بادشاہ کچھ دسکران سے کر دیا جو شیخ ابوالحسن ہنگاری قریشی کی اولاد میں سے تھے۔

پھر آپ لاہور شریف لائے، اور محلہ لاہور میں تشریف آوری چل بی بی میں سکونت اختیار کر کے ہنگامہ ارشاد و تلقین بیا کیا، اس دریاے معرفت سے ہزاروں تشنگان معرفت نے سیرابی حاصل کی۔

حضرت سید احمد توختہ کی تشریف سید شاہ زید کی لاہور میں آمد آوری کچھ دن بعد آپ کے بھتیجے سید شاہ زید بھی لاہور پہنچے، آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی بی بی تاج کا عقد ان سے کر دیا، اور انھیں ارشاد و تبلیغ کے لئے ہندوستان روانہ کیا، اسی سفر میں سید شاہ زید نے بمقام سوانہ برہمن کافروں کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

حضرت سید احمد توختہ نے ۷۶۷ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار مبارک محلہ چل بی بی جواب طویلہ غلام محی الدین قریشی کے نام سے مشہور ہے واقع ہے۔

قدیم تذکرہ نگاروں نے آپ کا سن وفات مرشد پنجاب

سے نکالا ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا:۔

رفت درجنت چو زیں دار فنا

سید احمد شہر برنا و پیر

پیر بادی میر عالی جاہ گفت

عقل سال انتقال آں امیر

ماہ تاب اہل دیں احمدہ بخواں

ہم بگو "سید ولی میر کبیر"

۶۰۲ھ

—•—•—•—

سے سید احمد توحید کے تمام حالات اور یہ قطعہ تاریخ وفات خزینۃ الاصفیاء جلد دوم

ص ۲۵۱ و ۲۵۲ سے ماخوذ ہے۔

(۴۶)

اخوند سید شور یانی

حالات اخوند سید شور یانی قدس سرہ ثانی ابو الحسن خرقانی کہلاتے تھے، اگرچہ یہ کسی کے باقاعدہ مرید نہ تھے، لیکن روحانی تربیت پر کبار سے حاصل کی تھی، احکام شریعت کی پابندی بڑی سختی

لے حضرت ابو الحسن خرقانی کا اصل نام علی اور آپ کے والد کا اہم گرامی جعفر تھا، آپ کا وطن تزدین کے قریب موضع خرقان تھا، تصوف و طریقت میں آپ کا انتساب شیخ بایزید بسطامی سے ہے، اور راہ سلوک میں بھی آپ کو روحانی فیض حضرت بایزید بسطامی سے حاصل ہوا، اگرچہ شیخ بایزید بسطامی کی وفات کے بعد آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

شیخ ابو الحسن خرقانی نے منگل کی رات میں ۴۲۵ھ میں وفات پائی۔

صاحب نفحات الانس نے آپ کے متعدد مقولے نقل کئے ہیں جو اپنے اندر پند و عظمت اثر دتا ہے ایک خزانہ لئے ہوئے ہیں، ہم ان میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں:-
فرمایا ایسے شخص کی صحبت میں ہرگز نہ بیٹھو کہ تم کو خدا اور وہ کچھ پور کہے۔
ایک روز اپنے دوستوں سے فرمایا کہ کون سی چیز سب سے بہتر ہے، دوستوں نے

کرتے تھے، شاہ وگدا اُن کی نظر میں برابر تھے، اغنیا اور مالداروں کی صحبت سے متنفر تھے، فقرا سے نہایت محبت رکھتے تھے، اور اُن سے نہایت مدارا کے ساتھ پیش آتے تھے، صاحب کشف وکرامات تھے۔

صاحب خزانۃ الاصفیاء نے اُن کی متعدد کراٹیس اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔

اخوند سعید شورانی نے قصور میں ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۷)

کہا آپ ہی ارشاد فرمائیے، فرمایا وہ ولی جس کے دل میں ہر وقت خدا کی یاد ہو، کسی نے پوچھا کہ صدق کیا ہے؟ فرمایا، صدق یہ ہے کہ آدمی وہ بات کہے جو اُس کے دل میں ہو، پھر اُس نے پوچھا، کہ اخلاص کیا ہے؟ فرمایا جو کچھ خالصتہً للہ کرتے ہو، وہ اخلاص ہے، اور جو کچھ دنیا کے لئے کرتے ہو وہ ریا ہے، فرمایا کہ وارث رسول وہ ہے جو اپنے کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتا ہے، فرمایا کہ علماء اور عابد دنیا میں بہت ہیں، تمہیں اُن میں سے ہونا چاہئے کہ جو دن کو رات اللہ کی مرضی کے مطابق کرتے ہیں۔ اور رات کو دن حق کی منشا کے مطابق کرتے ہیں، فرمایا، روشن ترین دل وہ ہے کہ جس میں دنیا نہ ہو، اور بہترین کام وہ ہے کہ جس میں مخلوق کا اندیشہ نہ ہو، اور حلال ترین روزی وہ ہے جسے تم اپنی محنت سے حاصل کرو، اور بہترین ساتھی وہ ہے جس کی زندگی حق تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہو۔

(نہجۃ الانس مطبوعہ نول کشور ص ۲۷۵ تا ۲۷۶ و ترجمہ سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۶)

(۴۷)

شیخ سعدی لاہوری

حالات شیخ سعدی بخاری مجددی لاہوری، حضرت سید آدم بنوریؒ کے مرید اور جلیل القدر خلفا میں تھے، وہ بچپن ہی سے حضرت شیخ آدم بنوریؒ کی خدمت میں رہے، اور انھیں سے تعلیم تربیت حاصل کی۔

۱۰ شیخ آدم کے والد کا اسم گرامی اسماعیل تھا، وہ بنور کے رہنے والے تھے جو مضافات سرسید کا ایک قصبہ ہے، شیخ آدم کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

آدم بن اسماعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن حسین
حسینی کاظمی بنوری۔

سید آدم بنوری پہلے شاہی لشکر میں ملازم تھے، ترک ملازمت کر کے ملتان میں حاجی خضر و غلانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نعمت باطنی حاصل کی، پھر حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے، خلاصۃ المعارف میں ہے کہ انھوں نے شیخ محمد طاہر لاہوری سے بھی ان فیوض باطنی کو حاصل کیا تھا جو ان کو شیخ اسکندر سے حضرت کمال الدین کیتھلی کے ذریعے سے پہنچے تھے۔

روضۃ السلام میں شرف الدین مجددی کشمیری نے خود شیخ سوری کے حوالے سے ان کے حالات کی تفصیل اس طرح قلم بند کی ہے کہ شیخ سوری

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵)

سید آدم ابتداً اُمّی تھے پھر انھوں نے ایک جذبے کے تحت قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری کی بھی تعلیم حاصل کی۔

مشہور ہے کہ سید آدم بنوری کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ تھی، جن میں تقریباً ایک سو آپ کے خلفاء تھے جنہوں نے ظاہری علوم اور سلوک کی تکمیل کر کے آپ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا، جہاں آپ جلتے ہزار پٹھان آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔

تذکرہ آدمیہ میں ہے کہ سید آدم بنوری ۱۰۵۲ھ میں لاہور شریف لائے۔ آپ کے ساتھ دس ہزار شاخ، سادات اور پٹھان تھے، اس وقت شاہجہاں لاہور میں تھا، آپ کے معاون نے شاہجہاں کو یہ خبر پہنچائی کہ سید آدم بنوری کے ساتھ اتنی جمیعت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو آپ کی حکومت کو تختہ الٹ دیں، شاہجہاں نے اپنے وزیر نواب سودا شہزاد کو تحقیق حال کے لئے بھیجا، آپ اس کے ساتھ نہایت بے توجہی سے پیش آئے، اور بہت دیر تک اس سے بات نہ کی، پھر اس کو انہماک دینوی کو ترک کر دینے کی نصیحت فرمائی۔ نواب سودا شہزاد نے واپس جا کر ساری کیفیت شاہجہاں سے بیان فرمائی، اور معاندین کے اندیشوں کی تصدیق کر دی، پھر شاہجہاں کو مشورہ دیا کہ مناسب یہ ہے کہ سید آدم کو کسی بہانے سے یہاں سے کسی دوسری جگہ بھیج دیا جائے۔ شاہجہاں نے سید آدم سے ہلا بھیجا کہ وہ حج کو چلے جائیں، چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں اور گھروالوں کے ساتھ حج کے لئے چلے گئے، اور حج کے بعد مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے، لیکن ہندوستان سے تشریف لے جانے کے بعد بلی، آپ کے باطنی فیوض اور برکات کے سلسلے ہندوستان میں آپ کے خلفاء کی وجہ سے جاری رہے۔

سید آدم بنوری نے ۱۰۵۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اہل جنت البقیع میں حضرت عثمان بن عفان کے روضہ مبارک کے قریب مدفون ہوئے۔ سید آدم کے رسائل میں خلاصۃ المعارف اور رسالہ

محکمات الامار مشہور ہیں۔ درخزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۰ تا ص ۲۳۵ و نزہۃ الخواطر جلد ۱ ص ۱۲۱

فرماتے تھے کہ میری عمر تقریباً آٹھ سال کی ہوگی کہ ایک روز میں اپنے گاؤں کے باہر ایک کنویں پر وضو کر رہا تھا کہ اتفاقاً سید آدم بنوری کے خلیفہ حاجی سعد اللہ وزیر آبادی بنور جاتے ہوئے ادھر سے گزے مجھے احتیاط سے وضو کرتے دیکھ کر انھوں نے خوش ہو کر فرمایا کہ اس عمر میں یہ لڑکا کس احتیاط سے وضو کر رہا ہے پھر کچھ دیر میری طرف متوجہ رہے، اور روانہ ہو گئے میں نے اُن کے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ اور ان کا کیا نام ہے؟ اُن کے ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ ان کا نام حاجی سعد اللہ ہے اور وہ بنور اپنے پیر کی خدمت میں جا رہے ہیں، یہ سن کر مجھ میں بھی دفعۃً سید آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ہونے کا جذبہ پیدا ہوا، اور میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا، لیکن میں نے یہ احتیاط برتی کہ میں اُن کے ساتھیوں کی نظر میں نہ آؤں، میں نے بے غور و خواب اُن سے علیحدہ رہ کر یہ راستہ طے کیا، جب وہ بنور پہنچے، اور حضرت سید آدم بنوری کی زیارت سے مشرف ہوئے تو میں بھی اُن کے ساتھیوں کے ساتھ حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ہوا، سید آدم بنوری نے حاجی سعد اللہ سے اُن کے ہر ایک ساتھی کے متعلق دریافت کیا، جب میری باری آئی تو حاجی سعد اللہ نے فرمایا کہ یہ لڑکا بھی ہمارے ساتھ آیا ہے اور اس کے حالات عجیب و غریب ہیں۔ سید آدم نے فرمایا، یہ نہ کہو کہ یہ لڑکا تمھارے ساتھ آیا ہے، بلکہ یہ کہو کہ ہم اس لڑکے کے ساتھ آئے ہیں، یہ لڑکا تو ازل ہی سے سعادت مند ہے، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، میاں صاحبزادے تمھارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا سعدی، فرمایا جہاں کہیں بھی رہو اور جہاں کہیں بھی جاؤ تم سعدی ہو، تم دنیا میں بھی سعدی ہو اور آخرت میں بھی سعدی ہو، پھر مجھ پر بے حد شفقت فرمائی، اور مجھے اپنی بیوی کے پاس لے کر گئے اور اُن سے فرمایا کہ دیکھو آج یہ چھوٹا سا بچہ جو بہت سی خوبیوں کا مالک ہے، ہمارے پاس آیا ہے۔

بیعت شیخ سعدی نے سید آدم بنوری سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر خرقہ حاصل کی۔

لاہور میں تشریف آوری حضرت سید آدم بنوری کی وفات کے بعد، شیخ سعدی لاہور تشریف لائے، اور مسند ارشاد کو زینت بخشی، اُن کی وجہ سے لاہور میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کو غیر معمولی فروغ ہوا، جن طالبان حق نے اُن سے سلوک و معرفت کے منازل طے کئے اُن کی تعداد بے شمار ہے، خود فرمایا کرتے تھے کہ:۔
مریدان مانند ستارہ ہائے آسمان از جیپہ شمار خارج اند۔

صاحبِ روضۃ السلام کا بیان ہے کہ بچپن ہی سے شیخ سعدی کی پیشانی سے آثار ولایت تاباں و ہویدا تھے، مستجاب الدعوات تھے، جو فرماتے تھے، وہ خدا کے فضل و کرم سے ہو جاتا تھا، دفعِ آسیب میں آپ کو کمال تھا۔

وفات شیخ سعدی ۳ ربیع الثانی ۸۰۸ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، اور لاہور کے محلہ عزیز فرنگ میں مدفون ہوئے۔

اولاد شیخ سعدی کے چار صاحب زادے تھے، خواجہ محمد سلیم، خواجہ محمد غنی، خواجہ محمد یوسف اور خواجہ محمد عارف، یہ چاروں صاحبِ جزائے علم و عمل، زہد و ورع میں اپنے والد کے جانشین تھے۔

خلفاء شیخ سعدی کے خلفاء میں خواجہ محمد سلیم، خواجہ محمد غنی، حاجی محمد اسماعیل مشہور ہیں۔

حاجی محمد اسماعیل غوری شیخ سعدی کے عظیم المرتبت خلفاء اور خدامِ خاص میں شمار ہوتے تھے۔ اُنھوں نے مولانا یار محمد گل مہاری سے بھی روحانی استفادہ کیا تھا، جو سید آدم بنوری کے خلیفہ تھے، حاجی محمد اسماعیل

پہلے پشاور میں مقیم تھے، اور وہاں حصولِ معیشت کے لئے تجارت کرتے تھے
 پھر ایک طویل عرصے تک مختلف ممالک کی سیاحت کرتے رہے اور حرمین شریفین
 حاضر ہو کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے، دورانِ سیاحت میں انھوں
 نے سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے مختلف شیوخ سے
 اکتسابِ روحانی کیا، پھر لاہور میں شیخ سعدی لاہوری کی خدمت میں حاضر
 ہو کر ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔
 حاجی اسماعیل غوری نے ایک سو پندرہ سال کی عمر میں پشاور
 میں وفات پائی، اُن کا مزار مبارک پشاور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔
 حاجی اسماعیل کے خلفاء میں حافظ عبدالغفور پشاوری مشہور ہیں یہ



(۲۸)

شیخ سکندر شاہ

نام و نسب اسم گرامی شیخ سکندر آپ کے والد کا نام شیخ کرم شاہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے شیخ عبد الجلیل لاہوری سے جا سکتا ہے۔

سید شیخ کرم شاہ خاندان بہروردیہ کے مشہور شائخ میں تھے، انھوں نے اپنے والد شیخ ابو الفتح کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا، جب پنجاب میں سکھوں نے خردج کیا، اور ملک میں فتنہ عظیم برپا ہوا، خصوصاً لاہور میں انھوں نے بے حد گڑ بڑ پیدا کی، اور شہر ان کے مظالم سے دیران ہونے لگا تو وہ (۱۰۹۶ھ) میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ لاہور سے ہجرت فرما کر لکھنؤ پہنچے اور وہاں چند روز بپائی اپنی والدہ کے دلوا شیخ نور الحسن قریشی، عقیلی، ہاشمی کے پاس مقیم رہے، جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو راستے میں شاہجہاں پور میں ان کو قزاقوں نے شہید کر دیا، اور وہیں مدفون ہوئے، ان کا واقعہ شہادت (۱۲۰۰ھ) کے اواخر میں پیش آیا۔ شیخ کرم شاہ کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) شیخ سکندر شاہ (۲) شیخ مراد علی قریشی۔ (۳) شیخ قلندر شاہ قریشی۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۱۱۶)۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے :-

شیخ سکندر شاہ بن شیخ کرم شاہ بن شیخ ابو الفتح بن شیخ
ابو الحسن ثانی بن شیخ فخر الدین بن شیخ ابو الفتح بن برخوردار بن شیخ
ابو الفتح بن شیخ عبد الجلیل قطب عالم لاہوری قدس سرہم العزیز۔

شیخ سکندر شاہ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد شیخ
کرم شاہ سے بیعت تھے، شجاعت و سخاوت، زہد و ورع
میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، فقر و فنا میں صاحبِ حال و قال بزرگ
تھے۔

شاعری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے، صاحبِ خزینۃ الاصفیاء
نے اُن کے دو اشعار نقل کئے ہیں۔ جنہیں ہم یہاں تبرکاً
درج کرتے ہیں :-

بتار مویں مترگانِ دو ختمِ این چشم حیراں را
رفواز رشتہ جاں کردہ ام چاکِ گریباں را

خیالِ روئے تو با من چناں ہم آغوشِ است
کہ کارِ ہر دو جہاں از دلم فراموشِ است
اُردو میں بھی شعر فرماتے تھے اور امدادِ تخلص کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-
بادۂ و جام و ساقی و گل و گل
ہے نہیں ہائے اک وہ غیرتِ گل
شب میں احوالِ اُس کا کہ نہ سکا
شیشہ ہر چند کہ رہا قلعہ
زلفِ مشکیں کو دیکھ کر اُس کی
کٹ گھا آج طرہ سنبھل

جس گل اندام کے لئے میں نے
 کھلے اپنے بدن پہ لاکھوں گل
 سو اشارہ میں اُس کے خون مرا
 لے گیا اُس کا زنگی کا گل
 دیکھ کر اُس پری کو ہوش و حواس
 آہ پرواز کر گئے بالکل
 فیض شاہ مراد سے امداد
 ہم نے باندھے ہیں یہ سخن کے پل

وفات شیخ سکندر شاہ نے ۱۲۱۴ھ میں لاہور میں وفات پائی
 آپ کا مزار پرنوار لاہور میں قطب عالم حضرت شیخ عبدالحلیم
 کے مزار کے قریب واقع ہے یہ



۱۔ پنجاب میں اُردو۔ ص ۳۸۶

۲۔ خزینۃ الاصفیا۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۵-۱۱۶

(۴۹)

شاہ سردار قادری

حالات شاہ سردار حضرت مصاحب خاں کے مریدوں، اور خلفاء میں تھے، ان کا شمار سلسلہ قادریہ کے نامور شیوخ میں ہوتا ہے، علوم ظاہری و باطنی، فقہ، حدیث، تفسیر میں یگانہ روزگار تھے۔

درس و تدریس اپنے شیخ سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد وہ لاہور سے چھ کوس کے فاصلے پر موضع بابک وال میں مقیم ہو کر درس و تدریس و ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے۔

وفات شاہ سردار نے ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار پُرانوار موضع بابک وال میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

سہ مصاحب خاں قادری، شاہ میر کے مرید و خلیفہ تھے۔

کے خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۱۰

شاہ سردار کے خلفاء میں شیخ مصاحب خاں خورد
خلفاء لاہوری کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے، وہ شاہ سردار
 کی وفات کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ ارشاد و تلقین
 کے ساتھ ساتھ اُن کے وقت کا بڑا حصہ درس و تدریس میں بھی
 گزرتا تھا، تقریباً پانچ سو حفاظ اُن کی درس گاہ سے فارغ التحفظ
 ہو کر نکلیے

شیخ مصاحب خورد نے ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی، اور موضع
 بابک وال میں مدفون ہوئے۔

(۵۰)

شاہ شمس الدین قادری لاہوری

شاہ شمس الدین قادری لاہوری، شیخ ابواسحاق قادری
حالات لاہوری کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں جو شیخ داؤد گیلانی
 کے مرید و خلیفہ تھے۔

شاہ شمس الدین اپنے وقت کے جلیل القدر عالم باعمل اور عارف کامل تھے
 علم شریعت و طریقت میں یگانہ روزگار تھے، سماع اور کشف و کرامت سے
 احتراز کرتے تھے لاہور میں آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ طالبانِ رشد
 ہدایت کا، نجوم آپ کی خانقاہ میں لگا رہتا، اور آپ کا تمام وقت یادِ الہی
 اور رشد و ہدایت میں گزرتا۔

شہنشاہ جہانگیر بھی آپ کے
جہانگیر کی عقیدت معتقدین میں تھا، اُس کی عقیدت

کی انتہا یہ تھی کہ کبھی وہ شاہ شمس الدین کے حکم سے سربازی نہ کرتا
 تھا، آپ ہر عاجز و بے وسیلہ اور ضرورت مندوں کے لئے اُس
 کے پاس سفارشی خط تحریر فرماتے، اور جہانگیر آپ کی تمام سفارشوں
 کو قبول کرتا، اور حاجت مندوں کی حاجت پوری کرتا تھا۔

وفات شاہ شمس الدین ۱۱ رجب ۸۳۲ھ میں واصل
الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار پیرانوار لاہور میں
مرجع خاص و عام ہے۔

روضہ مبارک پر جو قطعہ تاریخ وفات کندہ ہے وہ یہ ہے:-

جو شمس الملل زین جہاں رخت بست
بیاراست ایندو برایش بہشت
بحستم ز پیر خرد سال او
بگفت از سر لطف جایش بہشت

۱۰۲۱ھ



۱۰ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۸ اے یہ تمام حالات ماخوذ ہیں۔

(۵۱)

ملا شاہ محمد بدخشی

نام وطن آپ کا اسم گرامی شاہ محمد، اور والد کا نام ملا عبدی تھا، آپ موضع ارکسا (علاقہ روستاق بدخشاں) میں پیدا ہوئے، خود ملا شاہ محمد بدخشی نے اپنے ایک شعر میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ملک سن از ملکہا ملک بدخشاں آمدہ

از بلاد از روستاق اترے از ارکسا

آپ کے والد ملا عبدی سے جوارکسا کے قلعہ تھے، کسی نے اُن کے وطن کے شعلو پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سب ولایتوں میں بڑی ولایت بدخشاں ہے، جس میں سب سے بڑا علاقہ روستاق ہے اس علاقے میں سب سے بڑا گاؤں ارکسا ہے، اس میں سب سے سادہ لوح میرے والد بزرگوار ہیں۔ اور

ملا شاہ محمد بدخشی اگرچہ بدخشاں کے رہنے والے تھے، لیکن چونکہ انھوں نے لاہور میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے اس لئے ہم نے اُن کا تذکرہ صوفیائے پنجاب میں کیا ہے۔

میں اُن کا سب سے زیادہ سادہ لوح فرزند ہوں۔

بیعت آپ ﷺ میں لاہور آکر سلسلہ قادریہ میں حضرت میاں میر کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، میاں میر کی خدمت میں حاضری کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آپ نے داراشکوہ سے فرمایا کہ جب میں پہلے پہل اپنے وطن سے آیا تو تین سال تک کشمیر میں مقیم رہا۔ پھر میرے قلب میں طلبِ الہی کا ذوق پیدا ہوا، اور میں کشمیر سے ہندوستان بعض بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا، جب میں لاہور کے آگے کے ارادے سے روانہ ہوا تو راستے میں ایک شخص نے مجھ سے میاں میر کی بزرگی اور اُن کی عظمت کا ذکر کیا اُن کے تذکرے سے میرے قلب نے ایک تازگی محسوس کی، اور میں نے ارادہ کیا کہ میں اُسی وقت لاہور واپس لوٹ جاؤں، جب میں واپس ہونے لگا تو اُس شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیوں واپس لوٹ رہے ہو، میں نے کہا کہ میرے اس سفر کا جو مقصد ہے وہ لاہور میں حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے لاہور واپس جا رہا ہوں، اس نے کہا کہ اگرے میں بھی ایک درویش کامل ہیں اُن سے بھی ملو، میں آگے آیا، جب میں آگے میں اُن بزرگ سے ملا تو اُن میں وہ چیز نہ پا کر جس کا میں طالب تھا، لاہور واپس لوٹ آیا اور میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے اُن میں وہ تمام صفات پائیں جن کا میں متلاشی تھا، میں اُن کی خدمت میں تین سال تک متواتر حاضر ہوتا رہا، لیکن اُنھوں نے کبھی میری طرف توجہ نہ فرمائی، تین سال کے بعد اُنھوں نے ایک روز مجھ سے پوچھا کہ کہاں رہتے ہو، میں نے کہا مسجد میں، فرمایا کہ مسجد میں نہ رہو، میں نے اُن کے ارشاد کے سچ میں رہنا ترک کر دیا، پھر پوچھا کیا کھاتے

ہو، میں نے کہا بازار کی روٹی، فرمایا بازار کی روٹی کھانا چھوڑ دو، باوجود اس کے کہ مجھے کہیں سے خوراک مہیا ہونے کی امید نہ تھی، میں نے بازار کی روٹی کھانا چھوڑ دی، اور فاقے سے رہنے لگا، پھر آنکھوں نے میرے حال پر شفقت فرمائی اور مجھے ارشاد و تلقین سے بہرہ ور فرمایا۔

داراشکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں آپ کی ریاضتیں اور مجاہدے جن ریاضتوں اور مجاہدوں کا تذکرہ کیا ہے اُن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے، اُس نے لکھا ہے کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ آپ سات سال تک عشاء کی نماز کے بعد سے صبح تک حبس نفس کے ساتھ ذکرِ خفی کرتے تھے، اُس کا یہ بھی بیان ہے کہ تیس سال تک آپ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوئے۔

اپنے پیر کی وفات سے چند سال پہلے آپ خلافت سے خلافت سر فراز فرمائے گئے، خود آپ کا بیان ہے کہ میرے مرشد نے اپنی وفات سے چند سال پیشتر مجھ سے اشارہ کیا، جسے میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا، ایک رات لاہور میں فجر ہونے سے پیشتر مجھے دولتِ سعادت نصیب ہوئی، اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہی وہ مقام اور مرتبہ ہے جس کی خواہش مجھے ساہا سال سے تھی، مجھے اس کا اندازہ بھی ہوا کہ گنہ شتہ احوال اور ذوق اس کے مقابلے میں سب ہیچ ہیں۔

تقریباً تیس سال تک آپ میاں میر کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔

پھر لاہور کی گرمی کی شدت کی وجہ سے مجبور ہو کر آپ نے کشمیر کو اپنا وطن بنایا، جہاں داراشکوہ اور جہاں آرا نے آپ کے لئے دامنِ کوہ میں ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کرا دی تھی، جب تک آپ کے پیر حیات رہے، آپ التزاماً موسمِ سرما میں کشمیر سے لاہور اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے، صرف آخر عمر میں چند سال لاہور نہیں آئے یہ

مقبولیت کشمیر اور اُس کے نواح میں آپ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی، جو بھی آپ سے ملتا آپ سے بے حد متاثر ہوتا، آپ پر فلسفہ وحدت الوجود کا اثر غالب تھا۔

داراشکوہ کی بیعت ۱۰۵۰ھ میں داراشکوہ اور اُس کی بہن جہاں آرا کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، اور داراشکوہ جس عقیدت و خلوص سے آپ کا مرید ہوا آپ اُس کے ذوقِ شوق کو دیکھ کر بے حد خوش تھے، ایک دن اپنے ایک مرید ملاسکین سے فرمایا کہ ہم نے بہت سے لوگوں کو مشغول کیا، اور ہمیں امید تھی کہ وہ ہمارے طریقے کو رائج کریں گے، لیکن ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی بات پر اٹک کر رہ گیا، مگر اس جوان (داراشکوہ) سے امید ہے کہ ہمارے طریقے کو فروغ دے گا کہ اس نے ہماری منشاء کے مطابق ہمارے طریقے پر عمل کیا ہے، اور ہماری باتوں پر دھیان دیا ہے۔ داراشکوہ نے ملا محمد بخشی کے ان روحانی فیوض و برکات کو، اور ان بزرگانہ شفقتوں اور عنایتوں کو جو بحیثیت ایک مرید کے اُس کے شامل حال تھیں بیان کرتے ہوئے لکھا کہ جن دنوں میں کشمیر میں آپ کی خدمت بابریت میں حاضر ہوا تو آپ نے کمالِ عنایت سے میری تربیت فرمائی، اور مجھے مشغول

فرمایا، یہاں تک کہ مجھے تھوڑی ہی مدت میں وہ حاصل ہو گیا جو میں چاہتا تھا، آپ جس قدر عنایت میرے حال پر فرماتے تھے، وہ بیس بیس تیس تیس سال کے پرانے مریدوں کو بھی حاصل نہ تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے داراشکوہ کو طعین وارشاد کی بھی اجازت دی تھی، چنانچہ وہ خود لکھتا ہے کہ ایک روز آپ نے مجھے طالبوں کی ہدایت ارشاد کرنے کی اجازت کے بارے میں سختی سے ارشاد فرمایا، لیکن میں نے پاس ادب کی وجہ سے قبول نہ کیا کہ شاید مجھ سے یہ اہم فرض ادا نہ ہو سکے، لیکن جب آپ نے بہت اصرار فرمایا تو میں نے اسے قبول کر لیا۔

ولی رام کالستھ کی عقیدت
ولی رام نامی ایک کالستھ جو غلیہ
حکومت میں ایک امیر تھا وہ داراشکوہ
اور ملا محمد بدخشی سے اس قدر متاثر ہوا کہ سب کچھ تہ تیغ کر ملا بدخشی سے بیعت
ہوا، ولی رام کے بعض اشعار تذکروں میں ملتے ہیں، جن میں وحدت الوجود
کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔

مانہ آن خودیم ، آن تو ائیم
بے نشانے تو، مان شان تو ائیم
ایں نشانہا نشانِ ذاتِ تواند
منظر جلوة صفاتِ تواند
ذاتِ تو در صفاتِ تو پیدا
صفتِ عینِ ذاتِ، اے مولیٰ
ماہمہ، ہیج، ہرچہ است توئی
اے منزہ نہ فہم و وہیم دوئی

ماہمہ موج بحر ذاتِ توایم
منظرِ مجمل صفاتِ توایم
شاعری ملا شاہ محمد بدخشی خود بھی بہت بلند پایہ شاعر تھے،
داراشکوہ نے سکنۃ الاولیاء میں آپ کے مجموعہ کلام
کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مجموعہ حقائق و معارف سے پُر ہے، اس مجموعے
میں ایک دیوان، بہت سی رباعیاں، مکتوبات، مثنویات، اور شرح رباعیات
شامل ہیں، غزلوں میں آپ اپنا تخلص شاہ فرماتے ہیں، داراشکوہ نے آپ کی
چند غزلیں بھی نقل کی ہیں جو آپ کے علوئے فکر، نزاکتِ تحسین اور مسلکِ
وحدت الوجود کی آئینہ دار ہیں ہم اُس سے آپ کے بعض اشعار ذیل میں
نقل کرتے ہیں۔

رباعی

از شش جہنم روئے نمودی آخر
از ہر طرف، دلم ربودی آخر
بیرون و درون جلوہ گری می دیدم
بر تحقیق آمدم تو بودی آخر

نہ چراغیست دریں خانہ ویرانہ ما
روشن از آتش عشق تو شدہ خانہ ما
آرے ایں راست کہ مرغیم دلے یسم غم
دامم ما تا چہ بود، تا چہ بود دانہ ما

۱۔ رود کوثر ص ۳۸۳

۲۔ سکنۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۵۲

در پئے خانہ جانانہ ما شد ہمہ عمر
 بودہ خانہ ما خانہ جانانہ ما
 نکند تا بہ ابد یاری ہشیاری ہیج
 گر بسہو آنکہ رسد بر در میخانہ ما
 مدعی در پئے افسون گرفتاری خلق
 آتش پنبہ گوشش شود افسانہ ما
 رہ دیوانگیش شاہ نزد پے بہ غلط
 کیست دیوانہ ما عاقل و فرزانیہ ما

ملا بد خشی بعض مرتبہ غلبہ حال کی وجہ سے بعض

علماء کی باز پرس

ایسا شعار کہہ جاتے جو شرعی نقطہ نظر سے

قابل اعتراض ٹہرتے، ایک دفعہ انھوں نے ایک اسی قسم کا شعر کہا، اُس پر کشمیر کے علماء نے اُن کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا، اور شاہجہاں سے گزارش کی کہ اُن پر حد شرعی جاری کرے، شاہجہاں نے علماء کے ارشاد کے مطابق ظفر خاں گورنر کشمیر کو لکھا کہ اُن پر حد جاری کرے، مگر دہرا شکوہ نے سفارش کی کہ حد جاری کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ دوسرے بزرگوں خصوصاً میاں میر سے پوچھنا چاہئے، شاہجہاں نے میاں میر سے دریافت کیا، میاں میر نے فرمایا غلبہ حال کی وجہ سے ملا بد خشی سے یہ باتیں سرزد ہوتی ہیں جو کسی طرح مناسب نہیں، لیکن اُسے اس وجہ سے قتل نہ کرنا چاہئے، شاہجہاں نے میاں میر کے مشورے پر عمل کیا، اور خاموش رہا، چند دن کے بعد جب ۱۶۳۹ء میں شاہجہاں کشمیر آیا تو اُس نے بعض تصوف کے مسائل پر ملا شاہ بد خشی سے گفتگو کی،

صاحب بادشاہ نامہ اس ملاقات کا تذکرہ تفصیل سے کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

یکم جمادی الثانی ۱۰۵۸ھ کو ملا شاہ بدخشی جو میاں میر قادری کے خلیفہ ہیں، اور کشمیر میں گوشہ تنہائی میں زندگی بسر کرتے ہیں، بادشاہ درویش نواز (شاہاں) کی طلب پر تشریف لائے، اور اس ملاقات میں بہت سے نکات بلند کے متعلق گفتگو ہوئی، بادشاہ نے ان کو نہایت تلمطف و مہربانی سے رخصت کیا۔

۱۰۵۸ھ میں جب اورنگ زیب صاحب تخت و تاج ہوا تو علماء نے پھر ایک مرتبہ ملا بدخشی کے خلاف آواز بلند کی، علماء کے احتجاج پر اورنگ زیب نے اُن کو طلب کیا، لیکن کشمیر کے گورنر نے لکھا کہ ملا بدخشی خرابی صحت کی وجہ سے سفر کے قابل نہیں، اور اسی زمانے میں ملا شاہ بدخشی کے وہ اشعار جو آپ نے اورنگ زیب کی تخت نشینی کی مبارک باد کے متعلق لکھے تھے وہ اورنگ زیب تک پہنچائے گئے، جو یہ تھے۔

صحیح دل من چو گلِ خورشید شگفت
کامد حق و غبارِ باطل را رُفت
تاریخِ جلوسِ شاہِ حق آگہ را
ظِلِّ الحقِ گفت الحقِ ایں را حق گفت

۱۰۶۶ھ

اس کے بعد اورنگ زیب نے اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، اور حکم دیا کہ ملا بدخشی اب بجائے کشمیر کے لاہور میں قیام کریں۔

لاہور میں قیام
اس حکم کے بعد آپ نے لاہور میں اقامت فرمائی، لیکن لاہور کی زندگی میں وہ بالکل گوشہ تنہائی

اختیار کئے رہے، اُس زمانے میں سوائے اپنے چند مخلص مریدوں کے کسی سے نہ ملتے تھے۔

آپ کو لاہور میں ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ بخار میں مبتلا ہوئے، اور بقول صاحب مفتاح التواریخ

وفات

۱۰۷۰ھ میں وفات پائی، اور احاطہ میاں میر میں مدفون ہوئے۔

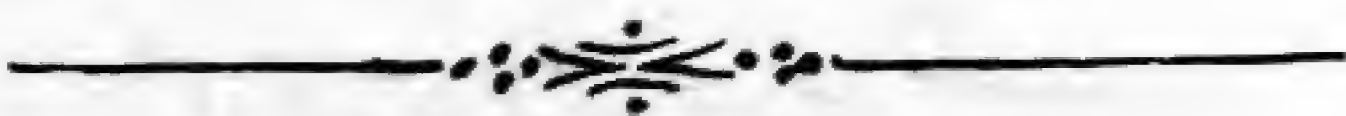
خان بہادر عبداللطیف نے تاریخ لاہور میں ایک جگہ اُن کا سنہ وفات ۱۰۷۲ھ اور ایک جگہ ۱۰۷۱ھ درج کیا ہے، صاحب مخبر الواصلین نے جو اُن کی تاریخ وفات کہی ہے اس سے ۱۰۶۹ھ مستخرج ہوتا ہے یہ

سلا شاہ بدخشی کے حسب ذیل خلفاء و مریدین کا تذکرہ
خازن و مریدین سکینۃ الاولیاء میں ملتا ہے۔

۱، ملا محمد سعید (۲) ملا مسکین (۳) ملا محمد امین کشمیری

۴، ملا عبدالنبی (۵) حاجی عبداللہ

ان کے مختصر حالات بھی دارالاشکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں دیے ہیں۔



۱۵ یہ تمام تفصیل رود کوثر مولفہ شیخ محمد اکرام صاحب ص ۲۸۵ و ۲۸۶ سے ماخوذ ہے۔

۱۶ فٹ نوٹ مقالات الشعرا ص ۵۰۳ و ۵۰۴

۱۷ سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۳۷

(۵۲)

خواجہ شمس الدین سیالوی

حالات خواجہ شمس الدین سیالوی، حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، اُن کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ کو سیال میں ہوئی، جب کہ پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی، خواجہ سیالوی کے والد محترم کا نام محمد یار تھا، اُنھوں نے خواجہ سیالوی کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ فرمائی سات سال کی عمر میں خواجہ صاحب نے قرآن مجید ختم کیا، پھر اپنے ماموں میاں احمد الدین کے ساتھ موضع میکی ڈھوک علاقہ پنڈی گھیب میں جا کر وہاں کے مدرسے میں نام حق اور کریم پڑھی، پھر مکھڑ حاضر ہوئے اور مولوی علی محمد صاحب سے جو اُس دور کے مشہور عالم تھے تعلیم شروع کی، مولوی علی محمد صاحب اُن کے علمی انہماک اور خلوص کو دیکھ کر اُن پر بے حد شفقت فرماتے تھے، اکثر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے، اور علمی مسائل پر گفتگو فرماتے۔

اُسی زمانے میں میاں محمد امین جو ایک مشہور تاجر **کابل کا سفر** تھے اور دیوبندیشوں کے بے حد معتقد تھے تجارت کے سلسلے میں کابل جانے لگے، اُنھوں نے اس سفر میں محض برکت کے لئے

مولوی علی محمد سے اجازت لے کر خواجہ سیالوی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا، خواجہ سیالوی کابل پہنچے، تو وہاں کے ایک جید عالم حافظ دراز صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی پہلے ہدایہ مکمل پڑھی، پھر اُن سے حدیث کی سند حاصل کی پھر مکہ واپس آئے، اور مولوی علی محمد صاحب کی خدمت میں رہنے لگے۔

شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضری
اُس زمانے میں مولوی علی محمد

خود بھی مرشد کامل کی تلاش میں تھے، ایک دفعہ کسی نے اُن سے شاہ محمد سلیمان تونسوی کی تعریف کی، وہ اُس شخص سے آپ کی تعریف سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ خواجہ شمس الدین سیالوی کو اپنے ہمراہ لے کر شاہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت خواجہ شمس الدین کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

شاہ محمد سلیمان تونسوی نے اُستاد اور شاگرد دونوں کو بیعت کر لیا، شاہ محمد سلیمان کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کے بعد دونوں اُستاد و شاگرد مکہ آئے۔

مولوی علی محمد لا ولد تھے، وہ خواجہ شمس الدین سیالوی کو مدرسہ اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے، انھوں نے اپنی ساری جمع پونجی خواجہ سیالوی کے سپرد کر دی، اور ان کو اپنے مدرسے میں اپنی جگہ قائم مقام مدرس مقرر کیا۔

خواجہ شمس الدین سیالوی کے والد نے اُن کو لکھا کہ وہ وطن آکر شادی کریں، لیکن وہ مکہ چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے، آخر مجبور ہو کر اُن کے والد نے شاہ محمد سلیمان تونسوی کو لکھا، آپ نے مولوی علی محمد کو لکھا کہ وہ خواجہ سیالوی کو اُن کے والد کے پاس بھیج دیں، ساتھ ہی

خواجہ شمس الدین کو بھی تاکید کی کہ وہ اپنے والدین کی خدمت میں حاضر ہو کر شادی کریں۔

شادی چنانچہ اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں خواجہ شمس الدین سیالوی اپنے وطن پہنچے، اور چونتیس سال کی عمر میں اپنے چچا میاں احمد یار کی صاحبزادی سے شادی کی۔ پھر خواجہ شمس الدین سیالوی اپنے وطن میں **وطن میں قیام** مقیم ہو گئے، اور وہیں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، درس و تدریس کے ساتھ ساتھ اُن کا بڑا وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔

شیخ کی عقیدت اور خدمت اُن کا اپنے شیخ سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ سال میں کئی دفعہ تونسہ شریف جاتے، اپنے شیخ کے ساتھ تقریباً چودہ مرتبہ مہار کا سفر کیا، سفر میں اپنے شیخ کا سامان اپنے کاندھوں پر اٹھا کر سواری کے آگے آگے چلتے تھے۔

خلافت شاہ محمد سلیمان تونسوی نے خواجہ شمس الدین سیالوی کو جب کہ اُن کی عمر چھتیس سال کی تھی، خلافت سے سرفراز فرمایا، اور ہدایت فرمائی کہ لوگوں سے بیعت لینے کا اہتمام کرنا، اشغال میں مشغول ہو کر بیعت لینے کو نظر انداز نہ کرنا۔

پہلے مرید خواجہ شمس الدین سیالوی نے سب سے پہلے اپنے والدین کو پھر حسب ذیل بزرگوں کو مرید کیا۔

(۱) میاں چھٹہ کسب دار۔

(۲) شیخ عبد الجلیل قرشی۔

(۳) عبداللہ دین دار

(۴) میاں فضل احمد قریشی۔

خواجه شمس الدین سیالوی کی خانقاہ میں لنگر کا خاص اہتمام تھا۔
لنگر زائروں اور مسافروں کے علاوہ شہر کے غریب اور مساکین کو
بھی کھانا دیا جاتا تھا۔

اتباعِ شریعت خواجه سیالوی حسنِ اخلاق کا ایک پیکر تھے، اتباعِ
شریعت پر خاص طور پر زور دیتے تھے نماز
باجماعت ادا فرماتے تھے، سماع اور مزامیر سے پرہیز کرتے تھے۔
وفات - خواجه شمس الدین سیالوی نے ۲۱ صفر ۱۰۳۳ھ کو
وفات پائی۔

————— ❦ —————

۱۔ خواجه شمس الدین سیالوی کے یہ حالات تاریخ مشائخ پشت ص ۷۰۲ تا ۷۰۵
سے ماخوذ ہیں۔

(۵۳)

حضرت شیخ صدر الدین عارف

نام و نسب آپ کا اکم گرامی صدر الدین، آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ بہار الدین زکریا ملتانی ہے، آپ کا سلسلہ نسب بہار بن اسود بن مطلب بن اسد سے جا ملتا ہے، شیخ صدر الدین نے اپنے والد ماجد شیخ بہار الدین زکریا ملتانی سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی، اور اپنے زمانے کے جلیل القدر شیوخ میں شمار ہوتے تھے۔

مناقب و محامد کنز الرموز میں آپ کے والد کے ایک مرید امیر حسینی نے آپ کے عظمت مرتبے کو منظوم کرتے ہوئے لکھا ہے

آن بلند آوازہ عالم پناہ
سرور دین افتخار صدر گاہ
صدر دین و دولت آن مقبول حق
نہ فلک از خوان جودش یک طبق
آب حیوان قطرقہ بحر دلش
چو خضر علم لدنی حاصلش

معتبر چوں قولِ او افعالِ او
 ہم بیانِ او گواہِ حالِ او
 مقتدائے دیں قبولِ خاص و عام
 دولتِ گفتم توئی خیر الانام
 ملکِ معنی جملہ در فرمانِ او
 ہم بکسب و ہم بمیراثِ آنِ او
 صاحبِ تاریخِ فرشتہ نے آپ کے اوصاف و کمال کو ان اشعار
 میں منظوم کیا ہے۔

آں گہرِ سعدِ حق الیقین
 تازہ ز آبِ کرش باغِ دیں
 دادہ ز پاکی بملائکِ صلہ
 خرقة و حدت بخلا و ملا
 لہجہ موجِ دلِ پاکِ او
 عقل فروماندہ در ادراکِ او
 صدر نشیں گشت بعرشِ بریں
 گشتہ خطابش از خدا صدرِ دیں

وجہ تسمیہ آپ عام طور سے لوگوں میں شیخ صدر الدین عارف کے
 نام سے مشہور تھے۔ اس لقب سے مشہور ہونے کی یہ وجہ تھی
 کہ جب آپ تلاوت قرآن مجید کرتے یا کلامِ مجید ختم فرماتے تو معرفت و حکمت کے
 نئے نئے اسرار و رموز آپ پر آشکارا ہوتے۔ تاریخِ فرشتہ میں ہے یہ

لے اخبار الاخیار ص ۶۱ لے بزمِ صوفیہ ص ۱۰۶ بحوالہ تاریخ

فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۸۔

ویرا عارف اند آں گوریند کہ ہر بار ختم کلام افشہ کردے،
 سمن فکریت بیشتر راندے، و وقتیکہ بتلاوت مشغول بودے۔
 اورا فوج فوج معانی روئے نمودے۔

سید ۱۲۶۴ء میں جب آپ اپنے والد کی وفات کے بعد
 سجادگی مستدارائے رشد و ہدایت ہوئے تو آپ کو اپنے والد
 کے ترکے میں سات لاکھ ٹھیکے نقد ملے، لیکن آپ نے یہ سب رقم غریبا
 اور فقراء میں تقسیم کر دی، کسی نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کے
 والد محترم اپنے خزانے میں اس قدر رقم جمع رکھتے تھے، اور اسے
 آہستہ آہستہ خرچ کرنا پسند کرتے تھے، مگر آپ نے ایک ہی روز میں
 یہ تمام دولت خرچ کر دی، شیخ صدر الدین نے اُس کو مسکراتے ہوئے
 جواب دیا کہ میرے والد محترم دنیا پر غالب تھے، اس لئے اُن کو اتنی
 دولت جمع ہونے پر بھی علائق دنیا سے کوئی خطرہ نہ تھا، لیکن میں اس
 بلند مرتبے پر فائز نہیں ہوں اس لئے ڈرتا ہوں ہوں کہ دنیا کی دلفریبیوں
 میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اس لئے میں نے یہ دولت اپنے سے جدا کر دی تاکہ
 قطعی طور پر کیسو ہو کر یا ذالہی میں مشغول ہو جاؤں۔

اس سخاوت دنیا صنی کے باوصف، آپ کے پاس دولت کی اس
 قدر فراوانی تھی کہ شیخ رکن الدین فردوسی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ
 دہلی سے ملتان گیا، میں وہاں شیخ صدر الدین سے بھی ملنے گیا، میں
 نے دیکھا کہ آپ کے پاس بہت سے علماء اور فقراء موجود تھے، تھوڑی
 دیر میں کھائے کا وقت آگیا، اس پر تکلف دسترخوان کو دیکھ کر شاہی
 دسترخوان کا گمان ہوتا تھا، میں اگرچہ ایام بیض کے روزے رکھ رہا تھا،

سے شہزادی کا نکاح کر دیا گیا، جب نکاح ہو چکا تو شہزادی نے شیخ صدر الدین عارف کے پاؤں پر گر کر کہا اگر آپ مجھے اس ظالم اور فاسق کے حوالے کریں گے تو میں قیامت کے روز آپ کا دامن پکڑ دوں گی، شیخ صدر الدین عارف نے شہزادی کی یہ بات سن کر شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ شہزادے کو جب یہ خبر ملی تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا، اور اس نے فوج کو حکم دیا کہ کل شیخ کے گھر کو خون سے رنگین کر دیا جائے۔ شیخ صدر الدین عارف کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور اپنی رائے پر جمے رہے اسی زمانے میں مغلوں نے حملہ کیا، اور شہزادے کو شکست ہوئی، یہاں تک کہ شہزادہ محمد سلطان ان کے ہاتھوں شہید ہوا۔

یہ روایت جسے فرشتے نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے شیخ صدر الدین عارف کی کرامات کے ضمن میں بیان کی جاتی ہے لیکن خود فرشتے نے اپنی تاریخ میں سلطان محمد غیاث الدین بلبن کے ضمن میں شہزادہ محمد سلطان کے جو محامد و اوصاف بیان کئے ہیں خود اس کے بیان سے روایت کی تردید ہوتی ہے، تاریخ فرشتہ میں ہے:-

بلبن کے لڑکوں میں سب سے بہتر اور اچھا محمد سلطان خاں شہید تھا یہ سلطان غیاث الدین کا محبوب ترین فرزند تھا، بہترین اوصاف اور عمدہ اخلاق جو ایک شہزادے میں ہونے چاہئیں وہ سب اس میں موجود تھے، یہ شہزادہ اپنے فضل، دانش اور ہنر میں بے نظیر تھا، اس کی مجلس کی زینت بڑے بڑے فاضل اور شاعر تھے، جنھیں وہ اپنی عنایتوں اور مہربانیوں سے مالا مال کرتا تھا، اس کی سخاوت و نہایتی سے زمانہ باغ و بہار بنا ہوا تھا، امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسے

امیر خسرو کا نام ابوالحسن یمن الدین اور تخلص خسرو تھا، ۷۵۱ھ میں وہ قصبہ ٹیانی ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد امیر سیف الدین محمود ترکستان سے ہندوستان آئے۔

بزرگ ملتان میں اس کے مصاحب تھے، وہ دوسرے درباریوں

(بقیہ فوٹو گزشتہ سلسلہ)

پندرہ سال کی عمر میں امیر خسرو نے علومِ رسم کی تکمیل کی اور حضرت سلطان المشرع فیاجہ نظام الدین محبوب الہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خزانہ حاصل کیا، سلطان المشرع اُن پر نہایت شفقت فرماتے تھے، اور تمام مریدوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، ابتداءً وہ سلطان بلبن کے ایک امیر کشو خاں کے پاس جو تارنخ میں ایک چھجور کے نام سے مشہور ہے ملازم ہوئے، پھر سلطان بلبن کا بیٹا بغرا خاں اُن کو اپنے ساتھ بنگال لے گیا، بغرا خاں اور اس کے میرمنشی شمس الدین دبیر نے اُن کو بنگال میں روکنا چاہا مگر وہ نہ رُکے اور واپس چلے آئے، مسئلہ میں وہ بلبن کے دوسرے بیٹے خان شہید کے ملازموں میں داخل ہوئے اور اس کے ساتھ ملتان شریف لے گئے، ۱۲۸۷ء میں جب سلطان خاں شہید مغلوں کے ہاتھوں شہید ہوا تو بیٹائی آئے اور اپنی والدہ کی زیارت سے شرف ہو کر دہلی پہنچے اور بلبن کے دربار میں خان شہید کا وہ پُردہ دردمنہ پڑھا کر سارے درباریوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بلبن اس قدر دیا رُکے بخارا گیا، اسی بخارا اور صدے سے اُس نے تیسرے دن وفات پائی، بلبن کی وفات کے بعد اُس کا پوتا کیتباد تخت پر بیٹھا تو اس کا وزیر ملک نظام الدین امیر خسرو کے خلاف تھا، لیکن کیتباد اُن کا بچہ سترن تھا، اُس نے امیر خسرو سے خواہش ظاہر کی کہ اُس کی اور اُس کے والد بغرا خاں کی عاقبت کو ظہم کریں، چنانچہ ۱۲۸۹ء میں اُنھوں نے قرآن السعید تصنیف فرمائی، ایک سال بعد کیتباد نے وفات پائی، اور اُس کی جگہ سلطان جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا، جلال الدین خلجی خود بھی شاعر اور سخن فہم تھا، اُس نے معقول تنخواہ پر امیر خسرو کو اپنا مصاحب مقرر کیا، اور صحف داری اور امارت کا عہدہ اُن کے تفویض ہوا، اسی وقت سے "امیر" کہلائے، امیر خسرو نے جلال الدین خلجی کی تاج پوشی، اور اُس کے حالات کو مفتاح الفتوح میں منظم کیا ہے، جلال الدین کے بعد جب علاء الدین تخت نشین ہوا، تو امیر خسرو نے اس کے حالات

اور اُن کی نظم و نثر سے لطف حاصل کرتا تھا، وہ اس قدر مہذب

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

کوہ خزان الفتوح میں نظم کیا، خمسہ نظامی کے جواب میں امیر خسرو نے جو پانچ مثنویاں لکھی ہیں وہ سب علامہ الدین کے نام معنون ہیں، علامہ الدین کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین تخت نشین ہوا، وہ امیر خسرو کا تمام گزشتہ فرماں رواؤں سے زیادہ قدر دان تھا، جب امیر خسرو نے مثنوی نہ سپہر اس کے نام سے معنون کی تو اس نے باقی کے برابر تول کر روپے دیئے قطب الدین کے بعد اس کا غلام خسرو خاں تخت پر بیٹھا، مگر وہ صرف چار ماہ حکومت کر سکا، اور اس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق تخت پر بیٹھا، وہ بھی امیر خسرو کا نہایت قدر دان تھا، امیر خسرو نے "تغلق" نامہ میں سلطان غیاث الدین تغلق، اور خسرو خاں کی کشمکش کا حال بیان کیا ہے۔

جب امیر خسرو کے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے وصال فرمایا، اس وقت امیر خسرو، سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ لکھنوتی (بنگال) میں تھے، وہیں اُن کو حضرت خواجہ نظام الدین کی وفات کی خبر معلوم ہوئی، وہ فوراً ہی گریہ کتاں دہلی پہنچے اور اپنے شیخ کے مزار پر حاضر ہوئے، اور روتے ہوئے کہا: سبحان اللہ! آفتاب زمین کے نیچے ہے، اور خسرو زندہ زمین کے اوپر، اب شیخ کے بعد ہمارا زندگی بھی کچھ زیادہ نہیں، چنانچہ اسی رنج و غم میں حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی وفات کے چھ ماہ بعد ۸ ربیع الآخر ۷۳۵ھ میں امیر خسرو نے وفات پائی، اور حضرت خواجہ نظام الدین کے پانچ دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کو جو امیر خسرو کے حال پر شفقت تھی اس کا اندازہ خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے لٹن ملفوظات سے ہوتا ہے جنہیں امیر خسرو نے جمع کیا تھا، ان ملفوظات میں ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے اُن سے فرمایا کہ میں سب سے تنگ ہوں، لیکن تم سے تنگ نہیں ہوں۔

تھا، اگر کسی مجلس میں تمام دن اور رات بیٹھتا تب بھی زانو نہ بدلتا تھا،
 قسم کے وقت صرف حقا کا لفظ اس کی زبان سے نکلتا تھا، شراب
 کی مجلس اور بدستی میں بھی کوئی نامناسب لفظ اس کی زبان سے
 نہ نکلتا تھا، اس کی مجلسوں میں شاہنامہ، دیوان خاقانی انوری
 خمسہ نظامی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھے جاتے تھے، جس
 زمانے میں سلطان محمد سلطان میں تھا، شیخ عثمان مروندی جو
 اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے، عثمان شریف لکے، وہ
 اُن کے ساتھ نہایت تعظیم و توقیر سے پیش آیا، اُن کی خدمت میں
 نذر و تحائف پیش کئے، اور اُن سے اصرار کیا کہ وہ سلطان میں

رہنمائی فرماتے ہوئے گزشتہ سلسلہ سے۔

ایک دفعہ امیر خسرو نے عرض کیا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ قیامت کے دن مجھے فرشتے
 خسرو کے نام سے یاد کریں، کیونکہ یہ نام شکروں کا ہے، حضرت محبوب الہی نے فرمایا کہ قیامت
 میں تمہارا نام محمد کا رہے گا، فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ مجھے نہ ترک نہ کہہ کر
 پکارتے تھے، حضرت محبوب الہی نے ایک رباعی بھی امیر خسرو کے متعلق ارشاد فرمائی تھی،
 جسے ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

خسرو کہ نظم و نثر مثلش کم خواست
 نسبت ملک سخن آں خسرو راست
 ایں خسرو ماست و نام خسرو نیست
 نہ برا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

دہ خود از آب کوثر ص ۱۹۷ تا ۲۰۲۔ اخبار الاخبار ص ۱۰۰۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۴۰

(سلسلہ صفحہ ہذا سے)

شیخ عثمان مروندی کا لقب حسن شہباز تھا، یہ لقب آپ کو آپ کے مرشد نے دیا تھا، شیخ

قیام فرمائیں، اور ان کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے، اور

رقبہ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۱۵۱

عثمان کے والد کا نام سید کبیر تھا، آپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے اولاد میں تھے، شیخ عثمان مروندیؒ، شیخ عظیم مروندیؒ پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ بن شہور کو پہنچنے کے بعد حضرت بابا ابراہیم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ وہ ایک سال کی مختلف عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد انوارِ اہل حق سے اپنے قلب کو منور بنا کر بابا ابراہیم سے خلافت حاصل کی۔ بہت دن تک آپ شیخ منصور کی خدمت میں بھی حاضر رہے، اس کے بعد روحانی کسبِ کمال کے لئے آپ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں سیاحت کرتے رہے، اور مختلف اولیاءِ دوسب قیام کرام کی مدت پر درجہ بختوں سے مستفیض ہوئے۔ جن میں حضرت بابا فرید گنج شکر، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، شیخ صدر الدین عارف سے بھی آپ رفاقت میں رہے، اسی زمانے میں آپ تہانِ شریف لائے، خان شہید کی بڑی کر و رویتوں پر آپ سلطان میں قیام فرمائیں، اور اس نے آپ کے لئے ایک خانقاہ بھی نوانا شروع کی تھی۔ لیکن آپ نے سلطان میں قیام پسند نہیں فرمایا، تحفۃ الکرام میں ہے کہ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے، حضرت بوعلی قلندر کی خدمت میں پہنچے، انھوں نے فرمایا کہ بند میں قین سو قلندر موجود ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ سندھ جائیں ان کے مشورے کے مطابق آپ نے سندھ پہنچ کر سیوستان میں قیام فرمایا آپ تقریباً چھ سال تک سیوستان میں رشد و ہدایت میں مصروف رہے، آخر میں آپ پر جذبہ سکرت کی کیفیت طاری ہو گئی، اور تندرہ یہ مشرب اختیار کر لیا، آپ کے قلندروں کو مالِ شہباز یہ کہتے ہیں۔ برٹن نے "ہسٹری آف سندھ" میں لکھا ہے کہ آپ بڑے عالم اور انسانیات اور سرفروغوں میں، ہر تھے۔ چنانچہ برٹن کے زمانے (۱۸۵۲ء) میں سرفروغ کی جو کتابیں راجہ قیس شلا میزانِ انصاف اور صرف سنیر کے متعلق قسم دوم وہ حضرت لال شہباز قلندر سے منسوب کی جاتی ہیں، آپ کو شہر و سخن سے جی دلیپسی تھی، عثمان تخلص فرماتے تھے، میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اپنے مشہور تذکرے مقالات الشہداء میں آپ کی ایک غزل نقل کی ہے جو آج بھی اہل نظر کے

خالقہ کے مصارف کے لئے گاؤں وقف کئے جائیں، مگر شیخ عثمان
مروندی نے اسے قبول نہ کیا، اور ملتان سے روانہ ہو گئے، ایک روز

(بیتہ ذی ثلث صغیہ گذشتہ بسند ۷۰)

لئے سر، یہ تسکین دل و جاں ہے۔ فرماتے ہیں۔

عشقِ دوست ہر ساعت درونِ ناری رقصم
گہے بر خاکِ می غلظم، گہے بر خارِ می رقصم
بیالے سطرِ مجلسِ سماجِ ذوقِ را در وہ
کہ من از شادی وصلش قلندر واری رقصم
شدم بدنام در عشقِ بیالے پارِ ساکنوں
نمی ترسم ز رسوائی بہر بازارِ می رقصم
مرا خلتے ہی گوید گدا چندین، چہ می رقصی
بدنِ دارِ کیم اسرارے از آن اسرارِ می رقصم
منہ عثمان مرند کی یادِ خوانہ منصورم
ملا مت، ہی کند خلتے دمن ہزارِ می رقصم

مخبر دم شہباز قلندر نے ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۷ شعبان ۱۲۷۷ھ کو وفات پائی، اور سیوستان
میں آج بھی آپ کا مزار پُر افراہ رجع خاص و عام ہے۔

نیروز شاہ افلق کی حکومت کے زمانے میں میرا ملک رکن الدین میں اختیار الدین زالی سیوستان
نے آپ کا روضہ مبارک تعمیر کرایا، اس کے بعد ۱۲۹۲ھ میں تین فی خاندان کے آخری
بادشاہ میرزا جانی بیگ ترخان نے آپ کے روضے کی توسیع و ترمیم کرائی، پھر
۱۳۰۷ھ میں میرزا جانی بیگ ترخان کے بیٹے میرزا غازی بیگ نے اپنی صوبہ داری
کے زمانے میں اس میں دوبارہ ترمیم کرائی۔

(ماخذ از تذکرہ صوفیائے سندھ مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی ص ۱۶۹ تا ۲۰۵)

شیخ عثمان، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف خاں شہید کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے، مجلس میں کچھ عربی اشعار پڑھے جا رہے تھے، کسی شعر کو سن کر ان بزرگوں پر زبرد کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ رقص کرنے لگے، خان شہید ان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا اور زار زار روتا رہا۔

شیخ صدر الدین کے ملفوظات: ان کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے کنسر الرمز کے نام سے جمع کیے تھے، یہ ملفوظات پند و موخت، اسرار و معارف، اثر و تاثیر کے لحاظ سے ایک بیش بہا خزینہ ہیں، ہم اخبارالاخیار سے ان ملفوظات میں سے چند ارشادات یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں۔ اپنے مریدوں کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، جو اس قلعے میں داخل ہو گیا، وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا، اور اس قلعے میں آنے کے تین طریقے ہیں، ظاہر، باطن اور حقیقت۔

ظاہر یہ ہے کہ بندہ خون اور امید سوائے خدا کے کسی سے نہ رکھے، اگر تمام لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے فکر نہ ہو، اور اگر تمام لوگ اس کے دوست ہو جائیں تو اس سے خوش نہ ہو، کیونکہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی نفع نقصان اور اور خیر و شر اس کو نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے وان یمسسک اللہ بضیر فلا کاشف لہ وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ۔

باطن یہ ہے کہ آدمی کو اس کا یقین ہو کہ موت سے پہلے اس دنیا سے فنا ہو جائے گا جو کچھ اس کو پیش آتا ہے وہ آتی و نانی

ہے، اور خدائے تعالیٰ کو تلمیہ اُس کے ذاتی ہونے پر چکا ہے۔
 کل من علیہا فان، اُس کی ہستی و نیستی قابل استغاثات نہیں۔
 حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے قلب میں نہ جنت کی آرزو ہو، نہ
 دوزخ کا خوف ہو، صرف اللہ ہی اللہ، موجب انسان کے دل میں
 یہ سچائی جاگزیں ہو جاتی ہے تو بہشت اُس کے پیچھے پیچھے آتی ہے
 اور دوزخ اس سے بھاگتی ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ پہلا قریم اتباع رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایمان لانا ہے، اور پھر اُس ایمان پر
 ثابت قدم ہوتا ہے، اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک
 کہ بغیر کسی شک و شبہ کے بغت محبت اور معرفت کے ساتھ دل میں
 یہ اعتقاد رکھے کہ خدائے تعالیٰ اپنی ذات میں اکید اور اپنی صفات
 میں یگانہ اور تمام صفات کمالیہ سے مضاف ہے، اسماء و صفات اور
 افعال کے لحاظ سے قدیم ہے، وہام و افہام کے اور ک سے
 بالاتر ہے، حدوث، عوارض اور اجسام کی علم متوں سے منزہ ہے،
 تمام عالم اُسی کا پیرا کی ہوا ہے، اُس کی ذات و صفات ہیں چون
 چرا کرنا جائز نہیں، نہ وہ خود کسی چیز سے مشابہ ہے، تمام پیغمبر اُسی
 کے بھیجے ہوئے ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام
 پیغمبروں سے افضل ہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا وہ صحیح ہے اور
 اُس میں کوئی تفاوت نہیں، خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں،
 اگر نہ آئیں تب بھی انہیں ماننا چاہئے تاکہ اعتقاد کی درستی حاصل ہو
 کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم کو جانا، اُس کی
 گہنہ اور کیفیت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی، اگر خدائے تعالیٰ
 کے حکم کی تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز

ہے، اور صحتِ ایمان کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کو خوشی محسوس ہو، اگر اُس سے بُرائی سرزد ہو تو اُس کو وہ بُرائی بُری معلوم ہو، اور ایمان کے استقفاست کی علامت یہ ہے کہ بندے کو از روئے ذوق و حال کے افسد اور اس کا رسول اُس کو محبوب ہوں بجائے علم کے۔

ایک اور موقع پر اپنے مریدوں کو وصیت فرمائی کہ کوئی سانس بغیر ذکر کے باہر نہ نکلنا چاہئے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی بغیر ذکر کے سانس لیتا ہے، وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے، اور ذکر کے وقت دسوسہ اور حدیثِ نفس سے گریز کرنا چاہئے، جب یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو دسوسہ اور حدیثِ نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے اور دل میں نورِ ذکر اترتا جائے گا، اور قلب میں ذکر کی حقیقت ممکن ہو جائے گی، پھر ذکر مذکور کے مشاہدے کے ساتھ ہوگا، اور دل نورِ یقین سے منور ہو جائے گا، اور یہی طابوں اور سالکوں کا مقصود ہے :-

ایں کار دوست ست کنوں تا کر بار سر

ایک موقع پر مریدوں سے یا ایہا الذین امنوا انکم واللہ ذکرًا کشیر آکے ضمن میں فرمایا۔

خداے تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو سعید بندہ لکھ دیتا ہے، اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کے موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے، اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی طرف ترقی دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش ہو جاتی ہے، لیکن دل خاموش نہیں ہوتا، یہی ذکرِ کشیر ہے، اور بندہ اس ذکر تک اُس وقت تک نہیں پہنچتا

جب تک کہ وہ نفاقِ خفی سے بری نہ ہو، جس کے متعلق حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اُمت کے اکثر
مُنافق اُس کے قاری ہیں۔ اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ دُشمنی
اور تعلقِ باطن ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے، باطن کا تعلق صرف
خدا سے ہونا چاہئے، پس جب بندے کو تجریدِ ظاہری یعنی ناپسندیدہ
چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے، اور وہ بُرے و سادس
اور اخلاق سے پاک و صاف ہو کر تفریدِ باطن سے آراستہ ہوتا ہے
تو توفیق کی جاتی ہے کہ اُس کے باطن میں نور کا ذکر متجلی ہو جائے
اور شیطانی و سادس اور نفسانی خواہشات اُس سے دور ہو جائیں
اور اُس کے باطن میں نور کے ذکر کا جو ہر نمایاں ہو جائے، یہاں تک
کہ اُس کا ذکر مشاہدہ مذکور متجلی کر دے، اور یہ بلند مرتبہ اور عطیہ
عظمیٰ ہے کہ جس کے حصول کے لئے اُمت کے اصحاب کی
ہمت اور اربابِ بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں، اور اللہ ہی
توفیق دینے والا اور مددگار ہے۔

رشد و ہدایات سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ شیخ صدر الدین اٹھارہ
ساں تک ملتان میں اپنے والد کی خانقاہ میں
رشد و ہدایت اور مریدوں کی اصلاح و تربیت میں مصروف رہے یہ
وفات شیخ صدر الدین کا سنہ وفات سفینۃ الاولیاء ص ۲۲ ذیل
۶۸۴ھ مذکور ہے، صاحبِ مرآۃ الاسرار کا بیان ہے کہ

۱۔ شیخ صدر الدین کے یہ تمام موقوفات اخبار الاخیار ص ۶۲ و ۶۳ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۹

۳۔ سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت شیخ صدر الدین محمد۔

وفات کے وقت آپ کی عمر انتھر سال کی تھی، صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے آپ کا سنہ وفات ۷۶۷ھ بتایا ہے۔

قبر شریف ملتان میں اپنے والد حضرت بہاء الدین زکریا کے پہلو میں ہے۔
 حضرت شیخ صدر الدین کے جلیل القدر خلفاء میں شیخ جمال خنداں
 خلفاء شیخ حسام الدین ملتانی، مولانا علاء الدین خجندیہ، شیخ احمد
 بن محمد قندھاری معروف بہ شیخ احمد معشوق اور شیخ صلاح الدین درویش

۱۷ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۶

۱۷ شیخ حسام الدین ملتانی حضرت شیخ صدر الدین عارف کے عظیم المرتبت خلفاء میں
 تھے، قاضی جمال کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ مشہور ہے کہ وہ ایک روز حضرت بہاء الدین زکریا
 ملتانی کے مزار کی زیارت کے لئے گئے، اُن کے دل میں خیال گزرا کہ اگر شیخ صدر الدین ایک گز
 زمین میری قبر کے لئے اس روضہ معلّے میں عطا فرمائیں تو میرے لئے کتنی بڑی خوش نصیبی
 ہوگی شیخ صدر الدین نے نورِ باطن سے اُن کے اس خیال کو معلوم کر لیا، اور شیخ
 حسام الدین سے فرمایا کہ مجھے یہاں تمھارے مزار کے لئے جگہ دینے میں تاہل نہیں لیکن
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھارے مقبرے کے لئے نواحِ بدایوں میں جگہ تجویز فرمائی
 ہے، تمھاری قبر وہیں ہوگی، چنانچہ جب وہ اپنے مرشد کے حکم سے بدایوں تشریف لائے تو
 آخر وقت تک وہیں رہے۔ شیخ حسام الدین نے ۷۸۷ھ میں بدایوں میں وفات پائی

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۲)

۱۷ مولانا علاء الدین خجندیہ حضرت شیخ صدر الدین کے جلیل القدر خلفاء تھے، وہ چودہ سال تک
 شیخ صدر الدین کی خدمت میں رہے، اُن کو شیخ صدر الدین محبوب اللہ کہا کرتے تھے۔

(بزمِ صوفیہ ص ۱۱۲)

۱۷ شیخ احمد بن محمد قندھاری شیخ صدر الدین کے اکابر خلفاء میں تھے، قندھار کے رہنے والے تھے،
 اُن کے والد محمد قندھار میں تجارت کرتے تھے، یہ خود بھی تجارت کرتے تھے، کوچہ تصوف میں
 آنے سے پہلے دولت کی فراوانی کی وجہ سے بیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے، اور شراب کے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ سے)

اس قدر عادی تھے کہ ایک لمحہ بھی بغیر بارہ و ساغر کے بسر نہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ شیخ احمد تجارت کے سلسلے میں ملتان آئے، اور بازار میں ایک دوکان لے کر اپنا کاروبار شروع کیا، اتفاق سے ادھر سے شیخ صدر الدین گزرے، آپ کی نظر اُن پر پڑی جب آپ اپنی خانقا میں پہنچے تو آپ نے شیخ احمد کو اپنے خادم کے ذریعہ بلوایا، جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گرمی کا موسم تھا، شیخ صدر الدین کے لئے شربت لایا گیا، شیخ صدر الدین نے اس میں سے تھوڑا سا شربت پی کر شیخ احمد کو دیا، شیخ احمد نے اُسے پیا، شربت کا پینا ہی تھا کہ اُن پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اُسی وقت تجارت کا سارا سامان فقرا اور مساکین میں تقسیم کر کے شیخ صدر الدین کی بیت سے مشرف ہوئے اور اپنے مرشد کی خانقاہ میں عزت نشیں ہو گئے، تجرید و تفرید کا اُن پر اس قدر غلبہ تھا کہ سات سال ایک گرتے اور تہ بند میں گزارے اور اپنے شیخ سے تربیت پاتے رہے۔

(خزینۃ الصغیر، جلد دوم ص ۴۴ و ۴۵)

اُن کے معشوق کے خطاب کی وجہ فوائد الفواد میں یہ ملتی ہے کہ ایک روز خولجہ نظام الدین محبوب الہی نے اُن کے متعلق فرمایا کہ۔

ایک رات چلے کے جاڑے میں وہ (شیخ احمد) ادھی رات کو باہر آئے، اور پاس ہی بیٹے ہوئے پانی میں جا کر کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے الہی میں اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہ نکلوں گا جب تک کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں کیوں ہوں، اُن کے کان میں آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمھاری وجہ سے قیامت کے روز بہت سے لوگ دوزخ سے محفوظ رہیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ میں صرف اس بات پر اکتفا نہیں کر سکتا، آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ قیامت کے روز تمھاری عنایت کے وجہ سے بہت سے لوگ بہشت میں جائیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی، میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں؟

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۷۷)

آواز آئی ہم نے حکم کر دیا ہے کہ سارے درویش اور عارف ہمارے عاشق ہوں اور تم ہمارے معشوق ہو، یہ سن کر شیخ احمد پانی سے نکل کر شہر کی طرف گئے، راستے میں جو شخص اُن سے ملتا وہ السلام علیکم یا شیخ احمد معشوق کہتا۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد زار و قطار رونے لگے، کسی نے اُسی مجلس میں کہا کہ سنا جاتا ہے کہ شیخ احمد نماز نہیں پڑھتے تھے، فرمایا ہاں جب اُن سے کہا جاتا کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو کہتے کہ نماز پڑھوں گو مگر سورۃ فاتحہ نہیں پڑھوں گو، اس پر کہا جاتا کہ بغیر فاتحہ کے نماز درست نہ ہوگی، جب اُن سے اس پر اصرار کیا جاتا تو کہتے کہ سورۃ فاتحہ پڑھوں گا ایاک نعبد و ایاک نستعین نہ پڑھوں گا، پھر اُن سے کہا جاتا کہ اس کے بغیر سورۃ فاتحہ درست نہ ہوگی، اور نہ نماز صحیح ہوگی، اس بحث و تمحیص کے بعد وہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، جب ایاک نعبد و ایاک نستعین، پر پہنچتے تو اُن کے ہر بن ٹوٹے خون جاری ہو جاتا، اور نماز توڑ دیتے، اور حاضرین سے فرماتے کہ ایسی حالت میں نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے مرفوۃ الفوائد ص ۲۵ و ۲۵۸) یہ واقعہ تصویف سے تغیر الفاظ کے ساتھ (خزینۃ الاصفیٰ جلد دوم ص ۴۵ و ۴۶ پر بھی مذکور ہے) شیخ احمد نے ۷۳۳ھ میں وفات پائی (خزینۃ الاصفیٰ جلد دوم ص ۴۶)

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۷۷)

۷۷۷ شیخ صلاح الدین درویش، شیخ صدر الدین کے مرید و خلیفہ اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ہمسایہ و معاصر تھے، سلطان محمد بن تغلق شاہ سے جو ایدائیں اور تکالیف شائع کو پہنچتی تھیں، شیخ نصیر الدین اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق انھیں برداشت کرتے تھے، لیکن شیخ صلاح الدین بادشاہ سے سختی سے پیش آتے تھے، وہ ملتان کے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسملہ ۵۵)

دہلی آکر مقیم ہوئے اور انھوں نے دہلی ہی میں وفات پائی، اُن کا مقبرہ حضرت شیخ نصیر الدین
محمود چانگ دہلی کے مقبرے کے قریب واقع ہے، اُن کا عرس ۲۲ صفر کو ہوتا ہے، شیخ
صلاح الدین کی ایک مناجات یوگور میں شیخ صلاح کے نام سے شہر ہے۔ اس مناجات
کے چند فقرے شیخ عبدالحق محدث نے اپنی کتاب اخبارالآخیر میں بھی نقل کئے ہیں۔
دی ترم تفصیل اخبارالآخیر ص ۶۶ سے ماخوذ ہے)



(۵۴)

سید عزیز الدین مکی لاہوری

حالات سید عزیز الدین مکی سادات عظام اور اولیائے کبار میں تھے۔ تحفۃ الواصلین میں ہے کہ اُن کے بزرگوں کا وطن بغداد تھا، اور اُن کا سلسلہ طریقت چند واسطوں سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی سے

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی کی کنیت ابو القاسم، لقب سید الطائفہ و طائوس العلماء، تواریخی اور زجاج تھا، زجاج آپ کو اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کے والد محمد آگینہ فروش تھے، اور ہنر مند کے رہنے والے تھے، حضرت جنید بغدادی میں پیدا ہوئے، اور حضرت سفیان ثوری کے مذہب کے پیرو تھے، اور حضرت سری سقطی کے بھانجے تھے، اور انھیں سے بہت سی تھی، حضرت جنید کا شمار اکابر شائخ میں ہوتا ہے، وہ ایک عرصے تک عارث محاسبی محمد قصابؒ کی جنت میں بھی رہے۔ ابو الحسن نوری، بلی اور خزار وغیرہ جیسے اکابر صوفیہ اپنے سلسلوں کو حضرت جنیدؒ کی طرف نسبت کر کے درست کرتے ہیں، حضرت جنیدؒ سے نسبت رکھنے والوں کو جنید می کہتے ہیں اور آپ کا نواں طریقت میں حجت اور دلیل سمجھا جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی نے شعبہ کے دن ۲۷ رجب ۲۹۷ھ کو وفات پائی، آپ کا مزار مبارک بغداد میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (ماخوذ از سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت جنید بغدادی)

جا ملتا ہے، وہ پہلے بغداد سے مکہ معظمہ آئے اور تقریباً بارہ سال وہاں قیام کیا، اور پیر مکی کے لقب سے مشہور ہوئے، پھر وہ ہندوستان تشریف لائے، اور ۷۳۵ھ میں جب کہ سلطان شہاب الدین غوری نے لاہور کا محاصرہ کر رکھا تھا لاہور پہنچے۔ اُس وقت لاہور میں غزنویوں کی حکومت تھی، لاہور کے غزنوی حاکم خسرو ٹاک بن ظہیر الدین نے آپ سے دعا کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے چھ سال تک یہ ملک تمہارے پاس امانت ہے، اس کے بعد اس ملک پر غوری قابض ہوں گے، چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری ناکام ہو کر واپس چلا گیا، پھر وہ ۷۳۸ھ میں براہ سیال کوٹ لاہور پر حملہ آور ہوا، پہلے اُس نے سیالکوٹ میں قلعہ تعمیر کرایا، اور پھر لاہور کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ لاہور کو فتح کر لیا۔

۱۰۰۰ھ ہرات کے مشرقی کوہستان میں غور ایک وسیع خطہ کا نام ہے۔ محمود غزنوی نے اس کو فتح کر کے اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنالیا تھا۔ غور کے باشندوں نے دوسری صدی ہجری میں اسلام قبول کر لیا تھا، یہاں سب افغانی قومیں آباد تھیں، محمود غزنوی نے غور کی صوبہ داری پر وہیں کے ایک شریف شخص کو مامور کیا تھا، پھر اسی خاندان میں غور کی صوبہ داری چلتی رہی، اتفاقاً سلطان بہرام غزنوی اور غور کے حاکم قطب الدین غوری میں کچھ ناچاقی پیدا ہو گئی اور نوبت جنگ تک پہنچی، اس لڑائی میں قطب الدین غوری مارا گیا، قطب الدین غوری کے بھائی سیف الدین نے اپنے بھائی کے انتقام میں غزنی پر فوج کشی کر کے بہرام کو غزنی سے نکال دیا اور خود تخت غزنی پر قابض ہو گیا، بہرام نے اطراف غزنی سے فوجیں جمع کر کے غزنی پر حملہ کیا اور سیف الدین کو گرفتار کر کے سخت اذیتوں کے ساتھ قتل کر دیا، سیف الدین غوری کے بھائی علاء الدین غوری کو جب معلوم ہوا تو وہ اپنے دونوں بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے غزنی پر حملہ آور ہوا، اُس نے بھائیوں کے انتقام میں غزنی میں قتل عام کیا، سلاطین غزنی کے مقبروں کو

حضرت پیر ملی لاہور میں تقریباً چھتیس سال درس و تدریس، ارشادِ تلقین میں مصروف رہے، اور بہت سے طالبانِ معرفت نے آپ سے حق کی راہ پائی۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

سمار کیا، اور مکانوں کو آگ لگا دی، جس کی وجہ سے وہ علاء الدین جہاں سوز کے لقب سے تاریخ میں مشہور ہوا، وہ غزنی فتح کر کے اپنے دار الحکومت فیروز کوہ چلا گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین ثانی غور کے تخت پر بیٹھا، سیف الدین ثانی کے بعد ۵۵۲ھ میں علاء الدین غوری تخت پر بیٹھا، اس کا بھائی شہاب الدین غوری بھی اس کی سلطنت و حکومت میں شریک تھا، اور دونوں مل کر بڑے اتفاق و محبت سے حکومت کرتے تھے۔ شہاب الدین غوری اپنے بھائی غیاث الدین کو مثل اپنے آقا کے بمحض تھا، خراسان کا اکثر ملک فتح کرنے کے بعد غوریوں نے ہندوستان کی طرف توجہ کی، اس وقت پنجاب میں بہرام غزنوی کی اولاد حکمران تھی، چنانچہ شہاب الدین غوری نے اُن سے پنجاب کا ملک چھیننا ضروری سمجھا، اور شہاب الدین غوری نے ۵۸۲ھ میں خسر و ملک غزنوی کو لاہور سے گرفتار کر کے غیاث الدین غوری کے پاس غور کی طرف بھیج دیا، اور خود لاہور پرتا بھن ہو گیا۔

۵۹۹ھ میں غیاث الدین غوری کی وفات کے بعد شہاب الدین غوری فیروز کوہ میں غور کے تخت پر بیٹھا، ہندوستان میں اُس کی طرف سے اس کا غلام قطب الدین ایبک نرماں رواتھا، وہ اپنی بادشاہت کے بعد صرف ایک مرتبہ ہندوستان آیا، یہاں سے وہ غور کی طرف جا رہا تھا کہ ۶۰۲ھ میں فدائیوں یا لکھنویوں کے ہاتھ سے اپنے خیمے میں رات کے وقت دھوکے سے شہید کیا گیا۔

(تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ مؤلفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

سلطان شہاب الدین غوری کے قاتل کے سلسلے میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ درحقیقت لفظ "سلاحہ" تھا۔ طبقاتِ ناسری نے خواہ مخواہ فدائی کا نقطہ بڑھا

وفات حضرت پیر مکیؒ نے ۶۱۲ھ میں وفات پائی، اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے اس قطعہ میں آپ کا مادۂ تاریخ وفات بحال ہے۔

ز دنیا چو شد در بہشتِ معلیٰ
شہرِ دین و شیخِ زمین پیرِ مکی
در صالحش بگو "آفتابِ حسین"
بخواں نیز "پیرِ حسنؒ پیرِ مکی"
۶۱۲ھ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۵)

زیادہ ہے جس سے بعض لوگوں کو یہ اشتباہ ہوا کہ قاتل کرامتی تھا۔ قاتل کھوکھر تھا نہ کہ گلکھر! ملاحظہ ہو مضمون "قتل غوری" بابت جنوری ۱۹۵۶ء مطبوعہ ماہنامہ بڑہاں۔ دہلی۔
مصنف لیفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید۔ قتل کو مقام ڈمیک تھا، جو آج دریائے جہلم کے ذرا اوپر واقع ہے۔

(۵۵)

شیخ علاء الدین ابو دھنی

نام و نسب آپ کا اسم گرامی علاء الدین ، والد کا نام شیخ بدر الدین سلیمان تھا، آپ شیخ شیوخ العالم بابا فرید الدین گنج شکر کے پوتے تھے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔

بچپن ہمیں شیخ علاء الدین کے بچپن کے کچھ حالات سیر الاولیاء میں ملتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء کے والد سید محمد مبارک کرمانی کا بیان ہے کہ میں اور شیخ علاء الدین رضاعی (دودھ شریک) بھائی تھے، آپ نے میری والدہ کا دودھ پیا تھا۔

تعلیم پھر ان کا بیان ہے کہ میں اور حضرت بابا فرید کے چھوٹے صاحبزادے خواجہ یعقوب، اور آپ کے پوتے شیخ علاء الدین اور کچھ دوسرے لڑکے جب کے مولانا بدر الدین

سحاق ابو دھن (پاک پٹن) کی جامع مسجد میں مقیم تھے، اُن سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔

حضرت بابا فرید کی شفقتیں

سید مبارک کرمانی کا بیان ہے کہ کچن کے زمانے میں ایک دن میں اور شیخ علاء الدین حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُس وقت آپ چار پانی بیٹھے پان کھا رہے تھے، ہم دونوں چار پانی کی پٹی پکڑ کر کھڑے ہو گئے، حضرت بابا فرید نے پیار سے اپنے منہ سے کچھ پان نکال کر میرے اور شیخ علاء الدین کے منہ میں رکھا، پھر آپ چار پانی سے وضو کے لئے اٹھے اور گُرسی پر بیٹھ گئے، عیسیٰ نامی ایک درویش جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا اُس نے جاننا درست کر کے بچھاؤ اور آپ کو وضو کرانے لگا، آپ وضو میں مشغول تھے کہ شیخ علاء الدین، کھیلنے ہوئے جاننا پر جا بیٹھے، عیسیٰ درویش نے دیکھا تو دانتوں میں آنکلی دبا کر اشارے سے اُن کو روکا، اُتے میں حضرت بابا فرید نے پہلے عیسیٰ کی طرف اور پھر شیخ علاء الدین کی طرف دیکھا، اور مسکرا کر فرمایا عیسیٰ! انہیں بیٹھنے دو اور مت روکو، چنانچہ آپ کی دعا سے دو قرن کے بعد شیخ علاء الدین آپ کے سجادے پر اس طرح بیٹھے کہ سوائے نماز جمعہ کے سجادے ہلتے نہ تھے خواہ اُن کے پاس بادشاہ وقت ہی کیوں نہ آتا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ علاء الدین سولہ سال کی عمر میں سجادگی اپنے والد کی جگہ حضرت بابا شیخ فرید الدین گنج شکر کے سجادے پر متمکن ہوئے، اور چون سال تک اُس سجادے پر متمکن رہ کر شدتِ ہدایت، ارشاد و تلقین فرماتے رہے، آپ کی زندگی ہی میں آپ کی

ولایت، عظمت اور کرامت کا شہرہ عالم میں پھیل گیا، ابودین، دیالپور اور
جبال کے لوگ جو کشمیر کی طرف تھے آپ سے بید عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔
جب کوئی شخص بیعت ہونے کے لئے آتا تو اسے
طریقہ بیعت حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فرید روضہ مبارک
پر بھجواتے، اور کہتے کہ اسے بابا صاحب کی پابندی لے جا کر کلاہ پہنا دو۔

عبادت و ریاضت سائلم الدہر تھے، کسی نے آپ کو سوائے
سوائے عیدین اور ایام تشریق کے دن
میں کھاتے نہیں دیکھا، خود روزے سے رہتے تھے، لیکن درویشوں
کے لئے وقت دسترخوان بچھتا، جس سے عام و خاص بہرہ ور ہوتے تھے۔
سخاوت و فیاضی سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ اپنے
زاویہ سے حضرت بابا فرید کے روضہ مبارک
کی زیارت کے لئے آتے تو راستے میں فقراء و مساکین دو روپہ صفیں
باندھ کر کھڑے رہتے، آپ ہر ایک کو کچھ نقد دیتے جاتے، اگر کوئی فقیر
ایک دفعہ لے کر پھر آگے جا کر کھڑا ہو جاتا، اور لوگ کہتے کہ یہ پہلے لے
چکا ہے تو آپ اسے پہلے کی بہ نسبت دو گنا دیتے، اپنے خادموں کے ساتھ
نہایت شفقت سے پیش آتے، آپ کے خادموں کو ستانے یا نقصان پہنچانے
کی کسی میں جرأت نہ تھی بلکہ

طہارت و پاکیزگی طہارت و پاکیزگی آپ کا امتیازی وصف
تھا، ایک دفعہ شیخ بہار الدین زکریا ملتانی
کے پوتے شیخ رکن الدین دہلی سے ملتان جاتے ہوئے، حضرت بابا فرید

کے روضہ مبارک کی زیارت کے لئے پاک پٹن آئے، جب فاتحہ زیارت سے فارغ ہو کر روضہ مبارک سے باہر نکلے تو شیخ علاء الدین سے مصافحہ کر کے بغل گیر ہوئے، اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو وہ استقامت بخشی ہے کہ کوئی آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا، میرا آپ سے جدا ہونے کو ہرگز جی نہیں چاہتا، لیکن چند متعلقین کی محبت آپ سے جدا کر رہی ہے، یہ کہہ کر آپ سے رخصت ہوئے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد شیخ علاء الدین اپنے گھر واپس ہوئے، اور اسی وقت غسل کر کے دوسرے کپڑے پہنے، لوگوں نے یہ بات شیخ رکن الدین تک پہنچا کر اُن سے کہا کہ یہ سوائے تکبر کے کہاں کی بزرگی ہے کہ آپ جیسے پاک اور پاک نژاد سے اُنھوں نے معانقہ کر کے یہ عمل کیا، شیخ رکن الدین نے اُن لوگوں سے فرمایا کہ تم شیخ علاء الدین کی قدر کیا جان سکتے ہو وہ وہ بزرگ ہیں کہ جنھیں یہ بات زیب دیتی ہے، کیونکہ ہم سے دنیا کی برآتی ہے، اور وہ اس سے میرا ہیں، وہ دنیا سے دور رہ کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مظلوموں کی حمایت مظلوموں کے بچہ حامی تھے، اگر کوئی شخص ظالموں کے ہاتھ سے تنگ آ کر روضہ مبارک کے جماعت خانے میں پناہ لیتا تو آپ کے رعب سے بادشاہ وقت تک کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اس مظلوم کو وہاں سے لے جائے۔

وفات شیخ علاء الدین اپنی وفات کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر کے روضہ مبارک میں مدفون ہوئے، اور سلطان محمد تغلق نے جو آپ کا مرید و معتقد تھا آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرایا۔

اولاد شیخ علاء الدین کے دو صاحبزادے تھے شیخ معز الدین اور شیخ علم الدین۔ شیخ معز الدین نے مولانا وجیہ الدین پانلی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کے سجادے پر بیٹھے، لیکن کچھ دن کے بعد سلطان بن محمد بن تغلق نے اُن کو دہلی بلا

۱۷ مولانا وجیہ الدین پانلی، بہت بڑے عالم متبحر، اُستاد یگانہ اور زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے مرید تھے اور ان سے کمال عقیدت رکھتے تھے، ایک دفعہ وہ سلطان المشائخ کے جماعت خلع میں دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے، جب کھانا کھا کر اٹھے تو آپ کے جوتے کوئی اٹھا کرے جا چکا تھا، سلطان المشائخ کو جب معلوم ہوا تو اپنے جوتے مولانا وجیہ الدین پانلی کے لئے بھجوائے، آپ نے اُن جوتوں کو پہننے کے بجائے چوم کر اپنی دستار میں رکھ لیا، اور ننگے پاؤں روانہ ہوئے لوگوں نے کہا سلطان المشائخ نے یہ جوتے تو آپ کے پہننے کے لئے بھیجے ہیں۔ آپ نے جواب دیا نہیں یہ تو میرے مسکاتاج ہیں جو سلطان المشائخ نے مجھے عطا فرمایا ہے، میری کیا مجال ہے کہ میں ان کو پاؤں میں پہنوں، یہ خبر سلطان المشائخ کو پہنچی تو فرمایا مولانا وجیہ الدین سے کہو کہ وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار مبارک کی زیارت کر کے جائیں چنانچہ مولانا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے، جب فاتحہ و زیارت سے فارغ ہو کر روضہ مبارک سے نکلے تو دروازے پر آپ کو اپنے جوتے ملے، مولانا وجیہ الدین اپنی وفات کے بعد حوض شمس کے کنارے حظیرۃ قاضی کمال الدین صدر جہاں اور قلع خان میں بالائی جانب مدفون ہوئے کہ یہ دونوں آپ کے شاگرد تھے۔

(سیرالاولیاء باب پنجم ص ۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹ اخبارالاخیار ص ۹۹)

بھیجا، اور نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا، پھر انھیں کسی معزز عہدے پر گجرات بھیجا دیا، وہیں وہ ظالموں اور باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

شیخ علم الدین کی بھی سلطان محمد بن تغلق نہایت توقیر و تعظیم کرتا تھا، سیر الاولیاء میں ہے کہ سلطان محمد بن تغلق نے اُن کو ہندوستان کا شیخ الاسلام بنا دیا تھا، لاکھوں انسانوں کو آپ کے سپرد کیا تھا، اُس زمانے کے مشائخ اُن کے مطیع و فرماں بردار تھے، وہ دین و دنیا میں نہایت مکرم و معظم تھے، جب اُنھوں نے وفات پائی تو اپنے والد کے روضے میں دفن کئے گئے۔

شیخ معز الدین کے صاحبزادے افضل الدین فضیل تھے جو اپنی صورت و سیرت میں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر تھے اور جو اپنے والد کی جگہ سجادہ نشین ہوئے۔

شیخ علم الدین کے صاحبزادے شیخ منظر الدین تھے جو اپنے والد کے بعد شیخ الاسلامی پر مامور ہوئے۔

میر خود نے شیخ علاء الدین کے محاورے فضائل و مناقب مناقب، زہد و ریاضت اور اُن کے علوئے مرتبت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اں افضل مشائخ طریقت، اں اکرم اولیاء حقیقت
کہ در علوئے درجات و رفعت مقامات و شدت بجاہات
و ذوق مشاہدات در عصر خویش مثل نداشت، و در بذل و

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۹۶ ۲۔ ایضاً ص ۱۹۷ ۳۔ ایضاً ص ۱۹۷
۴۔ ایضاً ص ۱۹۷ -

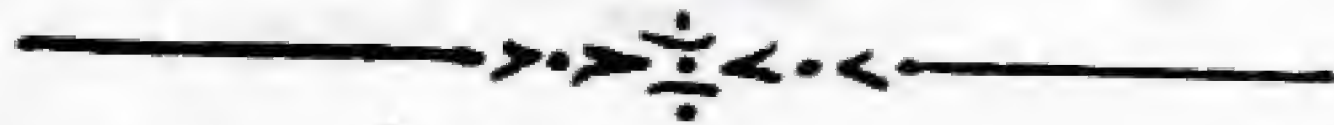
ایشان بے نظیر بود، و در مبالغت طہارت ظاہر و باطن در میان
مشاریح وقت بے مثل بود۔

برنی نے اپنی مشہور کتاب: تاریخ فیروز شاہی میں اس عظیم المرتبت
شیخ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

در تفسیر نوشتہ اند کہ بعضے ملائکہ مقدس بحض عبادت خدائے

جل و علا مجبول اند، و از آفرینش جز تعب و بیخ مشغولی ندارند

شیخ علاء الدین نیز ہم اندہ آن قبیل آفریدہ شدہ بود۔



(۵۶)

شیخ علاء الدین ملتانی

حالات شیخ علاء الدین ملتانی، سلسلہ سہروردیہ کے شیوخ اور حضرت شیخ صدر الدین عارف کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں، نہایت عابد و زاہد، متقی اور علوم ظاہری اور باطنی کے عالم تھے۔ اور اپنے پیر کے نزدیک نہایت بلند مقام رکھتے تھے، شیخ صدر الدین عارف نے اُن کو محبوب اللہ کا خطاب دیا تھا، حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری سے بھی اُن کے بے حد مراسم اور تعلقات تھے۔

وفات شیخ علاء الدین نے ۸۴۷ھ میں وفات پائی، مفتی غلام سرور نے اس قطعے میں اُن کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

گشت روشن چو در بہشت بریں
مثل مہربین علاء الدین
لفظ نصرت بخواں بتاریخ
نیز شاہ کبیر علاء الدین

قطب عالم شیخ عبد الجلیل چوہدری ندکی لاہوری

حالات شیخ عبد الجلیل سہروردیہ سلسلے کے عظیم المرتبت شیوخ میں ہیں، آپ کا سلسلہ نسب چار واسطوں سے سلطان التارکین حمید الدین ابوالفتح بادشاہ کیچ و مکران سے جاملتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

شیخ عبد الجلیل بن ابوالفتح بن شیخ عبدالعزیز بن شیخ شہاب الدین بن شیخ نور الدین بن سلطان التارکین حمید الدین حاکم۔

بیعت علوم رسم کی تکمیل کے بعد شیخ عبد الجلیل نے اپنے والد بزرگوار سے بیعت کی اور مختلف ممالک کے دوسرے شیوخ سے بھی استفادہ کیا، پھر اپنے وطن سے لاہور تشریف لائے، ہندوستان کے سفر میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ بابا فرید گنج شکر ان سے فرماتے ہیں کہ اے شیخ! تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ تم پہلے ہمارے روضے پر آکر اپنا حصہ حاصل کرو جو ہمارے پاس ہے، اور اس کے بعد لاہور جاؤ،

چنانچہ آپ احمد دھن حاضر ہوئے اور بابا فرید گنج شکر کے مزار پر جلد گھنپا اور سلسلہ چشتیہ کے فیوض و برکات سے بہرور ہوئے۔

اس کے بعد آپ لاہور تشریف لائے
لاہور میں تشریف آوری اور لاہور کے متصل ایک گاؤں

کوٹ گوجر میں قیام فرمایا، اب اس گاؤں کا نام و نشان باقی نہیں پھر آپ اسی گاؤں میں پسند و موافقت و ارشاد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ اور طالبان حق آپ کے پاس کثرت سے جمع ہونے لگے۔

دلایل الخیرات کی خواندگی شیخ عبد الجلیل دلائل الخیرات کثرت سے پڑھتے، معمول تھا کہ آپ

ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد اور ایک مرتبہ شام کو پابندی سے دلائل الخیرات ختم کرتے، جس مرید پر آپ کی توجہ خاص ہوتی اس کو بھی ارشاد فرماتے کہ وہ دلائل الخیرات پڑھنے کی پابندی کرے۔

تذکرہ عبد الجلیل میں ہے کہ یکم رجب ۸۹۷ھ کو شیخ عبد الجلیل اپنے مریدوں کی مجلس میں رونق افروز تھے، اور آپ کے

خلفاء میں سے شیخ یونس، شیخ جلال، شیخ مولا نجار، شیخ بیٹھایاہ پوش، شیخ موسیٰ آہنگر، ملا قرن شیخ زین العابدین اور دوسرے خلفاء موجود تھے۔ چنانکہ آپ سرسبز رہے ہو گئے، اور سجدہ ہی میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔

سلطان سکندر لودھی جو اس وقت لاہور میں تھا، اس نے جب آپ کی وفات خبر سنی تو خود غسل و کفن اور نماز جنازہ میں شریک ہوا، نماز جنازہ کے بعد آپ کو خانقاہ میں لاہور کے باہر دفن کیا گیا، مزار پر انوار آن بھی زیارت گاہ خلق اللہ ہے۔

تاسیخ وفات شیخ ابو بکر نے جو آپ کے بھائی اور خلیفہ بھی،

اور انھوں نے آپ کی سوانح تذکرہ عبد الجلیل کے نام سے مرتب کی ہے،
انھوں نے آپ کی تاریخ وفات لفظ ”شیخ“ سے نکالی، مفتی غلام سرور نے
مادہ تاریخ اس شعر میں نکالا ہے۔

دگر از دل بسر در سال وصلش
ندا آمد کہ مہتاب جہاں تاب

۹۰۲ھ

لفٹینٹ کرنل خواجہ عبدالرشید منیر جناح ہسپتال کراچی نے اپنے مضمون لاہور کے
صوفیائے کرام میں آپ کے مزار اور خانقاہ کا محل وقوع اس راستے پر
بتایا ہے جو قلعہ گوجر سنگھ سے شمال کی جانب اکبری دروازے کو جاتا ہے،
اُن کا بیان ہے کہ خانقاہ کے دروازے پر یہ رباعی کندہ ہے۔

مکان خانقاہ قطب عالم
چو از تعمیر نوز بہت پذیرفت
بتاریخ بنایش ہاتف غیب
بنائے از غلام محی الدین گفت

آپ کے خلفاء میں شیخ علم الدین چرنی وال، شیخ موسیٰ آہنگر اور
خلفاء شیخ ابوبکر وغیرہ مشہور ہیں۔

شیخ موسیٰ آہنگر بہروردی لاہوری شیخ عبد الجلیل کے نامور مرید اور خلیفہ ہیں،
انھوں نے ابتدائے ملتان میں شیخ شہراشد بن یوسف سجادہ نشین روضہ شیخ
بہار الدین زکریا ملتانی سے بیعت کی تھی، ان کی وفات کے بعد وہ شیخ عبد الجلیل
کے مرید ہوئے، تذکرہ عبد الجلیل میں ہے کہ شیخ شہراشد نے اپنی وفات کے وقت

لے دلائل الخیرات درود شریف کے بارے میں یہ ابو عبد اللہ سلیمان جزولی کی تالیف ہے۔

شیخ موسیٰ آہنگر سے فرمایا تھا کہ وہ شیخ عبد الجلیل کے مرید ہو کر سلوک کی تکمیل کریں۔
 چنانچہ وہ شیخ عبد الجلیل کے مرید ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ شیخ موسیٰ
 آہنگر نے ۱۲۵۹ھ میں ابراہیم لودھی کی حکومت کے زمانے میں وفات پائی،
 آپ کا مزار مبارک لاہور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔



(۵۸)

سید عبدالقادر گیلانی لاہوری

حالات سید عبدالقادر گیلانی درویش روشن ضمیر اور صاحب تصرف
ظاہری و باطنی تھے۔ اپنے والد سید جمال الدین سے بیعت
کی، اور اپنے وطن بغداد سے لاہور تشریف لائے اور وہیں سکونت اختیار
فرمائی چند ہی روز میں اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مزاج خاص و عام ہو گئے
سید عبدالقادر گیلانی نے ۸ ربیع الاول ۹۴۲ھ میں وفات پائی،
اس شعر سے ان کا مادۂ تاریخ وفات نکلتا ہے۔

کردِ حلت چوں زوایا بے ثبات

سالِ وصلش "عبدِ قادر ثانی" ست۔

۹۴۲ھ

اولاد آپ کی اولاد میں تین صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں سید حاجی،
سید سلطان اکبر اور سید غیاث الدین مشہور بہ دولت شاہ۔

(۵۹)

سید عثمان معروف شاہ جھولہ بخاری

حالات

عثمان نام تھا، لیکن مشہور شاہ جھولہ کے لقب سے تھے، شاہ جھولہ اُج سے لاہور تشریف لائے اور یہیں مقیم ہو گئے، لاہور کے بہت سے لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ حسن قبول کی یہ کیفیت تھی کہ عوام و خواص، شریف و وضع آپ سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ شاہ جھولہ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیاں جلال بخاری سے جا ملتا ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔

سید عثمان بن سید محمود اچھی، بن سید بہاء الدین، بن

سید حارث بن سید محمد شاہ، بن سید رکن الدین المخاطب ابو الفتح

بخاری اچھی بن سید حامد بخاری المقلب بذی زہار صاحب

دستار، بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں۔

اس سلسلہ نسب میں جن بزرگوں کے نام آتے ہیں، ان میں سے

ہر ایک سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد سے مرید تھا، شاہ جھولہ بھی سلسلہ

سہروردیہ میں اپنے والد سید محمود اچھی کے مرید تھے اور انھوں نے اپنے والد

سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔

تذکروں میں ہے کہ جب سید عثمان شاہ جھولہ کی وجہ تسمیہ آج سے لاہور تشریف لارہے تھے۔ تو ادنیٰ کو تیز چلاتے ہوئے اُن کا بازو حرکت کر رہا تھا، اُنھوں نے اپنے بازو کی حرکت کو دیکھ کر کہا کہ شاید اسے جھولہ ہو گیا ہے، جھولہ پنجابی زبان میں ریشے کو کہتے ہیں، چنانچہ اسی روز سے اُن کے بازو میں ریشہ پیدا ہو گیا، جو آخر وقت تک رہا۔ اسی وجہ سے وہ شاہ جھولہ کے لقب سے مشہور ہوئے، اُن کا لقب شیخ حسینی اور پنج پیر بھی ہے۔ شاہ جھولہ نے سکندر لودھی کے عہد میں ۱۸ ربیع الاول ۹۱۲ھ کو وفات پائی، اُن کا مزار پُرانوار اندرون قلعہ لاہور بمقام تہہ خانہ واقع ہے، جو قلعہ اکبری کی تعمیر سے قبل شہر لاہور کی اندرون آبادی میں تھا۔

سید عثمان جھولہ کے صاحبزادے سید شاہ محمد تھے، جو اپنے والد کی وفات کے بعد آج سے پنجاب پہنچے، اور اُنھوں نے اپنے والد کی مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی، سید شاہ محمد نے ۱۸ ربیع الثانی ۹۱۲ھ کو وفات پائی، سید شاہ محمد کا مزار موضع ہلکہ ضلع لاہور میں ہے۔ سید شاہ محمد کے پانچ صاحبزادے تھے ایک سید عمادی الملک، دوسرے سید بہار الدین جھولن شاہ جو گھوڑے شاہ کے لقب سے مشہور تھے، تیسرے شاہ عالم، چوتھے بہاؤن، پانچویں شاہ نوزنگ۔

سید عمادی الملک لاہور کے عظیم المرتبت مشائخ و سادات میں شمار

۱۔ عہد سکندر لودھی (۹۲۳-۸۹۲) صوت شیر شاہی ص ۱۰۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۷۹ سے ماخوذ ہے۔ ۲۔ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۹۰۔

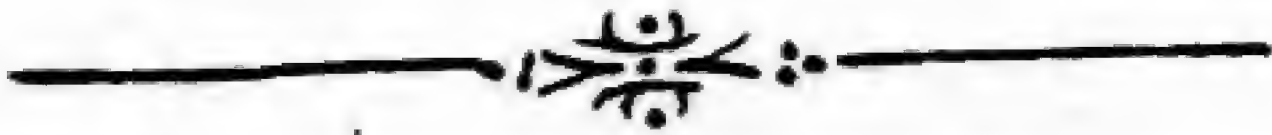
(۶۰)

شیخ علم الدین چونی وال

حالات شیخ علم الدین چونی وال سلسلہ ہروردیہ میں قطب عالم شیخ عبد الجلیل چوہدری کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، ان کو ان کی دلی عقیدت شیخ عبد الجلیل کی خدمت میں کھینچ کر لائی، اور شیخ کی خدمت رہنے لگے، ایک روز شیخ عبد الجلیل راستے سے گزر رہے تھے۔ اتفاقاً ناپاک مٹی شیخ کی چادر کو لگ گئی، شیخ علم الدین نے شیخ کی چادر لے کر نہایت عقیدت سے پاک کر کے شیخ کی خدمت میں پیش کی، شیخ عبد الجلیل نے خوش ہو کر فرمایا کہ علم الدین تم نے نجاست ظاہری سے ہمارے کپڑے کو پاک کیا ہے، ہم نے نجاست باطنی سے تمہارے دل کو پاک کیا، اسی وقت شیخ علم الدین کا دل نور معرفت سے منور ہو گیا، اور ولایت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے۔ چونکہ انھوں نے یہ دولت لازوال شیخ کے کپڑے کے دھونے کی وجہ سے پائی تھی، اس لئے وہ ہمیشہ شیخ کے کپڑے دھونے میں مصروف رہتے، آخر وہ لوگوں میں شیخ علم الدین گادر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

چند سالہ میں قیام
شیخ علم الدین خرقہ خلافت حاصل کر کے چند سالہ
میں مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

وفات
۹۱۶ھ میں شیخ علم الدین نے وفات پائی اُن کا روضہ
مبارک قصبہ چونی وال سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر
واقع ہے، عرس کے زمانے میں سب سے زیادہ دھوئی اُن کے
مزار مبارک پر جمع ہوتے ہیں۔



(۶۱)

مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی

حالات مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی ۸۶۲ھ میں پیدا ہوئے،
اور اپنے والد مخدوم محمد گیلانی کی وفات کے بعد
۹۲۳ھ میں سند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔

صاحب اخبارالآخیار نے لکھا ہے کہ وہ اپنی ولایت میں حضرت غوث اعظم
کے حقیقی وارث تھے اور اپنے کمالات میں حضرت غوث اعظم کے تابع تھے
اس لئے آپ عبدالقادر ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے یہ

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ جب مخدوم محمد گیلانی کی وفات ہوئی تو اگرچہ
سجادگی کا حق مخدوم شیخ عبدالقادر کا تھا، لیکن ان کے بھائی جو دربار شاہی
سے وابستہ تھے، انھوں نے چاہا کہ اپنے سوخ و اقتدار سے کام لے کر
وہ سجادگی بھی اپنے لئے حاصل کریں۔ جب مخدوم شیخ عبدالقادر کو یہ معلوم
ہوا تو انھوں نے جاگیر و املاک کے تمام فرامین و کاغذات بادشاہ کے
ہاں بھجوا دیئے۔ اور کہلا دیا کہ جو ان جائیروں اور املاک کے
طالب ہیں یہ ان کو دے دیجئے اور خود تو کلانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

۱۔ اخبارالآخیار ص ۲۰۳

استغفار ایک دفعہ بادشاہ نے اُن سے اپنے دربار میں آنے کی
انجائی، اور اپنے گزشتہ قصور کی تلافی کرنی چاہی، لیکن
انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا۔

بہ بیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست
ہر آنچہ بر سر مامی رود مبارک باد
کے کہ خلعت سلطان عشق پوشیدست
بجگہ ہائے بہشتی کجا شور و دل شاد

اخبار الاخیار میں ہے کہ مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی عتفوان شباب میں
نہایت عیش و طرب کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عیش و نشاط کا یہ عالم تھا
کہ جہاں آپ جاتے آلات موسیقی سے لدے ہوئے اونٹ آپ کے ساتھ
جاتے تھے، لیکن جب آپ کی زندگی میں انقلاب آیا، اور آپ سجادہ شجنت
پر رونق افروز ہوئے تو دل دنیا سے متنفر ہو کر زہد و ورع کی عزت اس طرح
مائل ہوا کہ ان سب باتوں سے نفرت ہو گئی، سماع سے بالکل پرہیز فرمائے
لگے، اور اپنے مریدین اور طالبین کو بھی سماع سے سختی سے منع فرماتے
تھے۔

آپ میں اس انقلاب کا باعث صاحب اخبار الاخیار نے یہ بھی
بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ آج کے بیابان میں آپ شکار کھیل رہے
تھے، اتفاقاً ایک تیر نے نہایت دردناک آواز میں نالہ و فریاد شروع
کی، اتفاق سے ایک درویش اس بیابان میں گھوم رہا تھا، اس نے
اس تیر کی آواز سن کر کہا، سبحان اللہ ایک دن دیکھی گئے گا کہ جب یہ نوجوان

خدا کی محبت میں اسی طرح نالہ و فریاد کرے گا، درویش کی زبان سے یہ بات سن کر آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور دل دنیا سے متنفر ہو کر زہد و تقویٰ کی طرف مائل ہو گیا، اور رفتہ رفتہ ذہبت یہاں تک پہنچی کہ آخر میں صرف ذات الہی کا درمیان رہنے لگا۔

اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ
رشد و ہدایت خدائے تعالیٰ نے آپ کی نگاہِ کیمیا اثر میں یہ تاثیر بخشی تھی کہ جس پر نظر ڈال دیتے اُس کی کایا کلیپ ہو جاتی، گنہگار ہوتا تو تائب ہو جاتا، کافر ہوتا تو مسلمان ہو جاتا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے مناقب و فضائل میں رقم طراز ہیں کہ:-

شیخ عبدالقادر ثانی صاحب کراماتِ ظاہرہ و احوالِ باہرہ مقامات علیہ و مناقب جلیہ موصوف بود بکمالاتِ ظاہر و باطن بر ہانے ساطع و نورے لاسع و حائے اکمال و کمالے فوق الوہم و الخیال، بسیارے از عصاة و کفایہ بشاہدہ جمالِ سائنہ کمالش بسعادت تو بہ نصوح می رسیدند، و بشرفِ ایمان شرف می شدند۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء آپ کی مدح سرانی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔
 و از اشہر ترین کرامت و خوارق وے آن بود کہ ہر شخصے کہ از کفار یا احدے از فساق و فجار بنظر و فیض اثر وے می گذشت مشرف باسلام و تائب تو بہ نصوح می گشت۔

۱۔ اخبار الاخیار ص ۲۰۳ ۲۔ ایضاً ص ۲۰۳

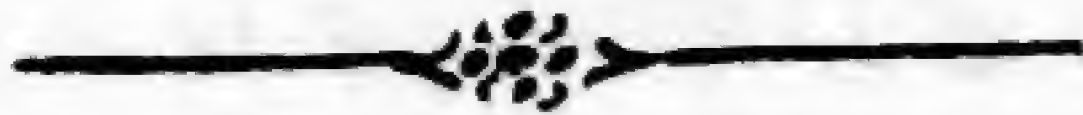
۳۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۲۰۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ایک روز
سماع سے احترام ایک خوش گلو قوال آپ کی خدمت میں
 حاضر ہوا، اور اُس نے گانے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا کہ مجھے
 سماع کی حاجت نہیں۔ لیکن میں تمہاری صفائی قلب چاہتا ہوں، جاؤ
 اور توبہ کر کے، رباب کو توڑ کر اور سرمنڈوا کر اور درویشوں کی صورت
 اختیار کر کے میرے پاس آؤ، لیکن قوال کی قسمت میں یہ سعادت نہ تھی،
 اتفاق سے اس وقت آپ کی خدمت میں لانگاہ قوم کا ایک حاکم بیٹھا
 ہوا تھا، وہ اٹھا اور سرمنڈوا کر اور درویشانہ وضع اختیار کر کے، آپ کی
 خدمت میں حاضر ہوا، اور اُسی وقت آپ کی نگاہ فیض اثر سے صاحب
 کشف و کرامت ہوا۔

عبادات اخبار الاخبار میں ہے کہ ابتداء میں آپ اس قدر عبادات و
 اوراد و اعمال میں مشغول رہتے تھے کہ تمام تمام دن آپ
 کو کسی سے بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی، اور آخر میں آپ پر استغراق کا اس درجہ
 غلبہ تھا کہ فرائض سنین اور نوافل کے ادا کرنے کے بعد سوائے مراقبے کے آپ کو
 کوئی دوسرا کام نہ تھا، فجر کی نماز کے ادا کرنے کے بعد اشراق تک آپ
 دریائے مراقبے میں مستغرق رہتے، اشراق کی نماز ادا فرمانے کے بعد چاشت
 کی نماز تک یہی کیفیت رہتی، اس طرح پانچوں نمازوں کے دو میان یہی
 عالم تھا، صرف تھوڑی دیر کے لئے اس بورے پر جو مسجد میں پڑا رہتا قیلولہ
 فرماتے، اکثر اوقات آپ خود ہی اذان، اقامت اور امامت فرماتے تھے۔
وفات مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی نے اٹھتر سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الاول
 ۸۹۷ھ میں وفات پائی آپ کا مزار آج میں زیارت گاہ خانی
 عام ہے۔

اولاد مخدوم عبدالقادر ثانی کے دو صاحبزادے تھے بڑے صاحبزادے کا نام شیخ عبدالرزاق تھا، یہ اپنے والد کی وفات کے وقت آج میں موجود نہ تھے، اور کسی ضرورت سے ناگور گئے ہوئے تھے، مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی کی وفات سے کچھ دن پہلے ایک روز انھوں نے ناگور میں فرمایا کہ آج مجھے مخدوم نے آواز دے کر یاد فرمایا ہے، خدا ہی جانے کیا بات ہے، یہ کہہ کر وہ فوراً ہی آج روانہ ہو گئے، لیکن مخدوم عبدالقادر کی وفات کے بعد آج پہنچے، اور اپنے والد کی وصیت کے مطابق خرقہ رخصت و سجادگی سے سرفراز کیے گئے۔

شیخ عبدالرزاق نے ۵ جمادی الاخریٰ ۱۲۹۲ھ کو وفات پائی۔
مخدوم عبدالقادر ثانی کے چھوٹے صاحبزادے سید زین العابدین تھے، انھوں نے والد کی زندگی ہی میں وفات پائی ہے۔



(۶۲)

شاہ عنایت قادری شطاری

حالات شاہ عنایت قادری، حضرت شاہ رضا قادری شطاری^{رحمہ}
لاہوری کے خلفاء میں تھے، وہ ایک طویل عرصہ تک

۱۔ شطار ش کے ضمہ اور طا کی تشدید کے ساتھ شاطر کی جمع ہے جو شتق ہے شطو
سے جس کے معنی ہیں شوخی، شوخی کرنا بے باکی اختیار کرنا، شطار کے معنی ہیں دلیر
اور وہ بے باک جو اپنی جان کو شعلہ آتش عشق میں بے دھڑک ڈال دیں، یا شمع
محبت پر پروانہ وار جل جائیں۔ بیت ۷

در سوزنا ر عشق چو عیاری رویم

سرزیر پانادہ چو شطاری رویم

اصلاح تصوف میں شطار سالکین کی ہر وہ جماعت کہلاتی ہے کہ جن کی سیر
بطریق جذبہ کے ہو، چونکہ شیخ سراج الدین عبداللہ شطاری کے طریقے میں
سالک کو ایسے اعمال میں مشغول کیا جاتا ہے کہ جس کی بنا پر وہ فی الفور جذبہ الہی کے
مورث ہوتا ہے اس لئے ان کے طریقے کو شطاریہ کے نام سے شہرت ہوئی۔
کشف اللغات میں ہے کہ شطار ان کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سالک ان کے

حضرت شاہ رضا قادری کی خدمت میں ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف رہے، اور علوم باطنیہ کی تکمیل کے بعد خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

شاہ رضا نے اُن کو خلافت عطا کرنے کے قصور میں ماموری

بعد ارشاد و ہدایت کے لئے قصور میں مامور فرمایا، چنانچہ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق وہ قصور پہنچے، اور ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے، تھوڑے ہی دن میں شاہ عنایت قصور میں اس قدر مقبول ہوئے کہ سیکڑوں لوگ اُن کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، آخر عمر میں کسی وجہ سے حسین خاں افغاں حاکم سے ناراض ہو کر لاہور واپس تشریف لے آئے، پھر وفات تک لاہور ہی میں مقیم رہے۔

شاہ عنایت قادری ^{پانی پتہ} وفات

اُن کے خلفاء میں پنجابی زبان کے عظیم المرتبت شاعر اور درویش بلھے شاہ مشہور ہیں۔



(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

طریقے میں طرفۃ العین میں حق تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ (ماخوذ از بیابان الحیوة الابدیہ)

قلمی باب اول۔ فصل دوم۔ مملوکہ سندھی ادبی بورڈ۔

(فٹ نوٹ سلسلہ صفحہ ۱۷)

خزینۃ الاسفیاء جلد اول ص ۱۵۸-۱۵۹۔

(۶۳)

سید غیاث الدین گیلانی لاہوی

نام و نسب آپ کا اسم گرامی سید غیاث الدین تھا، آپ کے والد کا نام سید عبدالقادر تھا، سید غیاث الدین لوگوں میں دولت شاہ کے لقب سے بھی مشہور تھے، آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔

سید غیاث الدین دولت شاہ بن سید عبدالقادر ثانی بن سید جمال الدین بن سید جلال الدین بن سید یوسف بن سلطان رشید بن سید اذہم بن سید محمود بن سید اسماعیل بن سید داؤد بن تاج الاقطاب سید فتح نصر بن قطب لافاق سید عبدالرزاق بن غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی۔

سلسلہ طریقت اگرچہ سید غیاث الدین نے سلسلہ قادریہ میں اپنے والد کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا لیکن انھوں نے دوسرے سلسلوں میں بھی فیض باطنی حاصل کیا تھا، اسی لئے لوگ ان کو پیر سلاسل عظام

کہتے تھے۔

موضع بڑی دولت آباد کی آبادی لاہور کے باہر موضع
بڑی دولت آباد
انہیں کا آباد کرایا ہوا ہے۔

وفات سید غیاث الدین نے ۸۹ سال کی عمر میں یکم رمضان
۹۹۹ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار لاہور سے باہر
اپنے والد کے مزار کے متصل واقع ہے

اولاد سید غیاث الدین کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے
سید کرام الدین مشہور بہ شاہ بھاگنامند آراء رشید و ہدایت
ہوئے، شاہ بھاگنامند نے ۵۵ سال کی عمر میں ۵ جمادی الثانی ۹۹۹ھ کو
وفات پائی۔

(۶۴)

خواجہ غلام فرید

نام و نسب آپ کا اسم گرامی غلام فرید، آپ کے کا نام نامی خواجہ خدا بخش تھا، آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے، اس لحاظ سے آپ نسباً فاروقی ہیں، مناقب فریدی اور مولف گوہر شب چراغ کے بیان کے مطابق، اس خاندان کے پہلے شخص جو سندھ میں تشریف لائے وہ مالک بن یحییٰ تھے، اُن کی اولاد میں شیخ حسین تھے جو ٹھٹھے میں مقیم ہوئے اُن کے صاحبزادے مخدوم محمد زکریا جہانگیر کے عہد حکومت میں منگلوت علاقہ ملتان میں آکر آباد ہوئے، اور تین پشتوں تک وہیں مقیم رہے، خواجہ غلام فرید کے پردادا مخدوم محمد شریف نے جو اپنے وقت کے ایک جلیل القدر بزرگ تھے مقام یارا والی میں سکونت اختیار کی، وہاں کے اکثر لوگ اُن کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے، جب مٹھن خاں بلوچ رئیس یارا والی آپ سے بیعت ہوا تو ایک روز آپ اُس مقام سے گزرے جہاں اب کوٹ مٹھن آباد ہے، آپ کو یہ مقام بہت پسند آیا، اور آپ نے مٹھن خاں

بلوچ سے کہا کہ یہاں ایک شہر آباد کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہاں اُس نے آپ کے ارشاد کے مطابق ایک شہر آباد کیا جو کوٹ مٹھن کے نام سے موسوم ہوا، اور خود مخدوم شریف بھی وہیں آباد ہو گئے، مخدوم محمد شریف کے دو صاحبزادے تھے ایک خواجہ نور محمد اور دوسرے خواجہ محمد عاقل، خواجہ محمد عاقل نے اسی کوٹ مٹھن میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی اور کوٹ مٹھن ہی میں محوِ سیراحت ہیں، خواجہ محمد عاقل کے بعد اُن کے صاحبزادے میان احمد علی مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہوئے، ان کے دو صاحبزادے تھے (۱) میاں خدابخش اور (۲) خواجہ تاج محمود، میاں احمد علی کی وفات کے بعد میاں خدابخش جو خواجہ غلام فرید کے والد ماجد ہیں مسندِ سجادگی پر متمکن ہوئے وہ ابتداً کوٹ مٹھن میں رہے، پھر چاچڑاں میں سکونت اختیار کر لی۔

ولادت چاچڑاں ہی میں ۲۶ رذی قعدہ ۱۲۶۱ھ میں خواجہ غلام فرید کی ولادت باسعادت ہوئی، آپ کا تاریخی نام خورشید عالم ہے۔

تعلیم ابھی آپ کی عمر آٹھ ہی سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا، اُس وقت آپ قرآن مجید حفظ کر چکے تھے، والد کی وفات کے بعد خواجہ غلام فرید کی تعلیم و تربیت آپ کے بڑے بھائی مولانا غلام فخر الدین نے فرمائی۔

بیعت علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے بڑے بھائی مولانا غلام فرید الدین کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی جو علوم ظاہری میں بھی آپ کے استاد تھے چنانچہ آپ نے اپنے متعدد اشعار میں اُن سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے، فرماتے ہیں:-

فخر الدین مٹھل دے شوقوں

دم دم نکلم و دو

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

چشماں فخر الدین مٹھل دیاں

تن من کیتا چور

گھول گتھاں میں فخر جہاں تو

جنت حور قصور

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں :-

حسن پرستی گھات اساڈی

راز حقانی بات اساڈی

رمز حقیقی جہات اساڈی

فخر جہاں لے ہاریت سکھائی

علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے

پیر کے سامنے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے

غیر معمولی تبحر علمی اور قابلیت کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی

حافظے سے بھی نوازا تھا، مقاس المجالس میں ہے کہ ایک مرتبہ اپنے

حافظے کے متعلق ارشاد فرمایا :-

بعد ازاں خواجہ ابقا اللہ تعالیٰ فرمودند کہ درابتدائے ایں

سودا طالبان ایں راہ را مانند کلام سیفل کہ تصنیف لطف علی شاعر

است دیگر کلام پیرو بق در نظر نمی آید پس من درابتدائے حال

یک یک جزو از سیفل در دو کھنتہ پادی کر دم ۔

خواجہ فرید اتباع شریعت اور حسن اخلاق کا

پیکر تھے، وہ رسوم غیر شرعیہ جو اس زمانے

اتباع شریعت

میں رواج پارہی تھیں، اُن کو دیکھ کر آپ کا دل بے حد گڑھتا تھا، ایک مجلس میں رسوم غیر شرعیہ کے بڑھتے ہوئے رواج کو دیکھ کر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے فرمایا۔

بعد ازیں سخن در مذمتِ رسوماتے کہ غیر مشروعہ اند و
مستعمل ہر خاص و عام افتاد حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بقاء
فرمودند کہ در ہر دیار و امصار رسوم شوم غیر شرعیہ چنان
شائع و منتشر گشتہ اند کہ قلع قمع آں دشوار و متمسر گردید است
بلکہ از دائرہ امکان گزشتہ بجد امتناع رسیدہ است۔

شاعری کے اعتبار سے بھی خواجہ فرید کا مرتبہ بہت
بلند ہے، وہ اردو فارسی اور ملتانی کے صاحبِ
دیوان ہیں، خصوصاً ملتانی زبان کی شاعری میں تو اُن کی نظیر نہیں ملتی،
ملتانی شاعری کو انھوں نے نئی روایات بخشیں، اُن کے کلام میں تصوف
و عرفان کے ساتھ لذت، کیفیت، سادگی، دل نشینی اور اثر آفرینی کا
وہ حسین امتزاج ہے کہ آج بھی اہل نظر اُن کے کلام کو حزرِ جاں بزلے
ہوئے ہیں۔ ہم اُن کے ملتانی اور اردو کے چند شعر یہاں نقل
کرتے ہیں:-

بن عاشق اہل وفادے
بن شائق ذوقِ لقادے
بن صاحبِ صدق و صفادے
اتھو آوے کون گذر کر

عشق ہے نگرے دل دی شادی
عشق ہے رہبر مرشد ہادی
عشق ہے ساڈا پیر
جس کل راز سمجھایا

دل نوں لٹیا عشق مرے
پھر دی شہر دے جنگل میں
ستاں فرید کرے رب میلے
تنگھ آرام دخیایا ہے

اُردو شاعری میں بھی اُن کے ہاں از دل خیزد بر دل ریزد کی کیفیت
پائی جاتی ہے۔ اُن کی غزل کے چند شعریہ ہیں۔

بت کے ہر راز کو میں راز خدا کا سمجھا
اس کے دشنام کو اعجاز سمجھا
میں نے کعبہ کو بھی بت خانے کا نقشہ سمجھا
اپنے بیک کو ناقوسِ کلیسا سمجھا
میں نے ہر قطرے کو دریا سے زیادہ سمجھا
ذرت کے نور کو خورشید سے بالا سمجھا
بے پرستی میں مرے دل کی ترقی دکھو
خیم گردوں کو اک ادنیٰ سا پیلا سمجھا
عشق بازی میں مرا مرتبہ ایسا ہے فریاد
قیس بھی مجھ کو گرو، آپ کو چیلہ سمجھا

وفات خواجہ صاحب بہ عارضہ ذہل بیمار ہوئے، مولوی رکن الدین کا بیان ہے کہ ۱۔

”بوقت سحر شب چار شنبہ ۶ ربیع الثانی مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۱۰ء کو بلنگ برسوئے ہوئے تھے دایاں ہاتھ سینے پر تھا کمال استعراق کی حالت تھی، اور شغلِ اسم ذات میں مصروف تھے، ضربات پے درپے جاری تھیں، اسی حالت میں احساس تنفس کا احساس کر کے حاضرین اور رکن الدین روتا رہا۔“

صبح کے وقت دلاور خاں خادم خاص نے دوا پینے کے لئے عرض کیا، آپ نے دوا پی، اشتراق کے وقت برکت علی رہابی نے کچھ شعر پڑھنے کی اجازت چاہی آپ نے انکار فرما دیا، ضعف کمال تھا، جو جلد جلد بڑھنے لگا، حتیٰ کہ دوپہر کے وقت مایوسی کے آثار پیدا ہوئے اور مغرب کے وقت رحلت فرمائی۔“

”گو ہر شب چراغ میں ہے کہ مرضِ وفات میں اکثر اوقات یہ اشعار آپ کے ورد زبان رہتے تھے۔“

گزرا دلیھا ہنس کھلن دا
آیا وقت فرید چلن دا

او کھا پیندا دوست ملن دا

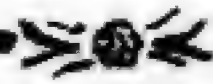
جان لبوں پر آندی ہے

مولوی عزیز الدین کے اس شعر میں آپ کی تارِ سخن و نجات
نکلتی ہے۔

سالِ ترحیل او عزیزِ بگفت

جاءِ مشوی کہ مرطابِ ثراہ

۱۹ م ۱۳



(۶۵)

پیر سید غلام حیدر علی شاہ

ولادت و نسب پیر سید غلام حیدر شاہ ۲ صفر ۱۲۵۴ھ مطابق
۲۶ اپریل ۱۸۳۹ء کو جلال پور میں پیدا ہوئے،
آپ کے والد کا اسم گرامی سید حمزہ شاہ تھا، جو نہایت عابد و زاہد
بزرگ تھے: آپ کی والدہ محترمہ کا نام سجادہ بیگم تھا، جو پنجاب کے
موضع کھیوہ ضلع گجرات (پنجاب) کے شہور بزرگ سید غلام شاہ کی
صاحبزادی تھیں، آپ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں حضرت
مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے جا ملتا ہے۔

تعلیم و تربیت آپ کی ابتدائی تربیت آپ کی والدہ نے
فرمائی، جو نہایت عابدہ و زاہدہ خاتون
تھیں، سید غلام حیدر علی شاہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میری
والدہ حضرت بابا فرید گنج شکر کی والدہ کی طرح تھیں، جنہوں نے

لے دریائے جہلم سے پار ہونے کے بعد ایک کوہستانی سلسلہ ہے، یہیں پہاڑوں
کے واسطے میں جلال پور واقع ہے۔

بچپن ہی سے اپنے صاحبزادے کو نماز و روزے کا پابند بنادیا تھا۔
 اپنی والدہ کی تربیت کی وجہ سے جیسٹھ اور اساڑھ کے سخت گرمی کے
 مہینوں میں بھی روزے پابندی سے رکھتے تھے، آپ نے قرآن مجید
 کی تعلیم میاں خان محمد اعظم پوری سے شروع کی، جس کی تکمیل آپ
 کے چچا سید امام شاہ نے کرائی، پھر اردو اور فارسی کی درسی کتابیں میاں
 عبداللہ چکروی سے پڑھیں، اس کے بعد آپ موضع نین دال میں قاضی
 محمد کابل کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے فقہ کی کتابیں پڑھیں
 پھر مفتی غلام محی الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے فقہ کی مشہور
 کتاب کنز الدقائق پڑھی، پھر خواجہ شمس الدین سیالوی سے مرقع اور کشکول
 کی تعلیم حاصل کی۔

والد کی وصیتیں پیر حیدر علی شاہ عمر بھی سترہ سال ہی کی تھی کہ آپ
 کے والد ماجد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا،
 وفات سے پہلے انھوں نے اپنے ہونہار فرزند کو وصیت فرمائی کہ کسی
 کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دینا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں
 پر شفقت کرنا اور اقربا اور رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے
 پیش آنا۔

بیعت آپ شیخ کابل کی تلاش میں ہرن پور پہنچے، اور وہاں
 کے ایک بزرگ سید غلام شاہ صاحب سے بیعت
 کی استدعا کی وہ آپ کو اپنے ساتھ لے کر حضرت خواجہ شمس الدین
 سیالوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، خواجہ سیالوی نے جب آپ کو
 دیکھا تو کھڑے ہو گئے، مزاج پرسی کے بعد بڑے شفقت سے بٹھایا،

۱۔ موضع نین دال، جلال پور سے پانچ کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔

اور ۷ رجب ۱۲۷۱ھ کو اپنے حلقہ بیعت میں داخل کیا۔

خلافت بیعت ہونے کے بعد پیر حیدر شاہ کا معمول تھا کہ ہر آٹھویں روز پیر کے دن آپ اپنے شیخ کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہوتے، جب چھٹی مرتبہ پیر حیدر شاہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ کے شیخ نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا، اور بیعت لینے کی اجازت دی۔

شیخ کا ادب پیر حیدر شاہ اپنے شیخ کا نہایت ادب و احترام فرماتے تھے، انتہا یہ تھی کہ آپ کو اپنے شیخ کے سامنے بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

شیخ کی شفقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی بھی اُن پر بے حد شفقت فرماتے تھے، جب آپ سیال آتے، تو حضرت خواجہ سیالوی خود اُن کے استقبال کے لئے کچھ دور جاتے، ایک دن پیر حیدر شاہ نے شیخ عبد الجلیل خادم کے ذریعہ سے کہلا یا کہ حضور میری اس قدر تعظیم و تکریم فرماتے ہیں جس سے میں شرمندہ ہوتا ہوں، اس کے علاوہ یہ بے ادبی بھی ہے کہ آپ میری تعظیم کے لئے تشریف لائیں، خواجہ سیالوی نے فرمایا، میاں! ہم اپنی مرضی کے مختار ہیں، تم اس معاملے میں چپ رہو۔

ایک دفعہ پیر حیدر شاہ بیمار ہوتے، جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ سن کر بے قرار ہو گئے، روتے جاتے تھے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرتے جاتے تھے۔

یا ارحم الراحمین میری ساری عمر دی ایسا کھٹی پوٹھی

ہے، اسے برباد نہ کرنا۔

(میری ساری عمر کی کمائی ہے اسے برباد نہ کرنا)
اخلاق سیر پیر حیدر شاہ مجسمہ اخلاق تھے، انتہائی قیق القلب
 اور نرم دل تھے، اگر کبھی کسی سے خفا ہوتے تو
 نہایت برہمی میں بھی صرف اس قدر فرماتے، نیک بختا تو نے یہ
 کیا کیا، پھر اسے آزر دہ نہ ہونے دیتے، فرمایا کرتے تھے۔

مباش در پئے آزار ہر چہ خواہی کن

کہ در طریقت باغیر ازیں گناہے نیست

اپنے مخالفین کے لئے بھی کوئی برا لفظ منہ سے نہ نکالتے، ایک
 شخص مرزا خاں آپ کا سخت مخالف تھا، جب اس کی شرارتیں حد سے
 بڑھیں، تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ دعا کرو کہ
 خدائے تعالیٰ اس پر رحم کرے، اور وہ کسی اچھے مشغلے میں لگ
 جائے تاکہ اسے ہماری مخالفت کی فرصت نہ ملے۔

اتباع شریعت بے حد متبع شریعت تھے، ان کے تذکرہ
 نگاروں کا بیان ہے کہ وہ فقہا کی طرح

محتاج اور شریعت پر عامل تھے۔

وفات پیر سید غلام حیدر علی شاہ نے ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ
 کو وفات پائی، علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے حسب ذیل

تاریخ وفات کہی :-

ہر کہ برخاک مزار پیر حیدر شاہ رفت
 تربتِ اورا امین جلوہ ہائے طور گشت
 ہاتھ از گردوں رسید و خاک اورا بوسہ داد
 گفتمش سال وفات او بگو مغفور گشت

۱۳۲۶ھ

اولاد
 سید پیر حیدر شاہ کے چار صاحبزادے تھے، سب سے
 بڑے صاحبزادے کا نام سید بدیع الزماں تھا، جو خواجہ
 شمس الدین سیالوی سے بیعت تھے، انھوں نے ۲۱ سال کو عمر میں، شعبان
 ۱۲۹۵ھ کو وفات پائی، دوسرے صاحبزادے کا نام سید مظفر علی شاہ تھا،
 یہ بھی حضرت خواجہ سیالوی سے بیعت تھے، اپنے والد کی وفات کے
 بعد ہی مسند سجادگی پر متمکن ہوئے، سید مظفر علی شاہ نے ۱۹ ربیع الثانی
 ۱۳۳۵ھ کو وفات پائی، تیسرے صاحبزادے قائم الدین شاہ تھے، جو خواجہ
 انڈ بخش تونسوی کے مرید تھے، انھوں نے ۲۱ رجب ۱۳۱۵ھ ۲۱ سال
 کی عمر میں رحلت فرمائی، چوتھے صاحبزادے رسول شاہ تھے جو ایام
 رضاعت ہی میں وفات پا گئے۔

سید پیر حیدر علی شاہ کے تمام حالات تاریخ مشارع چشت ص ۷۰۸ تا ۷۱۷ سے
 ماخوذ ہیں۔

(۶۶)

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر

نام و لقب اسم گرامی مسعود، لقب فرید الدین تھا مگر مشہور،
 گنج شکر کے لقب سے تھے، سیرالاقطاب میں ہے
 کہ آپ کا نام مسعود تھا، لیکن بچانوں کے سال کی عمر میں قدوۃ الاولیاء
 شیخ فرید الدین عطار نے کسی تقریب میں اپنا نام آپ کو عنایت فرمایا
 تھا، "گنج شکر" کی وجہ تسمیہ صاحب سیرالعارفین نے یہ لکھی ہے کہ حضرت
 بابا فرید گنج شکر جب اپنے پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے
 تربیت حاصل کر رہے تھے تو ایک دفعہ آپ نے سات دن تک متواتر
 روزے رکھے، ایک دن افطار کے وقت اپنے حجرے سے خواجہ
 بختیار کاکی کے پاس جا رہے تھے، برسات کا موسم تھا، پاؤں میں کھڑاؤں
 تھے کہ ایک جگہ کچڑ میں پاؤں پھسل گیا، اور آپ زمین پر گر پڑے، گرنے کی
 وجہ سے کچھ کچڑ منہ میں چلا گیا، اور خدا کی قدرت سے وہ کچڑ شکر ہو گیا۔
 جب آپ اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے یہ واقعہ سن کر
 فرمایا آج مٹی تمہارے منہ میں شکر بن گئی، یہ اس وجہ سے ہے کہ خدائے

سیرالاقطاب ص ۱۶۲

تعالے تمہارے سارے وجود کو شکر بنادے گا، تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اس نعمت کی قدر جانو، اور مخلوق خدا کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آؤ، اس واقعہ کے بعد سے آپ ”گنج شکر“ کے لقب سے مشہور ہو گئے یہ

سیرالقطاب میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکر نے متواتر روزے رکھے۔ ایک دن افطار میں کھانے کو کوئی چیز نہ ملی، رات کا ایک حصہ گزر اٹھا کہ صنعت اور بھوک کا اس قدر غلبہ ہوا کہ بمقرر ہو کر کچھ سنگ ریزے منہ میں ڈال لئے، یہ سنگ ریزے خدا کی قدرت سے منہ میں شکر ہو گئے۔ جب دوسرے دن آپ نے یہ واقعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا، فرید! تم نے خوب کیا کہ ان سے افطار کیا، وہ شکر عالم غیب سے عطا کی گئی تھی، اور جو چیز غیب سے عطا ہوتی ہے وہ پاک اور بے عیب ہوتی ہے، جاؤ تم بھی مخلوق خدا میں مثل شکر کے ہو گے، اسی دن سے آپ ”گنج شکر“ کہلائے یہ

خزینۃ الاصفیاء میں تذکرۃ العاشقین سے منقول ہے کہ ایک تاجر اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی لے جا رہا تھا، جب وہ اجودھن (پاک پٹن) پہنچا، حضرت بابا فرید نے اس سے پوچھا کہ تم نے اونٹوں پر کیا لاد رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ نمک ہے، فرمایا اچھا ہے نمک ہی ہو جائے گا، جب وہ اپنی منزل پر پہنچا تو اونٹوں پر بجائے شکر کے نمک پا کر سخت گھبرایا، اسی وقت واپس لوٹا، اور حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جھوٹ بولنے کی معافی چاہی، حضرت بابا فرید نے کہا، میاں اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے گی، چنانچہ وہ نمک شکر

میں تبدیل ہو گیا، چنانچہ خانقاہان بیرم خاں نے اس واقعہ کو ایک شعر میں
نظم کیا ہے، وہ شعر یہ ہے:

کان نمک، جہان شکر، شیخ بحر و بر
آن کو شکر نمک کنوا نہ نمک شکر

اس سلسلے میں خزینۃ الاصفیاء میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس زمانے
میں حضرت شیخ فرید الدین جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت اور مجاہدہ کر رہے
تھے تو ایک دن آپ کو بہت پیاس معلوم ہوئی، آپ اسی عالم میں ایک
ایسے کنویں پر پہنچے کہ جس پر ڈول اور رسی نہ تھی مایوسی کے عالم میں کنویں پر
کھڑے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں جنگل کے دو بہرن کنویں کے پاس آئے،
ان کے آنے سے کنویں کا پانی قوارے مارنے لگا، اور آبل کر کنویں کے کنارے
تک آگیا، دونوں بہرنوں نے پانی پیا، بابا فرید نے چاہا کہ وہ بھی پانی پیں۔
کہ پانی کنویں کی تلی میں اتر گیا، حضرت بابا فرید کی حیرت اور بھی بڑھی، اور
آپ نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا، الہی! تو نے بہرنوں کو پانی پلویا، اور
ایک بندے کو محروم رکھا؟ آواز آئی کہ تمہنے ڈول اور رسی پر بھروسہ کیا،
اور ان جانوروں نے مجھ پر اعتماد کیا، اس لئے تم محروم رہے اور وہ پانی
سے سیراب ہوئے، یہ سن کر بابا فرید سخت نادام ہوئے، اور اسی کنویں کے
قریب نفس کشی کے لئے چالیس روز تک چلہ معکوس کیا اور اس مدت
میں پانی بالکل نہ پیا، جب یہ چلہ پورا ہوا تو چلہ ختم ہونے کے بعد آپ
نے افطار کے ارادے سے وہیں سے ایک ٹٹھی مٹی اٹھا کر منہ میں ڈال
لی، جو منہ میں پڑتے ہی شکر ہو گئی، غیب سے آواز آئی کہ اے فرید!
ہم نے تیرے چلے کو قبول کر لیا، اور تجھے برگزیدہ اور شیریں سخنوں کے گروہ میں
گنج شکر بنایا۔

نسب نامہ اور جائے پیدائش آپ کے والد ماجد جمال الدین
 سلیمان سلطان شہاب الدین غوری
 کے زمانے میں چنگیزی حملے کی وجہ سے ہجرت کر کے کابل سے لاہور پہنچے ،
 اور کچھ دن قسور میں رہے پھر بادشاہ کے حکم سے ملتان گئے ، اور وہیں آنکھوں
 نے ملا وجہ الدین کی صاحبزادی قمر خاتون سے شادی کی ، پھر ملتان کے
 نزدیک قصبہ کھوٹوال میں مقیم ہو گئے ، اسی مقام پر ۸۵۲ھ ہجری میں
 آپ کی دلاوت باسعادت ہوئی ، آپ کا سلسلہ نسب آٹھ واسطوں سے فرخ شاہ
 بادشاہ کابل سے اور سترہ واسطوں سے سلطان ابراہیم بن ادہم سے اور بیس
 واسطوں سے حضرت عمر بن خطابؓ سے جا ملتا ہے ، سلسلہ نسب یہ ہے ۔

۱۔ سلطان ابراہیم کی کنیت ابواسحاق اور اُن کے والد کا نام ادہم بن سلیمان بن منصور ملخی تھا ، اُن کا
 سلسلہ نسب پانچ واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ سے جا ملتا ہے اُن کا سلسلہ
 نسب یہ ہے ۔

ابراہیم بن ادہم بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن خلیفہ ثانی
 حضرت عمر بن الخطابؓ ۔

سلطان ابراہیم نے خرقہ فقر خواجہ فیض بن عیاض سے حاصل کیا تھا ، اور
 ان کے علاوہ خواجہ عمران بن موسیٰ بن زید رامی اور شیخ منصور سلمیٰ اور حضرت خواجہ
 اولیس قرنی سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا تھا ، اُن کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا یہ عالم
 تھا کہ چار پانچ فاقوں کے بعد افطار کرتے تھے ، اور ترکاری بغیر نمک کے اُبال کر
 کھاتے تھے ، بہت کم سوتے تھے ، برہنہ پا پھرتے تھے ، اور پوند لگے ہوئے کپڑے
 پہنتے تھے ، اور ہمیشہ غربا اور فقر کے ساتھ بیٹھتے تھے ، اور روپیہ پسہ کسی سے قبول
 نہ کرتے تھے ، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی صحبت میں اکثر رہتے تھے ، امام اعظم ان کو
 سیدنا و سیدنا ابراہیم کہہ کر خطاب فرماتے تھے ، لوگ حضرت امام اعظم سے پوچھتے

شیخ فرید الدین گنج شکر بن جمال الدین سلیمان بن شیخ شعیب
 بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ
 احمد مشہور بفرخ شاہ بادشاہ کابل بن نصیر الدین بن محمود المعروف
 بریسمان شاہ بن سامان شاہ بن سلیمان بن مسعود بن عبد اللہ

دقیقہ فثوث صوفیہ گزشتہ سلسلہ

کہ آپ انہیں سیدنا کہتے ہیں، انہوں نے سیادت کہاں سے پائی؟ حضرت امام اعظم فرماتے کہ یہ ہمیشہ
 عبادت الہی میں مصروف رہتے ہیں، اور ہم دوسرے کاموں میں بھی لگے رہتے ہیں، سید الطائفہ
 حضرت جنید بغدادی ان کو "مفتاح العلوم" (علوم کی کنجیاں) کہتے تھے۔

سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے ان کی ترک سلطنت کا واقعہ لکھتے ہوئے بیان کیا ہے
 کہ بتدار میں وہ بلخ کے بادشاہ تھے، جوانی میں تائب ہوئے۔ ایک رات تخت پر سو رہے تھے کہ
 نصف شب کے قریب چھت ہلنے لگی، آپ نے آواز دی کہ کون ہے؟ آواز آئی کہ میرا اونٹ
 گم ہو گیا ہے اس کو تلاش کرتا ہوں، آپ نے کہا کہ اونٹ چھت پر کیسے آسکتا ہے، آواز
 آئی کہ اے غافل! تو خدا کو اطلس کے کپڑے پہن کر سونے کے تخت پر تلاش کرتا ہے، یہ
 تو چھت پر کونٹ تلاش کرنے سے بھی زیادہ عجیب بات ہے، یہ بات سن کر سلطان ابراہیم کے
 دل پر ایک ہیبت طاری ہو گئی، اور ایک فکر میں مبتلا ہو گئے، میرا قطاب میں ہے کہ اس
 گفتگو نے ان کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ اسی وقت ترک سلطنت کر کے صحرا کی راہ لی راستے
 میں ان کو ایک چرواہا ملا، اپنا شاہی لباس اس کو دے کر اس کے کپڑے خود پہن لئے۔
 وہاں سے نیشاپور آئے اور ایک فار میں سکونت اختیار فرمائی جمعات کے روز غار
 سے باہر نکلتے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا سر پہن کر لاتے اور فروخت کرتے، اس کی قیمت
 جو کچھ ملتی نصف اپنے لئے رکھتے اور نصف فقراء میں تقسیم کر دیتے، جمعہ کے روز نماز
 جمعہ کے لئے مسجد میں حاضر ہوتے، اور پھر غار میں چلے جاتے، پھر کچھ دن کے بعد وہ مکہ
 معظمہ حاضر ہوئے اور خواجہ نفیس بن عیاض کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

بن واعظ الکبریٰ ابو الفتح بن اسحاق بن قطب العالمین سلطان
ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادہم بن سلیمان بن ناصر بن عبد اللہ بن
امیر المومنین فاروق الاعظم عمر بن الخطابؓ۔

حضرت بابا فرید گنج شکر نے ابتدائی تعلیم اپنے قصبے کھوتوال
تعلیم کے ایک مکتب میں پائی، اور بہت کم عرصے میں علوم دینیہ
کے حصول میں غیر معمولی ترقی کی، پھر مزید علم حاصل کرنے کے لئے ملتان
تشریف لے گئے، اور وہاں مولانا منہاج الدین کی مسجد میں قیام فرمایا، اور
اُن سے فقہ کی مشہور کتاب "نافع" پڑھی، اُسی زمانے میں خواجہ بختیار کاکی
ملتان تشریف لائے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ)

سلطان ابراہیم ادہم نے سیرالقطاب کی روایت کے مطابق ۲۶ جمادی الثانی ۷۸۵ھ
میں ایک سو دو سال کی عمر میں وفات پائی، اُن کی تاریخ وفات "۱۱۴۵ھ" سے نکلتی ہے۔
سلطان ابراہیم کے عظیم المرتبت خلفاء میں خواجہ حریفہ مرعشی اور خواجہ شقیق بلخی مشہور ہیں۔
آپ کا مزار شام میں ہے (ماخوذ از سیرالقطاب ص ۲۵ و خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۳۹ تا ۱۴۰)
(فٹ نوٹ صفحہ ۲۴۳) خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۴۳۔

مولانا منہاج الدین ترمذی ثم الملکانی مشہور علماء میں تھے، فقہ اور اصول فقہ میں غیر
معمولی تجربہ رکھتے تھے، وہ ملتان میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے
(زنجبہ الخواطر جلد اول ص ۲۳۳)

۷۸۵ھ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ترکستان کے ایک قصبے اوش ماوراءالنہر میں
پیدا ہوئے، آپ کے والد کا اسم گرامی سید کمال الدین تھا، آپ کا سلسلہ نسب ۱۶
واسطوں سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ہے۔ آپ ڈیڑھ سال ہی کے تھے کہ
والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا ابو حفص سے حاصل کی، اور

بیعت ایک معذ خواجہ بختیار کاکی اُس مسجد میں تشریف لائے جس میں
حضرت بابا شیخ فرید کا قیام تھا، اُن کی نظر بابا فرید پر پڑی۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۴۲۷)

ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہنے لگے، جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اوشس
تشریف لائے تو آپ نے اُن سے بیعت کی، اور سترہ سال کی عمر میں اُن سے خرقہ خلافت
حاصل کیا، دلیل العارفین میں ہے کہ آپ اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین کے ساتھ
خراسان سے ہندوستان تشریف لائے، پھر آپ کو حضرت خواجہ جمیری نے دہلی جانے کا
حکم دیا۔ آپ ملتان ہوتے ہوئے دہلی پہنچے، سلطان شمس الدین ایلمتش نے جو اُس وقت دہلی کا
بادشاہ تھا، آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا، وہ چاہتا تھا کہ آپ اندرون شہر قیام
فرمائیں، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین نے شہر سے باہر کیلہ کھری میں سکونت اختیار
فرمائی، سلطان شمس الدین ایلمتش ہفتہ میں دو بار بڑی پابندی سے آپ کی خدمت
میں حاضر ہوتا تھا، اور آپ کے فیوض برکات سے مستفیض ہوتا تھا پھر کچھ دن کے
بعد آپ سلطان ایلمتش کے گھر پہنچے، منتقل ہو گئے، اور ملک اعز الدین کی مسجد کے قریب
قیام فرمایا، اسی زمانے میں شیخ بدر الدین غزنوی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے،
اور شرف بیعت اور خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے اسی زمانے میں دہلی کے شیخ الاسلام
جمال الدین محمد سیطانی نے وفات پائی، سلطان ایلمتش نے شیخ الاسلام پر آپ کا
تقرر کرنا چاہا، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین نے انکار کر دیا، آپ کے انکار پر
شیخ نجم الدین صفری کو اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ (سیر العارفین ص ۲۱)

جب دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے شد و ہدایت کی شمع
روشن کی تو دہلی کے عوام و خواص پر دانہ وار آپ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے
لگے، آپ پر عموماً استغراق اور محبت کی کیفیت طاری رہتی۔ اخبار الاخبار میں ہے۔
و نہایت استغراق داشت و بسیار موی، چون کسی بزیارت آمدے۔

پوچھا کہ صاحبزادے کون سی کتاب پڑھتے ہو، انھوں نے جواب دیا "نافع" فرمایا کہ انشاء اللہ نافع تمھارے لئے نافع ہوگی، حضرت بابا فرید کے قلب پر اس بات

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۵)

زمانے بایستے تا بخود باز آمدے، آنگاہ بآئندہ مشغول شدے، اگر از
حال خود یا حال آئندہ چیزے بگفتندے، بعدہ گفتے مرا معذور دارید
باز بحق مشغول شدے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۵)

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ایک چھوٹا لڑکا دفات
ہا گیا جب لوگ اس کو دفنا کر واپس ہوئے تو آپ کی بیوی نے رونا شروع کیا، رونے
کی آواز سن کر آپ دیر تک افسوس فرماتے رہے، شیخ بدر الدین غزنوی نے پوچھا یہ تپا
کیسا ہے؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ میں نے
اس بچے کی حیات کے لئے کیوں دعا نہ کی اگر میں اس کی زندگی کے لئے دعا کرتا
تو وہ بچ جاتا، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے
بعد حاضرین سے فرمایا، سبحان اللہ! دیکھو حضرت قطب عالم کا یادِ دوست میں استغراق
کس درجہ تھا کہ بچے کی حیات و موت کے متعلق بھی خیال نہ آیا۔ (سیر الاولیاء ص ۲۹)
اوپر گزر چکا ہے کہ شیخ الاسلامی کے عہدے پر آپ کے انکار کر دینے کے بعد
شیخ نجم الدین صغریٰ کا تقرر ہوا، شیخ نجم الدین صغریٰ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے
مرید، اور حضرت خواجہ معین الجیری کے دوست تھے، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین
کو جو شہرت اور حسن قبول عوام و خواص میں حاصل تھا اُسے دیکھ کر شیخ نجم الدین صغریٰ
ایک قسم کا رشک و حسد رکھتے تھے، جب حضرت خواجہ قطب الدین نے دہلی سے اپنے
پیر و مرشد کی خدمت میں خط لکھا، اور اشتیاقِ قدسِ بوسی کی آرزو ظاہر کر کے اجیمیر میں حاضر
کی اجازت چاہی تو حضرت خواجہ الجیری خود ان کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے،
آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر دہلی کے علماء و مشائخ اور عوام و خواص آپ کی

کا اس قدر اثر ہوا کہ اسی وقت حضرت قطب الدین کے دستِ حق پرست پر بیعت کی،

خیر المجالس میں ہے کہ بیعت کے وقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کناکی نے حضرت بابا فرید گنج شکر کو مخاطب کر کے یہ رباعی پڑھی۔

مقبولِ توجہ مقبلِ جاوید نہ شد

وز لطفِ توحید بندہ نومید نہ شد

لطفِ بہ کلام بندہ پیوست دے

کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

(رقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

زیارت کے لئے پردانہ وار ٹوٹ پڑے، مگر شیخ نجم الدین صغریٰ اُس وقت بھی ملنے کے لئے نہ آئے، حضرت خواجہ اجمیری نے اُن کے نہ آنے کو محسوس کیا، دوسرے یا تیسرے روز خود حضرت خواجہ اجمیری اُن کے گھر تشریف لے گئے اُس وقت وہ اپنے گھر کے صحن میں چبوترہ بنوا رہے تھے، حضرت خواجہ اجمیری جب اُن کے گھر پہنچے تو وہ اس تپاک سے پیش نہ آئے جیسا کہ انھیں پیش آنا چاہئے تھا، حضرت خواجہ اجمیری نے اُن کی سردہری کو دیکھ کر اُن سے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلامی نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے، شیخ نجم الدین صغریٰ نے جواب دیا کہ میں تو آپ کا ولیا ہی مخلص و معتقد ہوں، لیکن آپ نے شہر میں ایک ایسا مرید چھوڑا ہے جو میری شیخ الاسلامی کو ذرے کی برابر نہیں سمجھتا، آپ نے بسم کرتے ہوئے فرمایا اچھا پریشان نہ ہو، میں قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر لے جاتا ہوں، جب آپ گھر لوٹے تو آپ نے خواجہ قطب الدین سے فرمایا کہ بابا بختیار تم ایک بار خلق میں اس طرح مشہور ہو گئے ہو کہ لوگوں نے تمہاری شکایت کرنا شروع کر دی ہے، تم یہاں سے چلو اور اجمیر میں بیٹھ جاؤ، میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں گا، خواجہ قطب الدین

ملتان سے رخصت ہوتے وقت خواجہ
 قطب الدین بختیار کاکی کی نصیحت
 حضرت خواجہ
 قطب الدین بختیار
 کاکی جب ملتان
 سے دہلی روانہ ہونے لگے تو حضرت بابا فرید نے بھی آپ کے ساتھ جانے کا
 ارادہ کیا، خواجہ قطب الدین نے فرمایا، بابا فرید جاؤ اور ابھی ملتان ہی میں
 رہ کر علم حاصل کرو اس کے بعد میرے پاس دہلی آؤ، حضرت بابا فرید نے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷۵)

نے عرض کیا، میں اس موقع کی تلاش میں ہوں کہ حضور کے سامنے خدمت کے لئے دست بستہ
 کھڑا ہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ میں بیٹھوں اور حضور کھڑے رہیں، پھر آپ نے حضرت
 خواجہ قطب الدین کو اپنے ساتھ اجیر چلنے کا حکم دیا، جیسے ہی یہ خبر دہلی میں مشہور
 ہوئی، دہلی کے لوگ آپ کی جدائی کے خطرے سے بیتاب ہو گئے، میر خور دے
 سیرالادیا میں لوگوں کی اس وقت کی بے چینی و بے قراری کو بیان کرتے
 ہوئے لکھا ہے کہ۔

اس مرتبہ شیخ قطب الدین حضرت خواجہ معین الدین کے ساتھ اجیر
 روانہ ہوئے، اس خبر سے تمام شہر میں ہلکے بج گیا، تمام اہل شہر سلطان
 شمس الدین کے ساتھ ان کے پیچھے روانہ ہوئے، جہاں شیخ قطب الدین
 قدم رکھتے تھے لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اٹھا لیتے تھے، اور
 نہایت بقراری و زاری کرتے تھے، حضرت خواجہ معین الدین اجیری نے
 جب لوگوں کا یہ حال دیکھا تو فرمایا بابا بختیار تم یہیں رہو کیونکہ لوگ
 تمہارے جانے سے سخت مضطرب اور بقرار ہیں، میں ہرگز اسے
 پسند نہیں کرتا کہ اتنے دل خراب و کباب ہوں، جاؤ میں نے اس شہر کو
 تمہاری پناہ میں چھوڑا ہے، پھر سلطان شمس الدین نے حضرت

اس ارشاد کی تعمیل کی، اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد پانچ سال تک ملتان میں تحصیل علم میں مصروف رہے، اس کے بعد

(بقیہ نون صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۵)

خواجہ معین الدین کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، اور شیخ قطب الدین کے ہمراہ نہایت خوش خوش شہر کی طرف روانہ ہوا، اور خواجہ معین الدین جمیری کی طرف روانہ ہوئے۔ (سیر الاولیاء ص ۵۴ و ۵۵)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ سیر الاولیاء میں ہے کہ:-

شیخ قطب الدین بختیار کی عبادت الہی کی مشغولیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ سونا بالکل ترک کر دیا تھا، یہاں تک کہ کبھی بستر نہ بچھلاتے تھے، ابتدائی زمانے میں توجہ نیند کا بہت غلبہ ہوتا تو کچھ دیر سو بھی رہتے تھے، مگر آخر عمر میں بالکل نہ سوتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے، (سیر الاولیاء ص ۷۶)

یا دِ الہی میں استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ فوائد الساکین میں ہے کہ:-

یا دِ الہی میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کے لئے آتا تو بہت دیر کے بعد ہوشیار ہوتے، برابر مراقبے میں رہتے نماز کے وقت آنکھ کھولتے، اور غسل فرما کر تجرید وضو کرتے اور نماز ادا فرماتے، آخر عمر میں کلام مجید حفظ کیا تھا، ہر روز دو مرتبہ کلام مجید ختم کرتے تھے۔

(فوائد الساکین مجلس پنجم)

حضرت خواجہ جمیری کی وفات سے کچھ دن پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی آپ کی زیارت کے لئے اجمیر تشریف لے گئے، اس موقع پر حضرت خواجہ جمیری نے ان کو خلافت اور مجاہدہ خواجگان عطا کیا۔

غزنی، بغداد، سیستان، بدخشاں اور قندھار وغیرہ میں علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

(بقیہ فوٹو گذشتہ سلسلہ سے)

صاحب اخبار الاخبار نے بحوالہ دلیل العارفین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زبانی اس ملاقات کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

جمہرات کے دن میں نے جامع مسجد اجمیر میں آپ کی پابوسی کی دولت حاصل کی، اس موقع پر بہت سے درویش، عزیز اور آپ کے مرید حاضر تھے اتفاق سے اس مجلس میں ملک الموت کا تذکرہ چلا، فرمایا، دنیا موت کے مقابلے میں ایک دلنے کے برابر قیمت نہیں رکھتی لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ موت تو ایک پل ہے، جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے، پھر فرمایا کہ عارفین آفتاب کی طرح ہیں جو تمام عالم کو روشن بناتے ہوئے ہیں، اور ان کے نور سے تمام عالم روشن ہے، پھر فرمایا اے درویشو! ہمیں اس جگہ اس لئے لایا گیا ہے کہ ہمارا سفر فن یہ جگہ ہوگی، اور ہم چند روز میں اس دنیا سے سفر کریں گے، پھر آپ نے اپنے کاتب شیخ علی بنجری سے فرمایا کہ شیخ قطب الدین کے نام تحریر کرو کہ وہ دہلی جائیں ہم نے ان کو خلافت و سجادہ عطا کیا ہے، دہلی ان کا مقام ہوگا، جب یہ تحریر مکمل ہوگئی تو وہ تحریر آپ نے مجھے عطا فرمائی، اور فرمایا قریب آؤ، میں آپ کے پاس گیا، آپ نے دستار اور ٹوپی میرے سر پر رکھتی، اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا غصا میرے ہاتھ میں دیا، اور مجھے خرقة پہنایا، مصحف و صلی اور نعلین مجھے بخشے، اور فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ امانت تھی جو خواجگانِ چشت سے ہم کو ملی تھی، ہم نے تم کو سونپی، تم اس کا ویسا ہی حق ادا کرو، جیسا ہمارے خواجگان ادا کرتے رہے، تاکہ

اولیائے ملاقاتیں اس سیاحت میں جن اولیاء و صوفیاء کو ملاقات کیا گیا
حضرت بابا فرید کی ملاقاتیں ہوئیں، ہم ان
میں سے بعض ملاقاتوں کا تذکرہ یہاں کرتے ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ سے)

کل قیامت کے دن ہم اپنے خواجگان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں، میں قدموں
ہوا اور دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی
طرف روئے مبارک اٹھا کر فرمایا، جاؤ ہم نے تمہیں خدا کے سپرد کیا، اور
تم کو منزل پر پہنچا دیا، رخصت کرتے ہوئے فرمایا، چار چیزیں نفس کا گھر ہیں
اول یہ کہ فقری میں بھی تو نگر دکھائی دو، دوسرے یہ کہ بھوک میں بھی
اپنے آپ کو سیرطہ ہر کر دو، تیسرے یہ کہ غم و اندوہ میں بھی شادماں رہو،
چوتھے یہ کہ دشمنوں سے بھی دوستی کا برتاؤ کرو، پھر فرمایا کہ جہاں کہیں
بھی جاؤ کسی کو آزار نہ پہنچاؤ اور جہاں کہیں رہو بے نفس ہو کر رہو۔

میں اس ملاقات کے بعد دہلی آیا اور وہیں رہنے لگا، ابھی چالیس روز نہ گزرے تھے کہ
ایک آنے والے نے خبر دی کہ تمہارے روانہ ہونے کے بعد خواجہ بزرگ صرف بیس روز
جیات رہے، اور پھر رحمت حق میں پیوست ہو گئے۔ (اخبار لاخیاں ص ۲۶)

حضرت خواجہ بختیار کاکی کو سماع سے بہت رغبت تھی، آپ نے سماع ہی میں
وصال فرمایا۔

اخبار لاخیاں میں ہے کہ شیخ علی سجزی کے مکان میں محفل سماع برپا تھی حضرت خواجہ
قطب الدین بختیار کاکی اس محفل میں موجود تھے، تو انہوں نے شیخ احمد جام کی غزل
شرد غ کی، جب یہ شعر گایا ہے

کشتگانِ خضرِ سلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیکر است

فرمایا کہ میں
جب بغداد پہنچا

شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور ترپنے لگے، مدہوشی اور تحیر کے عالم میں آپ کو آپ کے ساتھی گھرنک لائے، یہ حالت چار شبانہ روز رہی، نماز کے وقت ہوشیار ہو جاتے لیکن نماز ادا فرما کر پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی، آخر اسی حالت میں پانچویں رات ۱۴ ربیع الاول ۷۳۳ھ کو واصل الی اللہ ہوئے میر حسن نے اسی بحر و قافیہ و ردیف میں ایک غزل کہی جس میں حضرت خواجہ قطب الدین کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:-

جاں بریں یک بیت داد است آن بزرگ

آرے اس گوہر زکمنے دیگر ست

گشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

(اخبار الاخبار ص ۲۵ و ۲۶)

سیر العارفین میں ہے کہ وفات کے وقت میر مبارک حضرت خواجہ حمید الدین ماگوری کے زانو پر تھا، اور دونوں پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کے آغوش میں۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا جنازہ تیار ہوا، سلطان الیتمش، اکثر فقراء و خلفاء مشائخ، خوانین اور عوام کا ہجوم تھا، مولانا ابو سعید نے کہا کہ ہمارے حضرت نے وصیت فرمائی ہے کہ اُن کے جنازے کی نماز ایک شخص پڑھائے کہ جو زنا کا مرتکب نہ ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور نماز باجماعت میں اُس کی تکبیر اولیٰ قوت نہ ہوئی ہو، سلطان شمس الدین الیتمش بہت دیر تک خاموش کھڑا ہوا اپنے دائیں اور بائیں دیکھتا رہا، لیکن جب کوئی شخص آگے نہ بڑھا تو اُس نے مجبوراً اپنے آپ کو امامت کے لئے پیش کرتے ہوئے کہا، کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی میرے حال سے واقف ہو، لیکن

تو میں نے شیخ شہاب الدین ہروردی کی زیارت کی اور اُن سے کئی روز تک

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۳)

چونکہ ہمارے مرشد کی وصیت ہے، اور میں اس کے مطابق ہوں اس لئے میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

وصال سے کچھ دن پہلے عید کے دن عید کی نماز پڑھ کر سواری میں واپس آ رہے تھے، ایک جگہ ٹھہر گئے، اور کچھ سوچتے رہے، لوگوں نے پوچھا حضرت کس فکر میں ہیں، فرمایا مجھے اس زمین سے عشق کی بو آتی ہے، اسی وقت اُس زمین کے مالک کو بلوایا، اور اُس کی قیمت ادا کر کے اس زمین کو خریدا، اسی زمین پر آپ کا روضہ مبارک واقع ہے۔ (سیرالاقطاب ص ۱۵۹ و ۱۶۰)

صاحب سیرالاقطاب نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلفاء کی تعداد ۲۲ بتائی ہے، آپ کے خلفاء کے نام یہ ہیں :-

شیخ فرید الدین شکر گنج، شیخ بدر الدین غزنوی، شیخ برہان الدین ملنی، شیخ ضیاء الدین رومی، سلطان شمس الدین المیتش، شیخ بابا بھری بھردریا، مولانا فخر الدین حلوانی، شیخ محمد خواجہ پیر، شیخ سعد الدین خلیفہ، شیخ محمود بہاری، مولانا محمد جاجری، سلطان نصیر الدین غازی، قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا برہان الدین حلوانی، شیخ محمد سماوی، شیخ حسین، شیخ فیروز، شیخ بدر الدین موی تاب، شاد خضر قلندر، شیخ نجم الدین قلندر، شیخ احمد مینی۔

(سیرالاقطاب ص ۱۵۹)

حضرت خواجہ قطب الدین کی تصانیف میں اُن کا دیوان ہے جو نو لکھوڑے چھپ کر شائع ہو چکا ہے، دوسرے آپ کے ملفوظات ہیں جو بابا فرید گنج شکر نے فوائد السالکین کے نام سے جمع کئے تھے جو مطبع مجتہبی دہلی سے شائع ہوئے تھے۔ (ہزم صوفیہ ص ۵۹)

(بقیہ فٹ نوٹ سلسلہ صفحہ گذشتہ)

(۱) سیرالاقطاب ص ۱۶۴

فیض صحبت حاصل کرتا رہا، کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ اُن کی خانقاہ میں دس بارہ ہزار سے کم فتوحات آتی ہوں، لیکن وہ اُسی روزہ خدا کی راہ میں خرچ فرمادیتے تھے، اور ایک پیسہ بھی شام تک باقی نہ رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر میں ایک پانی بھی رکھوں تو مجھے درویش نہ کہیں گے بلکہ بالدار کہیں گے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بے حد عقیدت تھی فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی محفل میں شیخ شہاب الدین کی مشہور تصنیف عوارف کا تذکرہ چلا، حضرت محبوب الہی نے فرمایا کہ حضرت بابا فرید عوارف کو بڑی عمدگی سے پڑھاتے تھے، میں نے عوارف کے پانچ باب حضرت بابا فرید سے پڑھے تھے پھر فرمایا کہ حضرت بابا صاحب جو مطالب بیان فرماتے تھے وہ کسی دوسرے سے سُننے میں نہیں آئے، اُن کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی تھی کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو کیا اچھا ہوتا، آپ کے گھر میں فرزند تولد ہوا تو اُس کا نام بھی شہاب الدین رکھا۔

فرمایا کہ بغداد کے نواح میں خواجہ اجل سجری سے ملاقات میری ملاقات خواجہ اجل سجری سے ہوئی، میں نے اُنھیں سلام کیا، اُنھیں نے سلام کا جواب کر مصافحہ کیا، اور فرمایا:۔ ع

”بیا شکرِ عالم نیک آمدی بنشین“

میں وہیں بیٹھ گیا، آپ میرے ساتھ نہایت لطف و شفقت سے پیش آتے تھے میں کئی روز تک آپ کا مہمان رہا، میں نے دورانِ قیام میں دیکھا کہ آپ

۱۔ راحت القلوب ص ۲۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۷۵ ذکر عوارف شیخ شہاب الدین -

کسی آنے والے کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے، اگر کچھ موجود نہ ہوتا تو کھجوری دیتے، جب میں آپ سے رخصت ہونے لگا تو دعا دیتے ہوئے فرمایا، خدا تمہارے رزق میں برکت دے، میں نے وہاں کے لوگوں سے سنا کہ آپ اس قدر مستجاب الدعوات ہیں کہ جو زبان سے فرماتے ہیں وہی ہوتا ہے۔

شیخ سیف الدین باخرزی سے ملاقات فرمایا کہ جب میں بنجا۔ میں حضرت شیخ

سیف الدین باخرزی کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک آدمی ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں مال رکھتا ہوں، لیکن کئی سال سے اس میں مجھے نقصان ہو رہا ہے، اور میں خود بھی بیمار ہو جاتا ہوں، جو مزید نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سیف الدین نے اس سے فرمایا بات یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کے مال میں نقصان ہو تو اسے کچھ لینا چاہئے کہ دل میں کھوٹ ہے، اسے نقصان اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا ایمان درست ہو جائے۔

امام حدادی سے ملاقات غزنی کے نواح کی سیاحت کے ضمن میں فرمایا کہ کسی شہر کی مسجد میں مضاف

کے مہینے میں میں نے امام حدادی سے بھی ملاقات کی اور ان کی خدمت میں ایک عرصے تک رہا، وہاں ایک اور نہایت عظیم المرتبت بزرگ رہتے تھے انھوں نے مجھے نصیحت فرمائی کہ سلوک کی راہ میں محنت اور جفاکشی بہت ضروری، جب تک کہ مجاہدات اور ریاضت شاقہ نہ کرو گے اعلیٰ مقام حاصل نہ کر سکو گے، کیونکہ اہل صفہ نے فرمایا ہے کہ اس راہ میں اصل چیز مجاہدہ ہے۔

سیوستان کے دو بزرگوں سے ملاقاتیں فرمایا کہ سیوستان میں میری ملاقات

شیخ اوحید الدین کرمانی سے ہوئی، انھوں نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا کہ مشائخ کی جو خدمت کی ہے وہ تمھارے لئے باعثِ سعادت اور میرے پاس بھی تمھارا آنا باعثِ سعادت ہے یہ

سیوستان کے ایک اور بزرگ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا کھڑے ہوئے اللہ کا ذکر فرما رہے ہیں، میں ان کے پاس ٹھہرا رہا، ایک روز ان کو ہوش آیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جن کو سعادتِ ابدی کی توفیق عطا کرتا ہے، ان کے لئے ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے، پھر فرمایا کہ قصائے حاجت کے علاوہ تمام وقت ذکر کرنا چاہئے۔

دہلی میں حاضری اس طویل سیاحت کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر اپنے پیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ان کے ٹھہرنے کے لئے اپنی اقامت گاہ کے قریب ایک جگہ منتخب کی، جہاں وہ ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے یہ

خلافت سے سرفرازی اسی زمانے میں جب کہ بابا فرید گنج شکر دہلی میں ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف

تھے، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری دہلی تشریف لائے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنے خلفاء کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے سامنے پیش کیا، آپ نے ان میں سے ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق نعمتِ باطنی سے سرفراز فرمایا، آخر میں سلطان العارفین، خواجہ معین الدین اجمیری نے

پوچھا کہ بابا قطب الدین اب تمھارے مریدوں میں سے کوئی باقی تو نہیں رہا؟
 خواجہ قطب الدین نے عرض کیا کہ مسعود نامی ایک درویش جئے میں بیٹھا ہوا ہے
 اور اُس کی یہ حالت و کیفیت ہے۔ حضرت خواجہ اجمیری نے فرمایا چلو تاکہ میں
 اُس کو دیکھوں، پھر دونوں بزرگ اُس حجرے میں تشریف لائے جہاں حضرت
 بابا فرید ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف تھے، حجرے کے دروازے کو
 کھولا، لیکن بابا فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لئے نہ کھڑے ہو سکے، اپنی اس
 مجبوری کی وجہ سے اُن کی آنکھوں میں آنسوں بھر آئے، اور قدسی کی سعادت حاصل کی،
 حضرت خواجہ معین الدین نے اُن کو دیکھ کر حضرت خواجہ قطب الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا:
 کہ اے قطب الدین اس بچارے کو بنگ مجاہدوں کی آغوش پر جلاؤ گے، آؤ ہم اور تم جو کچھ اُسے
 دینا ہے عطا کر دیں، یہ کہہ کر اُن کا دامن باز و حضرت خواجہ معین الدین نے ادب بایاں باز و حضرت
 خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے پکڑ کر اٹھایا، پھر حضرت خواجہ اجمیری نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر
 فرمایا: جل جلالہ! فرید کو قبول کر اور اکل ترین درویشوں کے مرتبے پر پہنچا، غیب سے آواز آئی ہم نے
 فرید کو قبول کیا، فرید فرید ہے اور وحید عصر ہے، پھر حضرت خواجہ اجمیری نے اُن کو اپنا خلعت خاص مرحمت
 فرمایا، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنی دستار ابد لواز مہ خلافت عطا فرمائی،
 اس محفل میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ، مولانا علاء الدین کرمانیؒ، سید

سہ آپ کا نام محمد تھا مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے۔ شہاب الدین غوری کے
 کے زمانے میں اُن کے والد عطا اللہ محمود التجاری بخارا سے دہلی تشریف لائے، اور
 دہلی ہی میں اُن کے والد نے وفات پائی، اُن کی والدہ کی وفات کے بعد حضرت قاضی
 حمید الدین کرناگوریؒ کی قضاوت تفویض ہوئی، اور اس عہدے پر تین سال تک
 رہے، پھر اُن پر جذبہ درویشی غالب آیا، اور بغداد حاضر ہو کر سلسلہ ہرورد
 میں حضرت شیخ شہاب الدین ہروردیؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا، اور ایک
 سال تک اُن کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، اور خلافت
 سے سرفراز ہوئے، اسی زمانے میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اجمیر

نور الدین مبارک غزنوی، شیخ نظام الدین ابوالموید۔ مولانا شمس الدین

(بقیہ فتاویٰ صفحہ گذشتہ سلسلہ)

میں تھے، وہیں قاضی حمید ناگوری اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میں گہرے
دستانہ مراسم پیدا ہوئے جو آخر وقت تک قائم رہے، پھر وہ اپنے پیر سے اجازت لے کر
مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور تین سال تک وہاں مقیم رہے، وہاں سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے
جہاں دو سال تک ہر قسم کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے، پھر دہلی آئے، اور
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے پاس قیام کیا، اور وفات کے بعد ان کے پہلو میں
دفن ہوئے، اسی وجہ سے مشائخ عظام نے ان کو مشائخ خاندان چشت میں شمار
کیا ہے (خزینۃ الاصفیاء ص ۳۰۹ و ۳۱۰) رمضان کے مہینے میں تراویح کے بعد
وہ کی نماز میں بکد میں گئے تو عین بکدے کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔
لطائف اشرفی میں ان کا سنہ وفات ۶۳۱ھ درج ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۸۵)

سیرالاقطاب میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اگرچہ قاضی حمید الدین
کے شاگرد تھے، لیکن انھوں نے خواجہ بختیار کاکی سے خرقہ خلافت کیا تھا، سیرالاقطاب
کی اصل عبارت یہ ہے۔

نقل ست کدراں ہنگام عمر حضرت خواجہ (قطب الدین) ہفت دہ
سال بود، و کمالات بلا عد و نہایت با وجود آنکہ حضرت قاضی،
(حمید الدین ناگوری) نسبت استاد ی بآں حضرت داشت، امارہ
ادب و خیمت گاری چنداں کوشید کہ مردمان حیران می شدند و اکثر
می گفت کہ خواجہ قطب الدین قطب المشائخ ہست، و ہزار مرتبہ از
حمید الدین بزرگ دہتر، چنانکہ حمید الدین برابری یک مویش نمی
توان کرد، آخر الامر حضرت قاضی (حمید الدین ناگوری) از آن
حضرت نعمت و خلافت نیز یافتہ، ہر چند کہ از پیرایشاں یافتہ بود
(سیرالاقطاب ص ۱۵۰)

ترک، خواجہ محمود مونیہ دوز اور دوسرے مشائخ حاضر تھے، ایک شاعر

(بقیہ فٹنوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۷)

قاضی حمید الدین ناگوری سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، صاحب الاخبار
الاخیر نے اُن کی سماع سے غیر معمولی دلچسپی اور شغف کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا
ہے کہ:-

بہ سماع، سب کس در نہاں ازاں مقدار تو غل در سماع
نداشت کہ او داشت ہلماے غصہ بر سر او محضر ساختہ بودند

(اخبار الاخبار ص ۷۷)

سماع میں اُن کے غلو کی وجہ سے اگرچہ علمائے اُن کے خلاف فتویٰ دیا تھا
لیکن انہوں نے اس کی پروا نہ کی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بھی اُن کے ساتھ
مخل سماع میں شریک ہوتے تھے۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی مخل
میں سماع کے متعلق گفتگو چلی تو فرمایا کہ دہلی میں سماع کا سکہ قاضی حمید الدین ناگوری
نے بٹھایا، جب قاضی منہاج الدین قاضی ہوئے تو چونکہ وہ بھی صاحب سماع تھے
سماع کی بنیادیں اور گہری ہو گئیں۔ (فوائد الفواد - ص ۲۳۹ - ذکر سماع)

سیر الاولیاء میں ہے کہ قاضی حمید الدین کے پاس ناگہ میں ایک بیگہ زمین تھی،
جس کو کاشت کر کے وہ اپنا گزارہ کرتے تھے، پہلے آدھے بیگہ کو ہوار کر کے اُس میں
کچھ برتے، جب اس کو مکمل کر لیتے تو پھر دوسرے آدھے بیگہ کو ہوار کر کے اس میں
کچھ بوتے، اس کی پیداوار سے جو کچھ حاصل ہوتا تو اسے اپنے کھانے پینے اور کپڑوں
پر صرف کرتے، کمر سے ایک چادر بندھی رہتی تھی، دوسری چادر جسم پر پڑی رہتی تھی۔
ایک دفعہ حاکم ناگور کو آپ کی حالت کی خبر ہوئی، اُسی وقت کچھ نقد آپ کی خدمت
میں بھجوا یا، اور کہلا کر بھیجا کہ اگر شیخ قبول کریں تو میں کچھ زمین اور اس کے لئے تحفہ نذر کروں

نے فی البدیہہ اس موقع پر حضرت بابا فرید کی مدح میں یہ شعر کہا :-
 بخشش کو من از شیخین بہ گرفتہ فرید
 بادشاہی یافتہ از بادشاہان جہاں

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۷)

تاکہ کچھ ذراغت سے بسر ہو، آپ نے فرمایا، ہمارے خواجگان میں سے کسی نے ایسی چیز قبول نہیں کی، ایک یگھ زمین میری ملک ہے جو میرے لئے کافی ہے۔
 کسی نے قاضی حمید الدین کی درویشی کو حال بادشاہ وقت سے بیان کیا، بادشاہ نے اسی وقت پانچ سو ٹکے اور ایک گناؤں کا فرمان آپ کے نام حاکم ناگور کے پاس روانہ کیا، اور لکھا کہ وہ خود قاضی حمید الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عجز و زاری سے عرض کرے کہ وہ اس کو قبول فرمائیں، حاکم ناگور آپ کی خدمت میں یہ فرمان اور پانچ سو ٹکے لے کر حاضر ہوا، آپ نے کچھ نہ کہا اور فوراً گھر میں تشریف لے گئے، اُس وقت آپ کی بیوی اس حال میں تھی کہ ناداری کی وجہ سے سر پر دو پٹہ نہ تھا اور پیراہن کا دامن سر پر ڈالے ہوئے تھیں، آپ نے بیوی کو آذمانے کے لئے کہا کہ بادشاہ نے ہمارے لئے پانچ سو ٹکے اور ایک گناؤں کا فرمان بھیجا ہے، کہو تو ہم اس کو قبول کر لیں، بیوی نے کہا اے خواجہ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے ساہا سال کے فقر کو باطل کر لو، تم مطمئن رہو، میں نے دو سو سو تکتا ہے، جس سے آپ کے کپڑے اور میرا دو پٹہ تیار ہو جائے گا۔ قاضی حمید اپنی بیوی کی یہ بات بہت خوش ہوئے، اور باہر آ کر حاکم ناگور سے کہا کہ جو کچھ تم نے کہہ آئے مجھے اس کی ضرورت نہیں اس لئے قبول نہیں کر سکتا۔

(سیر لا دیار نکتہ اول ص ۱۵۷)

علم و فضل کے اعتبار سے بھی قاضی حمید الدین کا پایہ بہت بلند تھا۔ وہ علم حدیث کو علم تصوف پر زیادہ ترجیح دیتے تھے، ایک مرید نے جب علم تصوف کے سیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو اس سے فرمایا۔

سیر العارفین میں ہے کہ بارہا حضرت خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۵)

<p>مجھے یہاں مشغولیت ہے کہ اس زمانے میں ناگورہ کی مخلوق مجھ سے علم حدیث سنتی ہے، مجھے فرصت نہیں کہ اس دوران میں تمہیں علم تصوف سکھاؤں۔</p>	<p>مرا این جا مشغولی ست کہ خلق ناگودرین وقت از من علم احادیث می شنوند، مرا فرصت نیست کہ درین میان ترا علم تصوف بیاموزم۔ زبایخ مشائخ چشت ص ۱۴۹ بحوالہ سرور الصدور قلمی ص ۷۳)</p>
--	---

اپنے مریدوں اور معتقدوں کو علم فرائض کے سیکھنے کی طرف توجہ دلاتے
تھے:-

فرمودند اگر فرائض بحث کنند نیکو باشد کہ اول علمے کہ مقصود
شود علم فرائض باشد، و پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرمودہ ست
کہ تعلموا فرائض و علموہ رتارخ مشائخ چشت ص ۱۴۸
بحوالہ سرور الصدور ص ۲۹)

صاحب تصانیف تھے، اخبار الاخیار میں ہے کہ:-
قاضی حمید الدین راتصانیف بسیار است بزبان عشق و دولولہ
سخن می کند "طوالع شمس" از تصانیف مشہور اوست -
(اخبار الاخیار ص ۳۷)

طوالع شمس کے علاوہ، ان کی ایک اور کتاب "اصول الطریقہ" اہل علم اور
صوفیہ میں بے حد مقبول تھی، عربی، فارسی اور ہندی پر عبور رکھتے تھے، اور عموماً
ہندی میں گفتگو کرتے تھے، اس کے علاوہ ان کے مکتوبات بھی ہیں، جس کا ہر حظ

نے اپنے مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۵)

اے جان من سے شروع ہوتا ہے (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۰)

سید عساکر الدین نے بزم صوفیہ میں قاضی صاحب کی دو اور کتابیں لوائح اور

راحت الارواح کا بھی تذکرہ کیا ہے (بزم صوفیہ ص ۸۸)

قاضی حمید الدین ناگوری نے ^{۱۲۴۳ھ} ۱۲۴۳ھ میں وفات پائی، اُن کے صاحبزادے شیخ

عبدالعزیز علی کا انتقال چونکہ اُن کے مائے بی ہو گیا تھا، اس لئے اُن کے پوتے شیخ فرید الدین

اُن کی جگہ سندائے رشد ہدایت ہوئے۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۰)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۵)

سید نور الدین مبارک غزنوی، شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ، اور دہلی کے مقتدا واد

شیخ الاسلام تھے، سلطان شمس الدین کے زمانے میں وہ دیر دہلی کہلاتے تھے، شیخ نصیر الدین

کا بیان ہے کہ شیخ محمد اجل شیرازی ایک بزرگ تھے، سید مبارک غزنوی نے نعمت باطنی اُن سے

حاصل کی تھی، سید نور الدین مبارک غزنوی نے ^{۱۲۴۲ھ} ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی، اُن کا مقبرہ حوض شمس

کے شرقی جانب ہے۔ (اخبارالاکھیار ص ۲۸ و ۲۹)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۵)

شیخ نظام الدین ابوالموید، سلطان شمس الدین کے عہد میں تھے، اور خواجہ قطب الدین

بختیار کاکی ہم عصر تھے، شیخ نظام الدین محبوب الہی نے بھی حق کو دیکھا تھا، پیر حسن صاحب

نوائے الفوائد نے ایک دن حضرت نظام الدین محبوب الہی سے پوچھا کہ کبھی آپ بھی شیخ نظام الدین

ابوالموید کی مجلس وعظ میں تشریف لے گئے تھے؟ فرمایا ہاں، لیکن میں اُس وقت بچہ تھا،

مطالب کو نہ سمجھتا تھا، یک روز میں اُن کی مجلس وعظ میں گیا، میں نے دیکھا کہ مسجد کے دروازے

پر انھوں نے جوتے اتار کر اپنے ہاتھ میں لے لئے، پھر مسجد میں گئے اور دو رکعت نہایت

طمینان سے پڑھیں، پھر منبر پر آئے، قاسم نامی ایک شخص نے قرآن مجید کی چونتیس

بابا بختیار! شہبازے | بابا بختیار! تم نے ایک
عظیم بقید آوردہ اید کہ جز | عظیم شہباز کو مقید کیا

ربیعہ فٹ نوٹ سفر گذشتہ سلسلہ (۳۵)

پڑھیں، پھر شیخ نظام الدین ابوالموید نے وعظ کتنا شروع کیا، ابھی سرن اس قدر ہی کہہ
پائے تھے کہ میں نے اپنے بابا کے خط میں لکھا دیکھا کہ تمام مجمع اس قدر متاثر ہوا کہ
ہر ایک رونے لگا، پھر انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

بر عشق تو دوبر تو نظر خواہم کرد

جاں دہ غم تو زبرد زبر خواہم کرد

اُن کا یہ شعر پڑھنا ہی تھا کہ لوگ بے قرار ہو کر چلانے لگے، پھر فرمایا کہ اے مسلمانو!
کیا کروں مجھے اس رباعی کا دوسرا شعر یاد نہیں آتا، یہ بات انھوں نے کچھ ایسے انداز میں
کہی کہ مجمع اور بھی بے قرار ہو گیا، اس وقت قاسم نے اس رباعی کا دوسرا شعر پڑھا۔

پُر درد و لے بجاک در خواہم کرد

پہ عشق سری ز گور بر خواہم کرد

(اخباراٹا خیار ص ۳۶)

ابتداءً شیخ نظام الدین ابوالموید کے پیر شیخ عبدالواحد غزنوی تھے، لیکن جب وہ
ہجلی میں آئے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار ساکی کی صحبت میں رہنے لگے، اور اُن سے
بہت سے روحانی فوائد حاصل کئے، اور اُن کا شمار پیرانِ چشت میں ہونے لگا، شیخ
نظام الدین ابوالموید کو شمس العارفین بھی کہتے ہیں، شیخ جمال کووی جن کا مقبرہ کول میں ہے
وہ نظام الدین ابوالموید کی اولاد سے ہیں۔

شیخ نظام الدین ابوالموید نے خیاث الدین بلبن کے زمانے میں ۶۷۲ھ میں وفات

پائی۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد اول - ص ۳۰۸)

بدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نگیرد،
واین فرید شمعیت کہ خانولہ
ہے کہ جو بدرۃ المنتہیٰ کے سوا
آشیانہ نہ بنائے گا، اور یہ

(بقیہ فٹ نوٹ سفر گذشتہ بسلسلہ)

خواجہ محمود مونیہ دوز، قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید اور خلیفہ میں تھے، اور خواجہ
قطب الدین بختیار کاکی کے مصاحبوں اور ان کے معتقدوں میں تھے، خواجہ قطب الدین کی
بہت کم ایسی مجلسیں ہوتی تھیں کہ جس میں وہ حاضر نہ ہوں، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
کے مخطوطات میں ان کا ذکر بے حد آتا ہے۔ راخبار الاخبار ص ۵۰ و خزینۃ الاصفیاء
جلد اول ص ۲۸۴ و ۲۸۵)

سیر العارنین میں ہے کہ حضرت بدر الدین محمود مونیہ دوز بختیاری خواجہ قطب الدین
بختیار کاکی نور اللہ مرقدہ کے جوار میں آسودہ ہیں، وہ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے، اور
اکثر شیخ المشائخ خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی معاجرت میں رہتے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب اللہ سے منقول ہے کہ جب کسی کا غلام بھاگ جاتا تو وہ
شیخ محمود مونیہ دوز کے پاس آتا، اور صورت حال بیان کرنا، آپ تھوڑے سے تاویل کے بعد فرماتے
جاء تمہارا غلام فلاں وقت تک آجائے گا، جب تمہارا غلام واپس آجائے تو مجھے اطلاع دینا
تاکہ یہ بوجھ میرے دل سے اتر جائے، چنانچہ لوگ غلام مل جانے کے بعد فوراً آپ کو اطلاع دیتے
تھے، ایک دفعہ ایک شخص کا غلام بھاگ گیا، اُس نے آپ سے عرض کیا، فرمایا فلاں وقت تک
تمہارا غلام مل جائے گا، جب تمہارا غلام مل جائے تو مجھے اطلاع دینا، خدا کے حکم سے
اُس کا غلام مل گیا، لیکن اُس نے آپ کو اطلاع نہ دی، دین روز کے بعد پھر وہ غلام
بھاگ گیا، یہ شخص پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا غلام پھر
بھاگ گیا ہے، فرمایا جب وہ پہلی مرتبہ واپس آیا تھا تو تم نے مجھے کیوں اطلاع نہ دی
اس لئے اب تمہارا غلام نہیں ملے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

صاحب سیر العارنین شیخ جمالی نے لکھا ہے کہ جب میں خواجہ محمود مونیہ دوز کے

درویشاں منور ساز دیے | فرید و دشمن ہے کہ جو درویشوں
کے خالوادے کو منور کرے گا۔

بانی کوروانگی خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت بابا فرید الدین
گنج شکر نے اپنے پیر حضرت خواجہ قطب الدین
بختیار کاکی سے سفر کی اجازت چاہی، حضرت خواجہ بختیار کاکی نے پر تم
آنکھوں سے آنکھیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا، میں جانتا ہوں کہ تم میری
موت کے وقت میرے پاس نہ ہو گے، اس لئے کہ تقدیر الہی یہی ہے،
لیکن میری وفات کے دو تین روز کے بعد تم پہنچو گے، پھر فاتحہ پڑھ کر
حضرت بابا فرید کو رخصت کیا، اور فرمایا کہ میں تمہاری امانت تانہ
حمید الدین کے حوالے کر دوں گا، جب تم آؤ اپنی امانت اُن سے حاصل
کر لینا، حضرت بابا فرید اپنے پیر سے رخصت ہو کر بانی پہنچے، اور
وہیں سکونت اختیار فرمائی۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت بابا فرید بانی پہنچنے کے بعد
مجاہدے اور مشغولی ظاہر و باطن میں مشغول ہو گئے، اپنے آپ کو
لوگوں سے مستور رکھتے تھے اور آپ کو یہ پسند نہ تھا کہ کوئی آپ کے
حال سے مطلع ہوئے۔

ربقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)
مزال پر انوار پر زیارت کے لئے حاضر ہوا تو اس وقت اُن کے سجادے اُن کے
صاحبزادے شیخ یزید تھے۔ (سیر العارفین ص ۱۵)
(ربقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵) سیر الاولیاء ص ۶۱۔
رفٹ صفحہ ہذا ۱۵ سیر العارفین ص ۲۳
۱۶۷ سیر الانطاب ص ۱۶۷ ۱۶۷ سیر الاولیاء ص ۶۲

حضرت خواجہ قطب الدین
سیرالاقطاب میں ہے کہ حضرت
بافرید ایک عرصے تک ہانسی
میں مقیم رہے، جس روز حضرت

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے وفات پائی اسی رات کو آپ نے خواب
میں دیکھا کہ حضرت خواجہ قطب الدین آپ کو بلارہے ہیں، صبح کو آپ
روانہ ہوئے اور تیسرے روز دہلی پہنچے، اپنے شیخ کے مزار مبارک کی
زیارت کی، قاضی حمید الدین ناگوری نے خرقہ اور دوسری امانتیں جو
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اُن کو اس لئے دی تھیں کہ
وہ آپ کے حوالے کریں، حضرت بافرید کو دیں۔

ہانسی میں تشریف آوری
لوگوں نے دہلی میں قیام کے لئے
بے حد اصرار کیا، مگر آپ چوتھے
روز نماز فجر کے بعد ہانسی روانہ ہو گئے، لوگوں کے اصرار پر فرمایا حضرت
خواجہ کی عنایت مجھ پر جو کچھ ہے میں جہاں کہیں بھی رہو گا میرے شامل حال
رہے گی۔

سیرالادلیاء میں ہے کہ جس رات حضرت خواجہ قطب الدین
بختیار کاکی نے وفات پائی، حضرت بافرید شیخ شکر ہانسی میں تھے،
اسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین
بلارہے ہیں، صبح ہوتے ہی آپ دہلی روانہ ہوئے، چوتھے روز دہلی پہنچے
قاضی حمید الدین ناگوری نے وہ خرقہ جو حضرت خواجہ قطب الدین نے
اُن کے حوالے کیا تھا، آپ کو دیا، آپ نے دوکانہ ادا کر کے اس خرقے
کو پہنا، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے گھر میں تشریف لاکر

اُن کی مسندِ شر و ہدایت کو زینت بخشی، ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ سرہنگا نامی ایک شخص ہانسی سے آیا، اُس نے دو تین مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کی مگر دربان نے جانے نہ دیا، ایک روز حضرت بابا فرید گھر سے باہر نکلے تو سرہنگا جو اس موقع کی تاک میں تھا، درڑ کر آپ کے قدموں پر گر پڑا، اور رو کر کہنے لگا، جب تک آپ ہانسی میں تھے میرے لئے آپ کا دیکھنا آسان تھا، اب آپ کا دیکھنا مشکل ہو گیا ہے حضرت بابا فرید نے سرہنگا کے اس کہنے پر محسوس کیا کہ اگر وہ دارالسلطنت میں مقیم رہے تو عوام سے ربط کمزور ہو جائے گا، آپ نے اسی وقت لوگوں سے فرمایا کہ میں ہانسی جاؤں گا، لوگوں نے کہا کہ شیخ نے آپ کو یہ مقام دیا ہے، آپ کیوں دوسری جگہ جاتے ہیں، فرمایا کہ میرے پیر نے جو نعمت عطا فرمائی ہے شہر میں بھی وہی اور جنگل و بیابان میں بھی وہی ہے، چنانچہ آپ ہانسی روانہ ہو گئے۔

لیکن جب ہانسی میں آپ کی شہرت
اجودھن میں قیام
 ہوئی اور لوگوں کا ہجوم بڑھا تو آپ
 ہانسی سے منتقل ہو کر اجودھن (پاک پٹن) تشریف لائے، اور
 آخر عمر تک وہیں ارشاد و ہدایت میں مصروف رہے۔

ذائد الفیاد میں ہے کہ جب آپ اجودھن (پاک پٹن) آئے تو
 آپ نے اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو اپنے وطن کھوٹوال بھیجا
 تاکہ وہ آپ کی والدہ کو وہاں سے لے آئیں، شیخ نجیب الدین والدہ کو
 لے کر واپس ہو رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ پانی کی ضرورت ہوئی،
 وہ والدہ کو ایک درخت کے نیچے بٹھا کر پانی کی تلاش میں گئے، جب

لوٹ کر آئے تو والدہ کو وہاں نہ پا کر بے حد حیران و پریشان ہوئے، ہر جگہ تلاش کیا، لیکن کہیں پتہ نہ چلا، مجبوراً تھک کر حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ کھانا پکا کر صدفہ کرو، پھر کچھ مدت کے بعد شیخ نجیب الدین کا اس طرف گذر ہوا، جب وہ اس درخت کے قریب پہنچے تو انھیں خیال ہوا کہ مجھے اس درخت کے آس پاس دیکھنا چاہیے، شاید میری والدہ کا کوئی نشان مل جائے، چنانچہ وہ اس درخت کے قرب و جوار میں اسی تلاش و جستجو میں پھرنے لگے، انھیں چند ہڈیاں وہاں پڑی ہوئی ملیں، شیخ نجیب الدین نے اس آدمی سے جو ان کے ساتھ تھا کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہڈیاں میری والدہ کی ہیں، انھیں شیری کسی درخت سے لے ہلاک کیا ہے، پھر انھوں نے وہ ہڈیاں ایک پھٹی میں جمع کیں، اور حضرت بابا فرید کی خدمت میں لائے۔

سیر العارفين میں ہے کہ جب بابا فرید پانسی سے اجو دھن (پاک پٹن) پہنچے جو دیوال پور کے قریب ہے تو وہاں کے لوگ بہت کج طبع، دشت مزاج اور بد اعتقاد تھے، کوئی بھی آپ کی طرف متوجہ نہ ہوا، حضرت بابا فرید نے اس بستی کے لوگوں کی بے توجہی دیکھ کر فرمایا یہ جگہ خوب ہے یہاں سکون کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہوں گا، اس قصبے کے باہر درختوں کا ایک جھنڈ تھا، آپ ان درختوں کے درمیان ایک بڑے درخت کے نیچے کھلی ڈال کر بیٹھ گئے، اہل عبادت الہی میں مشغول ہو گئے۔

۱۔ فوائد الفوائد - ذکر بزرگی - والدہ بزرگوار شیخ کبیر ص ۱۲۲-۱۲۳

۲۔ سیر العارفين ص ۳۲

اجودھن میں شہرت

آہستہ آہستہ اجودھن (پاک پٹن)
میں آپ کی عبادت و ریاضت

کی شہرت پھیلی، اور لوگوں کا ہجوم ہونے لگا، پھر آپ کے رشد و ہدایت
کے اثرات سے نہ صرف پنجاب متاثر ہوا بلکہ شمالی ہند تک آپ نے
سلسلہ چشتیہ کی تعلیمات کو عام کیا، دور دور سے لوگ طلب حق
میں آپ کے آستانے پر حاضر ہوتے، اور رشد و ہدایت سے فیض یافتہ
ہو کر جاتے۔

دہلی میں آپ کے تقدس و ولایت
کی شہرت اس قدر عام ہوئی کہ

حضرت خواجہ نظام الدین

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب

محبوب الہی کی غائبانہ عقیدت

الہی کا بیان ہے کہ میری عمر بارہ سال کی تھی، اور میں تعلیم پاتا تھا کہ
ابوبکر قوال ملتان کی طرف سے سیاحت کر کے میرے استاد کے پاس آیا،
اور اُس نے وہاں کے بزرگوں کے متعلق واقعات بیان کرنا شروع
کئے، اُس نے بتایا کہ میں نے شیخ بہار الدین زکریا کے سامنے سماع
شروع کیا، جب میں نے یہ شعر پڑھے۔

قد سعت حیدر المہوی کبدی

فلا طیب لہا ولا حرافی

تو مجھے اس کے دو مصرعے یاد نہ رہے، شیخ نے فوراً ہی وہ مصرعے

مجھے بتائے۔

الا الحبيب الذی قد شففت

بہ نعتہ رقیبتی و تریاتی

اس کے بعد ابوبکر قوال نے حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کی
تعریف کرتے ہوئے کہا کہ ان کی عبادت و ریاضت اس قدر برہمی ہوئی

ہے کہ اُن کی کینزیں بھی چلّی پستے ہوئے ذکر الہی کرتی ہیں، پھر وہ بہت دیر تک اُن کے فضائل و مناقب بیان کرتا رہا، اس کے بعد اُس نے بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن (پاک پٹن) آیا، میں نے وہاں شاہ ولایت (بابا فرید) کو دیکھا کہ اُن کے رشد و ہدایت سے ایک عالم فیض یاب ہو رہا ہے، حضرت بابا فرید کے فضائل و مناقب سُن کر میرے قلب میں آپ کی محبت اور عقیدت کی یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ میں ہر نماز کے بعد دس مرتبہ شیخ فرید الدین کے نام کا وظیفہ پڑھتا تھا، پھر میری محبت اس قدر بڑھی کہ میرے تمام ملنے والے اور دوست و احباب اس سے واقف ہو گئے، انتہا یہ تھی کہ جب وہ مجھ سے کچھ پوچھتے اور چاہتے کہ مجھے قسم دیں تو میں (بے اختیار) شیخ فرید الدین کے نام کی قسم کھاتا تھا لے

ناگور کی ایک عورت کی عقیدت
فوائد الفواد میں ہے کہ
حضرت محبوب الہی
خواجہ نظام الدین نے بیان فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری کے
نواسے شیخ شرف الدین کو خیال پیدا ہوا کہ وہ حضرت بابا فرید کے
حلقہ ارادت میں داخل ہوں۔ جب وہ اس ارادے سے ناگور سے
روانہ ہونے لگے تو اُن کی ایک کینز نے اُن کو ایک دستار دیتے ہوئے
کہا جب آپ حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوں تو میری طرف
سے یہ اُن کی خدمت میں پیش کرنا، چنانچہ جب شیخ شرف الدین حضرت
بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت سے شرف ہوئے
تو انھوں نے عرض کیا کہ میرے گھر میں ایک کینز ہے جس نے زمین پر

سر رکھ کر یہ تحفہ آپ کے لئے دیا تھا، یہ کہہ کر انھوں نے وہ دستار آپ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت بابا فرید نے اُس تحفے کو قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا اُسے آزادی دے، شیخ شرف الدین جب آپ کی مجلس سے اُٹھے تو اُن کے دل میں خیال گزرا کہ جب شیخ نے اُس کنیز کی آزادی کے لئے دعا فرمائی ہے تو وہ یقیناً آزاد ہوگی، لیکن چونکہ کنیز قیمتی ہے، کیوں نہ اُسے فروخت کر دیا جائے، تاکہ اگر وہ آزاد ہو تو اُس کے پاس سے آزاد ہو جو آئندہ اس کو خریدے گا، پھر اُن کے دل میں خیال آیا کہ اگر کنیز دوسرے کی ملکیت ہو کر آزاد ہوئی تو ظاہر ہے کہ اُس کا ثواب بھی اُس کے مالک کو ملے گا، میں خود ہی کیوں نہ اُس کو آزاد کروں، اس نیت کے بعد وہ حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ حضور میں نے اُس کنیز کو آزاد کیا۔

سلطان ناصر الدین محمود اور
اُس کے لشکر کی عقیدت
ایک دفعہ جب سلطان ناصر الدین
محمود اور اُس کا لشکر اجودھن
(پاک پٹن) سے گزرا تو حضرت

۱۸۸ - ۱۸۹

۵۲ علاء الدین مسعود کے معزول کردینے کے بعد اُسے ترک نے تخت شاہی کے لئے سلطان التمش کے چھوٹے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کا انتخاب کیا، سلطان ناصر الدین محمود ۶۴۴ھ میں تخت نشین ہوا، اُس نے چند سال حکومت کر کے یہ کہہ کر غیاث الدین بلبن کو اپنا نائب منتخب کیا، کہ تم ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے کل سب سے بڑے بادشاہ کے حضور میں شرمندگی اٹھانی پڑے، سلطان ناصر الدین محمود نے ۶۶۴ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۱۶۹ - ۱۹۷)

خواجہ نظام الدین محبوب الہی کا بیان ہے :-

در آنچہ سلطان ناصر الدین
جانب آج و ملتان روان شد
در میان اجد دهن رفت، جملہ
لشکر روئے بزیارت شیخ ہنود
تا آن مقام کہ بود از ابنو ہے
حیرن شد، انگا آستین شیخ از بامے جانب
کو چہ بیا بختند خلق می آمد می بوسید می
رفت تا ہم پارہ پارہ شد، انگاہ در سجد
آمد و مریدان را گفت شما گرد بر گرد من
باشید تا خلق دروں نیایند، ہم از
دور سلام کنند، و باز گردند،
مریدان ہمچنان کردند، تا یکے
فراتے پیرے بیا مدواز
مریدان کہ گرد بہ گرد ایستادہ
بودند بگذشت، در پائے شیخ
افتاد، و پائے مبارک بگرفت
و بکشد تا بوسد، شیخ را دشوار
آمد، آن فراتش گفت، شیخ
المشاخ حضرت شیخ فرید الدین
مگ می آئی، شکر نعمت
خدائے تعالیٰ بہ ازیں بگذار چوں
آن فراتش ایں سخن بگفت، شیخ

جس زمانے میں سلطان ناصر الدین
آج اور ملتان کی طرف روانہ ہوا
تو اجد دهن (پاک پٹن) پہنچ کر سارا
لشکر شیخ کی زیارت کے لئے روانہ
ہوا، شیخ اس ابنوہ کثیر کو دیکھ کر
حیران ہو گئے، اُس وقت شیخ کی آستین
کوٹھے سے گلی کی طرف لٹکائی گئی، لوگ
آتے تھے اور اس کو بوسہ دیتے تھے
یہاں تک کہ وہ آستین ٹکڑے ٹکڑے
ہو گئی اُس وقت آپ مسجد میں آئے
اور مریدوں سے کہا کہ تم مجھے اپنے
حلقے میں لے لو تاکہ کوئی شخص اس
حلقے کے اندر نہ آ سکے، اور دور ہی
سے سلام کر کے واپس لوٹ جائیں،
مریدوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک
کہ ایک بوڑھا فرماش آیا، وہ حلقے کو توڑ کر
شیخ کے پاؤں میں گرا اور آپ کے
پاؤں کو کھینچا تاکہ بوسہ دے، شیخ کو
یہ بات پسند نہ آئی فراتش نے کہا
شیخ المشاخ حضرت شیخ فرید الدین
آپ کیوں تنگ آتے ہیں، خدائے تعالیٰ
کی نعمتوں کا اس سے بھی اچھا شکر ادا

نعرۂ نبرد، آنکھ گاہ فراش را
 کرد، آپ نے فراش کی یہ بات سن کر
 بنواخت و بسیار معذرت
 کردیہ
 نوازش فرمائی اور بہت معذرت کی۔

سلطان ناصر الدین محمود نے اُس موقع پر جب کہ وہ اجودھن میں آپ کی خدمت
 میں حاضر ہوا تھا آپ سے ملاقات کے بعد اپنے نائب السلطنت ایخ خاں کو ایک کثیر
 رقم امد چار گھاؤں کا فرمان دے کر بھیجا کہ وہ حضرت بابا فرید کی خدمت میں پیش
 کرے، ایخ خاں نے حاضر ہو کر یہ چیزیں آپ کے سامنے رکھیں، آپ نے پوچھا
 یہ کیا ہے؟ ایخ خاں نے عرض کیا بادشاہ نے یہ زر نقد درویشوں کے لئے اور
 چار گھاؤں کا فرمان آپ کے لئے بھیجا ہے، آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد
 فرمایا، نقدی تو درویشوں کے لئے ہے جسے میں اُن پر خرچ کر دوں گا، رہا
 میرے لئے چار گھاؤں کا فرمان اسے لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں،
 اس کے طالب اور بہت ہیں۔

۱۔ فوائد الفواد ص ۱۴۵ - ۱۴۶ ذکر متحیران کہ بحق مشغول باشد۔

۲۔ ایخ خاں سلطان غیاث الدین بلبن کا خطاب تھا، سلطان غیاث الدین بلبن ایک
 ترک امیر زادہ تھا، چنگیزی حملے میں کوئی مغل سپاہی اُس کو پکڑے گیا، اور ایک غلام کی حیثیت
 سے بغداد میں فروخت ہوا، جسے ایک بزرگ جمال الدین بصری نے خریدا، اور اُس کی تربیت
 کی، پھر دہلی میں بکے آیا، جہاں ولایت زاد ترکوں کی بڑی مانگ تھی، شروع میں وہ ایک معمولی سپاہی
 بلکہ ہشتی اور فراش کا کام کرتا رہا، آہستہ آہستہ میسرکار اور ترکان چہل گانی کے زمرے میں داخل
 ہوا، آخر سلطان ناصر الدین محمود نے اُسے اپنا نائب السلطنت بنایا، پھر ۶۶۳ھ میں
 سلطان ناصر الدین محمود کے لاؤلفوت ہونے پر بغیر کسی مزاحمت کے بادشاہ ہو گیا۔
 سلطان غیاث الدین بلبن نے ۶۸۶ھ تک حکومت کی۔ (ماخوذ ماریخ مسلمانان پاکستان
 بھارت ص ۱۹۶ دص ۲۰۵) ۳۔ فوائد الفواد ص ۹۹ -

راحت القلوب میں ہے کہ ایک دفعہ اجودھن (پاک پٹن) کے حاکم نے کچھ گاؤں اور کچھ نقد رقم آپ کو نذر کرنا چاہی، فرمایا، اگر یہ رقم اور گاؤں میں لے لوں تو لوگ مجھے درویش نہ کہیں گے، مالدار کہلاؤں گا، اور درویش دیہہ دار میرا لقب ہو جائے گا، پھر یہ منہ درویشوں کے دکھانے کے قابل نہ رہے گا، اور میں ان میں کھڑا نہ ہو سکوں گا۔

شہرت و مقبولیت حضرت بابا فرید کی شہرت و مقبولیت کی یہ کیفیت تھی کہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے ایک مجلس میں آپ کی مقبولیت و شہرت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی خدمت میں ہر قسم کے درویش اور غیر درویش پہنچتے تھے۔ ہر وقت طالبان حق اس شمع معرفت کے گرد جمع رہتے، آپ کی خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا تھا۔

سیرالاقطاب میں ہے کہ جب بابا فرید شہرت سے بچنے اور ارشاد حامی خلق سے محفوظ رہنے کے لئے اجودھن (پاک پٹن) تشریف لائے تو یہ ویرانہ آپ کو بے حد پسند آیا، اور خوش ہوئے کہ اطمینان سے یہاں عبادت الہی ہو سکے گی، لیکن چند دن نہ گزرے تھے کہ وہاں کے بڑے بڑے لوگ آپ کے معتقد اور مرید ہو گئے، اور یہاں بھی معتقدین کا ہجوم بے پناہ ہونے لگا، پھر آپ کو خیال ہوا کہ اجودھن (پاک پٹن) سے بھی کسی دوسری جگہ جایا جائے۔ اسی فکر میں تھے کہ ایک روز ہاتف غیبی نے آواز دی، اے شیخ! تنگ مت ہو، اور لوگوں کی جفاکاری کو برداشت کر، اس کے بعد سے پھر آپ نے کسی کو آنے سے نہیں روکا، اور ہجوم سے ملول نہیں ہوئے۔

راہ سلوک میں جو ریاضتیں اور مجاہدے
ریاضتیں اور مجاہدے
 آپ نے کئے، مختلف تذکرہ نگاروں
 نے اُن ریاضتوں اور مجاہدوں کی تفصیلات بیان کی ہیں جنہیں ہم یہاں
 اجمالاً درج کرتے ہیں۔

راحت القلوب میں خود آپ کا بیان ہے کہ وہ بیس سال تک (اکثر اوقات)
 عالمِ تفکر میں کھڑے رہتے، اُن کے پاؤں درم کر آتے تھے، اُن سے خون
 بہتا تھا۔

سیرالاولیاء میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی سے روایت
 ہے کہ ایک دفعہ حضرت بابا فرید بیمار ہوئے، اُس بیماری کے عالم میں عصا کا
 سہارا لے کر چلنا چاہا، تھوڑی دور چلے تھے کہ چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا،
 اور عصا کو پھینک دیا، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ
 نے عصا پھینک دیا، فرمایا کہ عصا کا سہارا لیا تھا تو مجھ پر عتاب ہوا کہ تم
 ہمارے سوا غیر کا سہارا لیتے ہو۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے مولانا بدر الدین
 کے تذکرے کے ضمن میں فرمایا کہ شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین کا کام
 ہی کچھ اور تھا، آپ نے خلقت کو ترک کر رکھا تھا اور جنگل و بیابان میں
 رہتے تھے، یعنی اجودھن رپاک پٹن میں رہ کر درویشانہ روٹی اور جنگل کے
 پھل پھول جیسا کہ پیلو اور اس کے مانند دوسری چیزوں پر گزارہ کرتے،
 حالانکہ اُس وقت بھی آپ کے پاس لوگوں کی آمد و رفت کی انتہا نہ تھی، آپ
 کی خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا، کھانا اور دوسری نعمتیں
 خدا کے فضل سے موجود رہتیں، تمام آنے جانے والے اُن کھانوں اور نعمتوں

سے اپنا حقہ حاصل کرتے، کوئی آنے والا ایسا نہ تھا کہ جسے کچھ نہ کچھ عنایت نہ ہوتا ہو، ہرنیا اور پرانا ملاقاتی آپ کی نظر میں برابر تھا، اور آپ دونوں کے ساتھ یکساں مہربانی سے پیش آتے تھے یہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی عارضہ لاحق ہوتا یا فصد لیتے تب بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے یہ

اخبارالاخیار میں ہے کہ آپ اکثر شربت سے روزہ افطار فرماتے ایک پیالہ شربت کا ہوتا تھا جس میں تھوڑا سا منقہ بھی ڈالتے تھے، کبھی اس میں سے نصف کبھی دو حصے دوسروں کو تقسیم فرما کر ایک حصہ خود استعمال فرماتے، اُس میں سے بھی اگر کوئی چاہتا تو اُسے عطا فرمادیتے، پھر گھی میں چٹری ہوئی دو روٹیاں لائی جاتیں، آپ اس میں سے کچھ کھاتے، بقیہ حاضرین میں تقسیم کر دیتے۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا جاتا جس پر ہر قسم کے کھانے ہوتے، لوگ ان کھانوں کو کھاتے لیکن آپ اُس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے، پھر دوسرے روز افطار کے وقت حسب معمول کھاتے، رات کو اُسی کبیل پر سو رہتے کہ جس پر آپ دن میں بیٹھتے تھے، بہ کبیل اس قدر چھوٹا تھا کہ سوتے وقت پاؤں باہر نکلے رہتے یہ

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین کا بیان ہے کہ ایک رات آرام کرتے وقت میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک سادہ اور جنگلی سی چار پائی آپ کے لئے لائی گئی، اُس پر وہی کبیل کا ٹکڑا بچھایا گیا جس پر آپ دن میں بیٹھا کرتے تھے، یہ کبیل کا ٹکڑا اتنا چھوٹا تھا کہ چار پائی پر پورا نہ آتا تھا، پائنتی کی طرف جگہ خالی رہ جاتی تھی، ایک عصا آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین

بمختیار کا کی نے عطا فرمایا تھا، وہ لایا جاتا، اور سر ملنے رکھ دیا جاتا، آپ
اُس پر تکیہ لگا کر آرام کرتے اور اُسے چومتے یہ

سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کا بیان ہے کہ شیخ العالم فرید الدین
قدس سرہ عموماً زنبیل کی روٹی کھاتے، البتہ افطار کے وقت دو روٹیاں
گھر کی ہوتیں، جب آپ کے گھر میں دو مرتبہ زنبیل پھرتی تو دن کے وقت
اکثر یاروں کو زنبیل کا کھانا ملتا، اگر بیچ رہتا تو رات کے وقت دسترخوان پر
رکھا جاتا۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی بھی آپ کے ساتھ تراویح کی نماز
میں شریک رہتے۔

تاریخ مشائخِ نبشت میں پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے آپ کی ریاضتوں
اور مجاہدوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

بابا فرید نے عبادت و ریاضت میں جو کوششیں کی تھیں وہ
انہیں کا حصہ تھا، چلہ معکوس سلسل روزوں اور کرپے اور یلو
کی غذا نے اُن کے جسم کو لاغر اور ناتواں بنا دیا تھا، آخر عمر میں
ایک مرتبہ فرمانے لگے مچالیس برس تک جو کچھ خدائے تعالیٰ
نے فرمایا، بندہ مسعود نے وہی کیا، اب چند سال سے جو کچھ
مسعود کے دل میں خطرہ ہوتا ہے یا اُسے مانگتا ہے وہی پاتا
ہے یہ

سماع سے غیر معمولی ذوق رکھتے تھے، ایک روز آپ کے سامنے
سماع کی اباحت اور حرمت پر گفتگو ہوئی، فرمایا، سبحان اللہ کوئی

جل کر راکھ ہو جائے اور دوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہیں۔
مگر سماع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا، سماع اُنھیں لوگوں کے
لئے جائز ہے، جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ ایک لاکھ تلواریں اُن کے
سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار فرشتے اُن کے کان میں کچھ کہیں تب بھی
اُن کو خبر نہ ہو سکے

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت بابا فرید اس شعر پر اکثر وجد فرماتے تھے
نظامی! ایں چہ اسرارست کند خاطر عیاں کردی
کے سترش نمی داند زباں درکش زباں درکش
جب ہوش میں آتے تو بار بار اس مصرع کی تکرار فرماتے تھے:-
کے سترش نمی داند زباں درکش زباں درکش

خشیت الہی تمام خوبوں کا سرچشمہ خشیت الہی ہے۔ حضرت بابا
فرید کی خشیت الہی سے یہ کیفیت کہ سلطان المشائخ
حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کا بیان ہے کہ حضرت بابا فرید
جس جگہ بھی بیٹھے ہوتے بار بار سجدہ کرتے، ایک دفعہ آپ حجرے میں
تھے میری نظر آپ پر پڑی، میں نے دیکھا کہ آپ اٹھتے ہیں اور سجدے
میں جا کر یہ مصرع پڑھتے ہیں:-

از بہر تو میرم از برائے تو زیم

خشیت الہی سے مریدوں کی مجلسوں میں بار بار روتے، اور بعض دفعہ
دھاڑیں مار کر روتے تھے، اس شعر کو جب پڑھتے تو ہائے ہائے کر کے
روتے اور بے ہوش ہو جاتے:-

۱۔ بزم صوفیہ - ص ۱۶۲ بحوالہ خیر المجالس اردو ترجمہ ص ۱۳۷-۱۳۸ ۲۔ بزم صوفیہ
ص ۱۲۳ بحوالہ راحت القلوب ص ۱۲-۳ سیر العارفین ص ۵۳ ۳۔ سیر العارفین ص ۵۴ -

در کوئے عاشقان چناں جاں بد بند
کانجا ملک الموت ننگزد ہر گز نہ

عشق رسول

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و
محبت کی کیفیت یہ تھی کہ جب کبھی رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آجاتا تو زائد قطار روئے لگتے، ایک دفعہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا ذکر فرمایا، جب بیان کر چکے
تو ایک آہ کھینچی، نعرہ مارا، اور روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔
جب ہوش آیا تو فرمایا، جن کے لئے تمام عالم پیدا کیا گیا، جب انھیں کو
دنیا سے اٹھایا گیا تو پھر دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حیثیت ہے، جو
زندگی کی خواہش کریں، ہم ایسے آپ کو جانے والوں ہی میں شمار کریں،
غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھا دیں اور راہ کی فکر میں لگے رہیں۔
بے حد حلیم الطبع تھے، فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ
پانچ درویش حضرت بابا فرید کی خدمت میں آئے، یہ درویش
نہایت درشت مزاج اور سخت تھے، ان درویشوں نے نہایت کراخت اور
ناگوار لہجے میں کہا کہ ہم اتنی جگہ گئے لیکن ہمیں آج تک کوئی درویش نہ ملا
یہ کہہ کر وہ آٹھے، حضرت بابا فرید نے ان سے فرمایا بیٹھو تاکہ میں تم کو درویش
دکھاؤں، لیکن وہ نہایت ناگواری کے ساتھ روانہ ہونے لگے، آپ نے
فرمایا خیر اگر تم جانتے ہی ہو تو بیابان کی راہ مت جاؤ، کوئی دوسرا
راستہ اختیار کرو، لیکن وہ نہ مانے اور بیابان کی راہ سے روانہ ہوئے۔
آپ نے ان کے پیچھے آدمی کو دوڑایا تاکہ وہ دیکھے کہ وہ درویش کس راستے

۱۳۲-۱۳۳ بحوالہ راحت القلوب

۶۸ بحوالہ راحت القلوب ص ۱۵۱

سے جارہے ہیں، وہ آدمی خبر لایا کہ درویش بیابان کی راہ سے روانہ ہو چکے ہیں، حضرت بابا فرید نے یہ سنا تو اس طرح رونے لگے جیسے کوئی ماتم کرتا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم چلی، اُن میں سے چار درویش اس بادِ سموم سے ہلاک ہو گئے، صرف ایک باقی بچا، جس نے ایک کنویں کے پاس پہنچ کر اس قدر پانی پیا کہ ہلاک ہو گیا۔

تواضع و انکسار
اس مرتبہ عالی پر فائز ہونے کے باوجود آپ
اس قدر متواضع اور منکسر المزاج تھے کہ
ایک دفعہ پاؤں میں تکلیف ہونے کی وجہ سے اپنے مریدوں کی مجلس
میں چار پائی پر بیٹھ گئے، لیکن مریدوں سے معذرت کرتے ہوئے
فرمایا کہ۔

حیاتِ شمامی باید و حیاتِ ماستعلیق شماسست
حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی فرماتے ہیں کہ اُس وقت مجھے
یہ شعر یاد آیا، اور میں نے فوراً ہی پڑھا۔

جانِ جہانیاں توئی دشمنِ جاں بود کے
اے ہمہ دشمنانِ تو دشمنِ جاں خوشن
حضرت بابا فرید نے فوراً اس قصیدے کا مطلع پڑھا۔
دوشِ صبوحیِ بردِ بیلِ مست در چمن
از خوشیِ صبوحیش گلِ بدرِ پیرِ چمن

اہلِ دولت سے نیازی
استغناء اور بے نیازی آپ کا
امتیازی وصف تھا، اربابِ
حکومت اور اہلِ دولت سے نہ صرف خود بے نیاز رہتے، بلکہ

دوسروں کو بھی اس کی نصیحت فرماتے۔

سیرالعارفین میں ہے کہ شیخ بدرالدین غزنوی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے، اُن کے لئے دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ایک خانقاہ بنوائی تھی جس میں وہ رستے تھے، ملک نظام الدین نے اس خانقاہ میں شیخ بدرالدین غزنوی کے لئے ہر قسم کی آسائش و آرام کا سامان مہیا کیا تھا، اور شیخ کی ہر طرح

۱۰ شیخ بدرالدین غزنوی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلفاء میں تھے، اُس دور کے شائخ اُن کی بزرگی کے معترف تھے، وہ وعظ کہتے تھے، اُن کے وعظ میں اثر و تاثیر کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ اُن کے دلکش طرزِ بیان پر رشک کرتے تھے، زیادہ تر اُن کے مواعظ میں عشق و محبت کا ذکر ہوتا تھا، شیخ بدرالدین غزنوی غزنین سے لاہور آئے۔ پھر لاہور سے دہلی آئے، خود اُن کا بیان ہے کہ میں غزنین سے اولاً لاہور آیا، اُس زمانے میں لاہور بہت آباد تھا، میں کچھ دن وہاں رہا، پھر میں نے وہاں سے سفر کا ارادہ کیا تھا، کبھی مجھے خیال ہوتا تھا کہ غزنین جاؤں، اور کبھی ارادہ ہوتا تھا کہ دہلی روانہ ہوں، لیکن میری طبیعت کا میلان زیادہ تر غزنین کی طرف تھا کیونکہ میرے والدین اور میرے دوست و احباب، عزیز و اقارب سب وہیں تھے، صرف میرا داماد دہلی میں تھا میں نے قرآن مجید سے فال لی۔ میرے غزنین کے ارادے پر عذاب کی آیت نکلی، اور دہلی کے ارادے پر رحمت کی آیت نکلی، میں اس فال کی بنا پر دہلی آیا، اور اپنے داماد کو تلاش کرنے لگا، جو دہلی میں ملازم تھا، اسی تلاش و جستجو میں سلطان کے سرانے میں گیا، میں نے دیکھا کہ میرا داماد ایک قیسی ہاتھ میں لئے جس میں روپے تھے سرانے سے باہر نکل رہا ہے، جب اُس نے مجھے دیکھا دوڑ کر بغل گیر ہوا، اور بہت خوش ہوا اور اُس نے وہ روپے مجھے بتائے، پھر چند دن کے بعد غزنین سے خبر آئی کہ مغلوں نے غزنین کو تباہ کیا، اور میرے تمام اعزاء و اقربا کو شہید کر دیا۔

خدمت کرتا تھا، ایک زمانہ ایسا آیا کہ ملک نظام الدین خریطہ دارغبن کے الزام میں گرفتار ہوا جس کی وجہ سے شیخ بدر الدین کی راحت و آرام میں خلل واقع ہوا،

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ ۲۶۵)

اسی زمانے میں شیخ بدر الدین غزنوی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

شیخ بدر الدین سماع سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے، جب بوڑھے ہو گئے تو انھیں سماع میں قص کرتے ہوئے دیکھ کسی نے کہا کہ شیخ بوڑھے ہونے پر بھی کیسا رقص کرتے ہیں، انھوں نے جواب میں فرمایا کہ شیخ رقص نہیں کرتا بلکہ عشق رقص کرتا ہے۔

آخر عمر میں یہ کیفیت تھی کہ پیری کی وجہ سے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے تھے، لیکن جب سماع سنتے تو اس طرح رقص کرتے جس طرح دس سال کا بچہ رقص کرتا ہے سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کا بیان ہے کہ میں نے شیخ بدر الدین غزنوی سے سنا کہ خواجہ قطب الدین قدس سرہ اکثر یہ دوسرا پڑھتے تھے

سودائے تو اندر دل دیوانہ ماست
ہر جا کہ حدیث تست افادہ ماست
بیگانہ کہ از تو گفست آن خویش من است
خویشے کہ نہ از تو گفست بیگانہ ماست

(اخبار الاخیار ص ۵۱)

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے فرمایا کہ ہمیشہ آخر جب میں شیخ بدر الدین غزنوی درازی عمر کے لئے ایک نماز پڑھا کرتے تھے، پھر فرمایا کہ میں نے نظام الدین پسر شیخ ضیاء الدین پانی پتی سے سنا کہ جس سال شیخ بدر الدین غزنوی نے وفات پائی، اس سال انھوں نے وہ نماز نہیں پڑھی، لوگوں نے پوچھا کہ اس سال آپ نے وہ نماز جو درازی عمر کے

انہوں نے حضرت بابا فرید کو لکھا کہ:-

فرید الدین ملت یار زیرک
کہ بادشہ درگاہت زندگانی
درینا خاطر جمع داری
بمدحش کردے گوہر فشانی

ان اشعار کے بعد آپ کو لکھا کہ شاہی عہدہ داروں میں سے ایک شخص نے میرے لئے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اور اُس میں درویشوں اور فقرا کی راحت و آرام کا پورا خیال رکھا گیا تھا، لیکن اب وہ غبن کے الزام میں گرفتار ہے، اور اس کی وجہ سے میں پریشان ہوں، آپ سے ملتہم ہوں کہ آپ اُس کے لئے دعا فرمائیں، تاکہ وہ اس مصیبت سے نجات پائے اور درویشوں کا کاروبار سرانجام پائے والسلام۔

حضرت بابا فرید نے اُن کو جواب میں لکھا:-

عزیز الوجود کا رقعہ ملا، اُس کے مطالعے سے خوشی ہوئی، جو کچھ اس میں لکھا تھا، میں اُس سے واقف ہوا، جو کوئی اپنے پیروں کی روش پر نہ چلے گا، ضرور اس کو یہ بات پیش آئے گی کہ اُس کا دل سکون حاصل نہ کر سکے گا، ہمارے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۴۷)

میں آپ پابندی سے پڑھتے تھے کیوں نہیں پڑھی؟ شیخ بدر الدین نے جواب دیا کہ اب میری عمر سے کچھ باقی ہی نہیں رہا، چنانچہ اُسی سال انہوں نے وفات پائی۔

(سیر الاولیاء ص ۱۶۶)

شیخ بدر الدین غزنی کا مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے بائیں ہے۔ (اخبار الاخبار ص ۵۱ و سیر الاولیاء ص ۱۶۶)

پیروں میں کون تھا کہ جس نے اپنے لئے خانقاہ بنوائی ہو، اور وہ اس میں بیٹھا ہو، خواجہ قطب الدین اور اُن کے پیر حضرت خواجہ معین الدین اُن کی روش تو یہ نہیں تھی کہ وہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر اس میں دوکان داری کریں، اُن کا طریقہ نوگم نامی بے نشانی اور نابودی رہا ہے۔

الخاں جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے لقب سے تختِ سلطنت پر بیٹھا، اُس نے اُس زمانے میں جب کہ وہ سلطان ناصر الدین محمود کا نائب السلطنت تھا، آپ سے درخواست کی کہ سلطان ناصر الدین محمود کے کوئی اولاد نہ رہے، اس لئے دعا فرمائیے کہ تخت سلطنت میرے نصیب میں ہو، آپ نے اُس کے جواب میں یہ رباعی پڑھائی۔

فرید و ن فرخ فرشتہ نہ بود

ز غودوز عنبر سرشتہ نہ بود

زداد و دیش یافت آن نیکوئی

تو داد و دیش کن فرید و ن توئی

الخاں نے جیسے ہی آپ سے یہ رباعی سنی اپنی دستار میں بطور یادداشت گرہ باندھ لی اور زمیں بوس ہو کر خوش خوش واپس ہوا، کچھ دن نہ گزرے تھے کہ وہ بادشاہ ہوا۔ جب بلبن بادشاہ ہوا تو ایک شخص نے اُس کے پاس آپ سے سفارش کرانی چاہی، آپ نے اُس کو جو سفارشی خط لکھا، ہم آسے بجنسہ یہاں درج کرتے ہیں، یہ خط آپ کے استغناء، شانِ بے نیازی، سفارش میں احتیاط اور فصاحت و بلاغت کا آئینہ دار ہے، حضرت بابا فرید نے اُس کو تحریر فرمایا:۔

رفعت قضیتہ
 الی اللہ۔ ثم المیک فان
 اعطیتہ شیئاً فالمعطى
 هو اللہ وانت المشکور
 وان لم تعطہ شیئاً
 فالمالغ هو اللہ وانت
 المعذور سارہ

میں اس شخص کا معاملہ پہلے
 اللہ تعالیٰ کے سامنے اور پھر
 تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔
 اگر تم اس کو کچھ دو گے تو حقیقت
 میں غطا کرنے والا اللہ ہوگا،
 اور تم مشکور ہو گے، اور
 اگر نہ دو گے تب بھی روکنے
 والا اللہ ہے، اور تم معذور
 ہو گے۔

فقر راحت و آرام کے اسباب ہونے کے باوجود آپ نے
 ساری عمر فقیرانہ شان اور درویشانہ بے نیازی کے
 ساتھ گزاری۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ ایک دفعہ آپ کا گرتہ پڑانا ہو گیا، ایک
 شخص نے نیا گرتہ پیش کیا، آپ نے اُس گرتے کو پہن لیا، پھر کھوڑی
 دیک کے بعد وہ نیا گرتہ اتار کر شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دیا،
 اور فرمایا جو ذوق مجھے اس پڑانے گرتے میں حاصل تھا وہ میں اس
 نئے گرتے میں نہیں پاتا۔

حضرت شیخ نظام الدین محبوب الہی کا بیان ہے کہ جب میں
 آپ سے بیعت ہوا، اُس وقت آپ کے گھر میں نہایت تنگی تھی، اکثر
 خانقاہ کے درویشوں اور آپ کے متعلقین اور فرزندوں کو ہفتے میں
 دو تین روز فاقے کرنے پڑتے، لیکن اس فقر و فاقے کے باوجود

کوئی بھی ایسا نہ تھا جو آپ کی صحبتوں کی برکت سے دور ہونا چاہتا ہو، خانقاہ کے درویشوں کے لئے مولانا بدرالدین اسحاق جنگل سے لکڑیاں لاتے، اور شیخ جمال الدین بالنوی جنگل سے ویلہ لاتے کہ جس کا پھل درخت کریرے حاصل ہوتا ہے، اور اکثر لوگ اُسے برکت کے میں ڈال کر اچار بناتے ہیں، مولانا حسام الدین کابلی مطبخ کے لئے پانی لاتے اور دیگیں دھوتے، میں اس دیلے کو ان دیگوں میں پکاتا تھا، اور اُسے پیالوں میں اور کجکول میں ڈال کر حضرت بابا فرید کے اور حاضرین مجلس کے لئے لاتا اور ان کے سامنے رکھتا تھا، اس کھانے کو کبھی نمک میسر ہوتا، اور کبھی نہ ہوتا، ایک دفعہ دو تین روز تک نمک میسر نہ آیا جو اس کھانے میں ڈالا جاسکے، پاس ہی ایک بننے کی دوکان تھی جس سے اگر کبھی نقد ہوتا تو سامان خرید لیا جاتا تھا، میں اس بننے کے پاس گیا اور اس سے ایک درم کا نمک قرض لے کر اس ابلے ہوئے دیلے میں ڈالا، اور معمول کے مطابق میں نے اُس دیلے کو آپ کے سامنے رکھا، میرے اور مولانا جمال الدین قدس سرہ اور مولانا بدرالدین اسحاق کے متعلق ارشاد تھا کہ وہ آپ کے ساتھ ایک پیالے میں کھائیں، جب حضرت بابا فرید نے اُس میں سے لقمہ اٹھایا تو فرمایا آج ہاتھ اس قدر بھاری معلوم ہوتا ہے کہ میں منہ تک نہیں لے جاسکتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھانا شنبے کا ہے کہ آپ نے پھر اُس لقمے کو پیالے میں ڈال دیا، حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی کا بیان ہے کہ آپ کے اس ارشاد سے میں کانپ اٹھا، اور میں نے کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کیا حضور! لکڑی، ویلہ اور مطبخ کا پانی شیخ جمال، مولانا بدرالدین اسحاق اور مولانا حسام الدین لاتے ہیں اور یہ غلام نہایت اجتماع اور خیال سے دیلے کو لاتا ہے، اور پھر آپ کی خدمت میں لاتا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس چیز نے اس کھانے کو شنبہ بنا دیا ہے؟ آپ نے فرمایا آج تم نے اس دیلے میں جو نمک ڈالا ہے وہ کہاں

سے لائے تھے، میں نے عرض کیا کہ یہ نمک اُدھار لے کر آیا تھا، پھر میں نے آپ سے اُس قرض کی کیفیت بیان کی، آپ نے میری ساری بات سُن کر فرمایا، درویش کا قافے سے مرجانا لذتِ نفس کے لئے قرض لینے سے کہیں بہتر ہے، کیوں کہ قرض اور توکل میں بُعدِ المشرقین ہے، یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے، ہمیں ایسا نہ ہو کہ قرض ادا نہ ہو اور موت آجائے۔ پھر فرمایا کہ یہ دیئے کے بھرے ہوئے پیالے درویشوں کے سامنے سے اٹھاؤ، اور دوسرے لے کر آؤ، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، لیکن میں سمجھ گیا کہ اس کلام سے آپ کا روئے سخن خاص میری جانب ہے کیونکہ میری عادت تھی کہ جب بھی مجھے ضرورت ہوتی میں بے دریغ قرض لے لیتا تھا۔

میرالاولیا میں حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی کا بیان ہے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین آخر عمر میں تنگ روزی ہو گئے تھے، خصوصاً اُس زمانے میں جب کہ آپ کی رحلت کا زمانہ قریب تھا، یہاں تک کہ ماہِ رمضان میں میں وہیں تھا، افطار کے وقت اس قدر تھوڑا کھانا آتا تھا کہ حاضرین کو کافی نہ ہوتا تھا، اُن دنوں میں نے پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھایا۔

ایک دفعہ حضرت بابا فرید نے اپنے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین کے لئے ارشاد پر طی کا روزہ رکھا، تین دن تک کچھ نہ کھایا، تیسرے دن افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا، اُس کو رزقِ غیب سمجھ کر آپ نے کھالیا، ابھی کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک کوہِ درخت پر بیٹھا ہوا مردار کی آتیش کھا رہا ہے، یہ دیکھ کر آپ کو امتلا کی کیفیت پیدا ہوئی، اور وہ سارا کھانا قے ہو کر باہر نکل گیا، آپ نے یہ

واقعہ اپنے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین سے بیان کیا، آپ کے شیخ نے فرمایا مسعود! تین روز کے بعد تم نے جس کھانے سے افطار کیا وہ ایک شرابی کا تھا، خدا کی عنایت سے تمہارے معدے نے اس مشتبہ کھانے کو قبول نہیں کیا۔

اخبارِ اخیر میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے عرض کیا کہ فلاں روکا بھوک کے مر رہا ہے، فرمایا مسعود بندہ کیا کرے اگر تقدیر الہی یہی ہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔

خلاوت و جلوت کی یکسانیت
ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت
کی ہم آہنگی انسانی کردار میں بہت
بڑی خوبی ہے، بابا فرید کے خلیفہ خاص شیخ بدر الدین اسحاق جو آپ کی خلوت و
جلوت میں ساتھ رہتے تھے، ان کا بیان ہے کہ۔

من خادم محرم بودم و	میں آپ کا خاص خادم تھا۔
ہر جہ بودے با من گفتے،	جو کچھ کام ہوتا آپ مجھ سے
و ہر کار سے مرا برآہ کرینے	کہتے تھے، خلوت و جلوت
در خلا و ملا یک سخن بودے	میں ایک ہی بات کہتے،
ہر وقت مراد و خلا سخن نہ	نسی وقت بھی مجھ سے
گفت و کیا سے نہ فرمود کہ در ملا	خلیجگی میں ایسی بات نہیں
عین آں نہ گفت، و ایں اند	کہی جو ظاہر میں نہ کہہ سکتے ہوں
عجائب روزگار ست بیکہ	یعنی ظاہر و باطن میں ایک روایت
	رکھتے تھے، یہ بات عجائب روزگار
	میں سے ہے۔

۵۳ ص اخبارِ اخیر

۶۷ ص سیر الاولیاء

۶۵ ص سیر الاولیاء ۷۵ ص

علم و فضل علومِ رمیہ و شرعیہ میں بھی آپ آفتابِ علم تھے، تعلیمِ تعلیم سے آپ کو خاص دلچسپی تھی، اُس ارتباط و عقیدت کی بنا پر جو آپ کو شیخ شہاب الدین مہروردی سے تھا، آپ اُن کی مشہور کتاب ”عوارف“ کا درس دیتے تھے، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کا بیان ہے کہ عوارف کا درس آپ اس دلکش انداز میں دیتے تھے کہ سننے والے اُس کی دلچسپیوں اس قدر محو ہوتے تھے کہ ہوش حواس جاتے رہتے تھے، میں نے بھی اس کتاب کے پانچ باب آپ سے پڑھے ہیں، پھر اس درس کی لذتِ بیان کی کیفیت اور اپنے تاثر کو حضرت محبوب الہی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:-

از لذتِ بیانِ ایشاں مرا حالتے پیدا شدے کہ اگر
در آں حالت کسے بہ میرد دولتی حاصل نموده باشد۔

اُسی زمانے میں جب کہ حضرت محبوب الہی آپ سے عوارف کا درس لے رہے تھے، حضرت بابا فرید کے ہاں ایک صاحبزادے پیدا ہوئے، آپ نے اُن کا نام عوارف کے مصنف شیخ شہاب الدین کے نام پر شہاب الدین رکھا۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی روایت ہے کہ ایک عالم ضیاء الدین نامی منارہ تلے درس دیتے تھے، اُن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت تک مجھے فقہ، نحو اور دوسرے علوم سے واقفیت نہ تھی، میں صرف اخلاقی علم ہی جانتا تھا، مجھے خیال آیا کہ اگر آپ نے مجھ سے اور دوسرے علوم کی نسبت کچھ پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گا، میں اسی خیال میں غلطاں و پچپاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ

گیا، آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "تنقیح مناطہ" کا کیا مطلب ہے؟ میں نے خوش ہو کر اس کا مطلب بیان کیا، پھر میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں آپ سے کلام مجید پڑھنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا پڑھ لیا کرو، چنانچہ میں جمعہ کے دن یا کسی اور دن جب فرصت ہوتی کلام مجید کا کچھ حصہ ضرور پڑھ لیتا۔ اس طرح میں نے چھ پارے آپ سے ختم کیے، جس روز میں نے آپ سے پڑھنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا الحمد للہ پڑھو، جب میں "وَالضَّالِّينَ" پر پہنچا تو فرمایا ضاد کو اس طرح پڑھو، جس طرح میں پڑھتا ہوں، میں نے ہر چند کوشش کی لیکن میں ضاد کو اس صحیح طریقے پر نہ ادا کر سکا جس طرح آپ ادا فرماتے تھے، سلطان المشائخ نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا سبحان اللہ کس قدر فصاحت و بلاغت تھی، جس طرح آپ ضاد پڑھتے تھے کوئی نہ پڑھ سکتا تھا۔

حضرت محبوب الہی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مجھے اور مولانا بدر الدین اسحاق کو ایک بات میں شبہ پیدا ہو گیا، ہم دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مودب کھڑے ہو گئے، آپ نے پوچھا کیسے آئے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ شرع میں لفظ زرتک ہے یا سرتک، آپ نے مثال دے کر ارشاد فرمایا واسئلک من زرتک یعنی اپنا بھید گریبان سے بھی چھپاؤ۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ صابر فقیر، شاکر غنی سے افضل ہے کیوں کہ شاکر غنی سے مزید نعمت کا وعدہ ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی آیت لئن شکرت لآزیدنکمر اگر تم شکر کروں گے تو نعمت زیادہ کروں گا سے ظاہر ہے، لیکن فقیر صابر کو معیت کی خوش خبری دی گئی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ان اللہ مع الصابرين (بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے) پھر فرمایا کہ ظاہر ہے کہ ان

دونوں مرتبوں میں بڑا فرق ہے یہ

شیخ بدرالدین اسحاق جو اپنے زمانے کے ممتاز ترین علماء میں تھے اور تمام علوم و فنون میں یدِ طولی رکھتے تھے، انھیں بعض علمی اشکال ایسے تھے جو دہلی کے علماء سے حل نہ ہو سکے، انھوں نے اپنے علمی اشکال حل کرنے کے لئے بہت سی کتابوں کے ساتھ بخارا کا ارادہ کیا، جب وہ ابو دھن پہنچے، اُس وقت حضرت بابا فرید کے تبحر علمی اور شہرت کے آفتاب سے عالم مؤثر ہو چکا تھا، شیخ بدرالدین اسحاق کے ایک دوست نے انھیں اس پر آمادہ کیا کہ وہ حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اشکالات حل کریں، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیرا دلدار میں ہے کہ انھوں نے آپ کو ایک ایسا بادشاہ پایا جس کی تقریر دل پسند اور دل کشا تھی، اور جس کی تقریر کو سن کر دل فریفتہ ہوتا تھا، الغرض مولانا بدرالدین کو جو اشکالات پیش تھے، انھیں شیخ شیوخ عالم حضرت بابا فرید نے علمی بحثوں اور تقریر و حکایات سے اس طرح حل کر دیا کہ مولانا بدرالدین اسحاق حیران رہ گئے، اور وہ یہ سوچنے لگے کہ ان بزرگ کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں ہے صرف ایک چادر اوڑھے ہیں بلاشبہ ان کا علم کسی نہیں بلکہ وہی ہے، میں جس مقصد کے لئے بخارا جا رہا تھا، اُس سے سو گونہ زیادہ مجھے ہیں حاصل ہو گیا، پھر انہوں نے بخارا جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا، اور آپ کی خدمت میں رہنے لگے، اور آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہو کر خلافت اور آپ کی دامادی کے شرف سے مفتخر ہوئے یہ

من کہ در تیج مقلے نزد م خمیر عشق
پیش تو رخت بیفکندم دسر بہ نہادم

لے یہ تینوں واقعات سیرا دلدار ص ۷۰ تا ۷۱ سے ماخوذ ہیں۔ سیرا دلدار ص ۷۰

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے آپ سے ابو شکور رالمی کی تمہید المہتدی پڑھو گئی جس کی درس و تدریس کی سند بھی حضرت بابا فرید نے اُن کو عطا فرمائی تھی۔ اس سند میں لکھا تھا کہ :-

وبعد فان الشروع في
الاصول يوسع دعاء الشهود
ويجبر لمن يكوع منها محارق
الورد على ان الطريق حنون
والعقبة لدرود ونعم
الكتاب في هذا الفن
لمحمد المصتدي ابني شكور
برن الله مضجعه

وقد قرأه عندى الولد
الرشيد الامام النقي العالم
الرضي نظام الملث والدين
محمد بن احمد زين الامنة
والعلماء مفتي الاجلة
والاقتياع اعانده الله
على ابتغاء مرضاته واناله
منتهى رحمته واعلى
درجاته سبقاً بعد
سبق من اوله الى آخره
قدرة تدبر وابقان
وتيقظ واتقان مستجمع

حمد و صلوة کے بعد میں
پر دانہ ہوں کہ علم اصول حدیث
کا شروع کرنا حاضرین کی دعا
کو وسیع کرتا ہے اور ایسے شخص
کو مینا کرتا ہے جو اس علم اصول
بالکل مہل جلی ہوئی جاہوں کو
پانی دیتا ہے یہ راہ دراصل
خوفناک اور مشکل ہے۔ اس
فن میں سب سے عمدہ کتاب
تمہید المہتدی ابو شکور کی ہے
راشد تعالیٰ اس کی خواجگاہ کو
ٹھنڈا کرے یہ کتاب مجھ سے
فرزند رشید امام، پاک رائے
دان و پروردہ محمد بن احمد نے
سبقاً سبقاً پڑھی جو آئمہ اور علما
کی زینت، متقیوں اور بزرگوں
کے لئے باعث فخر ہے، اللہ
تعالیٰ اسے اپنی رضامندی
کی جستجو نصیب کرے،
اور اس پر اپنی رحمت

رعايتہ سمع و حواسہ
جناب و کما حصل الوقوف
على حسن استعدادہ
کذاک وفوضا تھیاء
اجزائہ ان یدرس
فیہ للمتعلمین بشرط
المجانبة عن التماخيف
والغلط والتحريف و
بذل الجهد والاجتهاد
فی التصحیح والتقیح
عن النزال وعلته
المعول والدر العالم
وکان ذلک یوم الایام
من الشهر المبارک
رمضان عظمہ اللہ
ببرکتہ بالاشارة
العالیة اداہم اللہ
علاھا وعن الخلل
حماھا۔

تحررت ہذا
الاسطر بعون اللہ
عنی ید اضعف الفقیر
الی اللہ الغنی اسحاق

انتہا درجے پر کرے۔
اور اس نے شروع
سے آخر تک بغیر کسی شک و
شبہ ہشیاری سے اس کا مطالعہ
کیا، کانوں سے غور سے سنا
اور دل سے اچھی طرح معلوم
کیا، مجھے اس کتاب کے
پڑھانے سے معلوم ہوا کہ وہ
صاحب استعداد و آراستہ و
وہ پر راستہ اور شائستہ و مہذب
ہے، میں اسے اس بات کی
اجازت دیتا ہوں کہ وہ یہ
کتاب طالب علموں کو پڑھا
بشرطیکہ پڑھانے میں غلطی سے
بچے، اور لکھنے اور بات کے
پہرانے میں بھول چوک نہ جائے
اور اس بات میں پوری قوت
خرج کرے اور نسخے کو درست
کرنے اور غلطیوں سے پاک کرنے
میں پوری قوت خرچ کرے،
اللہ تعالیٰ بات کی لغزش سے
بچانے والا ہے اور دینی کاموں
میں تباہی اور بیماری سے

بن علی بن اسحاق
الدھلوی بمشافقتہ
حامد او مصلیاً فاجت
لہ ایضاً بان یروی
عنی جمیع ما استفادہ
وحوی وسمع ذلک
منی وروی و السلام
علی من اتبع الھوی
والی آخرہ

محفوظ رکھنے والا ہے۔
یہ سطرین اس کی توفیق
کی بنا پر اضعف الانقیار اسحاق
بن علی بن اسحاق دہلوی نے
بدرہ کے روز ماہ رمضان
المبارک میں خدا اس کی برکتوں
کو بڑا کرے جناب شیخ شیونخ
عالم ربابا فرید کے اشارے
سے اُن کے سامنے
لکھیں اس حال میں کہ حمد و
صلوٰۃ آپ کی ورد زبان تھا،
نیز میں اس بات کی اجازت
دیتا ہوں کہ نظام الملک والدین
ان باتوں کی رعایت کرے
جن کا مجھ سے استفادہ کیا
ہے، اور انھیں مجھ سے
سنا ہے، اور جمع کیا ہے
اور محفوظ رکھا ہے، جو راہ
راست کی پیروی کرے
اُس پر سلام ہو۔

مریدوں کی تعلیم و تربیت پر
خصوصی توجہ فرماتے تھے، اور

مریدوں کی تعلیم و تربیت

لے سیر الادبیات ص ۱۱۷-۱۱۸

اُن کی زندگی کے جو گوشے اصلاح طلب ہوتے اُن کو خصوصیت سے اُس کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کو جب رخصت کیا تو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

خصماں را بہر چوں کہ رانی خوشنود گردانی، و از کسے کہ
قرض گرفتہ باشی با دوا آں سعی نمائی حق تبارک و تعالیٰ آسان
گرداند

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ آپ کا ایک مرید شہاب الدین نامی لاہور سے آیا، اور اُس نے پچاس دینار پیش کرتے ہوئے کہا کہ لاہور کے حاکم نے یہ یہ پچاس دینار مجھے دیئے تھے، کہ اُس کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کروں، حضرت بابا فرید نے سُکراتے ہوئے ارشاد فرمایا شہاب الدین تم نے بہت ہی منصفانہ تقسیم کی ہے کہ آدھے دینار خود رکھ لئے اور آدھے ہمیں پیش کئے ہیں، شہاب الدین یہ سن کر بہت شرمندہ ہوا، اور فوراً ہی پچاس دینار جو اُس نے رکھ لئے تھے پیش کئے، اور آپ کے قدموں پر سر رکھ کر معافی کا خواستگار ہوا، آپ نے اُس سے ارشاد فرمایا کہ تم از سر نو بیعت کرو کہ اس فعل سے تمہاری توبہ میں فرق آچکے، چنانچہ اُس نے از سر نو بیعت کی، پھر چند روز کے مجاہدوں کے بعد آپ نے اُس کو خرقہ خلافت عطا فرما کر سمرقند کی طرف روانہ فرمایا۔

آپ کے ملفوظات کا مجموعہ سلطان المشائخ حضرت
خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے راحت القلوب

تعلیمات

۱۔ فوائد الفواد ص ۷۴ و سیر الاولیاء ص ۶۵
۲۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۹۸ بحوالہ راحت القلوب۔

کے نام سے جمع کیا تھا، ان ملفوظات سے آپ کی تعلیمات کا پتہ چلتا ہے، ہم ان میں چند چیزیں یہاں نقل کرتے ہیں۔

درویش کے متعلق ارشاد فرمایا کہ چار باتیں اختیار کرے (۱) اپنی آنکھوں کو بند کر لے کہ خدا کے بندوں کے عیب نہ دیکھ سکے (۲) کانوں کو بہرا کر لے کہ جو باتیں سننے کے قابل نہ ہوں انھیں نہ سن سکے زبان کو گونگی کر لے کہ جو باتیں کہنے وہ نہ کہہ سکے۔ (۳) پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے تو نہ جاسکے، اگر یہ باتیں اس کو حاصل ہیں تو وہ درویش ہے ورنہ جھوٹا ہے۔

(۴) جس درویش کے دل میں ذرہ بھر بھی دنیا کی محبت ہوگی وہ مہرورد طریقہ ہے۔

درویشوں کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار بھی رکھ دے تب بھی وہ اس سے خوش رہے، اور اس کے لئے بددعا نہ کرے۔

حضرت بابا فرید نے سلوک کی اصل بنیادِ دل کی صلاحیت کو قرار دیا ہے، فرمایا حکمت کا مرکز وہ دل ہو سکتا ہے جس دل میں دنیا کی حرص، رشک اور حسد نہ ہو، اور جاہ و مرتبے کا خواہش مند نہ ہو۔

فرمایا کہ میں نے چار چیزوں کے متعلق سات سو پیروں سے سوال کیا، سب نے متفقہ طور پر ایک ہی جواب دیا (۱) لوگوں میں سب سے عقل مند وہ ہے جس نے دنیا کو ترک کیا (۲) سب سے بزرگ وہ شخص ہے جو کسی شے سے نہ بدلا (۳) سب سے غنی وہ ہے جو قانع ہے (۴) سب

سے محتاج وہ ہے جس نے قناعت کو ترک کر دیا۔

صوفی کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، صوفی تمام چیزوں کو صاف کرتا ہے لیکن کوئی چیز اسے سیلا نہیں کر سکتی۔

فرمایا اپنے آپ کو ایسا ظاہر کر دو کہ جیسے کہ تم ہو، ورنہ جیسے تم ہو گے ویسا ہی تم کو دکھلایا جائے گا۔

فرمایا کہ قصر جب نئے کپڑے پہنے تو خیال کرے کہ کفن پہنتا ہوں فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خوش قسمت ہے وہ شخص جو دوسروں کے عیبوں کو چھوڑ کر اپنے عیبوں کے دیکھنے میں مشغول ہے۔ فرمایا انسانوں میں سب سے زیادہ رذیل وہ ہے جو کھانے اور پہننے کو اپنا صحیح نظر بنائے ہوئے ہے۔

فرمایا اگر تم بزرگی کے رتبے کے خواہشمند ہو تو بادشاہوں کی طرف توجہ نہ کرو فرمایا کہ دانا نانا دان سے ڈرو، جو سچائی جھوٹ کے مشابہ ہے وہ اختیار نہ کرو، مال و متاع اور مرتبے کی خاطر غم نہ کرو، نفس کو اپنے مرتبے کے لئے خوار نہ کرو، دل کو شیطان کا کھیل نہ بناؤ، لوگوں کا احسان اپنے اوپر سمجھو لیکن کسی پر اپنا احسان نہ جتاؤ، جب تم دولت مندوں کے پاس بیٹھو تو دین کو نہ بھلاؤ، عزت اور حشمت انصاف میں جانو، دولت مندی کے رفعت ہمت کو بلند رکھو، جو درویش دولت مندی کا مستفیع ہے اسے لالچی سمجھو، اس کو شش میں لگے رہو کہ تم مرنے کے بعد زندہ جاوید ہو، اگر ساری دنیا کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو تکبر کیا کرو۔

حضرت بابا فرید خود بھی بہت بڑے متبع شریعت تھے، اور روحانی ترقی کے لئے

اتباع شریعت

۱۷ حضرت بابا فرید کے یہ ملفوظات سیرالاولیاء ص ۷۶، ۷۷ سے ماخوذ ہیں۔

احکام شرع کی پابندی کو نہایت ضروری سمجھتے تھے، آپ کی کیفیت یہ تھی کہ اگر کبھی عالم استخراق و مدبوشتی میں ہوتے تو نماز کے وقت ہوٹل میں آجاتے اور ہر وقت نماز ادا فرماتے نماز باجماعت کی بڑی شدت سے پابندی کرتے، اور اپنے مریدوں کو نصیحت فرماتے، اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت سے نماز ادا کرنی چاہیے۔ نماز کے متعلق ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں جو دینی و دنیوی نعمت پیدا کی ہے وہ دراصل نماز ہے یہ

روزے کی برکت کے لئے تمام عمر روزے رکھئے۔ ایک دفعہ مریدوں سے فرمایا کہ رمضان کے روزے رکھنے سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے، اور روزے دار کے اعمال سے بے شمار برائیاں نکال دی۔ جاتی ہیں یہ

ایک دفعہ آپ کی مجلس میں زکوٰۃ کے متعلق گفتگو چھڑی، فرمایا، زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں۔ زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت، زکوٰۃ حقیقت، زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ جب دو سو درہم ہوں تو پانچ درہم زکوٰۃ کے نکالے، زکوٰۃ طریقت یہ ہے دو سو درہم میں پانچ درہم اپنے لئے رکھے اور باقی سب خدا کی راہ میں دے دے۔ زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ دو سو درہم راہِ خدا میں پورے کے پورے دے دے، یہاں تک کہ اللہ اور رسول کے نام کے سوا اس کے پاس کچھ نہ رہے۔ اس لئے کہ درویشی بے خودی اور بخیشی ہے یہ

ایک موقع پر ایک بزرگ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب ایک آدمی تین باتوں سے بچتا ہے، اللہ اس سے تین چیزیں اٹھالیتا ہے، اول جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا، اللہ اس کے مال سے برکت اٹھالیتا ہے، جو شخص

۱۔ بزم صوفیہ ص ۵۰ بحوالہ راحت القلوب مجلس پانزدہم ۲۔ بزم صوفیہ ص ۱۵۱ بحوالہ

راحت القلوب۔ ۳۔ سیر الاقطاب ص ۱۶۹

قربانی نہیں کرتا، اللہ اس سے عافیت چھین لیتا ہے، جو شخص نماز نہیں پڑھتا،
اللہ مرنے کے وقت اس سے ایمان کو جدا کر دیتا ہے۔

حضرت بابا فرید نے کئی مرتبہ حج بھی کیا تھا، کلام مجید کی تلاوت کے متعلق
ارشاد فرمایا کہ اس سے بہتر اور افضل کوئی عبادت نہیں، کلام مجید کی تلاوت سے
بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، جس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں ہو سکتی۔
سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین بحسب الہی پر شرعی علوم کی
اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ حجاب دو قسم کا ہوتا ہے ایک ظہانی دوسرا
نورانی، ظہانی حجاب گناہ اور برائیاں ہیں، اور نورانی حجاب علم ہے جس کو ہر شخص نہ
عبور کر سکتا ہے اور نہ اس کے کنارے سے اٹھ سکتا ہے، جس وقت تک —
شرعی علوم میں بھی دستگاہ نہیں ہوگی خدا کی معرفت اور قربت حاصل نہیں
ہو سکتی، اس لیے کہ علم ایک بڑا حجاب ہوتا ہے۔

حضرت بابا فرید فارسی اور پنجابی میں شعر بھی
کہتے تھے، ان کے کلام کا پھاب تک محفوظ
ہے، لیکن آپ اردو زبان کے ان محسنین۔
اردو زبان پر حضرت
بابا فرید کا احسان
میں ہیں جنہوں نے اردو کے ابتدائی نشوونما میں ہمدیا، آپ کبھی کبھی اردو
بولتے تھے، آپ کے اردو کے کئی فقرے آپ کے تذکرہ نگاروں نے اپنے
تذکروں میں نقل کئے ہیں۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ جمال ہانسوی کے صاحبزادے ابھی خود سال ہی
تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا، مرحوم کی بیوی مادرِ مومنان اپنے شوہر کی
وصیت کے مطابق خواجہ برہان الدین کو حضرت بابا صاحب کی خدمت میں

لے بزم صوفیہ ص ۱۵۱ بحوالہ راحت القلوب ص ۶ بزم صوفیہ ص ۱۴ بحوالہ

راحت القلوب ص ۱۵۰ بحوالہ شمائل الاتقیاء ص ۲۰۰

لے کر حاضر ہوئیں، حضرت بابا گنج شکر نے خواجہ برہان الدین کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور ان کی خرد سالی کے باوجود اپنی بیعت میں داخل کر لیا، اس پر مادرِ مؤمنان نے ہندی زبان میں معترضانہ طور پر کہا۔

”خو جا برہان الدین بالاہے“

یعنی کم عمر ہیں۔ بابا فرید گنج شکر نے ہندی زبان میں جواب دیتے ہوئے فرمایا:

مادرِ مؤمنان پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے

ایک روز حضرت بابا فرید گنج شکر اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو وضو کرا رہے تھے، اتنے میں حضرت خواجہ قطب الدین کی نگاہ آپ کے چہرے پر پڑی، دیکھا کہ آپ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے، پوچھا کہ تم نے آنکھ پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے؟ بابا فرید نے ہندی زبان میں جواب دیا۔

”آنکھ آئی ہے۔“

خواجہ قطب الدین نے فرمایا:

”اگر آئی ہے اس را چرا بستہ آید۔“

جس زمانے میں بابا فرید گنج شکر سرسہ میں حضرت خواجہ عبدالشکور کے مزار پر جاتے تھے، ایک دن سرسہ کے لوگ جنہیں یہ معلوم کرنے کا شوق تھا کہ حضرت بابا فرید مزار پر جا کر کیا کرتے ہیں۔ آپ کے راستے میں چھپ کر بیٹھ گئے، جب آپ کو معلوم ہوا ناراض ہوئے، اور ہندی زبان میں فرمایا:

”سرسہ سرسہ کبھی سرسہ کبھی سرسہ۔“

ذیل کی نظم بھی حضرت بابا فرید گنج شکر کی طرف منسوب ہے۔

وقتِ سحر، وقتِ مناجات ہے	خیزد آں وقت کہ برکات ہے
نفسِ مبادا کہ بگوید ترا	خسپ چہ خیزی کہ بھی رات ہے
بادِ خود ہمدَم و ہشیار باش	صحبتِ اغیار بوری (کذا: بری) بات ہے
باتنِ تنہا چہ روی زیں زیں	نیک عمل کن کہ وہی سات ہے

پندر شکر گنج بدل جاں سٹو
ضائع مکن عمر کہ مہیہات ہے

وفات

سیر العارفین میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی روایت ہے کہ حضرت فرید الملک والدین کا مرض الموت مرض مدہوشی تھا، اسی بیماری میں آپ نے وصال فرمایا۔ اسی بیماری کے زمانے میں مجھے دہلی کی طرف رخصت کرتے ہوئے لباس خاص سے نوازا، جب میں رخصت ہونے لگا تو آپ کی آنکھیں میں آنسو بھر گئے اور فرمایا جاؤ ہم نے تمہیں خدا کے سپرد کیا، اُس وقت مجھے آپ کی جدائی سے ایسا رنج محسوس ہوا کہ اس سے پہلے میں نے آپ سے جدا ہوتے ہوئے کبھی ایسا رنج محسوس نہیں کیا تھا، میں اسی عالم میں دہلی پہنچا، دہلی پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی ہے، یہاں تک کہ ایک رات آپ عشاء کی نماز کے بعد بے ہوش ہو گئے اور بہت دیر کے بعد ہوش میں آئے۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ نے مولانا بدر الدین اسحاق سے پوچھا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھی ہے یا نہیں، مولانا بدر الدین اسحاق نے جواب دیا کہ حضور تو عشا کی نماز وتر کے ساتھ ادا کر چکے ہیں پھر آپ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو فرمایا میں دوسری مرتبہ نماز عشا ادا کر دوں خدا جانے کہ پھر یہ موقع ملتا ہے یا نہیں، مولانا بدر الدین کا بیان ہے کہ اُس رات میں آپ نے تین مرتبہ نماز عشاء ادا کی، پھر فرمایا کہ نظام الدین دہلی میں ہے، میں بھی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات کے وقت ہانسی میں تھا، پھر آہستہ سے میرے کان میں کہا، کہ میرے انتقال کے بعد وہ خرقہ جو مجھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ملا تھا، وہ درویش نظام الدین بدایونی

کو بچایا، پھر آپ نے وضو کے لئے پانی منگوا یا، وضو کیا، دو گنا ادا فرمایا، پھر سجدے میں گئے، اور سجدے ہی کی حالت میں وصال فرمایا۔
 وصال سے کچھ دن پہلے شمس دبیر شاعر نے خواجہ نظامی کی یہ مثنوی پڑھی جس کے چند شعر یہ ہیں :-

جہاں صیبت بگز رز نیزنگ اور
 دہائی بچنگ آراز چنگ اور
 پیغمبر نہ بینی دریں باغ کس
 تماشا کند ہر یکے ہر نفس
 دریں چار سو بیچ بیگانہ نیست
 کہ کیسہ بردم و خود کامہ نیست
 جہاں گرہ آرام گاہے خوش است
 شتابندہ رانعل در آتش است
 نظامی سبک ہا بار یاراں شدند
 تو ماندی بغم غم گساراں شدند

اس مثنوی کو سن کر آپ پر اس قدر اثر ہوا کہ بے ہوش ہو گئے، پھر پھر وصال تک کسی سے بات نہیں کی صرف عبادت میں مشغول رہے یہ سیر الاولیاء، اخبار الاخبار، اور سفینۃ الاولیاء میں آپ کی تاریخ وصال ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۲ھ مذکور ہے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ کسی نے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی سے پوچھا کہ حضرت بابا فرید کی عمر وفات کے وقت کیا تھی، فرمایا کہ آپ کی عمر پچانوے سال تھی، وفات کے وقت

آپ کی زبان پر تھا یا حییٰ یا قیوم مدد

مزار مبارک
مزار مبارک ابودھن میں زیارت گاہ خاص
عام ہے۔ اکبر کو حضرت بابا فرید کے مزار
مبارک سے بڑی عقیدت تھی، اُس نے ابودھن کا نام،
پاک پٹن رکھا ہے

اولاد
حضرت بابا فرید گنج شکر نے سلطان غیاث الدین
بلبن کی صاحبزادی سے جن کا نام ہنربرہ تھا،
سلطان غیاث الدین کے بادشاہ ہونے سے پہلے شادی کی تھی، بی بی
ہنربرہ سے آپ کے چھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔
شیخ نصر الدین نصر اللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدر الدین، سلیمان الدین،
خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب، شیخ عبداللہ، بی بی فاطمہ، بی بی شریفہ،
بی بی ستورہ ہے

شیخ نصر الدین نصر اللہ
سیرالاولیاء میں ہے کہ شیخ نصر الدین نصر اللہ
آپ کے بڑے صاحبزادے تھے جو بہترین
اخلاق اور صفات سے متصف تھے، اُن کے وقت کا بڑا حصہ عبادت الہی
میں صرف ہوتا تھا، اور زراعت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے،
اُن کے ایک صاحبزادے شیخ بایزید نامی تھے، وہ بھی درویش صفت
تھے

شیخ شہاب الدین
آپ کے دوسرے صاحبزادے تھے، یہ وہی
صاحبزادے ہیں جن کا نام آپ نے صاحب

ہو ارت شیخ شہاب الدین مہروردی کی مناسبت سے شہاب الدین رکھا تھا، یہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور تھے، شیخ شہاب الدین اکثر اپنے والد کی خدمت میں حاضر رہتے، اگر آپ کی مجلس میں کوئی علمی بحث چھڑتی تو یہ اس موضوع پر ایسی عمدہ تقریر فرماتے کہ آپ بے حد خوش ہوتے، سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی اور ان میں بڑی محبت تھی، شیخ شہاب الدین کے چھ صاحبزادے تھے، شیخ حسام الدین، شیخ عبد الحمید، شیخ مسعود، شیخ علی شیر، شیخ محمد اور شیخ جمشید۔

شیخ شہاب الدین کا روضہ آپ کے والد کے روضہ کے برابر واقع ہے، شیخ بدر الدین سلیمان کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

خواجہ نظام الدین حضرت بابا فرید اپنے سب صاحبزادوں میں خواجہ نظام الدین سے بے حد محبت رکھتے تھے، وہ بلین کی فوج میں ملازم تھے، اس غیر معمولی محبت کی وجہ سے جو حضرت بابا فرید کو ان سے تھی وہ بعض مرتبہ گستاخ بھی ہو جاتے تھے، لیکن حضرت بابا فرید ان سے ناراض نہ ہوتے بلکہ مسکرا کر درگزر فرماتے، شیخ نظام الدین نہایت شجاع اور بہادر تھے، حضرت بابا فرید کی وفات کے بعد جب کافر جو دہن کے علمائے میں گھس آئے تو شیخ نظام الدین ان کے مقابلے کے لئے مردانہ وار نکلے اور نہایت شجاعت و بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، لیکن جب شہداء میں ان کی لاش تلاش کی گئی تو نہیں ملی۔

خواجہ نظام الدین کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام خواجہ ابراہیم تھا، ان کے صاحبزادے خواجہ عزیز الدین شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید و خلیفہ تھے۔

یہ حضرت بابا فرید کے سب سے چھوٹے صاحبزادے
شیخ یعقوب تھے، بڈن دا بٹار میں مشہور اور مستجاب الدعوات
 تھے، ملاستبہ طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے، گونڈا ہر میں وہ کچھ اور طرر کے
 نظر آتے تھے، لیکن حقیقت میں یاد الہی میں مصروف رہتے، نہایت فیاض
 تھے، اور آپ میں لطافت بدرجہ کمال تھی، آخر میں امر وہے میں مقیم
 ہو گئے تھے۔

شیخ یعقوب کے دو صاحبزادے تھے، خواجہ معزالدین، اور خواجہ قاضی
 خواجہ معزالدین دیوگیر میں رہنے لگے تھے، اور خواجہ قاضی نے دہلی میں
 وفات پائی۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے شیخ عبداللہ نامی صاحبزادے
شیخ عبداللہ کا ذکر بھی خزینۃ الاصفیاء میں کرتے ہوئے لکھا ہے کہ
 آپ کے چھوٹے صاحبزادے شیخ عبداللہ کے کوئی اولاد نہ تھی، مفسدین
 نے اُن کو بچپن ہی میں شہید کر دیا تھا، اُن کا مزار پاک پٹن حضرت بابا فرید
 کے روضے کے قریب عبداللہ بیابانی کے نام سے مشہور ہے۔

صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی بی بی
بی بی مستورہ مستورہ تھیں، صاحب سیر الاولیاء نے اُن کے فضائل
 و مناقب بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

تا لقس آخر در پردہ ستر و صلاح و عفت و کرامت بود۔
 بی بی مستورہ کی شادی شیخ عمر صونی فاروقی سے ہوئی تھی، بی بی مستورہ کے

صاحبزادے خواجہ عزیز صوفی سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے مرید تھے، انھوں نے اپنے شیخ کے فضائل و مناقب میں ایک کتاب "تحفۃ الابرار فی کرامۃ الاخیار" کے نام سے لکھی تھی، خواجہ عزیز صوفی کے صاحبزادے خواجہ قطب الدین، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔

بی بی شریفہ آپ کی دوسری صاحبزادی بی بی شریفہ تھیں، جو شرفِ طاعت و عبادت سے مشرف تھیں، جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں، پندرہ ذات تک آپ نے شادی نہیں کی، اس قدر عبادت الہی میں مشغول رہیں کہ حضرت بابا فریدان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر مشائخ کے لئے عورتوں کو خلانت و بجاہ دینا جائز ہوتا تو میں بی بی شریفہ کو دیتا۔

بی بی فاطمہ آپ کی تیسری صاحبزادی بی بی فاطمہ تھیں، جن کی شادی آپ نے اپنے خلیفہ خاص مولانا بدر الدین اسحاق سے کی تھی جب مولانا بدر الدین اسحاق کا وصال اچودھن میں ہو گیا تو ان کے دو چھوٹے چھوٹے صاحبزادے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ باقی رہ گئے، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی اور مولانا بدر الدین اسحاق میں بچہ دہشت تھی، حضرت محبوب الہی تعلیم و تربیت کے خیال سے ان دونوں صاحبزادوں اور ان کی والدہ کو اچودھن سے دہلی لائے، بی بی فاطمہ نے دہلی میں وفات پائی، اور شیخ نجیب الدین متوکل کے روضے دروازہ مندرہ کے باہر مدفون ہوئیں، خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کی جو اس وقت بچے تھے، ان کی پرورش حضرت محبوب الہی نے اپنی نگرانی میں فرمائی، اور حضرت بابا فرید کے مرید خواجہ احمد شاپوری کو ان کا اتالیق مقرر کیا۔

۲۷ سیر الاولیاء ص ۱۹۱

۱۷۰ لے تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۰

۲۷ بی بی فاطمہ کے حالات سیر الاولیاء کی ایک تفصیلی روایت ص ۱۹۲-۱۹۳ سے اجمالاً ماخوذ ہیں۔

یہ دونوں صاحبزادے حضرت محبوب الہی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، خواجہ محمد کو حضرت محبوب الہی نے خلافت بھی عطا فرمائی تھی، اور وہ حضرت محبوب الہی کی زندگی میں بیعت بھی لیتے تھے، انھوں نے سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کے ملفوظات کا ایک مجموعہ "النوار الحیال" کے نام سے مرتب کیا تھا، جو اب دستیاب نہیں ہوتا۔

شیخ شیوخ عالم حضرت بابا فرید کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی، خلقاء سیر الاقطاب میں آپ کے مشہور خلفاء کی تعداد بیس بتائی گئی۔ ہے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ شمس الدین ترک پانی پتی، شیخ جمال ہانسی، شیخ یعقوب ابن شکر گنج، شیخ نظام الدین ابن شکر گنج، شیخ بدر الدین سلیمان، ابن شکر گنج، شیخ شہاب الدین ابن شکر گنج، شیخ نصیر الدین، شیخ بدر الدین کھاق، شیخ دھار، شیخ زین الدین دشتی، شیخ علی شکر ریزہ، شیخ علی شکر بار، شیخ محمد راج، شیخ جمال کامل، شیخ نجیب الدین متوکل برادر شکر گنج، شیخ عارف سیوستانی، شیخ صابر مولانا داؤد پالہی۔

لیکن ان میں سے بھی جو مشہور ترین خلفاء ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۶ و فٹ نوٹ ص ۱۶۶ نمبر ۱

۲۔ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اگرچہ حضرت مخدوم صابر کلیری کے مرید و خلیفہ تھے لیکن سیر الاقطاب میں ہے کہ انھوں نے شیخ فرید الدین شکر گنج سے بھی خلافت حاصل کی تھی، اور حضرت شیخ فرید شکر گنج کی اجازت سے وہ حضرت مخدوم علاء الدین صابر کے مرید ہوئے، اسی لئے صاحب سیر الاقطاب نے ان کا شمار حضرت بابا فرید کے خلفاء میں کر دیا ہے (سیر الاقطاب ص ۱۸۵)

۳۔ سیر الاقطاب ص ۱۷۶-۱۷۷

- (۱) شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری -
 (۲) سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی -
 (۳) شیخ بدر الدین اسحاق -
 (۴) شیخ جمال ہانسوی -
 (۵) شیخ نجیب الدین متوکل -
 (۶) شیخ عارف -

برصغیر ہندوستان میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے فیوض و برکات سلسلہ صابریہ و نظامیہ

حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری سلسلہ
 سلسلہ صابریہ صابریہ کے مؤسس و بانی ہیں، وہ حضرت بابا فرید
 گنج شکر حقیقی بھانجے تھے، اُن کی ولادت ۱۱۹۹ھ میں ہوئی، قدیم اور مستند
 تذکروں میں حضرت صابر کا تذکرہ مختصر ملتا ہے، اخبار الاخبار میں
 سیر الاولیاء کے حوالے سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اُن کے متعلق لکھا
 ہے کہ سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک وہ ویش ثابت قدم اور صاحب نعمت
 و شیخ صابر، شیخ فرید الدین کے مرید تھے، شیخ فرید الدین نے جب اُن کو
 بیعت کی اجازت دی تو فرمایا صابر زندگی خوش بسر کرو گے، چنانچہ
 ایسا ہی ہوا، یہ نہایت خوش باش اور مہنس لکھتے تھے۔

پھر ان کے متعلق صاحب اخبار الاخبار نے اپنی رائے کا اظہار کرتے
 ہوئے لکھا کہ۔

غالباً یہ شیخ صابر علاوہ اُن شیخ علی صابر کے ہیں جو شیخ

فرید الدین کے داماد اور خلیفہ تھے، اور ان کی قبر قصبہ کلیر میں ہے، اور جن پر شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا سلسلہ منتهی ہوتا ہے ان کا تذکرہ سیرالاولیاء میں بالکل نہیں کیا گیا، حالانکہ ان کے تذکرے کا ترک، تعجب و حیرت سے خالی نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شیخ صابر و بی شیخ علی صابر ہوں جو شیخ فرید الدین کے داماد اور خلیفہ تھے۔

سیرالاولیاء میں ان کے متعلق اس قدر درج ہے کہ:۔
 کاتب حروف محمد مبارک علوی المدعو بابا میر خور در آنجملہ اس بندہ از خدمت والد خود رحمۃ اللہ علیہ سماع دارد کہ درویشے بود بزرگ صاحب نعمت کہ اورا شیخ علی صابر گفتندے، در درویشی قدمے ثابت و نفسے گیر داشت، و ساکن قصبہ دیکری بود، و پیوند شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز داشت، و از حضرت شیخ شیوخ العالم اجازت بیعت بود، الغرض در آنچہ یاران بزرگ کہ بہ ولایت خلافت شیخ شیوخ العالم مشرف شدہ بودند، ہر یکے وداع می شد، و بوسیلتے مخصوص می گردانید، و نفسے ہمراہ اوی کرد، دریں میان شیخ علی صابر عرض داشت کرد کہ در باب بندہ چہ فرمان می شود؟ شیخ شیوخ العالم در باب او فرمود کہ اے صابر برو بہو گما خواہی کرد، یعنی ترا عیش خوش گذشت، و او مردے خوش باش و کشادہ ابرو بود لیہ

یہ ہیں وہ حالات جو ہمیں شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری کے قدیم

تذکروں میں ملتے ہیں۔

متاخر تذکروں میں اگرچہ اُن کے حالات تفصیل سے درج ہیں، لیکن یا تو ان کی بنیاد کشف پر ہے یا سنی سنی روایات پر اس لئے اُن پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں، بہر حال، ہم ان متاخر تذکروں سے، اُن کے کچھ حالات یہاں نہایت احتیاط کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

میرزا قلیاب میں ہے کہ حضرت خواجہ مخدوم علی احمد صابر صاحب کشف و کرامات، اور صاحب مقامات جلیلہ، مریم النبیہ عالم، بے مثل فاضل، اور اپنے وقت کے اولیاء کے لئے سند تھے، رفیع المرتبت اور نعوت کے اعلیٰ منازل پر فائز تھے، اُن کی شان عظمت و جلالت کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج کے بھانجے اور داماد اور خلیفہ خاص تھے، انھوں نے اپنے شیخ کی بچہ خدمت کی، اُن کے پیر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر نہایت شفقت و مہربانی سے اُن کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میرے ظاہری اور باطنی علوم شیخ علاء الدین علی احمد صابر اور شیخ نظام الدین بدایونی میں سرایت کئے ہوئے ہیں، کبھی فرماتے کہ میرے سینہ کا علم شیخ نظام الدین بدایونی کو اور میرے دل کا علم شیخ علاء الدین صابر کو ملا ہے۔

صابر کا خطاب اُن کو حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر نے دیا تھا، اس خطاب کے سرفراز فرمائے جانے کی وجہ یہ تھی کہ ابتداءً حضرت بابا فرید نے اُن کے سپرد لشکر کی تقسیم اور مطبخ کا انتظام فرمایا تھا، یہ خدمت وہ بارہ سال تک انجام دیتے رہے، لیکن کبھی انھوں نے اس لشکر سے کچھ نہیں کھایا، ایک روز حضرت بابا فرید نے اُن سے پوچھا کہ بابا علاء الدین تم جو دولشیوں کو کھانا تقسیم کرتے ہو تم نے کبھی خود بھی اُس میں سے کھایا ہے؟ انھوں نے عرض کیا بغیر حضور کی اجازت کے میری کیا مجال تھی کہ میں اُس میں سے ایک دانہ بھی کھاتا، حضرت بابا فرید نے یہ سنا تو خوش ہو کر فرمایا ہمارا علاء الدین صابر ہے، اُسی روز سے وہ ”صابر“

کے خطاب سے مشہور ہو گئے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر نے پہلے اُن کو دہلی کے لئے اور بعد میں کلیر کے لئے
فرمانِ خلافت عطا فرمایا۔ وہ کلیر پہنچے، اور کلیر اُن کی بدولت ارشادِ تلقین کا مرکز
اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنا، اور اُنھوں نے نورِ ہدایت سے ہندوستان کے
گوشے گوشے کو منور کر دیا۔

مخدوم علاء الدین علی احمد صابر نے سلطان علاء الدین خلجی کے ہمدریں تیرہ
ربیع الاول ۶۹۰ھ کو عین حالتِ وجد و سماع میں وصال فرمایا، اُن کا مزار
پرانوار کلیر شریف ضلع سہارن پور میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

مخدوم علاء الدین صابر کلیری کے عظیم المرتبت خلیفہ شیخ شمس الدین ترک
تھے جو خواجہ احمد سیوی کی اولاد میں تھے وہ مرشد کامل کے جستجو میں ترکستان سے
ہندوستان آئے، اور حضرت مخدوم علاء الدین صابر کلیری کے حلقہ ارادت میں داخل
ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، پھر اپنے مرشد کی ہدایت پر پانی پت میں تقیم ہو گئے۔
اور آخر عمر تک وہیں ارشاد و ہدایت میں مصروف رہے۔

سیرالاقطاب میں ہے کہ اُنھوں نے ۱۰ جمادی الثانی ۷۳۰ھ کو وصال فرمایا،
شیخ شمس الدین کے وصال کے بعد اُن کے خلیفہ حضرت جلال الدین کبیر لاویار
نے اُن کی مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی، اُن کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ
معارج الولايت میں ہے کہ۔

لوگ ہر طرف سے اُن کے گرد جمع ہوتے تھے اور مزد و فتوح
بے شمار لاتے تھے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل سیرالاقطاب ص ۷۷ تا ۸۴ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۹ بحوالہ معارج الولايت۔

۳۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۱۶ بحوالہ معارج الولايت۔

شیخ جلال الدین کبیراویا کے متعلق سیرالاقطاب میں ہے کہ

در علم شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت عدیم الجدل بود

شیخ جلال نے ۳۱ ربیع الاول ۷۶۵ھ کو وفات پائی۔ ان کے چالیس خلفاء تھے جن میں شیخ احمد عبدالحق ردوولی نے سلسلہ صابریہ کو غیر معمولی شہرت و مقبولیت بخشی، ان کی خانقاہ ردولی میں رشد و ہدایت کا گہوارہ تھی۔ شیخ احمد عبدالحق ردوولی نے ۵ ارجمادی الثانی ۸۳۷ھ میں وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ احمد عارف ان کی جگہ زمیت آرائے مسند رشد و ہدایت ہوئے، شیخ عارف کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ محمد اپنے والد کے جانشین ہوئے، ان دونوں بزرگوں نے سلسلہ صابریہ کو بڑی وسعت دی۔ لیکن شیخ محمد کے بعد جس بزرگ نے سلسلہ صابریہ کو حیات نو عطا کی، اور جنہیں اس سلسلہ کا مجدد کہا جاسکتا ہے وہ شیخ محمد کے مرید و خلیفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی بہلول لودھی کے عہد میں ردولی میں پیدا ہوئے۔ شیخ احمد عبدالحق کے پوتے شیخ محمد کے دستِ حق پرست پر معیت ہو کر انھوں نے خرقہ خلافت حاصل کیا، ابتداءً وہ اپنے وطن ردولی میں رہے لیکن جب ۹۱-۹۰ھ میں سلطنت کی کمزوری کے باعث ردولی میں کفار کا غلبہ ہوا، شعارِ اسلام مٹائے جانے لگے، بازاروں میں کھلے بندوں سور کا گوشت فروخت ہونے لگا تو وہ وطن چھوڑ کر شاہ آباد ضلع کرناں میں مقیم ہو گئے۔ جہاں ۳۸ سال تک ارشاد و ہدایت میں مصروف رہے، پھر آخر عمر میں گنگوہ ضلع سہارن پور تشریف لائے اور ۹۴۳ھ ۱۵۳۷ء میں گنگوہ میں وصال

۱۔ سیرالاقطاب ص ۲۱۳

۲۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۶۵

۳۔ سیرالاقطاب ص ۲۲۲

۴۔ لطائف قدوسی ص ۱۰ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھیے شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات، ضائع کردہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس - کراچی۔

فرمایا ان کے خلفاء میں شیخ جلال تھانیسری، شیخ رکن الدین اور شیخ عبدالغفور عظیم پوری تھے۔ شیخ جلال تھانیسری علوم ظاہری و باطنی میں کامل اور عہد اکبر کے اکابر علماء میں سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے ۱۰۹۱ھ میں وفات پائی، شیخ جلال تھانیسری کے خلفاء میں خواجہ نظام الدین تھانیسری نے غیر معمولی مسیبت و شہرت حاصل کی، خواجہ نظام الدین تھانیسری نے ۱۰۳۶ھ میں وفات پائی، ان کے مرید و خلیفہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے شیخ ابوسعید گنگوہی تھے۔ جنھوں نے سلسلہ چشتیہ صابریہ کی وسعت، فروغ اور ترقی میں غیر معمولی سعی کی، انھوں نے ۱۰۸۰ھ میں وفات پائی، شیخ ابوسعید گنگوہی کے عظیم المرتبت خلیفہ شیخ محب اللہ آبادی (متوفی ۱۱۰۵ھ) تھے، جن سے شیخ محمدی اکبر آبادی نے فیوض و برکات حاصل کئے جنھیں عالمگیر نے مخالفین کے افترا کی وجہ سے ابتداء حج کے لئے چلے جانے کا حکم دیا، پھر جب وہ حج و زیارت سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو پھر مخالفین کی شورش کی وجہ سے قلعہ اورنگ آباد میں قید کر دیئے گئے، اور وہیں انھوں نے ۱۱۰۵ھ میں وفات پائی، ان کی وصیت کے مطابق ان کا تابوت اکبر آباد لایا گیا اور اکبر آباد میں مدفون ہوئے۔ شاہ محمدی کے جلیل القدر خلیفہ شاہ عضد الدین امرہوی تھے وہ علوم شریعت کے جامع اور زہد و ورع میں یکتا تھے، ان کی تصنیف مقاصد العارفین مشہور ہے۔ شاہ عضد الدین نے ۱۱۰۲ھ میں وفات پائی، شاہ عضد الدین کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ شیخ عبدالہادی نے منہر رشد کو زینت بخشی، اور ایک عرصہ تک وہ طالبان حق کو تزکیہ نفس اور پاکیزگی باطن کا درس دیتے رہے، شیخ عبدالہادی نے ۱۱۹۰ھ میں وصال فرمایا، ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ شاہ عبدالباری

۱۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول

۲۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول

۳۔ انوار العارفین ص ۴۲۲

۴۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۲

۵۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳۲

۶۔ انوار العارفین ص ۴۲۳

۷۔ انوار العارفین ص ۴۵۰

بیادہ شہادت پر متمکن ہوئے، یہ شیخ ظہور الدین کے صاحبزادے اور شیخ عبدالبہادی کے بڑے تھے۔ اچانک ملت اور توحید دین کے سلسلے میں زندگی بھر کوشاں رہے شیخ عبدالبہادی نے ۱۱ شعبان روز جمعہ ۱۲۲۸ھ میں وفات پائی، شیخ عبدالبہادی کے خلفاء میں حاجی سید عبد الرحیم ناظمی تھے۔ انھوں نے اپنی عمر حیات کلمۃ الحق میں صرف کی، یہاں تک حضرت سید احمد شہید کے ساتھ جہاد میں شریک ہو کر بالاکو کے میدان میں لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ان کے مرید و خلیفہ خاص میاں جی نور محمد جھنجی انوی تھے، یہ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجی انوی کی اولاد میں تھے، اتباع سنت کا یہ عالم تھا کہ تیس سال تک ان کی تکبیر و تہنیت قضا نہیں ہوئی، قصبہ بہاری میں بچوں کو تعلیم دیتے تھے، انھوں نے سلسلہ صابریہ کو انتہائی عروج پر پہنچایا، میاں جی نور محمد نے ۱۲۵۹ھ میں وفات پائی، میاں جی نور محمد کے خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تھے جنھوں نے سلسلہ صابریہ کے اثرات کو دوسرے ممالک اسلامیہ میں پہنچایا، انوار العارفین میں ہے کہ جس زمانے میں حاجی امداد اللہ مرشد کی تلاش میں تھے، انھوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور ایک صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ ان کے مرید ہو جاؤ آپ ان بزرگ کی تلاش میں ایک عرصے تک حیران و متحیر رہے، ایک روز ایک شخص کی وساطت سے میاں جی نور محمد کی خدمت میں پہنچے، ان کو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ حضور کا اشارہ انھیں کی طرف تھا، فوراً ہی آپسے میاں جی نور محمد کے دست حق پرست

نے انوار العارفین ص ۲۵۱

۱۰ شاہ عبدالرزاق جھنجی انوی سلسلہ قادریہ میں شیخ محمد حسن سے بیعت تھے تحصیل علم ہی کے زمانے میں عشق و محبت کا جذبہ ان پر غالب آیا، وہ تہجد ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد مرتبہ مشاہدے پر فائز ہوئے۔ شہداء پنچھل ان کا خاص وصف تھا شاہ عبدالرزاق نے ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ (اخبار لاخیر ص ۲۳۷)۔

بیعت کی، اُن کے خلفاء اور مریدین میں مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۲ھ) مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۳۹۷ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور حاجی عابد حسین اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے اکابر اور جلیل القدر علماء تھے، جنھوں نے طریقت کو شریعت کے جمال سے آراستہ کر کے اُس فرق کو شادیاں جو بعض مغلوب الحال بزرگوں کے اقوال و کردار سے سطح بنیوں کو نظر آتا تھا۔

سلسلہ نظامیہ سلطان المشائخ، محبوب الہی حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی حضرت بابا فرید گنج شکر کے جلیل القدر خلفاء میں تھے جن کا مفصل تذکرہ ہم گذشتہ اوراق کے کسی فٹ نوٹ میں کر چکے ہیں، وہ سلسلہ نظامیہ کے مؤسس و بانی ہیں، اور انھوں نے سلسلہ چشتیہ کو معراج کمال پر پہنچایا، اور اُن کی رشد و ہدایت کی ضیاء باریوں نے ہندوستان کے گوشے گوشے کو نور کر دیا، علامہ اقبال نے اُن کی جلالت شان اور رفعت کا اعتراف کرتے ہوئے اُن کی بارگاہ میں اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

تری بھد کی نیارت ہے زندگی دلی کی مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، صاحب گلزار ابرار کا بیان ہے کہ۔

ان ایام میں زمین ہند کو عجیب زمانہ حاصل تھا، کیوں کہ آپ خواجہ نظام الدین کی بارگاہ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے، اُن کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطبہ زمین ہدایت آباد تھا، ایک روایت ہے کہ آپ نے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبوں اور بڑی بڑی کراچیوں والے سات سو خلیفہ ایسے روانہ کیے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع کرتا تھا یہ

اس میں سے ہم چند خلفاء کا ضمنی تذکرہ یہاں پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو اندازہ ہو سکے کہ اس سلسلے کے بزرگوں نے ہندوستان کے صوبوں میں کس طرح اپنی خانقاہیں قائم کر کے تبلیغ و اشاعت دین کی فہمیں روشن کیں۔

دہلی میں سلطان المشائخ، محبوب الہی حضرت خواجہ نظام الدین کی وفات کے بعد جنہوں نے اپنے شیخ کے عبادے پر متمکن ہو کر نہایت ہمت استقلال سے روحانی اور عملی بنیادوں کو استوار کیا اور سلسلہ چشتیہ کو فروغ دیا وہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی تھے۔ ہم ان کے مختصر حالات گزشتہ اوراق کے کسی فٹ نوٹ میں لکھ چکے ہیں۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ:-

روزے شیخ نصیر الدین	ایک روز شیخ نصیر الدین محمود نے
محمود امیر خسرو را کہ از یاران	امیر خسرو سے کہا کہ جو سلطان المشائخ
اعلیٰ بود، گفت شما را بخدمت	کے اعلیٰ یاروں میں سے تھے کہ تمہیں
سلطان المشائخ محلے و قربے	سلطان المشائخ کی خدمت میں
تمام است، ہر وقت کہ می خواہید	قریب اور اختصاص ہے، اور تم
بخدمت سلطان المشائخ محل	جب چاہتے ہو سلطان المشائخ کی
می یا بید، امیر خسرو خوش گوید	خدمت میں حاضر ہو جاتے ہو وہ
زہے سعادت و اقبال چشم آنکس را	زہے سعادت و اقبال چشم آنکس را
کہ در جمال تو دستورے نظر یابد	کہ در جمال تو دستورے نظر یابد
بوقت فرصت عرض داشت	کبھی فرصت کے موقع پر مجھ غریب
من غریب را بخدمت سلطان المشائخ	کی طرف سے سلطان المشائخ کی
بکنید، ہما آم خوش گوید بیت:-	خدمت میں عرض کرنا ہے
اے صبا بندہ نوازی کن و از حال ہمام	اے صبا بندہ نوازی کن و از حال ہمام
وقت فرصت ہمہ در بندگی یار یگو	وقت فرصت ہمہ در بندگی یار یگو
کہ من بندہ در او دھرمی باشم و	کہ میں او میں رہتا ہوں ملو و

از سبب مزاحمت خلق مشغول
نہی تو انہم بود، و اگر فرمان سلطان
المشاخ باشد در صحرا و کوہ
خدائے تعالیٰ را بفرغ خاطر
عبادت کتم، امیر خسرو قبول کرد
کہ بگزرا نغم و امیر خسرو را معہر دایود
کہ بنوبت خود چوں در جماعت
خانہ بود سے بعد از نماز خفتن
بوقت استراحت بنی مت سلطان
المشاخ برفتہ و بہ نشستہ، و از
ہر حبش حکایات کردے چنان کہ
دزد کہ سلطان المشاخ تحریر
یافتہ ست، الغرض امیر خسرو
دریں محل عرض داشت، شیخ
نصیر الدین محمود کرد، سلطان
المشاخ فرمود کہ اورا بگو ترا
در میان خلق می باید بود، و
جفا و قفلے خلق می باید کشید
و مکافات آن بہ بدل و ایشار
عطای باید کردی

چنانچہ انہوں نے اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق دہلی میں رہ کر سخت

مصائب کا مقابلہ کیا، اور رشد و ہدایت کی اس شمع کو رکھا جس کو سلطان المشائخ نے روشن کیا تھا۔ صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ وہ بالکل اپنے شیخ کے نقش قدم پر تھے اور جو خوشبو سلطان المشائخ کی مجلس میں آتی تھی، ویسی ہی خوشبو شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس سے اُن کے مشام تک پہنچی۔
شیخ نصیر الدین محمود اس درجہ خدمت خلق اور ارشاد و تلقین میں مصروف رہے کہ ایک دن فرمایا:-

اب مجھ کو خلوت اور شغولی	اکنوں من بارے فرصت
کی بھی فرصت نہیں، دن بھر	مشغولی و خلوت ندارم، ہمہ روز
مخلوق کے ساتھ رہنا پڑتا ہے بلکہ	با خلق می باید بود، بلکه قیلولہ
قیلولہ بھی میسر نہیں ہوتا، بارہا قیلولہ	میسر نمی شود۔ بارہا قیلولہ می
کرنا چاہتا ہوں جنگا دیتے ہیں کہ	خواہم کہ بکنم برمی کنند کہ آیندہ
فلاں آیا ہے اٹھئے۔	آمدہ ست بر خیزند گئے

۱۸ رمضان ۷۵۶ھ کو یہ کتاب ولایت غروب ہو گیا، اور سلسلہ چشتیہ کا پہلا دور جو حضرت خواجہ معین الدین سے شروع ہوتا ہے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی پر ختم ہو گیا۔

بنگال میں جس بزرگ نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت کی وہ حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ سراج الدین عثمان انخی مراح تھے۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ سراج الدین اوائل شباب میں سلطان المشائخ کی خدمت میں لکھنوتی سے آئے اور آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر آپ کے اُن دوستوں کے ساتھ رہنے لگے جو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں باریاب رہتے

۱۔ سیر الاولیاء باب چہارم - نکتہ دوم ص ۲۴۱
۲۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۳ بحوالہ خیر المجالس

تھے، سراج الدین اگرچہ ظاہری علم سے بے بہرہ تھے، لیکن تنب، نورِ معرفت سے
سے منور تھا، ہر سال کچھ دن کے لئے وہ اپنی والدہ کی زیارت کے لئے لکھنؤ آ جاتے،
اور پھر واپس آ جاتے، اُنھوں نے عمر کا ایک بڑا حصہ سلطان المشائخ کے جماعت
خانے میں گزارا، جب آپ نے اپنے بعض مریدوں کو خلافت سے سرفراز فرمانے
لگے تو لوگوں نے سراج الدین کا نام بھی پیش کیا، فرمایا اس کام میں اول درجہ علم کا
ہے اور یہ علم سے بے بہرہ ہیں، مولانا فخر الدین زرادہ نے یہ سنا تو اُن کو سراج الدین
پر رحم آیا، اور اُنھوں نے کہا کہ میں ان کو انشاء اللہ چھ ماہ میں عالمِ متبحر بنا دوں گا،
چنانچہ سراج الدین نے بڑی عمر میں مولانا فخر الدین زرادہ کے سامنے زانوئے
تلمذ طے کیا، مولانا فخر الدین زرادہ نے ان کے لئے صرف میں ایک مختصر
کتاب ”عثمانی“ بھی تالیف کی تھی، اور مولانا رکن الدین اندرپتی سے کافیہ،
مفصل، قدوری اور مجمع البحرین پڑھی، تحصیلِ علم کے بعد وہ سلطان المشائخ
کی خدمت میں پیش کئے گئے، آپ نے اُن کو ”آئینہ ہند“ کا خطاب دے کر
خلافت سے سرفراز فرمایا، روضۃ الاقطاب میں ہے کہ

اگرچہ جمیع خلفاء سلطان المشائخ صاحب مقامات عالی بودند
اما از آں ہا شیخ نصیر الدین محمود کہ چراغِ دہلی و شیخ سراج الدین کہ
”آئینہ ہند“ است چاشنی دیگر داشتند، و ازین دو بزرگ بے
مردمان تکمیل و ارشاد پیدا آمدند

شیخ سراج الدین، سلطان المشائخ کی وفات کے بعد تین سال تک دہلی میں
تعلیم حاصل کرتے رہے، وہ خواجہ جہاں کے گنبد میں رہا کرتے تھے، جب
سلطان محمد بن تغلق نے مشائخ کو جبراً دیوگیر بھیجنا شروع کیا تو وہ سلطان المشائخ
کے کتب خانے سے اپنے مطالعے کے لئے چند کتابیں اور جامعہ خلافت لے کر

اپنے وطن لکھنوتی چلے گئے، اور سب سے پہلے آنکھوں نے بنگال میں سلسلہ
چشتیہ نظامیہ کی اشاعت اور ترویج دین کی کوشش کی، سیرالا ولیا
میں ہے کہ

آں دیار را بجمال ولایت خود بیار است، و خلق خدائے را
دست بیعت دادن گرفت، چنانکہ بادشاہان آں ملک داخل
مردان او آمدند۔

شیخ انخی سراج نے ۱۵۸۷ھ میں وفات پائی، وفات سے پہلے اپنی قبر کے
لئے جگہ منتخب کی، اور اُس جگہ پہلے وہ کپڑے دفن کئے جو سلطان المشائخ نے
اُن کو عطا فرمائے تھے، پھر وصیت فرمائی کہ مجھے میری وفات کے بعد ان کی
پائنتی میں دفن کیا جائے، چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ حضرت انخی سراج
کا مزار پرانوار قدیمی دارالخلافتہ گورہ میں ہے۔

انخی سراج کی وفات کے بعد بنگال میں اُن کے خلیفہ شیخ علاء الحق والدین
بن اسعد لاہوری بنگالی نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو فروغ بخشا، وہ ایک مالدار
اور متمول خاندان میں پیدا ہوئے، لیکن شیخ انخی سراج کے حلقہ ارادت میں داخل
ہو کر فقر کو غنا پر ترجیح دی، اور اپنے مرشد کی اس قدر خدمت کی کہ سفر میں اپنے
شیخ کا کھانا گرم رکھنے کے لئے انگیٹھی سرپاٹھائے رکھتے تھے، یہاں تک کہ
اُن کے سر کے بال جل گئے، وہ اسی حالت میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے
گھر کے سامنے سے گزرتے جو بادشاہ کے اراکین حکومت اور وزراء سلطنت تھے، وہ
لوگ اُن کا مذاق اڑاتے، لیکن اُن پر اثر نہ ہوتا تھا، اپنے شیخ کی وفات کے بعد
جب وہ سجادہ مشیخت پر متمکن ہوئے تو آنکھوں نے غربا اور مساکین پر خوب
روپیہ خرچ کیا، بادشاہ وقت کو اُن کی بڑھی ہوئی سخاوت دیکھ کر خیال پیدا

ہوا کہ چونکہ ان کے والد ہستم خزانہ ہیں شاید وہ خزانہ شاہی سے یہ روپیہ دیتے ہیں
اس لئے اس نے حکم دیا کہ وہ دارالخلافہ سے نکل کر سارگاؤں چلے جائیں،
چنانچہ وہ دو سال سارگاؤں رہے، لیکن سارگاؤں میں ان کی سخاوت اور فیاضی اور
بھی بڑھ گئی، خادم کو حکم دیا جو پہلے روزانہ خرچ کرتے اب اس سے دو گونہ
خرچ کرو، چنانچہ یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہی، شیخ علاء الحق نے
نہایت میں پنڈوہ میں وفات پائی، پنڈوہ میں ان کا مزار مبارک زیارت گاہ
خاص و عام ہے یہ

شیخ علاء الحق کی وفات کے بعد ان کے فرزند حضرت نور قطب عالم
اپنے والد کی مسند رشد و ہدایت پر رونق افروز ہوئے، ان کی وجہ سے
بنگال میں سلسلہ چشتیہ نے اور بھی مقبولیت حاصل کی، اخبار الاخبار
میں ہے کہ :-

شیخ نور الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ نور قطب عالم سے
مشہور ہیں اور ہندوستان کے مشاہیر اولیاء میں ہیں، صاحب
عشق و محبت، اور صاحب ذوق و شوق و تصرف و کرامت
ہیں، وہ اپنے والد کے خانقاہ کے درویشوں کی تمام خدمتیں
بجالاتے، درویشوں کے کپڑے دھوتے ان کے لئے پانی گرم
کرتے ان کے خلیفہ شیخ حسام الدین مانکپوری کے ملفوظات
رفیق العارفین میں ہے کہ وہ آٹھ سال تک اپنے شیخ کی خانقاہ کے
لئے لکڑیاں کاٹ کر لائے، ایک دفعہ ان کے والد نے فرمایا کہ جس جگہ
عورتیں کنویں سے پانی بھرتی ہیں وہاں کی زمین پھسلنی ہوگئی جس کی وجہ سے پاؤں
پھسل کر گھڑے ٹوٹ جاتے ہیں، تم انھیں اپنے سر پر پانی نکال کر دیا کرو،

چار سال تک وہ اپنے والد کے ارشاد پر یہ خدمت انجام دیتے رہے، اس کے علاوہ عرس کے زمانے میں پانی بھرتے تھے، اُن کے بڑے بھائی اعظم خاں جو وزیر سلطنت تھے، اُن کو اس حال میں دیکھ کر کہتے، نور! تم نے تمام نعمتیں چھوڑ کر اپنی یہ کیا حالت بنائی ہے، وہ ہنس کر ٹال دیتے یہ۔

بنگال میں جب راجہ کنش (رگنیش) تخت شاہی پر قابض ہوا، اور اُس نے بہت سے علماء و مشائخ کو شہید کرایا، اور اس کوشش میں مصروف ہوا کہ اسلام کی بیخ و بن کو اپنی مملکت سے نکال دے، حضرت قطب عالم نے اس کے اس ارادے کو محسوس کر کے نوراً سلطان ابراہیم شرتی کو لکھا کہ وہ فوراً بنگال پر حملہ کرے، چنانچہ اُس نے بنگال پر حملے کے لئے فوج بھیجی، جب یہ فوج پہنچی تو راجہ کنش ڈرا، اور شیخ نور قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کا طالب ہوا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ میں ایک کافر اور ظالم بادشاہ کی کیسے سفارش کر سکتا ہوں، البتہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو یہ ممکن ہے، راجہ کنش اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھا، لیکن اُس کی بیوی اس کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں حائل تھی، آخر اُس نے کہا کہ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں میں اپنے بیٹے جدو کے حق میں بادشاہی چھوڑے دیتا ہوں آپ اُسے مسلمان کر لیں، شیخ نور قطب عالم نے یہ بات منظور کر لی، جدو اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا، اور شیخ نور قطب عالم کی سفارش سے سلطان ابراہیم شرتی کی فوج واپس چلی گئی۔ اُن کی کوششوں سے چشتیہ سلسلے کی خانقاہیں بنگال، بہار اور جون پور میں قائم ہوئیں۔

۱۵۲ ص اخبار الاخبار۔

۳۵۱-۳۵۲ بحوالہ ریاض السلاطین ص ۱۰۸ تا ۱۱۰۔

شیخ نور قطب عالم نے ۸۱۳ھ میں وصال فرمایا، اُن کا مزار پیر انوار
پنڈوے میں ہے، گجرات میں بھی سلسلہ چشتیہ اگرچہ حضرت خواجہ قطب الدین
بختیار کاکی کے دو مریدوں شیخ محمود اور شیخ حامد الدین نہروالہ کی وجہ سے
پہنچ چکا تھا، لیکن گجرات میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی نشر و اشاعت سلطان
المشاخ کے تین خلفاء سید حسین، شیخ حسام الدین ملتانی اور شاہ بارک اللہ کی
وجہ سے ہوئی۔

تاریخ مشائخ چشت میں ہے کہ سید حسین بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے،
انہوں نے فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ پر بھی حاشیہ لکھا تھا، اشارہ غیبی کی بناء پر
وہ سلطان المشائخ سے بیعت ہوئے، آپ نے انہیں خرقہ خلافت عطا فرما کر
اعلاء کلمۃ الحق کے لئے گجرات بھیجا، سید حسین نے گجرات ہی میں وفات پائی، اُن کا
مزار نہروالہ میں ایک تالاب کے کنارے ہے۔

شیخ حسام الدین ملتانی، حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب اللہ
کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے سیرالادلیا میں ہے کہ جس دن سلطان المشائخ نے
شیخ نصیر الدین محمود اور شیخ قطب الدین منور کو خلافت عطا فرمائی اُس کے دوسرے
دن مولانا حسام الدین کو بلا یا گیا، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو اُن کا بیان
ہے کہ میں آپ کے رُعب سے پسینہ پسینہ ہو گیا، پھر آپ نے مجھے خلافت
اور خلعت عنایت فرمائی، میں نے عرض کیا کہ مخدوم عالمیاں نے اس عاجز پر
خلافت عطا فرما کر انتہائی شفقت فرمائی ہے، اب مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔
سلطان المشائخ نے انگشت شہادت میری جانب اٹھا کر فرمایا ترک دنیا،
ترک دنیا، زیادہ مریدوں کی کوشش نہ کرنا، میں نے عرض کیا کہ اگر اجازت
ہو تو شہر میں نہ رہوں، بلکہ کسی دریا کے کنارے رہائش اختیار کر لوں، کیونکہ

کنویں کے پانی سے وضو کرنے سے دل کو تسلی نہیں ہوتی، فرمایا کہ شہر میں رہو اور اس طرح رہو جیسے کہ تم بھی ان میں سے ایک ہو، نفس چاہتا ہے کہ تمہیں آرام کے مقام سے جنبش دے کر ایسے مقام پر لے جائے، جہاں تمہارے خیالات اور اوقات پر آگندہ ہو جائیں، کیوں کہ جب تم شہر کو چھوڑ کر تالاب کے کنارے رہائش اختیار کرو گے تو مسافر اور شہری تمہارا پتہ پوچھ کر وہاں پہنچیں گے اور تمہیں خواہ مخواہ پریشان کریں گے، پھر انھیں اور بھی نصیحتیں فرمائیں۔

ایک دفعہ انھوں نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ حضور! لوگ مجھ سے کرامت کے طالب ہوتے ہیں، فرمایا الکرامۃ علی الاستقامۃ علی باب الغیب (دروازہ خدا پر استقامت سے کام لینا کرامت ہے) چنانچہ اسی سال جب سلطان محمد تغلق کی وجہ سے لوگ دہلی سے دیوگیری کی طرف روانہ ہوئے۔ تو مولانا دہلی سے روانہ ہو کر گجرات پہنچے اور وہیں رحمت حق سے پوست ہو گئے۔

۱۔ سیر الادبیاء: باب چہارم۔ نکتہ سیوم ص ۲۶۰-۲۶۱ ۲۵ ایضاً ص ۲۶۲

۲۔ ممالک دکن میں قبضہ قائم رکھنے کے لئے سلطان محمد تغلق نے یہ تدبیر سوچی تھی کہ دیوگیری میں ایک اسلامی شہر بندہ دوسرا پایہ تخت تعمیر کیا جائے، چنانچہ اُس نے پہاڑی علاقے کے باہر ایک بہت وسیع فصیل بتوانی، نئے شہر کا نام دولت آباد رکھا، سرکاری عمارتوں کے علاوہ اُس میں بازار و محلات تعمیر کرائے، دہلی سے یہاں تک راستے صاف کرائے، اور ہر منزل پر لوگوں کے قیام و طعام کا انتظام کیا، عمائدین اور امراء دہلی سے ان کی صفہ مانگی قیمتیں دے کر ان کے دہلی کے مکانات و جائدادیں خرید لیں، پھر ان عمائدین و امراء کو حکم دیا کہ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ جا کر دولت آباد میں آباد ہوں، اس حکم پر سب پہلے خود بادشاہ کی ماں محدومہ جہاں نے عمل کیا، اور ہم راہ نوکر چاکر، وظیفہ خوار و سولین اور درویشوں کی فوج کی فوج دہلی سے دولت آباد چلی گئی۔

(تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ص ۳۱۱ تا ۳۱۲)

خزینۃ الاصفیاء میں اُن کا سنہ وفات بحوالہ معارج الولايت ۲۵۷ھ مذکور ہے۔
 شاہ بارک اللہ بھی حضرت سلطان المشايخ کے مرید و خلیفہ تھے، اُنھوں
 نے بھی احمد آباد میں وفات پائی، اُن کا مقبرہ آب در دروانے کے باہر اور حاجی
 پورے کے قریب واقع ہے۔

ان تینوں بزرگوں کے بعد گجرات میں جن بزرگوں نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تنظیم اور نشر و
 اشاعت کی اُن میں علامہ کمال الدین (متوفی ۷۵۶ھ) ہیں، وہ علوم و فنون میں
 کمال رکھتے تھے خصوصاً اُن کو علم تفسیر و فقہ و حدیث میں غیر معمولی سمجھ تھا، اور وہ
 اپنے زمانے کے علماء، مفسرین اور فقہاء میں جن کی شہرت کے علمی جھنڈے
 گرے ہوئے تھے ممتاز تھے، اور علامہ کے لقب سے مشہور تھے۔

علامہ کمال الدین کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ سراج الدین نے
 جو علوم ظاہری میں مولانا احمد تھانیسری، مولانا عالم پانی پتی اور مولانا عالم
 سنگ ریزہ کے تلامذہ میں تھے، گجرات میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو اور بھی آگے
 بڑھایا، شیخ سراج الدین نے ۷۸۷ھ میں وفات پائی۔

اُن کے بعد اُن کے فرزند شیخ علم الحق سجادہ نشین پرتمکن ہوئے،
 پھر اُن کے صاحبزادے شیخ محمود معروف بہ شیخ راجن، پھر شیخ جمال الدین جمن
 پھر شیخ حسن محمد، پھر حضرت یحییٰ مدنی یکے بعد دیگرے سدر رشد و ہدایت پر
 رونق افروز ہوتے رہے، اور ان سب بزرگوں نے اپنے اپنے زمانے میں
 گجرات میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

دکن میں بھی سلطنت کی بنیاد ۱۳۳۳ھ میں حسن گنگو افغان سے پڑی جو
 علاء الدین حسن گنگو بھی کہے لقب سے تخت شاہی پر بیٹھا، تاریخ فرشتہ میں

۱۷ تاریخ مشایخ چشت ص ۲۰۹ بحوالہ مرآۃ احمدی ص ۷۳

۱۸ یہ تمام تفصیل تاریخ مشایخ چشت ص ۲۰۹ و ۲۱۰ سے ماخوذ ہے۔

۱۹ مسلمان شاہی خاندان اور اُن کے سلسلے ص ۳۴۲

ہے کہ اُس زمانے میں جب کہ علاء الدین حسنی بہمنی بادشاہ نہ ہوا تھا، ایک دن وہ حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ میں حاضر ہوا، اُس کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے محمد بن تغلق جو ابھی بادشاہ نہ ہوا تھا آپ کے پاس حاضر ہو کر جا چکا تھا، حسن گنگو ابھی دروازے ہی پر تھا کہ سلطان المشائخ نے اپنے ایک ملازم کو اس کے اندر لانے کے لئے بھیجا، اور اُسے دیکھ کر فرمایا:

سلطانے رفت و سلطانے آمد

پھر آپ نے حسن گنگو پر نہایت کرم فرمایا، اور ایک ”جوخ“ کی روٹی جو آپ کے لئے رکھی ہوئی تھی، اُس پر انگلی رکھ کر اس خوش خبری کے ساتھ دی کہ یہ وہ چتر شاہی ہے کہ ایک مدت دراز کے بعد بڑی محنت سے دکن میں تیرا مقدر ہو گا۔

دکن میں ہمیں سب سے پہلے جس چشتیہ سلسلے کے بزرگ کا پتہ چلتا ہے، وہ شیخ منتخب الدین زرنہریں بخش تھے جو حضرت بابا فرید کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، حضرت بابا فرید نے اُن کو دیوگیر اُس وقت بھیجا جب کہ وہاں ہنود کا غلبہ تھا، اور اس ملک میں بدعت و کفر پھیلا ہوا تھا، دیوگیر میں ابتداءً ان کی بے حد مخالفت ہوئی، لیکن وہ عزم و استقلال کے ساتھ ہدایت و ارشاد میں مصروف رہے، شیخ منتخب الدین نے ربیع الاول ۶۹۵ھ میں وفات پائی۔

ان کے بعد سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے جلیل القدر خلیفہ اور شیخ منتخب الدین کے بھائی شیخ برہان الدین غریب نے دکن میں سلسلہ چشتیہ کی شمع روشن کی جو سلطان المشائخ کی رحلت کے بعد

دیوگیر گئے، اور وہاں اُنھوں نے ارشاد و تلقین کا کام شروع کیا، تھوڑے ہی دن میں دکن میں اُن کی خانقاہ طابان حق کا مرکز بن گئی، اور ان کی بدولت وہاں سلسلہ چشتیہ نظامیہ خوب پھلا پھیلا، شیخ برہان الدین نے ۷۴۱ھ میں وفات پائی، اُن کے بعد اُن کے مرید شیخ زین الدین کی وجہ سے سلسلہ چشتیہ کو دکن میں خوب فروغ ہوا۔

اسی دور میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے نامور شیخ حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز نے بھی دکن (گلبرگ) میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو عروج بخشا، یہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ تھے، جب اُن کی عمر چار سال کی تھی تو یہ اپنے والد سلطان محمد کے ساتھ عہد تعلق میں دیوگیر تشریف لائے سات سال کی عمر تھی کہ ان کے والد نے ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں وفات پائی، ۷۳۶ھ میں اپنی والدہ کے ساتھ دوبارہ دہلی تشریف لائے ۱۶ رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلی کے دستِ حق پرست پر بیت کی، باطنی آراستگی کے ساتھ علوم ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا، حظیرہ شیر خاں میں جہاں ان کا وقت ریاضتوں اور مجاہدوں میں گزرتا تھا، وہیں وہ علوم ظاہری کی تعلیم مولانا قاضی عبدالمقدر سے حاصل کرتے تھے، حضرت چراغ دہلی نے جب ۷۵۷ھ میں وصال فرمایا تو اپنی وفات سے تین دن پہلے اُن کو خلافت سے سرفراز فرمایا، اُن کی وفات کے بعد حضرت سید گیسو دراز نے اُن کی مسندِ شہداء کو زینت بخشی، دہلی میں تقریباً چوالیس سال قیام کے بعد ۷۸۱ھ میں تیمور کے حملے کے زمانے میں گلبرگ منتقل ہو گئے، جب گلبرگ کے

کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز شاہ بہمنی نے اپنے دربار کے علماء و سادات اور لشکر کے ساتھ اُن کا شان دار استقبال کیا، فیروز شاہ بہمنی کے بعد سلطان احمد شاہ بہمنی تخت پر بیٹھا، وہ بھی ان کا غیر معمولی مستقد تھا، دکن کے عوام و خواص میں اُن کو بڑی مقبولیت حاصل تھی، اور طالبانِ حق جو ق در جو ق اُن کے روحانی سرچشمے سے سیراب ہوتے تھے، اُنھوں نے دکن میں اشاعتِ اسلام اور دینی اصلاح و تربیت کا بہت بڑا کام انجام دیا، اس کے علاوہ اُن کی تصانیف کثیر ہیں، اُنھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سے تصوف کی تعلیمات کو عام کیا، حضرت سید گیسو دراز نے ۱۶ ذیقعد ۸۲۵ھ کو ایک سو چار سال کی عمر میں گبلرگہ میں وفات پائی، ان کے بعد اُن کے خلفاء نے بڑی سرگرمی سے اشاعتِ اسلام کے ٹھوس کام انجام دیے۔

مالوے میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی جن بزرگوں نے اشاعت کی وہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی کے خلیفہ شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین اور مولانا منیٹ الدین تھے۔

سیرالاولیاء میں ہے کہ شیخ وجیہ الدین یوسف سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کے اُن خلفاء میں ہیں جنھیں آپ نے پہلے خلافت سے توارا، ایک دفعہ وہ سلطان المشائخ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے خادم خاص اقبال سے فرمایا کہ لکڑی کا فلاں پیالہ میوے سے بھر کر لاؤ۔ اقبال نے تعمیل کی، جب وہ پیالہ لے کر آئے تو آپ نے اس کو ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ تیس سال سے یہ پیالہ میرے پاس ہے، آج میں یہ تمھیں دیتا ہوں، شیخ وجیہ الدین نے فوراً اپنا دامن پھیلا یا، آپ نے

وہ پیالہ اُن کے دامن میں ڈال دیا، اور فرمایا خدائے تعالیٰ تمہیں رزق، ایمان اور اپنی امان عطا کرے، شیخ وجہ الدین یوسف کا بیان ہے کہ جس روز سے آپ نے میرے لئے یہ دعا فرمائی اُس دن سے مجھے رزق اور نعمتوں کی کوئی کمی نہیں، میں خدائے تعالیٰ کی پناہ میں ہوں، اور مجھے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ مجھے اس دنیا سے بھی با ایمان لے جائے گا۔

سلطان المشائخ کی بارگاہ میں اُن کے تقرب و اختصاص کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سلطان المشائخ نے اُن کے متعلق فرمایا کہ درویشی کی روش میں کوئی شخص مولانا یوسف کے مثل نہیں، وہ اس راہ میں ثابت قدم سالکوں کی طرح چلتے ہیں۔

جب عہدِ علانی میں ایک شخص بادشاہ کی طرف سے چندیری کی فتح کے لئے مقرر ہوا، چونکہ وہ سلطان المشائخ کا مستقد تھا، اس لئے اُس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے بادشاہ نے چندیری فتح کرنے کے لئے مقرر کیا ہے، اگر آپ کی بارگاہ سے کوئی ساتھی میرے ساتھ ہو تو ہم اُس کی پناہ میں جائیں گے، اور ہمیں اس مقام کے فتح کی امید دانی ہوگی، سلطان المشائخ نے اُس کے ساتھ شیخ وجہ الدین یوسف کو روانہ کیا، جب وہ وہاں پہنچے تو تھوڑے ہی دن میں چندیری فتح ہو گیا، انھوں نے وہاں رہائش اختیار کر کے سلسلہ چشتیہ کی ایک خانقاہ قائم کی، اگر چندیری کے علاقے سے کوئی شخص سلطان المشائخ سے بیعت ہونے کے لئے آتا تو آپ فرماتے، تم چندیری میں جا کر شیخ وجہ الدین سے مرید ہو اور یہی تصور کرو کہ تم میرے مرید ہو، چندیری اور اس نواح کے

لے سیرالاولیاء باب چہارم، نکتہ دوم ص ۲۸۴

لے سیرالاولیاء باب چہارم ص ۲۸۶

بہت سے لوگ اُن کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، شیخ ذبیحہ الدین
یوسف کا مزار بھی چند ریری میں ہے یہ

شیخ کمال الدین شیخ بانہید کے صاحبزادے اور شیخ نصر اللہ بن بابا فرید
کے پوتے تھے، یہ حضرت سلطان المشائخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر
خلافت سے سرفراز ہوئے، جب شیخ کمال الدین نے سفر کی اجازت چاہی
تو آپ نے اُن کو ایک جلالی رسکے عنایت کر کے مالوے میں رشد و ہدایت
کے لئے روانہ کیا، اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق وہ مالوے پہنچے، اور
ساری عمر وہاں ارشاد و تلقین میں مصروف رہے یہ

مولانا مغیث الدین بھی اپنے پیر سلطان المشائخ کی اجازت سے ۱۲۷۴ھ
میں مالوے تشریف لائے اور آجین میں دریل کے کنارے سکونت اختیار
کی اور وہیں وفات پائی یہ

ہم نے گزشتہ اور ملق میں سلسلہ چشتیہ کی دو شاخوں یعنی صابریہ
اور نظامیہ کی اجمالی تاریخ ان دونوں سلسلوں کے موسس و بانی
کے ضمن میں اس لئے پیش کر دی تاکہ قارئین کو اس کا اندازہ ہو سکے کہ
حضرت بابا فرید کے فیوض و برکات سے نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان
کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔

شیخ جمال الدین احمد ہانسوی
شیخ جمال الدین احمد ہانسوی
بابا فرید کے عظیم المرتبت خلفاء میں
میں تھے، اُن کا سلسلہ نسب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ سے جا ملتا ہے یہ

۱۔ سیر الاولیاء - ص ۲۸۷

۲۔ سیر الاولیاء - باب سیوم فضائل نیرنگان شیخ شیوخ العالم فرید الدین ص ۱۹۸

۳۔ ایضاً مشائخ چشت - ص ۲۱۲ لکھ اخبار الاخیار - ص ۶۷

صاحب سیر الاولیاء نے ان کے مناقب و محامد کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

شیخ جمال الملت والدین ہانسوی الخطیب کہ جمال اہل حقیقت و
قدرة اہل طریقت بود، بعلم تقویٰ و لطافت طبع و درویشی مخصوص
و نظم او کہ دستور عاشقان خداست دلیل بر کمال عشق اوئی کند
اخبار الاخبار میں ہے کہ بابا فریدان کی محبت میں بارہ سال تک ہانسی میں رہے
ان کے تعلق فرمایا کرتے تھے کہ جمال ہمارا جمال ہے، کبھی فرماتے جمال میں چاہتا
ہوں کہ تم پر قربان ہو جاؤں۔

شیخ بہاء الدین ذکر یا ملتانی نے ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکر کو لکھا کہ
میرے تمام مریدوں اور خلفاء کو لے لو، اور جمال الدین کو مجھے دے دو، مروت
کی بات یہ ہے کہ سودا درہم برہم نہ کیا جائے، حضرت بابا فرید نے ان کو جواب
میں لکھا، جمال میرا جمال ہے، معاوضہ مال میں ہو سکتا ہے نہ جمال میں۔
شیخ جمال کو بابا فرید کی بارگاہ میں اس قدر تقرب و اختصاص حاصل تھا
کہ آپ جس مرید کو خلافت نامہ عطا فرماتے، اُس سے ارشاد فرماتے کہ جمال کے
پاس جاؤ، اگر وہ اس کی تصدیق کریں گے تو تمہاری خلافت درست ہوگی
ورنہ نہیں۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بابا فرید نے ایک شخص کو خلافت نامہ
دیا اور اس سے فرمایا کہ جب تم ہانسی جاؤ تو اسے ہمارے جمال کو دکھانا،
جب وہ شخص ہانسی پہنچا، اور وہ خلافت نامہ شیخ جمال کو دکھایا تو شیخ جمال
نے اُس خلافت نامے کو پھاڑ دیا، اور فرمایا کہ تم خلافت کے اہل نہیں ہو وہ شخص
اجودھن واپس آیا، اور پھٹا ہوا خلافت نامہ حضرت بابا فرید کو دکھایا، بابا صاحب

نے فرمایا کہ جمال کے پھاڑے ہوئے کو فرید نہیں ہی سکتا،
 بڑے بڑے خلفاء بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، سلطان المشائخ خواجہ
 نظام الدین محبوب الہی تو جب خلافت نامہ عطا کیا تو فرمایا کہ یہ خلافت نامہ شیخ
 جمال کو ہانسی میں اور شیخ نجیب الدین کو دہلی میں دکھانا۔ جب انھوں نے اپنا
 خلافت نامہ ہانسی میں شیخ جمال کو دکھایا تو انھوں نے نہایت خوش ہو کر
 یہ شعر پڑھا۔

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
 کہ گوہر سپردہ بگم ہر شناس

شیخ جمال کی خشیت الہی، زہد و ریاضت اور عبادت کا یہ عالم تھا کہ شیخ جمال
 کے پوتے قطب الدین سنور کا بیان ہے کہ جس روز سے آپ نے یہ حدیث سنی

۱۷ سیرالاولیاء ص ۱۷۸ ۱۷ سیرالاولیاء ص ۱۷۹ و ۱۱۶ ۱۷ سیرالاولیاء ص ۱۱۷
 ۱۷ شیخ قطب الدین سنور شیخ جمال ہانسی کے پوتے اور شیخ برہان الدین صونی کے
 صاحبزادے تھے، حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے حلقہ ارادت
 میں خلافت سے سرفراز ہوئے، سیرالاولیاء میں ہے کہ جب سلطان المشائخ کے خلفاء
 کے خلافت نامے لکھے گئے تو شیخ قطب الدین سنور اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی
 حاضر تھے، آپ نے پہلے شیخ قطب الدین سنور کو خلعت خلافت عطا فرما کر
 وصیت فرمائی اور ان کو خلافت نامہ عطا ہوا، پھر سلطان المشائخ نے ان سے فرمایا جاؤ
 اور جماعت خانے میں جا کر دگنا نہ ادا کرو۔ جب وہ باہر آئے تو دوستوں نے مبارکباد
 دی، پھر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو خلافت عطا کر کے وصیت فرمائی، اور ان کو
 بھی خلافت نامہ دیا، پھر شیخ قطب الدین سنور کو بلوایا کہ ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود
 کو خلافت کی مبارکباد دو، پھر حکم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو،
 کیونکہ تم بھائی ہو، تقدم و آخر کا بالکل خیال نہ کرنا۔ جب شیخ قطب الدین سنور دہلی سے

کہ القبر روضتہ من ریاض الجنۃ او حفرة من حفرة النيران قبریا
تو ایک باغ ہوگی جنت کے باغوں میں سے یا دوزخ کا ایک گڑھا ہوگا اسی وقت
سے آپ بے قرار رہنے لگے اور اس طرف زیادہ متوجہ رہتے رہے۔

زہد و ریاضت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شیخ جمال کی ایک خادمہ تھیں
جن کو شیخ جمال اُن کی عبادت و تقویٰ کی وجہ سے مومنوں کی ماں کہا کرتے تھے۔
ایک دفعہ حضرت بابا فرید نے اُن سے پوچھا، مومنوں کی ماں ہمارے جمال کا کیا
حال ہے، اُنھوں نے جواب دیا کہ حضور جس دن سے وہ آپ سے مرید ہوئے ہیں
اُس روز سے وہ دنیا سے قطع تعلق کر کے، بھوک اور سختیوں کو برداشت کر رہے
ہیں۔ آپ نے یہ سنا تو خوش ہو کر فرمایا الحمد للہ اچھی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ ۵)

رخصت ہونے لگے تو رخصت ہوتے وقت سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا کہ تمہارے
دو شیخ جمال الدین ہانسوی کو ہمارے شیخ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے خلافت عطا
کرتے وقت عوارف کا ایک نسخہ عطا فرمایا تھا، جب میں خلافت سے سرفراز ہو کر ہانسی
گیا تو شیخ جمال الدین وہ نسخہ میرے پاس لائے، اور فرمایا کہ مجھے یہ نسخہ میرے شیخ بابا
فرید نے خلافت عطا کرتے وقت بہت سی نعمتوں کے ساتھ دیا تھا، میں آج تک
یہ دے کر اس لئے اشارہ کر رہا ہوں کہ شاید میری اولاد میں سے کوئی تم سے وابستہ ہو، تم اُسے دینی
اور دنیوی نعمتوں سے کہ جن سے تم سرفراز کئے گئے ہو محروم نہ رکھنا، پھر عوارف کا وہ نسخہ
آپ نے مجھے عنایت فرمایا۔ (سیر الاولیاء ص ۲۵۰-۲۵۱)

خزینۃ للاصفیاء میں ہے کہ شیخ قطب الدین منور نے شکر میں وفات پائی۔

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

۱۵ سیر الاولیاء ص ۱۸۲ و اخبار الاخبار ص ۶۸

۱۶ سیر الاولیاء ص ۱۸۰-۱۸۱ و اخبار الاخبار ص ۶۸

شیخ جمال نے حضرت بابا فرید گنج شکر کی حیات ہی میں ۶۵۹ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار ہانسی میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

شیخ جمال شاعر اور صاحب تصنیف تھے، اُن کا فارسی میں ضخیم دیوان چھپ چکا ہے، اُن کی تصانیف میں ایک رسالہ لمحات کا پتہ چلتا ہے، جس کے اقتباسات شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں دیئے ہیں۔

شیخ جمال کے دو صاحبزادے تھے، بڑے صاحبزادے مجذوب تھے، چھوٹے صاحبزادے مولانا برہان الدین تھے، شیخ جمال کی وفات کے بعد اُن کی خادمہ جو مومنوں کی ماں کہلاتی تھیں، مولانا برہان الدین کو حضرت بابا فرید کی خدمت میں لے کر آئیں، حضرت بابا فرید اُن کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئے اور اپنی بیعت کا شرف بخشا۔ مومنوں کی ماں نے حضرت بابا فرید سے کہا کہ ”خو جابر ہان بالا ہے“ حضرت بابا فرید نے فرمایا ”پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے“ یعنی چودھویں کا چاند بھی پہلی شب کو چھوٹا ہوتا ہے، یہ ہیں وہ اُردو کے ابتدائی نقرے جو اُردو کے ابتدائی محسن حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کی زبان سے ہمیں سیرالاولیا میں ملتے ہیں۔

شیخ نجیب الدین متوکل حضرت بابا فرید گنج شکر کے برادر حقیقی،

اُن کے مرید اور عظیم المرتبت خلیفہ تھے، حضرت بابا فرید نے اُن کو حکم دیا تھا کہ وہ دہلی جائیں، اور وہیں توطن اختیار کریں، چنانچہ وہ دہلی آکر منڈی دروازے میں مقیم ہو گئے، یاد الہی میں اس قدر مستغرق رہتے تھے کہ انھیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ آج کون سا دین ہے یا کون سا ہمینہ ہے، یا غلہ شہر میں کس بھاؤ سے بک رہا ہے، درویش اور دولت مند

اُن کی نظر میں یکساں تھے یہ

ایک دفعہ شیخ نور الدین مبارک نے اُن سے پوچھا کہ آپ شیخ فرید گنج شکر کے بھائی ہیں؟ فرمایا کہ ہاں میں اُن کا برادرِ صوری ہوں، لیکن برادرِ معنوی کون ہو سکتا ہے، پھر شیخ نور الدین نے پوچھا کہ شیخ نجیب الدین متوکل آپ ہی کو کہتے ہیں؟ فرمایا ہاں نجیب الدین متوکل میں ہوں، لیکن متوکل کون ہو سکتا ہے یہ

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی بیان ہے کہ میں حضرت بابا فرید گنج شکر سے بیعت ہونے سے پہلے گیسو رکھا کرتا تھا، ایک دن میں نے شیخ نجیب الدین متوکل سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمائیے کہ میں کسی جگہ کا قاضی ہو جاؤں، لیکن آپ نے میری اس بات پر توجہ نہ فرمائی مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ نے سنا نہیں، پھر میں نے یہی بات دوبارہ عرض کی تو سکر اکر فرمایا، تم قاضی نہ بنو کچھ اور بنو۔

شیخ نجیب الدین کا قول تھا کہ جب مال آئے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرو کیونکہ خرچ کرنے سے کمی نہیں آتی اور جب جائے تو اس کی پروا نہ کرو کیوں کہ یہ پائیدار نہیں ہے

اُن کا معمول تھا کہ وہ ہر سال دہلی سے حضرت بابا فرید شکر گنج کی زیارت کے لئے اجودھن (پاک پٹن) جاتے تھے۔ جب واپس ہونے لگتے تو حضرت بابا فرید سے عرض کرتے میرے لئے دعا فرمائیے کہ آئندہ سال پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ دعا کر کے فرماتے کہ تم انشاء اللہ بار بار ہمارے پاس آؤ گے، اس طرح وہ انیس مرتبہ اجودھن آپ کی زیارت کے لئے حاضر

ہوئے۔ اُنیسویں مرتبہ جب روانہ ہونے لگے تو حسبِ عادت اُنھوں نے دعا کئے
گزارش کی لیکن اس مرتبہ بابا صاحب نے دعا نہ کی، اس مرتبہ جب وہ دہلی پہنچے
تو اُن کی وفات ہو گئی۔

شیخ عارف سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ عارف حضرت بابا فرید گنج شکر
کے خلفاء میں تھے، ان کے بیعت ہونے کا واقعہ یہ ہے
کہ یہ اُنج اور ملتان کے بادشاہ کے امام تھے یا ان کا بادشاہ سے کوئی اور تعلق تھا
بہر حال ایک مرتبہ بادشاہ نے ان کو سوٹنے دے کر حضرت بابا فرید کی خدمت
میں بھیجا کہ وہ اُس کی طرف سے آپ کی خدمت میں نذر پیش کریں، لیکن اُنھوں
نے پچاس خود رکھ لئے اور پچاس ٹٹکے حاضر ہو کر بابا فرید کی خدمت میں پیش
کئے، حضرت بابا فرید نے اُن سے مسکراتے ہوئے فرمایا، تم نے خوب برادرانہ
تقسیم کی ہے، اُنھوں نے شرمندہ ہو کر بقیہ ٹٹکے بھی آپ کی خدمت میں
پیش کئے، اور مرید ہونے کے لئے عرض کیا، حضرت بابا فرید نے
ان کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا، اور
سیوستان بھیج دیا۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۱۶۹ و سیر العارفین ص ۱۰۲

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۸۴

(۶۷)

شیخ فتح شاہ شطاری

حالات شیخ فتح شاہ شطاری شاہ لطیف برہان پوری کے
عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، اُن کا سلسلہ طریقت
چند واسطوں سے سید محمد غوث گوالیری سے جا ملتا ہے، سلسلہ طریقت
یہ ہے:-

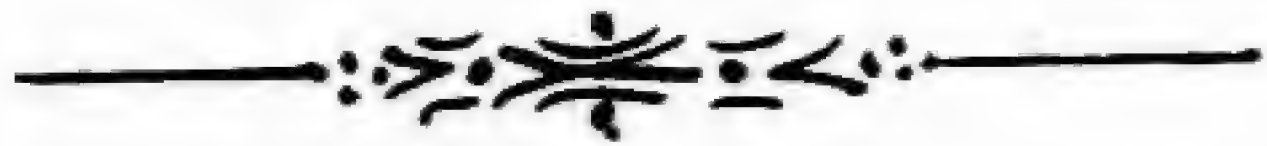
شیخ فتح شاہ، شاہ لطیف برہان پوری، شیخ برہان
اسرار الہی، شیخ عیسیٰ زندہ دل، شیخ وجہ الدین گجراتی،
سید محمد غوث گوالیری۔

شیخ فتح شاہ شطاری کو سات سال کی عمر میں اُن کے والد
شیخ برہان اسرار الہی کی خدمت میں لے کر آئے، اور اُن کو شیخ برہان اسرار
الہی کے حلقہ ارادت میں داخل کیا، شیخ برہان اسرار الہی نے ان کو ظاہری و
باطنی تربیت کے لئے شیخ عبد اللطیف کے حوالے کیا، اس طرح شیخ فتح شاہ
نے تربیت روحانی شیخ عبد اللطیف سے حاصل کی، اور غیر معمولی
جذب و استغراق کی وجہ سے، فتح شاہ سرمست کے خطاب سے

مشہور ہوئے۔

لاہور میں تشریف آوری اپنے مرشد کے ارشاد کی بناء پر شیخ فتح شاہ لاہور تشریف لائے اور یہیں ارشاد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

وفات شیخ فتح شاہ نے ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی، ان کا مزار پُرانوار لاہور سے باہر مرجع خاص و عام ہے۔



(۶۸)

شاہ کا کو لاہوری

شاہ کا کو لاہوری، شیخ نور الدین قطب عالم کے نامور حالات خلفاء میں تھے ان کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت بابا فرید گنج شکر سے جاملتا ہے، وہ ایک طویل عرصہ تک شیخ پیر محمد حشتی لاہوری کی خدمت میں بھی رہے تھے اور ان سے بھی فیوض باطنی کا اکتساب کر کے سلسلہ چشتیہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔

لاہوریں ماموری علوم باطنی کی تکمیل کے بعد وہ اپنے شیخ کی طرف ارشاد و تلقین اور اعلا و کلمۃ الحق کے لئے لاہور میں مامور کئے گئے، اور اس سرچشمہ ہدایت سے سیکڑوں طالبان حق نے ہدایت کی راہ پائی، تحقیقات چشتی میں بھی آپ کے حالات کی کچھ تفصیل ملتی ہے یہ

شاہ کا کو لاہوری نے ۸۸۲ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار پرا نوار لاہور میں مسجد شہید گنج کے قریب واقع ہے یہ

وفات

سے یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۰۰ سے ماخوذ ہے یہ تحقیقات چشتی تالیف مولوی نور محمد مطبوعہ حمید یہ سسٹم پریس لاہور ص ۱۲۰ سے خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۰۰

(۴۵)

شیخ کبیر الدین اسماعیل سہروردی

حالات شیخ کبیر الدین اسماعیل سہروردی حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید اور خلیفہ اور ان کے نواسے تھے، حضرت مخدوم جہانیاں کی وفات کے بعد وہ حضرت سید صدر الدین راجو قتال کی خدمت میں حاضر رہے اور ان سے علوم باطنی کی تکمیل کر کے ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

اولاد شیخ کبیر الدین کے دو خوبصورت فرزند تھے، ایک صاحبزادے کا نام عبدالشکو اور دوسرے صاحبزادے کا نام عبدالغفور تھا، ان دونوں صاحبزادوں نے اپنے والد سے تربیت حاصل کی تھی، دونوں صاحبزادے علما شرعیہ و طریقت میں کامل تھے، اور اپنے والد سے مرید تھے۔
وفات :- شیخ کبیر الدین نے ۸۲۵ھ میں وفات پائی۔

(۷۰)

سید کبیر الدین حسن

نام و نسب آپ کا نام سید کبیر الدین تھا، آپ کے والد کا نام پیر صدر الدین تھا، خاندان سادات میں سے تھے،

سید پیر صدر الدین اسماعیلی خوجہ جماعت کے سب سے بڑے داعی ہیں، یہ خراسان سے پاکستان آئے، ان کی نسبت آغا خانیوں کا بیان ہے کہ آغا خان کے مودت اعلیٰ شاہ اسلام شاہ نے ان کو داعی بنا کر ایران سے بھیجا تھا، جو لوگ ان کے یا ان کی اولاد کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے وہ شروع سے اسماعیلی تھے اور ان کو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ بھیجتے تھے، پیر صدر الدین نے ایران سے یہاں آکر اسماعیلیوں کی تین جماعتیں منظم کیں، جن کے منتظم پنجاب میں سکھی سیٹھ شام داس لاہوری، کشمیر میں سیٹھ تنسی داس اور سندھ میں سکھی ترکیم تھے، سندھ اور پنجاب میں لوہانہ قوم کے بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اور پیر صدر الدین کے ہاتھوں پہلا اسماعیلی جماعت خانہ سندھ کے ایک گاؤں کو ہارامی قائم ہوا، اسماعیلیوں کے بیان کے مطابق پیر صدر الدین مندرجہ میں سنوار میں پیدا ہوئے، اور ۱۲۱۵ھ میں ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

سید کبیر الدین حسن بن سید صدر الدین محمود بن سید شہاب الدین
بن سید نصیر الدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین صلاح
بن سید اسلام الدین، بن سید عبدالمومن بن سید خالد بن سید
عجیب الدین بن سید محمود بن سید محمد ہاشم بن سید احمد ہادی
بن سید جمال مستنصر بن سید عبدالمجید بن سید غالب بن سید
منصور بن سید اسماعیل بن سید نور الدین بن سید اسماعیل بن
حضرت امام جعفر صادقؑ۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ ۵۱)

ریاست بھاول پور کے سرکاری گزٹیر میں پیر صدر الدین کا ذکر حاجی سید صدر الدین کہہ کر
کیا گیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ اکثر ہندوؤں کے درمیان رہتے، اور انھوں نے بہت
سے ہندوؤں کو مسلمان کیا، ہندو انھیں پھر ناتھ کہتے ہیں، سندھ کے خوجوں نے
ان کا روضہ تعمیر کیا،

بھاول پور گزٹیر کے مطابق سید صدر الدین کا سلسلہ امام حسین علیہ السلام سے
تیسویں پشت میں جاتا ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی وفات آج میں ہوئی، لیکن
انھوں نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری نعش کو ہندوؤں میں بند کر کے اونٹ پر رکھ دیا
جائے، جہاں یہ اونٹ بیٹھے وہیں مجھے دفن کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اونٹ ریاست بھاول پور
کے ایک گاؤں تزنڈہ گورگن کے قریب رک گیا، اور وہیں مزار تعمیر ہوا، ان کے قریب ہی پیر صدر الدین
— کے صاحبزادے سید غیاث الدین دفن ہیں، بھاول پور میں پیر صدر الدین کو چوراسی
روضے والا صاحب بھی کہتے ہیں، کیوں کہ ان کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی اولاد میں چوراسی
اولیا ہوئے اب کوثر ص ۳۸۹ تا ۱۹۹ بھولہ اسماعیلیوں کی تاریخ (انگریزی) از سٹراے
ایس پگلے ص ۶۳-۶۴ و بھاول پور گزٹیر ۱۹۰۴ء

لقب سید کبیر الدین حسن "حسن دریا" کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ اس لقب سے شہرت کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ سندھ سے ہندوؤں کا ایک قافلہ جاترا کے لئے روانہ ہوا، جب یہ قافلہ آج پہنچا تو ان کی ملاقات سید کبیر الدین حسن سے ہوئی، سید کبیر حسن کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ جاترا کے لئے جا رہے ہیں، آپ نے ان سے یہ فرمایا تم اتنی دور کیوں جاتے ہو میں تمہیں گنگا اور جمنا کے درشن یہیں کرائے دیتا ہوں بشرطیکہ تم اسلام قبول کر لو، انہوں نے آپ کی یہ بات منظور کر لی، پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ اچھا اب تم گنگا اور جمنا کی علامتیں متعین کر لو۔ پھر دیکھو کہ تمہیں یہ علامتیں نظر آتی ہیں یا نہیں، چنانچہ انہوں نے علامتیں متعین کر لیں، دوسرے دن صبح کے وقت ان جاتریوں نے دیکھا کہ گنگا اور جمنا دونوں ان کے قریب سے بہہ رہی تھیں، اور ان میں وہ سب علامتیں موجود تھیں جو انہوں نے متعین کی تھیں، جاتریوں نے اپنے عہد کے مطابق اسلام قبول کر لیا، اُس وقت سے پیر کبیر الدین "حسن دریا" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تبلیغ اسلام اخبار الاخیار میں ہے کہ سید کبیر الدین حسن نے بہت سیاحت کی، پھر وہ آج میں سکونت پذیر ہو گئے کہتے ہیں کہ ان کی عمر ایک سو اسی سال کی تھی، یہ بھی مشہور ہے کہ ان سے خوارق کا ظہور ہوتا تھا، ان کی مشہور کرامت کفار کو اسلام کی طرف لانا تھا، جب وہ کسی کافر کے سامنے اسلام پیش کرتے تو اس کی مجال نہ تھی کہ وہ اسلام قبول نہ کرے، وہ بے اختیار ہو کر اسلام قبول کرتا، کفار کی جماعتیں ان کے پاس آتیں اور اسلام قبول کرتیں، کہتے ہیں کہ یہ صفت ان کی بعض اولاد میں بھی موجود تھی۔

تاریخ اُچ میں ہے کہ سید کبیر الدین حسن کے پردادا سید شاہ شمس الدین سبزواری۔ ۵۹۸ھ میں ملتان آئے، اور وہیں ۵۷۲ھ میں وفات پائی، سید کبیر الدین حسن سبزواری سلسلے کے ذکر و شغل میں مصروف رہے، اور اُسی کی ۵۷۲ھ خوجوں کے دوسرے مبلغ شاہ شمس تھے، جو ملتان میں ایک بڑے شاندار دھن میں آرام فرما ہیں، انھیں عام طور پر شاہ شمس تبریز کہا جاتا ہے، لیکن خود روایات کے مطابق وہ ایران کے شہر سبزواری سے تشریف لائے، اُن کی نسبت عوام میں مختلف روایتیں مشہور ہو گئیں، اولیاء اور مشائخ کے بعض تذکروں میں اُن کو صوفیائے کرام میں شمار کیا گیا ہے، ان کی نسبت ایک روایت مشہور ہے کہ ملتان کے ایک قصاب نے انھیں گوشت کی بوٹی بھون کر دینے سے انکار کیا تو انھوں نے سورج کی طرف ہاتھ اٹھایا، سورج سوانیرے پر آگیا جس سے انھوں نے بوٹی بھون لی، لیکن شہر میں قیامت برپا ہو گئی۔

پنجاب کی ایک جماعت جو بظاہر ہندوؤں میں شامل ہے اور خوجوں کے موجودہ امام آغا خان کو اپنا دیوتا تسلیم کرتی ہے، اپنے آپ کو شاہ شمس کے نام پر شمسی کہتی ہے۔ خوجوں کی تاریخ باغ المبین کے مطابق آپ کی وفات ۷۳۷ھ میں ہوئی، لیکن یہ تاریخ غالباً غلط ہے، ملتان گزیٹر کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت ۱۱۶۵ھ ہے، اور آپ کو حضرت بہاء الحق بہاء الدین زکریا ملتانی کے ہم عصر لکھا ہے (آب کوثر ص ۳۸۷ و ۳۸۸)۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے اُن شیخ شمس الدین تبریزی کے حالات میں جو شیخ سلسلہ بات تبریزی اور بابا کمال خجندی کے مرید تھے، اور مولائے روم سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے لکھا ہے کہ وہ شیخ شمس الدین جو ملتان میں مشہور ہیں، وہ ان شمس تبریزی کے علاوہ ہیں، شیخ شمس الدین ملتانی موسوی سادات میں سے ہیں، اُن کی اولاد شیعہ مذہب رکھتی ہے، اور لاہور وغیرہ میں سادات شمسی سے مشہور ہیں۔

(خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم ص ۲۷۰)

تلقین وارشاد فرماتے رہے، مگر آپ کی اولاد کا مذہب اثنا عشری ہے۔
خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ :-

سید کبیر الدین حسن قدس سرہ از سادات عظام پنجابری است
وافراز خاندان حضرت مخدوم جہانیاں یافت و کیمالات رسید بعد از
آن بسیر ربع مسکون پرداخت و باز در آج آمدہ سکونت پذیر شد
وہاں جا وفات یافت۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ سید کبیر الدین حسن نے ۸۹۹ھ میں وفات پائی
اور ان کا مزار آج میں ہے۔

وفات

سید کبیر الدین حسن کی اولاد کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی
نے لکھا ہے :-

اولاد

گویند بعضے از اولاد او بسبب اغوائے نفس و دنیا بہ بدعت ہا
مبتلا شدند، و اختراعات عجیب پیدا کر دند و بہ چیز ہائے غریب
منسوب گشتند، و اللہ اعلم، و این سبب طعن و بدنامی سلسلہ
او باشد کہ وفات او بہشت صد و نود و شش و قبر او در آج است۔

۱۔ تاریخ آج از مولوی حفیظ الرحمن

۲۔ اخبار الاخیار ص ۲۱۳

۳۔ ایضاً

(۷۱)

سید کامل شاہ لاہوری

حالات سید کامل شاہ لاہوری بخارا کے سادات میں سے تھے، ابتداءً انھوں نے طریقہ قادریہ میں بیعت کی، اور قادریہ سلوک کی تکمیل کی، پھر شیخ الہ دادمداری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا، اور لوگوں میں سید دیوان کامل کے لقب سے شہرت پائی۔

ورود لاہور سید کامل شاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں بخارا سے لاہور تشریف لائے اور موضع بابوسا کے قریب ایک جنگل میں قیام فرمایا، اور بہت سے لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

وفات سید کامل شاہ لاہوری نے اسی جنگل میں ۱۰۰۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کے ایک مرید عبدالرحیم نامی نے آپ کے مزار پر گنبد بنانا چاہا، لیکن اس نے خواب میں دیکھا کہ آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہمیں یہی پسند ہے کہ ہماری قبر خام ہی

رہے، تمہیں ہمارے مزار پر گنبد تعمیر نہ کرنا چاہئے۔
 صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے آپ کا سزا و فات اس شعر سے
 نکالا ہے۔

جناب شیخ کابیل صدر دیوان
 بعلم عشق عامل قطب عالم
 نداشتد بہر سال انتقالش
 کہ شاہنشاہ کابیل قطب عالم
 ۱۰۰۵ھ



(۷۲)

شاہ لطیف بڑی

حالات شاہ لطیف بڑی پنجاب کے مشہور صوفیائے کرام میں سے ہیں، افسوس ہے کہ اُن کی زندگی کے حالات ہمیں تذکروں میں نہیں ملتے، تاخر تذکرہ نگاروں میں مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی کتاب حدیقۃ الاولیاء میں اُن کا تذکرہ صرف چند سطروں میں کرتے ہوئے لکھا ہے :-

شاہ لطیف بڑی قادری قدس سرہ بزرگان پنجاب سے یہ حضرت بڑے بزرگ مشہور ہیں، حضرت کے خوارق و کرامات ہزاروں مشہور ہیں، حضرت بڑے عابد و زاہد، گوشہ نشین مست و مجذوب تھے، ہزاروں مرید مدارج تکمیل کو پہنچے، حضرت نے نعمت باطنی حضرت حیات المیر زندہ پیر سے پائی، جو حضرت غوث الاعظم کے پوتوں سے زندہ جاوید ہیں۔ حضرت کی وفات ۹۶۳ھ میں ہوئی، اور روضہ مقدس مشہور ہے یہ

سلسلہ بہلول شاہی

پادری عبد السبحان نے اپنی کتاب صوفیہ
سینٹ این ٹرائیٹ میں لکھا ہے کہ شاہ

لطیف ملقب بڑی سلطان، حضرت حیات المیر سے بیعت تھے، اور حیات المیر
حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے سلسلے میں بیعت تھے، بہلول
شاہی سلسلہ حضرت شاہ لطیف بڑی کے مرید بہلول شاہ سے چلا۔

ثمر جالندھری نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ حضرت شاہ لطیف
بڑی کی ولادت باسوادت موضع جولیاں کرسال ضلع جہلم میں ہوئی، وہ بچپن
ہی سے عبادت و ریاضتوں کی طرف مائل تھے، ان کے والد کا اسم گرامی
شاہ محمود تھا، شاہ محمود نے کئی دفعہ انھیں بھینس چرانے کا کام سپرد کرنا چاہا
لیکن وہ اس طرف متوجہ نہ ہوئے اور عبادت و ریاضت میں لگے رہے،
بعض مخالفتوں کی وجہ سے شاہ محمود ترک وطن کر کے راولپنڈی ضلع کے
علاقہ گولڑھ کے ایک گاؤں ”باغ کلاں“ میں آکر سکونت پذیر ہو گئے، یہاں
آنے کے بعد بھی شاہ لطیف کو کوئی دنیاوی اثر نہیں ہوا، بلکہ وہ عبادت الہی میں

سہ شیخ بہلول دریائی، قادریہ سلسلے کے جلیل القدر شیوخ میں تھے، وہ شاہ لطیف بڑی
قادری کے مرید و خلیفہ تھے، حقیقت الفقراء میں ہے کہ وہ شاہ لطیف بڑی کی
وفات کے بعد تصوف کے بعض مشکل مسائل حل کرنے کے بجٹ اشرف گئے۔
اور حضرت علیؑ کے روضہ مبارک پر دو سال تک مستحکم رہے، پھر کربلائے معلیٰ حاضر
ہوئے، اور روضہ امام حسینؑ پر حاضر ہوئے، اور باطنی نعمتوں سے سرفراز
ہوئے۔ پھر بغداد حاضر ہوئے، اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے
روضے پر ایک سال تک مستحکم رہے، شیخ بہلول نے ۹۸۳ھ میں وفات
پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۳۲)۔

سہ صوفیہ نمائش سینٹس اینڈ ٹرائیٹس بمصنفہ۔ جان۔ اے۔ سبحان۔

مصرف رہے۔

تعلیم چنانچہ اُن کے والد نے تعلیم کے لئے کیمبل پور کے ایک مقام غور غشتی میں اُن کو بھیج دیا۔

علوم ظاہری کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ حج کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوئے، اور حج و زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹے۔

وطن واپس تشریف لانے کے بعد وہ ریاضتوں میں رشد و ہدایت مشغول ہو گئے، اور اپنے وطن ہی میں انھوں نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی شاہ لطیف بڑی کی تبلیغی کوششوں سے یہاں کی دو قوموں ڈھونڈا اور رستی میں اسلام پھیلا اور انھیں کی نورانیت اور ضیاء یوں کے باعث یہ موضع جو پہلے چور پور کہلاتا تھا نور پور سے مشہور ہوا، اور غالباً یہ انھیں بزرگ کی برکت کا اثر ہے کہ نور پور پاکستان کے نئے دارالحکومت اسلام آباد میں مرکزی مقام کی حیثیت حاصل کر رہا ہے۔

خلفاء شاہ لطیف بڑی کے خلفاء میں، شاہ حسین خاص طور پر مشہور ہیں، جن کی بیٹھک شاہ لطیف بڑی کے مزار کے بالکل سامنے ہے، اس بیٹھک پر یہ مصرعہ لکھا ہوا ہے۔

میرے رشد کی گلی کی خاک بھی لکیر ہے

شاہ حسین کا مزار بھی حضرت شاہ لطیف بڑی کے مزار کے باہر

ہے۔

شاہ بڑی کا میلہ سالہا سال سے شاہ بڑی کا میلہ راوی پٹی شہر سے بارہ میل دور نور پور شاہاں میں

بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے دور دور سے زائرین کے علاوہ ناچنے گانے والی طوائفیں آتی تھیں، رقص و سرود کی محفلیں جمتی تھیں۔

جُوے کا سلسلہ بھی ہوتا تھا۔

لیکن موجودہ انقلابی حکومت نے، جہاں ملک میں بہت سی اصلاحیں کی ہیں، اس میلے کی بھی مزاحزافات کو قانوناً بند کر دیا، طوائفوں کو اس میلے میں جو ان بزرگ کے نام سے موسوم ہے روک دیا، قمار بازی کا خاتمہ کر دیا، چاقو، چھری، نیزے، بھالے اور اسلحہ لے کر میلے میں چلنے کی ممانعت کر دی، اور اس طرح اس میلے کو ان خرافات سے پاک کر دیا، جو اخلاق عامہ کے لئے مضر، اور ان بزرگ کی روح پر نتوح کو صدمہ پہنچانے والے تھے۔

میلے کے بعد ہی شاہ لطیف بڑی کا عرس ہوتا ہے، اور نہ اترین دور دور سے اس

شاہ بڑی کا عرس
عرس میں شریک ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ تمام تفصیل نمر جالندھری کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے، جو بڑی کامیہ کے عنوان سے کسی اخبار میں شائع ہوا تھا اخبار کا وہ حصہ جس میں مضمون شائع ہوا تھا مجھے محب محترم جناب ڈاکٹر عبد اللہ خٹائی نے بھیج دیا تھا، اتفاق سے اس حصہ پر اس اخبار کا نام نہیں تھا۔

(۷۳)

شیخ حاجی لکن شوریانی قصوی

حالات شیخ حاجی لکن شوریانی قصوری حضرت پیر کیارہ کی اولاد میں تھے، خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ وہ تفرید و تجرید، تقویٰ و تقدس کی انتہائی منزل فائز تھے، انھوں نے سات حج کیے، احتیاط شرعی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت چہرے پر نقاب ڈالے رکھتے تاکہ نظر کسی نامحرم پر نہ پڑ جائے۔ لیکن اس پر بھی مطمئن نہ تھے، بہت سے بزرگانِ کرام کی خدمت میں پہنچے، لیکن اطمینانِ قلب کی دولت نہ حاصل کر سکے، جب ساتویں مرتبہ حج کے لئے پہنچے، وہاں رو رو کر دعا کی، اشاہ غیبی ہو کہ تمھاری مشکلات کا حل شیخ عیسیٰ مشوانی کے پاس ہے، فوراً ہی ہندوستان واپس ہو کر شیخ عیسیٰ مشوانی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُن کا طریقہ ملا متیہ تھا، اکثر شراب کے

لے ملا متیہ وہ ہیں کہ انھوں نے خلافتِ شرع کسی چیز سے اپنے آپ کو منہم کیا ہے، تاکہ لوگ ان سے پرہیز کریں اور وہ تنہائی میں اطمینان سے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رکھیں اور اس طرح مخلوق کی

نشے میں مست رہتے تھے، حاجی لگن نے یہ رنگ دیکھ کر زاپسی کا ارادہ کیا، شیخ نے اُن کو بلایا اور کہا کہ تم بہت سے شیوخ کی خدمت میں حاضر رہے، لیکن اطمینان کی دولت کہیں سے نہ پاسکے، اب اشارہ غیبی کی بنا پر تم ہمارے پاس آئے ہو، ابھی تک تو صحیح معنی میں ہماری تمھاری ملاقات بھی نہیں ہوئی اور تم واپس چلے جا رہے ہو، یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟ شیخ عیسیٰ مشوانی کی اس بات کا اُن پر اثر ہوا، اور شیخ عیسیٰ کی صحبت میں رہ کر اُنھوں نے طریقہ ملامتہ حقیقا کیا، چار ابرو کا صفایا کرایا، کہا کرتے تھے کہ یہ زمیّت دُنیا ہے، اپنے آپ کو اس سے دور رکھنا چاہئے، ہرقت اپنے پاس آگ روشن رکھتے، اگر اُن کے پاس کوئی شخص کوئی چیز لاتا تو آگ میں ڈال دیتے۔

شیخ حاجی لگن نے ۱۰۴۳ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار
وفات قصور میں واقع ہے۔ ۱۰۴۳ھ



(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ ۱۰۴۳ھ)

آف سے چھٹکارا حاصل کریں، اور اپنے وقت کو ضائع نہ ہونے دیں۔

کشف اللغات میں مادۂ قلندر یہ کے ضمن میں مذکور ہے کہ صوفی، قلندر اور ملامتی میں فرق یہ ہے کہ صوفی وہ ہے کہ اس کے قلب کو دنیا کی طرف التفات نہ ہو، اور ہمیشہ ہی اپنے وحدت میں مستغرق رہے، قلندر یہ اس کو کہتے ہیں کہ جو تجرید و تفرید بدرجہ کمال رکھتا ہو، اور عبادت و ریاضت میں کوشش کرتا ہو، ملامتی وہ ہے کہ جو اپنی عبادت اہل دنیا پر اظہار نہ کرتا ہو، اور چھپ کر عبادت میں مصروف رہے۔ (سینا بیح الحیوۃ الابدیہ قلمی جلد اول باب اول فصل دوم - تالیف مخدوم ابوالحسن)

(نوٹ صفحہ ہذا) ۱۰۴۳ھ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۶۸ سے ماخوذ ہے۔

(۷۴)

سید مٹھالاہوری

حالات آپ کا اصل نام سید ابی غفار حسینی تھا، آپ کا شجرہ نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ہے، آپ کا شجرہ نسب یہ ہے۔

سید مٹھابن جمال الدین بن سید محمد بن سید کریم الدین بن سید نور الدین بن سید آدم بن سید علی جعفر بن سید محمد بن سید یوسف بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ اشقری بن جعفر بن سید محمد الجواد بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

سید مٹھالاہوری سادات اور مشائخ کے خانوادے سے تھے، یہ خاندان خوارزم میں سکونت پذیر تھا، لیکن جب خوارزم چنگیز خاں کی قتل و غارتگری

سے ۲۰ رذی قعدہ ۵۲۹ھ کو میسوکا بہادر کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، اسی سال

سے تباہ ہوا تو آپ کے والد ماجد سید جمال الدین خوارزم سے ہندوستان آئے،
 اور لاہور میں سکونت اختیار کی، لاہور کے رہنے والے اُن کے بے حد معتقد
 ہو گئے، اور جوق در جوق اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر سبیت ہونے لگے۔
 اپنے والد کی وفات کے بعد سید میٹھا سجادہ شہخت پر رونق افروز
 ہوئے، چوں کہ نہایت شیریں کلام تھے، اس لئے میٹھا کے لقب سے
 ہوئے، یہاں تک کہ جس محلہ میں آپ رہتے تھے وہ محلہ بھی سید میٹھا کے
 نام سے مشہور ہو گیا۔

سید میٹھا ^{۱۶۱۱ھ} میں واصل الی اللہ ہوئے۔ لاہور میں آپ کا مزار
 پُر انوار مرجع خاص و عام ہے۔

(لحقہ فوٹو گزشتہ)

مغولستان کے قان اکبر یعنی بادشاہ اعظم کا انتقال ہوا تھا، جس کا نام تموجین تھا،
 میسو کا بہادر نے اسی بادشاہ کے نام پر اپنے لڑکے کا نام تموجین رکھا، ^{۱۶۱۲ھ} میں
 تموجین اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنے چھوٹے سے علاقے کا سردار قرار پایا،
 اس وقت اس کی عمر ۱۳ سال کی تھی، پھر اُس نے اپنے آپ کو چنگیز خاں کے نام
 سے مشہور کیا۔ اور آہستہ آہستہ قبائل مغلیہ اور مغولستان پر قابض ہو گیا۔ ^{۱۶۱۵ھ} میں
 چنگیز غدا ب الہی بن کر دنیائے اسلام پر ٹوٹ پڑا اور اُس نے خوارزم شاہ کے
 دار السلطنت انزار پر حملہ کیا، پھر بخارا، اور سمرقند کو تباہ کیا، پھر خراسان کے
 ہر مقام پر اُس نے مسلمانوں کے خون کے دریا بہا دیئے، ^{۱۶۱۷ھ} رمضان ^{۱۶۱۷ھ} میں
 ۲۷ سال کی عمر میں ۲۵ سال کی حکومت کے بعد وفات پائی۔

(تاریخ اسلام جلد سوم)

۲۷ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۷۵۔

(۷۵)

مخدوم محمد گیلانی

نام و نسب سب سے پہلے ہندوستان میں طریقہ قادریہ کے جن بزرگ کا پتہ چلتا ہے وہ دکن کے شاہ نعمت اللہ قادری تھے، لیکن ان سے یہ سلسلہ نہیں پھیلا، اور سب سے پہلے ہندوستان میں جس بزرگ نے سلسلہ قادریہ کا آغاز کیا وہ مخدوم شیخ محمد گیلانی حلی تھے۔ آپ کا اکم گرامی محمد تھا، آپ کے والد کا نام نامی سید شاہ امیر تھا جو حضرت

سہ شاہ نعمت اللہ قادری سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت شیوخ میں ہیں، آپ کا سلسلہ نسب آبائی یہ ہے۔ شاہ نعمت اللہ بن سید ابو بکر بن سید شاہ نور بن سید لیل ادہم بن سید جعفر بن سید محمد بن سید بہار الدین بن سید داؤد بن سید ابو العباس احمد بن سید حسن بن سید موسیٰ بن سید علی بن سید محمد بن سید تقی بن سید صالح بن ابی صالح بفرین بن سید عبدالرزاق بن حضرت غوث اعظم۔ شاہ نعمت اللہ نے اپنے والد ماجد سید ابو بکر سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، شاہ نعمت اللہ نے ۸۳۲ھ میں وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک کوہ پہکلی دہنو میں ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۱۴ و ۱۱۵)۔

غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

سید محمد بن سید شاہ امیر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد
بن سید صفی بن شیخ سیف الدین عبدالوہاب بن شیخ محی الدین ابی محمد
عبدالقادر گیلانی۔

ولادت جب ہلاکو خاں نے بغداد کو تباہ و برباد کیا تو مخدوم محمد گیلانی کے بزرگ بغداد سے حلب چلے گئے، اور حلب ہی میں مخدوم محمد گیلانی کی ولادت باسعادت ہوئی، مخدوم محمد گیلانی صاحبِ عظمت و کرامت اور علوم معقول و منقول کے جامع تھے، اور قدرت نے آپ کو دنیاوی جاہ و جلال سے بھی نوازا تھا۔

سیاحت ایک عرصے تک آپ ہندوستان، خراسان و ترکستان، عرب و عجم کی سیر کرتے رہے اور چند بار زیارتِ حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ مخدوم محمد کچھ زمانے لاہور میں محلہ کوفت گراں اور کچھ عرصہ ناگور میں سکونت پذیر رہے۔ وہاں ایک مسجد بھی تعمیر فرمائی، اور پھر حلب واپس تشریف لے گئے، اور اپنے والد سے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ میں ہندوستان کے کسی شہر میں توطن اختیار کروں، آپ کے والد نے ارشاد فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھیکہ ہمارے عمر کا آفتاب لبِ بام ہے، ہماری وفات کے بعد تمہیں اختیار ہے جس جگہ مناسب سمجھو سکونت اختیار کرنا، چنانچہ آپ اپنے والد کی وفات تک حلب ہی میں مقیم رہے۔

اتج میں سکونت: اپنے والد کی وفات کے بعد ۸۸۷ھ میں خراسان

اور ملتان ہوتے ہوئے آپ مغربی پاکستان کے مشہور شہر آج میں تشریف لائے اور وہیں تو وطن اختیار کیا، اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

شاہان وقت کی عقیدت و بیعت اُسی زمانے میں سلطان حسین مرزا بادشاہ آپ کا مرید ہوا اور سلطان سکندر لودھی بھی مخدوم محمد کا بے حد معتقد تھا۔

ازدولج شجرہ الانوار میں ہے کہ مخدوم محمد نے پہلی شادی سلطان قطب الدین لانگا کی دختر بی بی دیس کسائیں سے کی تھی جو ملتان اور آج کا حاکم تھا لیکن اُن کے بطن سے آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، پھر آپ نے دوسرا عقد سید ابوالفتح حسینی کی صاحبزادی بی بی فاطمہ سے کیا، سید ابوالفتح حسینی کا سلسلہ آبائی چار واسطوں سے سید صفی الدین گازیرونی سے جاملتا ہے۔

شاعری مخدوم محمد شاعری کی طرف بھی میلان رکھتے تھے، اور قادری تخلص فرماتے تھے، آپ کے اکثر اشعار حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی تعریف میں ہیں، اس کے علاوہ ایک غزلوں کا دیوان بھی ہے، جس میں کئی ترنچ بند ہیں اخبار الاخبار سے ایک بند تبرکات ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

زندیم و قلندریم و چالاک
مستیم و معریدیم و بے باک
جامیم و صراحییم و بادہ
دُر و صد فیم و بھر و خاشاک
والی ولایت شش و پنج
حامی بلادِ فہم و ادراک

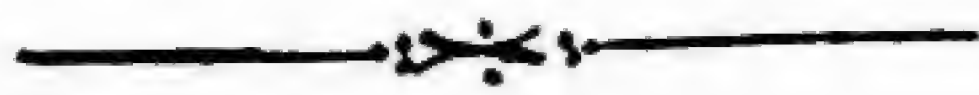
مجموعہ رازِ عالمِ دل
منصوبہ کشتائے سیرِ لولاک
نگزشتہ ز خویش بی کدورت
نگزشتہ ز عشق جو ہر خاک
آئینہ صاف با غل و غش
صافی دل و پاک رائے شکاک
گر صاف شوی و پاک دائم
می گوئی چو قادری تو ناپاک
ما بلبیل بوستانِ قدیم
شہباز سفید رست انیسیم

وفات
مخدوم محمد نے ۹۲۳ھ میں وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک
آج میں زیارت گجہ خاص و عام ہے، صاحبِ شجرۃ الانوار
نے ”محمد حسنی پاک رفت“ سے مادہ تاریخ وفات نکالا ہے، مفتی غلام سرور نے
اس قطعہ میں تاریخ وفات کہی۔

بفردوسِ بریں چوں کرد رحلت
محمد غوثِ پیرِ سیدیں
”محمد شاہ میراں قطبِ اقطاب“
بگو تاریخ او با طرزِ رنگیں

اولاد
مخدوم محمد کے تین صاحبزادے تھے، شیخ عبدالقادر ان کو مخدوم
ثانی بھی کہتے ہیں، سید عبداللہ، سید مبارک، سید عبداللہ

طبع میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، مولانا عبدالرحمن جامی نے ان کے فضائل و مناقب کی خبر سن کر ان کی خدمت میں چند اشعار بھجوائے تھے۔
 سید مبارک بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے، ان کے صاحبزادے کا نام میر میراں تھا، جولاہو میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔



مولانا عبدالرحمن جامی کا لقب عماد الدین و نور الدین، تخلص جامی۔ آپ کے والد کا نام احمد بھی دیکھی تھا۔ آپ کی ولادت جام میں ۲۶ شعبان ۸۱۷ھ میں ہوئی، مولانا جامی عارف کامل اور علوم ظاہر و باطنی کے ماہر اور جامع تھے۔ سلطان حسین مرزا کو آپ سے کمال خلوص اور عقیدت تھی۔ حضرت سعد الدین کاشغری کے مرید تھے، مولانا جامی زمانہ طفولیت کے زمانے میں خواجہ محمد پارسا کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے، خواجہ عبداللہ احرار سے مولانا جامی کو بے حد عقیدت تھی، چنانچہ آپ نے اپنی بعض تصنیفات کو خواجہ احرار کے نام سے معنون بھی کیا ہے، مولانا عبدالرحمن جامی نے بروز جمعہ ۱۸ محرم ۸۹۶ھ کو وفات پائی، آپ کا مزار مبارک خیابان ہرات میں ہے۔ (سفینۃ الاولیاء و تالیف دار الشکوہ - تذکرہ مولانا عبدالرحمن جامی ج)

۵۴۳ یہ تمام تفصیل اخبار الاختیار ص ۲۰۲ سے ماخوذ ہے۔

(۷۶)

سید محمود حضوری لاہوری

نام و نسب محمود نام اور حضوری خطاب تھا، آپ کے والد کا اسم گرامی شمس الدین تھا، جو شمس العارفین کے لقب سے مشہور تھے۔ علومِ طاہری و باطنی میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے اپنے وقت کے مشہور اساتذہ میں تھے، اور تصوف و عرفان کے اعلیٰ منازل پر فائز تھے، سید محمود نے اپنے والد کے دستِ حق پرست پر سبیت کی۔

سید محمود اپنے والد کی وفات کے بعد سیر و سیاحت لاہور میں شروع کی۔ کے لئے غور سے تشریف لائے، اور لاہور کے محلہ حاجی بلوے میں جو شہر کے باہر تھا سکونت اختیار فرمائی۔ تھوڑے ہی دن کے قیام کے بعد آپ کے تقویٰ و قبول عام زہد و ورع عرفان و تصوف کا شہرہ تمام لاہور میں پھیل گیا، اور بہت سے لوگ آپ کے حلقہٴ معارف میں داخل ہوئے۔

آپ کے حضوری کے خطاب کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ آپ کے

دستِ حق پرست پر بیعت کرتے تھے، وہ پہلے ہی روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے، اس لئے لوگ آپ کو سید محمد حضوری کہنے لگے۔

شجرۂ طریقت آپ کا شجرۂ طریقت دس واسطوں سے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔ آپ کا شجرۂ طریقت یہ ہے۔

سید محمود حضوری، سید شمس شہور بہ شمس العارفین، سید یعقوب، عبدالقادر، سید علی، سید محمود، سید احمد، سید اصغر، الفرح، عبدالوہاب، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی۔

وفات سید محمود حضوری نے ۹۴۲ھ میں وفات پائی، آپ کے مزار پر دو گنبد ہیں۔ ایک گنبد میں سید محمود حضوری کا مزار ہے اور آپ کے برابر ہی آپ کے صاحبزادے شاہ نور الدین مدفون ہیں۔ دوسرے گنبد میں سید جان محمد حضوری مدفون ہیں، اور ان کے برابر ان کے صاحبزادے سید سرفراز دین کا مزار ہے۔

سید محمود حضوری کا سنہ وفات اس تاریخی قطعہ میں نکلتا ہے :-

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں
سید محمود پیرِ بالکمال
صاحبِ مشتاقِ تاریخِ بخشِ بکر
نیز شمسِ عارفینِ صاحبِ جلال
۹۴۲ھ

سہ تاریخ للہمور۔ عبداللطیف

سہ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۲۱ - ۱۲۲۔

(۷۷)

شیخ مادھولاہوری

حالات شیخ مادھولاہوری ۸۳ھ میں پیدا ہوئے، وہ شیخ حسین لاہوری کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، حقیقت الفقراء میں سے کہ شیخ مادھولاہوری کے والد برہمن تھے اور شاہدرے کے رہنے والے تھے، شیخ مادھولاہوری سمولی حسین و جمیل تھے، ایک مرتبہ شیخ حسین اُدھر سے گزرے، اور اُن کے حسن و جمال کو دیکھ کر اُن کی محبت میں مبتلا ہو گئے اور شاہدرے میں ہی رہنے لگے، شیخ حسین کو عشق مجازی نے اس منزل پر پہنچایا کہ شیخ حسین تمام شب اُن کے گھر کا طواف کرتے۔ دن میں جہاں کہیں بھی سُن پاتے کہ شیخ مادھولاہوری موجود ہیں فوراً وہاں پہنچتے، لیکن شیخ مادھولاہوری اُن کی طرف توجہ نہ دیتی، اور وہ ہمیشہ شیخ حسین سے بے توجہی برتتے تھے، کئی سال اسی طرح گزرے، یہاں تک کہ شیخ حسین کے عشق کا چہرہ چا سارے لاہور میں پھیل گیا، آخر وہ وقت بھی آیا کہ شیخ مادھولاہوری اُن کی محبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، کبھی کبھی اُن کی خدمت میں آنے لگے،

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ شب و روز شیخ حسین کی خدمت میں حاضر رہنے لگے، آخر وہ شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ اور سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ حسین کے دستِ بیعت حق پرست پر بیعت ہو کر شیخ کی توجہ سے درجہ کمال کو پہنچے۔

مہم دکن اسی زمانے میں راجہ مان سنگھ مہم دکن کے لئے روانہ ہو رہا تھا، شیخ حسین نے شیخ مادھو کو حکم دیا کہ وہ راجہ مان سنگھ کے ہمراہ مہم دکن میں جائیں، شیخ مادھو کو اگرچہ آپ کی مفارقت گوارا نہ تھی، لیکن وہ اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں دکن روانہ ہوئے، اور اس مہم میں فتح پوری کے بعد لاہور واپس ہوئے وہ تقریباً تیرہ سال تک راجہ مان سنگھ کی ملازمت میں رہے۔

شیخ حسین کی وفات شیخ مادھو کی واپسی سے ایک سال قبل شیخ حسین نے وفات پائی، اپنی وفات سے کچھ زمانہ پہلے انھوں نے شاہدرے کے قریب ایک کنواں اور باغ

لے راجہ مان سنگھ اکبری عہد کے امراء میں تھا، اس کی بہن شاہزادہ سلیم سے بیاہی تھی۔ مان سنگھ اپنے والد ہی کی زندگی منصبِ عالی سے متخضر ہوا، اور کابل اس کی جائگہ میں عنایت ہوا۔

سن ۱۰۳۰ میں وہ قتلوا افغان کے مقابلے کے لئے اوڑیسہ بھیجا گیا، عہدِ جہانگیری میں وہ خان خانان مرزا عبدالرحیم کی کمک کے لئے دکن میں متعین کیا گیا، اور دکن ہی میں اس نے اپنی طبعی موت سے وفات پائی، کچھ افراد مرد اور عورتیں، اس کے ساتھ سستی ہوئے۔ (ماخوذ از ذخیرۃ الخوانین جلد اول مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ص ۱۰۳ تا ۱۱۱)۔

تیار کر لیا تھا، اٹھوں نے وصیت کی تھی کہ اٹھیں اس باغ میں دفن کیا جائے، لیکن ہماری یہ تدفین عارضی ہوگی، ہماری وفات کے ایک سال بعد مادھو آئے گا، اس کے بعد ہماری نعش شاہدرے سے نکال کر بابوپورے میں دفن کی جائے، اور ہمارا سجادہ نشین مادھو ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، شیخ حسین کی وفات کے ایک سال کے بعد شیخ مادھو لاہور آئے، شیخ مادھو نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نعش کو شاہدرے سے محلہ بابوپورہ میں منتقل کیا، اور تقریباً پینتیس سال تک وہ شیخ حسین کے سجادہ نشین رہے۔

شیخ کی محبت شیخ مادھو کو اپنے پیر شیخ حسین سے بے حد محبت تھی، ان کی وفات کے بعد اکثر شیخ مادھو ان کی قبر سے لپٹ کر رو کر یہ اشعار پڑھتے:-

تو شدی باوصالِ حق ہمدم
مادھو را گزاشتہ در غم
تو شدی از جہاں بنازد و نعیم
مادھو تو شدہ بدر و دوزیم

وفات شیخ مادھو نے تہتر سال عمر میں ۲۲ ذوالحجہ ۱۰۵۶ھ میں وفات پائی اور اپنے مرشد کے مزار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

شاعری شاعر بھی تھے، شیخ عقیل صاحب نے خیاباں پاک میں ان کی ایک کافی کا منظوم ترجمہ اردو میں کیا ہے،

۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۶۶ تا ۱۶۸ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ تحقیقات چشتی تالیف مولوی نور احمد چشتی مطبوعہ حمید یہ سٹیٹم پریس لاہور۔

جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

میرے دل کے حال کا محرم اے میرے رب تو
 اندر تو ہے، باہر تو ہے، دیکھوں جس ڈھب تو
 تو ہی تانا تو ہی بانا سب کچھ ہے اب تو
 شاہ حسین کہے بے چارہ میں ناہیں سب تو
 شطیحات دارا (مصنفہ دارا شکوہ) میں ہے کہ شہزادہ
 عقیقت سلیم کو اُن سے بڑی دلچسپی تھی اور بہارِ خاں کو
 اُن پر متعین کیا تھا۔

۱۔ خیابانِ پاک

۲۔ مارنچ لاہور۔ عبداللطیف۔

(۷۸)

سید میراں محمد شاہ مشہور

بہ موج دریا بخاری

نام و نسب اسم گرامی میراں محمد شاہ تھا، لیکن مشہور موج دریا بخاری کے لقب سے تھے، اور بخاری سیدوں میں سے تھے، آپ کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے جامت ہے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:-

میراں محمد شاہ بن سید صفی الدین بن سید نظام الدین بن سید علم الدین ثانی بن جلال الدین بن سید علم الدین ابن بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بن سید احمد کبیر بن سید شیر شاہ جلال الدین الاعظم امیر سرخ بخاری۔

آپ کی ولادت باسعادت ۹۴۷ھ لُج میں ہوئی اور وہیں تعلیم و ولادت تربیت حاصل کی، حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری اپنے زمانے کے سلسلہ سہروردیہ کے مشاہیر مشائخ کرام میں شمار ہوتے تھے۔

لاہور میں تشریف آوری شہنشاہ اکبر نے جب وہ قلعہ چتوڑ گڑھ کی ہم میں مصروف تھا، آپ کی ولایت و عرفان کا شہرہ سن کر چتوڑ گڑھ طلب کیا، اور آپ سے چتوڑ گڑھ کی ہم میں دعا کا خواستگار ہوا، چنانچہ خدا کے فضل اور آپ کی دعاؤں سے جب قلعہ چتوڑ گڑھ فتح ہو گیا تو اکبر کے قلب میں آپ کی عقیدت کئی گنا بڑھ گئی، اس نے آپ کو پیالے کے علاقے میں جاگیریں عطا فرمائیں، اُس میں سے بعض دیہات لاہور کے علاقے میں تھے، اس بنا پر حضرت موح بخاری نے لاہور میں سکونت اختیار فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ ہمارا لنگر تین جگہ سے جاری ہوگا، ایک لاہور میں ہماری خانقاہ سے دوسرے موضع خان فنا سے، تیسرے موضع پسواوالہ سے، چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق ان تینوں جگہ سے آپ کا لنگر جاری ہوا جس سے فقراء اور مساکین نہایت سیر ہو کر کھانا کھاتے تھے۔

حضرت موح دریا بخاری نے ۱۰۳۸ھ میں وصال فرمایا اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

وفات

اولاد تذکرہ نگاروں نے آپ کے تین صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے، جن کے نام یہ ہیں: (۱) سید صفی الدین (۲) سید بہا الدین (۳) سید شہاب الدین آپ کے بھائیوں میں سید سلطان جلال الدین حیدر نے غیر معمولی شہرت حاصل کی، خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف مفتی غلام سرور لاہوری نے سید جلال حیدر کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

سید جلال الدین حیدر برادرِ حقیقی میرانِ محمد شاہ موح دریا بخاری ست، جامعِ علیم ظاہری و باطنی و کمالاتِ صوری و معنوی، عابد و زاہد و تارک الدنیا بود، بادنیا و اہل دنیا کا رے نہ داشت، و در تجرید و تفریدِ یگانہ روزگار، ہر چند کہ "موح دریا" اور بخود خواندے، او بسببِ این کہ "موح دریا، بدنیا ہم اشتغال داشت

ہوئے کم رغبت فرمودے، و شب و روز درویرانہا بعبادت حق
بسربردے۔

سید جلال الدین حیدر نے ۱۰۳۸ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار لاہور میں
مقبرہ بی تلج کے مغربی جانب ہے، عوام اُن کے مقبرے کو روحنا استاد بی
ماجیاں کہتے ہیں۔

حضرت موح دریا بخاری کے خلفاء میں سید عبدالرزاق جو سیدی
خلفاء کے نام سے مشہور ہیں۔ غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں، سید عبدالرزاق
مکی زاہد و متقی اور علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے، وہ سبزواری
سیدوں کے خاندان سے تھے، ابتداً غزنی سے پشاور تشریف لائے، چند
روز وہاں قیام کر کے دہلی پہنچے، اور لشکر شاہی میں سپاہیوں کے زمرے میں
منسلک ہو گئے، پھر حضرت میراں محمد شاہ موح دریا بخاری کی خدمت میں
حاضر ہو کر اُن کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، وہ تمام رات اپنے پیر کی
خدمت میں گزارتے، اور دن بھر اپنے حجرے میں عبادت الہی میں مشغول
رہتے۔

سید عبدالرزاق نے ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار پیرانوار لاہور
میں نیلے گنبد کے نام سے مشہور ہے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۹۱-۹۲-۹۳ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۹۷ و ۹۸۔

(۷۹)

شیخ محمد سلیم لاہوری

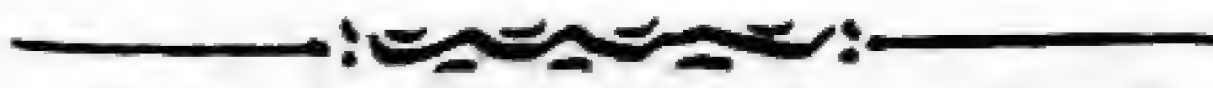
حالات شیخ محمد سلیم چشتی لاہوری، سلسلہ چشتیہ کے نامور بزرگوں میں تھے، انھوں نے شیخ محمد صدیق چشتی لاہوری سے بیعت کی اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے شیخ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

سماع شیخ محمد سلیم سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، سماع میں ان پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ بعض وقت

۱۔ شیخ محمد صدیق لاہوری سلسلہ چشتیہ کے نامور بزرگوں میں تھے، علوم ظاہری و باطنی میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے، وہ سلسلہ چشتیہ میں شیخ عارف لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے، ان کا تمام وقت ارشاد و تلقین درس و تدریس میں گزرتا تھا، شیخ محمد صدیق نے ۸ ہجری ۱۰۸۲ھ کو وفات پائی (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۸۰)۔

خیال ہوتا تھا کہ سماع ہی میں روح پرواز کر جائے گی، دو دو تین تین روز
تک مست و بے خود رہتے، اس حال میں لوگ اُن کو دیکھ کر مردہ سمجھتے تھے۔
شیخ محمد سلیم ۳ ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔
وفات اُن کا مزار مبارک لاہور میں مید زین خاں میں اپنے پیر
شیخ محمد صدیق کے متصل ہے یہ

اُن کے بعد خلیفہ شیخ جان محمد قادری نے سجادہ مشیخت کو زینت
بخشی، اور مخلوق خدا کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔ شیخ جان محمد قادری
۱۳۰۶ھ میں وفات پائی یہ



۱۰ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۵۸

۱۱ ایضاً ص ۲۱۲

(۸۰)

شیخ محمد طاہر لاہوری

قادری نقشبندی

حالات شیخ محمد طاہر لاہوری شیخ احمد مجدد الف ثانی کے عظیم المرتبت
خلفاء میں ہیں، پہلے انھوں نے اسکندر بن شاہ کمال
کیستھلی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی پھر حضرت مجدد الف ثانی کے

سے اسکندر شاہ کمال کیستھلی کے صاحبزادے تھے، انھوں نے اپنے
والد شاہ کمال کی وفات کے بعد سجادہ مشیخت کو زینت بخشی، اور اپنے آبائی
سلسلے کے سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کرتے رہے۔ شیخ عبدالعزیز
حضرت مجدد الف ثانی کے والدان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ آفتاب کو جی بھر کر
دیکھا جاسکتا ہے لیکن شاہ اسکندر کے دل پر نور کی وجہ سے نظر کے لئے راہ
راہ ممکن نہیں، شاہ اسکندر نے ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ رزیدۃ المقاتبات
تالیف محمد ہاشم کشمیری ص ۸۰-۱، مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ

والد حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی کی خدمت میں رہے، اُن کی وفات کے

۱۔ شیخ عبدالاحد سرہندی بن زین العابدین بن عبدالحی بن محمد بن حبیب اللہ بن رفیع اللہ بن
سلسلہ چشتیہ کے عظیم المرتبت شیوخ میں تھے، وہ سرہند میں پیدا ہوئے اور ایک
عرصے تک علم کے حاصل کرنے میں مصروف رہے، پھر گنگوہ پہنچے، اور حضرت شیخ
عبدالقدوس گنگوہی کے حلقہ ارادت میں داخل ہونا چاہا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی
نے فرمایا کہ پہلے تمہیں علم ظاہری کی تکمیل کرنی چاہئے، کیونکہ درویشی بغیر علم کے
بے نمک ہے، شیخ عبدالاحد نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی کبر سنی کو دیکھ کر
عرض کیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ میں تکمیل علم کے بعد
واپس آؤں اور حضور کو نہ پاؤں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے فرمایا کہ اگر
تم مجھ کو نہ پاؤ تو میرے لڑکے شیخ رکن الدین سے بیعت ہو جانا، اور جو ہم سے
چاہتے ہوں ان سے طلب کرنا، اتفاق یہ کہ جب شیخ عبدالاحد تحصیل علم سے فارغ ہو کر
گنگوہ لوٹے تو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی دھال فرما چکے تھے، چنانچہ حضرت شیخ
کے ارشاد کے مطابق انھوں نے حضرت شیخ رکن الدین کے دستِ حق پرست پر
بیعت کی اور مختلف ریافتوں اور مجاہدوں کے بعد ۹۷۹ھ میں سلسلہ قادریہ اور
چشتیہ میں اجازت اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ شیخ رکن الدین نے اُن کو
سلسلہ چشتیہ اور قادریہ میں طالبین کو بیعت کرنے کی اجازت مرحوم خرمانی
پھر شیخ عبدالاحد سرہند میں تشریف لا کر درس و تدریس، ارشاد و ہدایت میں مصروف
ہو گئے شیخ عبدالاحد کو تمام علوم معقول و منقول میں خصوصاً فقہ، اصول فقہ اور تصوف میں
دستگاہ کامل تھی، وہ معروف، عارف اور فاعل الحکم کا درس دیتے تھے، اور اسرار توحید
کو بے نقاب کرتے تھے، شیخ عبدالاحد نے ۱۰۱۰ھ میں سرہند میں وفات پائی، ان کی
تصانیف میں کنوز الحقائق، رسالہ فی اسرار المشہد، اور بعض دوسرے رسائل مشہور ہیں۔
(ماخوذ از زیادة المقامات ص ۱۰۱ ص ۱۱۷)

بعد حضرت مجدد الف ثانی سے وابستہ ہو گئے، اور انھوں نے ان کو اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ کی تعلیم پر مقرر فرمایا۔

۱۰ خواجہ محمد سعید حضرت مجدد الف ثانی کے دوسرے صاحبزادے تھے، ان کی ولادت باسعادت شعبان ۱۰۰۰ھ میں ہوئی، سن شعور کو پہنچ کر خواجہ محمد سعید نے علوم ظاہری کی تعلیم اپنے والدؒ اپنے بڑے بھائی اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے حاصل کی، اور دورانِ تعلیم میں ہی اپنے والد بزرگوار کی توجہ اور عین و برکت سے تصوف و سلوک کے مقاماتِ عالی پر فائز ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول کی مشکل کتابوں کا درس دینے لگے، اور بعض کتب پر حواشی و تعلیقات لکھے، ان میں سے مشکوٰۃ کی تعلیقات بھی ہیں کہ جن میں انھوں نے اُن لحاظ کی جو ائمہ حنفیہ کا ماخذ ہیں، نہایت تحقیق، صحت اور قوت کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

محمد ہاشم کشمیری کا بیان ہے کہ میں ایک دن خواجہ محمد سعید کی خدمت میں حاضر تھا کہ اُن سے ایک عالم نے اصول فقہ کے متعلق ایک مسئلہ پوچھا، انھوں نے اس کو نہایت شرح و بسط سے واضح فرمایا، جب خواجہ محمد سعید اُس مسئلے کی توضیح کر چکے تو اس عالم نے میرے کان میں کہا کہ تم جانتے ہو کہ تمھارے مخدوم زادے آج مہارتِ علمی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ خواجہ محمد سعید نے تشہد میں عدم رتبہ سبابت کی تائید میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ محمد ہاشم کشمیری بیان کرتے ہیں کہ بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کی وفات کے بعد ایک دن مجھے حضرت مجدد الف ثانی نے لرایا کہ کبھی مجھے خیال ہوتا تھا کہ محمد صادق جیسا لڑکا جو علوم ظاہری اور احوالِ باطنی میں صاحبِ کمال تھا، اب مجھے کہاں سے ملے گا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ دونوں بھائی (خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم) اپنے بڑے بھائی کے صحیح قائم مقام ہیں، حضرت مجدد الف ثانی نے ایک خط میں خواجہ محمد سعید کی باطنی صلاحیتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ۔

آنکہ محمد سعید از احوال خود نوشتہ بغایت امین است صحیح کے از پندارن را ہیں

خصوصیت روئے نداد و مشاورت اللہ کہ بونیز بولایت خدا شرف گردد۔

بیت و خلافت پھر شیخ محمد طاہر لاہوری نے حضرت مجدد الف ثانی کے دستِ حق پرست پر بیت ہو کر سلوک و معرفت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ)

جب کسی وجہ سے خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سرہند میں رہ جاتے، اور حضرت مجدد الف ثانی سفر میں ہوتے تو آپ ان دونوں صاحبزادوں کو بے حد یاد فرماتے، ایک خط میں لکھا کہ:-

”الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ و فرزند ان گرامی ہر چند شائق و خواہان صحبت مانند، و ماہم آرزو مند حضور و ملاقات ایشان، اما چہ توان کرد کہ جمیع آرزو ہا میسر نیست“

ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ میں اجمیر کے سفر میں حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ تھا، ایک روز آپ نے فرمایا کہ گویا یہ سفر اجمیر محمد سعید کی ترقیات کے لئے تھا، اس زمانے میں محمد سعید نے حوال باطنی میں بڑی ترقی کی، پھر دوسرے وقت تنہائی میں مجھ سے فرمایا کہ اب مجھے اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں میں چاہتا ہوں کہ محمد سعید سلوک کے اُن، علی منازل پر فائز ہو جائے کہ وہ اس مسند پر بیٹھ سکے، میں نے یہ بات خواجہ محمد سعید سے کہی، انہوں نے نہایت نرمی سے انکسار کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر کر مجھ سے فرمایا کہ میں کسی حیثیت سے بھی اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا، حضرت قبلہ جہاں بھی تشریف لے جائیں میرے بھائی محمد معصوم کو اپنی جگہ بٹھائیں، اور مجھے اُن کی اطاعت و خدمت کا حکم دیں، اور اگر حضرت قبلہ کسی وجہ سے یہ پسند نہ فرمائیں تو آپ اُن سے عرض کیجئے کہ میں اپنے دادا (شیخ عبدالاحد) کے مزار پر جو شہر ہے! ہر ہے گوشہ نشینی اختیار کر لوں گا، وہ سجادگی کے لئے خواجہ محمد معصوم کا انتخاب فرمائیں، پھر میں نے یہ تمام باتیں خواجہ محمد معصوم سے بیان کیں، وہ سن کر رونے لگے اور فرمایا کہ افسوس ہے کہ میرے بھائی محمد سعید خواجہ محمد سعید مجھے اپنی خدمت کے لائق نہیں سمجھتے، میں جہاں تک غور کرتا ہوں استقامتِ احوال و اطوار میں اور شرعی احتیاطوں اور اخلاقی بلندیوں اور علمی قوتوں

کے اعلیٰ منازل طے کیئے، اور بارگاہ مجددی سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ، قادریہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

میں اس درجہ کمتر ہوں کہ ان سے ستفیض ہوں اور اپنے آپ کو ان کا شاگرد پاتا ہوں، میری سعادت اسی میں ہے کہ میں ان کا خدمت گزار رہوں، پھر میں نے دونوں صاحبزادوں کی گفتگو حضرت مجدد الف ثانی سے بیان کی، آپ بہت خوش ہوئے، اور آب دیدہ ہو کر مجھ سے فرمایا کہ تم ان دونوں کے انکسار، اشار اور باہمی محبت کو دیکھتے ہو، پھر ان دونوں بھائیوں کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت مجدد الف ثانی نے خواجہ محمد سعید کو خازن الرحمت کا لقب بھی دیا تھا، حضرت مجدد الف ثانی کی وفات کے بعد وہ اپنے بھائی خواجہ محمد معصوم کے حق میں بجا دگی سے دست بردار ہو گئے اور حرمین شریفین حج و زیارت کے لئے گئے، اور ۶۹۰ھ حرمین شریفین سے واپس آکر درس و تدریس، ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے۔

خواجہ محمد سعید نے جمادی الآخر ۸۰۱ھ میں وفات پائی، ان کی تصانیف میں حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، رسالہ فی تحقیق الاشارة بالمسبحۃ عند التشہد فی الصلوٰۃ، حاشیہ علی حاشیہ خیالی مشہور ہیں (ماخوذ از زبدۃ المقامات ص ۳۰۸ تا ۳۱۳ و نزہۃ الخواطر جلد ۵ صفحہ ۳۳۶ و ۳۳۷)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

۸۰۱ھ خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے تھے، ان کی ولادت باسعادت ارشوال سنہ ۸۰۱ھ میں ہوئی، حضرت مجدد الف ثانی فرمایا کرتے تھے کہ محمد معصوم کی ولادت ہمارے لئے بہت مبارک و مسعود ہے کہ ہم ان کی پیدائش کے چند ماہ بعد اپنے خواجہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ہم نے دیکھا جو کچھ بھی دیکھا، خواجہ محمد معصوم نے شعور سنبھالنے کے بعد علوم رسمیہ کی تکمیل کی دوران تعلیم میں حضرت مجدد الف ثانی ان سے فرمایا کرتے تھے کہ بابا جلد علوم کی تعلیم سے فارغ ہو کہ ہمیں تم سے بڑے کام ہیں

چشتیہ میں اجازت تلقین و ارشاد سے سرفراز فرمائے گئے۔

پھر اپنے پیر کے حکم سے لاہور میں رشد و ہدایت،
لاہور میں ماموری اور ارشاد و تلقین کے لئے مامور فرمائے گئے، چنانچہ
 اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق لاہور پہنچے، اور درس و تدریس اور ارشاد و
 تلقین میں مصروف ہو گئے۔

شیخ محمد طاہر لاہوری کے آئینہ اخلاق میں توکل و قناعت
قناعت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے، جب وہ لاہور پہنچے تو انھوں
 نے اہل ثروت کو اپنے دروازے پر گرنے سے روک دیا، وہ ایک قانعانہ زندگی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۷)

سترہ سال کی عمر میں انھوں نے علوم ظاہری کی تکمیل سے فراغت حاصل کی، اور اپنے والد
 سے سلوک و معرفت کے اعلیٰ منازل طے کر کے خلافت اور قطبیت کی بشارت حاصل کی۔ اور اپنے والد کی
 وفات کے بعد ان کی جگہ سند ارشاد پر رونق افروز ہوئے، پھر حج و زیارت کے لئے حرمین
 شریفین کا سفر کیا، اور ایک عرصے تک مدینہ منورہ مقیم رہ کر ہندوستان لوٹے، اور اپنے
 وطن میں درس و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مشغول ہو گئے۔ درس سے آپ کو غیر معمولی
 شغف تھا، تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ، ہدایہ، عضدی اور تلویح کو خاص طور پر پڑھاتے
 تھے۔

شیخ مراد بن عید اللہ قرانی نے ذیل الرشحات میں خواجہ محمد معصوم کے متعلق لکھا ہے کہ
 وہ اپنے والد ماجد کی طرح آیت میں آیات اللہ تھے، انھوں نے اپنے فیوض باطنی سے عالم کو منور
 کر دیا، کہا جاتا ہے کہ آپ کے مریدوں کی تعداد ۹ ہزار اور آپ کے خلفاء کی تعداد ۹ ہزار تھی۔
 ان میں سے شیخ حبیب اللہ بخاری مشہور ہیں، شیخ خواجہ محمد معصوم کے مکاتیب تین جلدوں میں
 ہیں، خواجہ محمد معصوم نے ۹ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار پرانوار مرہڑیا
 ہے۔ (ماخوذ از نزہۃ الخواتم جلد ۵ ص ۲۰۷-۲۰۸ و زبدۃ المقامات)

بسر کرتے، اور اپنی معیشت، فقہ، حدیث اور تفسیر کی کتابوں کو نقل کر کے اُن کی تصحیح کر کے اور اُن پر حاشیہ لکھ کر اُن کتابوں کو فروخت کر کے حاصل کرتے، اور شب و روز ارشاد و تلقین اور تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے، ہزاروں تشنگانِ علم و معرفت نے اُن سے سیرانی حاصل کی، ان کے تلامذہ میں حضرت مجدد الف ثانی کے تلامذہ صاحبزادے شیخ خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم مشہور ہیں۔

مرشد کی محبت شیخ محمد طاہر لاہوری اپنے پیر حضرت مجدد الف ثانی سے غیر معمولی عشق و محبت رکھتے تھے، تذکرہ آدمیہ میں اُن کا ایک خط حضرت مجدد الف ثانی کے نام ملتا ہے جو اپنے شیخ سے اُن کے تعلق قلبی کا آئینہ دار ہے، وہ لاہور آنے کے بعد اپنے شیخ کی جدائی

۱۔ شیخ محمد صادق حضرت مجدد الف ثانی کے بڑے صاحبزادے تھے، اکابر علماء میں سے تھے، تندرستی میں سرہند میں پیدا ہوئے، اسی بچپن ہی سے علم کے حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے بعض فنون شیخ محمد طاہر لاہوری، اور علوم حکمت مولانا محمد معصوم کابلی سے پڑھے، اور اٹھارہ سال کی عمر میں علومِ رسم کی تعلیم سے فاسخ ہو گئے، آٹھ سال کی عمر میں وہ اپنے والد کے ساتھ دہلی آئے اور حضرت شیخ عبدالباقی نقشبندی کی زیارت سے شرف ہوئے، پھر اپنے والد سے بیعت ہو کر سلوک و معرفت کے اعلیٰ منازل طے کئے، جب تلوین سے تمکین، اور سکر سے صحوہ اور جذب سے سلوک کی منزل میں پہنچے تو آپ کے والد نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی، ابھی آپ کی عمر ۲۱ سال کی تھی کہ آپ نے والد کے سامنے ہی، ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی، اور سرہند میں مدفون ہوئے، شیخ محمد صادق کی تصانیف میں بعض کتب پر تعلیقات ہیں۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۳۵-۳۳۶)

سے بے قرار ہو کر لکھتے ہیں۔

حضرت سلامت!

احقر الخدمت محمد طاہر بصری می رساند کہ چوں از آستانہ
علیہ متوجہ لاہور شدم، در ہر قدمی گفتم کہ اے نادان مقصود
را در سر بند گذاشتہ کجا بیروی، اما از غیب ندا شد کہ راہی شو
و توقف مکن۔

وفات

شیخ محمد طاہر لاہوری پنجشنبہ کے دن ۸ محرم ۱۲۰۴ھ میں
واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار پیرانوار لاہور میں سیانی
کے قبرستان میں زیارت گاہِ خلافت ہے۔

خلفاء
شیخ محمد طاہر کے خلفاء میں شیخ ابو محمد قادری نقشبندی لاہوری^۱
سید صوفی، شیخ لکھن اور شیخ ابوالقاسم نقشبندی^۲
مشہور ہیں۔

^۱ شیخ ابو محمد قادری کا مزار لاہور میں ہے۔

^۲ سید صوفی کا مزار پیرانوار دہلی میں ہے۔

^۳ شیخ ابوالقاسم اپنے پیر کی اجازت سے عازم سفر حجاز ہوئے، جب حج و زیارت
سے واپس ہو کر جدہ پہنچے تو وہیں وفات پائی، اُن کا مزار جدہ میں ہے۔

^۴ شیخ محمد طاہر لاہوری کے یہ تمام حالات زبدۃ المقامات - ص ۱۰۸ و
خوینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۶۱۹ تا ۶۲۱ اور نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۸۱
سے ماخوذ ہیں۔

(۸۱)

شیخ میر محمد

شہورہ

میاں میر

حضرت شیخ میاں میر ولی ہر خفی از نور جانِ او جلی
بر طریقِ مصطفیٰ محکم پئے نغمہ عشقِ محبتِ راستے

ترتیبِ ايمان خاکِ شہرِ ما مشعلِ نورِ ہدایتِ ہرِ ما
(اقبال)

نام۔ نسب۔ وطن شیخ میر محمد نام، کنیت میاں میر ہے،
آپ کا وطن سندھ کا مشہور شہر سیوستان ہے
ہے۔ آپ کے والد کا نام قاضی ساینند بن قاضی قلندر، اور والدہ محترمہ کا

لے ہر ان کو سیوستان بھی کہتے ہیں، یہ بہت قدیم شہر ہے جو سند کی اولاد ہولن کے نام سے موسوم
ہے، یہ پھر اس وقت مغربی پاکستان کے ضلع دادو میں واقع ہے (تحفہ اکرام)

نام بی بی فاطمہ بنت قاضی قازن تھا، سید حسام الدین راشدی نے مقالات الشعراء کے صفحہ (۵۰۰) کے فٹ نوٹ میں بحوالہ دار الشکرہ قادری آپ کا سلسلہ نسب اس طرح مندرج کیا ہے۔

والد قاضی سایندرہ | والدہ بی بی فاطمہ بنت قاضی قازن

قاضی بونی قاضی عثمان قاضی طاہر
بی بی جمال خاتون میاں میر چامل مانی
(متوفی ۱۰۵۰ھ)

محمد سریف

(متوفی ۵ رجب ۱۰۵۲ھ)

(جو حضرت میاں میر کی وفات کے بعد ان کے پہلے بچاؤ نشین ہوئے)
میاں میر خاندانی اعتبار سے فاروقی ہیں۔ آخر میں آپ کا نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے، آپ کے والد قاضی سایندرہ اپنے علم و فضل، تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے نہ صرف سیوستان میں بلکہ تمام سندھ میں ممتاز مانے جاتے تھے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ۔

بی بی جمال خاتون اپنے زہد و عبادت و ریاضت کی وجہ سے اپنے دور کی رابعہ بھری کہلاتی تھیں، ذکر و شغل کی تعلیم اپنی والدہ اور اپنے بھائی میاں میر سے اور اپنے بھائی قاضی طاہر کے وسیلے سے حاصل کی، سجاد الدعوات تھیں، جب کوئی آپ کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوتا، آپ کی دعا کی برکت سے اس کی پریشانی رفع ہو جاتی، ساری عمر اپنے وطن سیوستان میں رہیں، منگل کے روز، ۱۰ ربيع الاول ۱۰۵۰ھ کو وفات پائی۔ در سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت بی بی جمال خاتون و کینۃ الاولیاء

(اردو ترجمہ) ص ۱۰۱-۱۰۲

قاضی سائیندہ از اولاد حضرت فاروق و اجلہ علمائے روزگار بودہ
شریعت را یا بطریق و طریقت تو امان حقیقت داشتہ در سوستان
نامی بل در تمامی سند گرامی گزشتہ یہ

ولادت داراشکوہ نے اپنی مشہور کتاب سکینۃ الاولیاء میں میاں میر
کی ولادت آپ کے بھتیجے کے حوالے سے ۳۵۹ھ میں
میں لکھی ہے، تحفۃ الکرام میں آپ کی ولادت کا ۹۵۷ھ مندرج ہے۔
تعلیم و طریقت ابھی آپ کی عمر پانچ سال ہی کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا
سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ بارہ سال کی عمر میں
آپ نے دینی علوم کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی، پھر آپ کی والدہ
ماجدہ نے آپ کو سلسلہ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی۔
بیعت اُس کے بعد اپنی والدہ محترمہ سے اجازت لے کر اور علاقے
دنیوی سے منقطع ہو کر آپ سلسلہ قادریہ میں شیخ خضر سیستانی

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۱۳۸

۲۔ سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۹

۳۔ تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۱۳۸

۴۔ سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۲۰

۵۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۵۲

۱۔ شیخ خضر سیستانی سندھ میں سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت صوفیاء میں شمار
ہوتے ہیں، سندھ میں سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات کے عام کرنے میں شیخ خضر
کا بڑا حصہ ہے، شیخ خضر سیستانی کا وطن سیوستان تھا، اُن کے آئینہ سیرت میں
انقاہ و تقدس، توکل و استغناء جو ہر نمایاں نظر آتے ہیں، توکل کی انتہا یہ تھی کہ انھوں نے
اپنی ساری زندگی میں کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا، وہ ابتداءً اپنے وقت کا بڑا حصہ ایک قبرستان

کے مرید ہوئے، جو سہوان کے باہر ایک پہاڑ پر مقیم تھے کچھ مدت کی ریاضتوں مجاہدوں کے بعد آپ کے شیخ نے آپ سے فرمایا تمہارا کام مکمل ہو چکا ہے، اب تمہیں اختیار ہے جہاں جی چاہے سکونت اختیار کرو۔

(تقریب نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

میں گزرتے تھے پھر وہ سیوستان کے باہر ایک پہاڑ میں مقیم ہو گئے، جہاں ان کا سارا وقت عبادتوں، مجاہدوں اور یاد الہی میں گزرتا تھا۔ انھوں نے ایک تنور بھی بنوایا تھا، جسے موسم ہل میں گرم کر کے رات کے وقت اس تنور کے پاس بسر کرتے، گرمی اور سردی میں ان کا لباس ایک تہ بند تھا، پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد وہ شہر سیوستان بہت کم آتے تھے، تعلقات دنیوی سے یہاں تک اجتناب کرتے تھے کہ سوائے خدا کے آپ کا کوئی دوست نہ تھا، درختوں کے پتے کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔

داراشکوہ نے عینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیوستان کا حاکم اب کی زیارت کے لئے پہاڑ پر آیا، شدید گرمی کا موسم تھا، اور آپ پتھر پر استغراق کے عالم میں دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ اس خیال سے کہ آپ کو راحت پہنچے، اس طور پر کھڑا ہوا کہ اس کی سایہ آپ پر پڑے، آپ نے سر اٹھایا، اور اس سے پوچھا تم کون ہو؟ کیوں اس دیر کے میں آئے ہو؟ اور تمہارا مقصد کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ اس وقت حاضری سے میرا مقصد یہ ہے کہ آپ کی زیارت کی خوش نصیبی حاصل کروں، اور آپ سے عرض کروں کہ اگر آپ کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائیں تو اس کی بجا آوری میری انتہائی سعادت ہوگی، آپ نے فرمایا کہ میرا کوئی کام بھی ایسا نہیں جو تم پورا کر سکو، اس نے بجا جت سے پھر عرض کیا کہ اگر کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائی جائے تو میرے لئے باعث فخر ہوگا، آپ نے فرمایا اچھا جو میں کہتا ہوں تم اسے منظور کر دو گے؟ اس نے عرض کیا ضرور، آپ نے فرمایا تو اپنا یہ سایہ جو تم نے مجھ پر ڈال رکھا ہے اسے

لاہور میں تشریف آوری اپنے شیخ کی اجازت کے بعد پچیس سال کی عمر میں آپ لاہور تشریف لائے، یہ اکبر کا دور حکومت تھا، لاہور پہنچ کر آپ مولانا سعد اللہ کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے جو اُس زمانے کے متبحر عالم تھے، پھر کچھ سال مولانا نعمت اللہ سے اور مفتی عبدالسلام لاہوری سے بھی تعلیم حاصل کی۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

ہٹالو، اس لئے کہ جو اللہ کے سائے میں زندگی بسر کرتے ہیں، انہیں دوسرے سائے کی ضرورت نہیں، دوسری بات جو میں تم سے کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم جہاں سے آئے ہو واپس چلے جاؤ، حاکم آپ کی یہ بات سنی کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ کر اتنی دودھ کھڑا ہو گیا کہ اُس کا سایہ آپ پر نہ پڑے، پھر اُس نے عرض کیا کہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں اور واپس جاتا ہوں، لیکن میری تمنا یہ ہے کہ آپ اپنے خاص وقت میں جب آپ یاد حق میں مشغول ہوں تو میرے لئے دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ مجھے اُس وقت کے لئے زندہ نہ رکھے جب اللہ کے سوا میرے دل میں کوئی دوسرا خیال آئے اور میں تمہیں اُس وقت یاد کروں۔

شیخ خضر سیستانی نے ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔

(خزینۃ الاصفیاء ص ۱۳۶-۱۳۷ بحوالہ سفینۃ الاولیاء)

(فٹ نوٹ صفحہ ۵۱۵)

اے مفتی عبدالسلام لاہوری اپنے دور کے اُن بے مثل علماء ہیں تھے، جن کی درس و تدریس میں مثال نہ ملتی تھی، انھوں نے کتب درسیہ کی تعلیم شیخ اسحاق بن کا کو، شیخ سعد اللہ، وراثی صدر الدین سے پائی تھی، اور حکمت و فلسفے کی کتابیں علامہ فتح اللہ شیلزی سے پڑھیں تھیں، تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ لاہور میں درس و تدریس میں بچاس سال تک مشغول رہے، اُن کے مشہور تلامذہ میں شیخ محب اللہ آبادی

ریاضتیں اور مجاہدے لاہور میں آپ دن کے وقت بندگوں کے
مقابلہ باغوں یا جنگلوں میں یا درختوں میں
مشغول رہتے، اور جو مریدین و معتقدین آپ کے ساتھ ہوتے وہ بھی
الگ الگ ایک ایک درخت کے نیچے یا درالہی میں مشغول ہو جاتے، جب
نماز کا وقت آتا تو سب مل کر نماز یا جماعت ادا کرتے، لوگوں کے میل جول اور ان کی
صحبت سے ہمیشہ متنفر رہتے، رات کو حجرے کا دروازہ بند کر کے بیدار رہتے
اور تنہا قبلے کی طرف منہ کئے بیٹھے رہتے اور ساری رات عبادت میں مشغول
رہتے، اکثر یہ اشعار پڑھتے :-

کے کو غافل از حق یک زمان ست
در آں دم کافر ست اما نہان ست
کزین غفلت بجاں پیوستہ بودے
در اسلام بروئے بستہ بودے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۵)

مفتی عبدالسلام دیوبند اور میاں میر لاہوری ہیں ان کی تصانیف میں بیضاوی کلام شیعہ ہے
ماثر لا امر میں ہے کہ وہ لشکر میں مفتی تھے، ایک طویل عرصے تک اس خدمت پر
مامور رہے، پھر اس خدمت سے علیحدہ ہو گئے، اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے
تقریباً پچاس سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے۔

مفتی عبدالسلام لاہوری نے اسی سال کی عمر میں ۱۳۳۷ھ میں وفات
پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۲۲۲-۲۲۳)

(فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ۱۵)

۱۵ جن مقامات اور باغوں میں آپ عبادت کے لئے جاتے تھے
داراشکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں ان مقامات اور باغوں کے
نام تفصیل سے لکھے ہیں۔

سرہند کو روانگی لاہور میں جب آپ ولایت کی شہرت ہوئی اور لوگ آپ سے کچھ کچھ واقف ہونے لگے تو آپ سرہند تشریف لے گئے، لیکن وہاں آپ گھٹنوں کے درد اور سخت بیماریوں میں مبتلا رہے، اس بیماری کے زمانے میں آپ کے پاس کوئی خدمت گار اور تیمار دار نہ تھا۔

پہلا مرید سب سے پہلے مرید جنہیں آپ نے درجہ کمال کو پہنچایا، وہ حاجی نعمت اللہ سرہندی تھے، اُس زمانے میں جب کہ آپ سرہند میں بیمار تھے، حاجی نعمت اللہ کو آپ کی بیماری اور تہائی کا حال معلوم ہوا، وہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر انتہائی اخلاص و سعادت کے ساتھ آپ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے، یہاں تک کہ پیشاب پاخانہ بھی اپنے ہاتھ سے اٹھاتے تھے، جب آپ صحت یاب ہوئے تو آپ نے اُن سے خوش ہو کر فرمایا کہ ہمارے پاس دنیاوی مل و متاع نہیں جو ہم تم کو دیں، لیکن اگر تم چاہو تو ہم تمہیں روحانی نعمتوں سے مالا مال کر سکتے ہیں، حاجی نعمت اللہ سرہندی نے عرض کیا کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے، چنانچہ آپ نے اُن کو ایک ہی ہفتے میں سلوک کے درجہ کمال پر پہنچا دیا، حاجی نعمت اللہ پہلے طالب تھے جو آپ کی روحانی تعلیمات سے مستفیض ہوئے۔

لاہور میں دوبارہ تشریف آوری ایک سال سرہند میں قیام فرمانے کے بعد پھر آپ لاہور تشریف لائے اور رشد و ہدایت اور آخر عمر تک باغبانوں کے محلے میں جسے اب خان پورہ کہتے ہیں تقیم رہ کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، اور سارے پنجاب کو اپنی روحانی نعمتوں سے مالا مال کر دیا، اور اپنے مریدوں کی اصلاح فکر اور تہذیب نفس کر کے ایک ایسی جماعت پیدا کی جس سے رشد و

ہدایت کے چشمے پھوٹے۔

طریقہ بیعت بہت کم لوگوں کو بیعت کرتے تھے، جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں آتا تو اس سے پوچھتے کہ کس لئے آئے ہو اور کیا کام ہے اگر وہ کہتا کہ آپ کی ملاقات کے لئے آیا ہوں تو اس سے نہایت مہربانی سے پیش آتے، اور فرماتے آؤ بیٹھو، پھر کچھ دیر کے بعد اس کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے اور اسے رخصت کر دیتے، اگر وہ کہتا کہ میں طلب حق کے لئے آیا ہوں، فرماتے جاؤ اپنا کام کرو، بابا حق کی طلب آسان کام نہیں، بہت مشکل ہے۔ جب تک کہ تم اس کی طلب میں یگانہ نہ ہو جاؤ گے اسے نہیں پاسکو گے، اور چونکہ دل ایک ہے، اور ایک چیز میں صرف ایک چیز ہی سما سکتی ہے اس لئے مجرد ہونا چاہئے۔

جب کوئی آپ کا مرید ہوتا تو اسے یہ شعر سناتے،

شرط اول در طریق معرفت دانی کہ چیست

ترک کردن ہر دو عالم را پشت بازو دین

یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔

کے را استحاں نا کردہ صد بار

ننگردانی تو او را صاحب اسرار

مریدوں کی تربیت مریدوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے ملا خواجہ بہار می جو آپ کے مرید و خلیفہ ہیں

ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے گھر میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اتفاقاً مکان گرنے کے بخار ظاہر ہوئے، میں نے لوگوں سے کہا کہ فوراً باہر چلے جاؤ کیوں یہ مکان گرنے والا ہے، لوگ اٹھ کر باہر چلے گئے، لیکن میں وہیں

بیٹھا رہا، اور کلمہ طیب بلند آواز سے پڑھتا رہا، یہاں تک کہ چھت گری اور دو لکڑیاں آپس میں ملیں، جن کے بیچ میں میں سلامت بیٹھا رہا، جب یہ بات آپ نے سنی تو لوگوں کو امید تھی کہ آپ اس پر میری تعریف فرمائیں گے، لیکن آپ نے فرمایا، ”ہائے مرتبہ، ہائے مرتبہ“ مرتے وقت بھی اس کا خیال دل سے دور نہیں ہوتا، آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ چونکہ میں نے کلمہ طیب بلند آواز سے پڑھا تھا کہ لوگ کہیں کتنا بڑا درد ویش ہے کہ مرتے وقت بھی خدا کو یاد کرتا رہا۔ گویا اس بات پر تنبیہ تھی کہ مجھے کلمہ آہستہ آہستہ پڑھنا چاہئے تھا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اسرار و رموز میں میاں میر کا ایک واقعہ نظم کرتے ہوئے لکھا کہ اُن کے ارادت مندوں میں ہندوستان کا ایک بادشاہ تھا جس کی ہوس اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ دکن میں ملک گیری کے لئے ایک طویل عرصے تک مصروف جنگ تھا، ایک روز یہی بادشاہ اپنے پیر میاں میر کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا کہ ملک گیری میں اُس کو کامیابی حاصل ہو، آپ اُس کی بات سن کر خاموش رہے، یہاں تک کہ اُسی وقت ایک مرید نے کچھ چاندی کے سکے آپ کی خدمت میں پیش کئے، اور درخواست کی کہ یہ میں نے نہایت محنت کر کے حاصل کئے ہیں، آپ میری اس حقیر نذر کو قبول فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ یہ روپیہ ہمارے اِس بادشاہ کو دے دو، جواب بھی بادشاہی کے لباس میں گدا ہے، اگرچہ اس کی حکومت چاند، سورج اور ستاروں پر ہے، لیکن پھر بھی وہ اپنی ہولو حرص سے دنیا کے مفلس ترین لوگوں میں ہے، وہ دوسروں کے دسترخوان پر اپنی نظریں جمائے ہوئے ہے، اس کی حرص و ہوس کی بھوک نے جہان کو جلا رکھا ہے، اس کی ناداری سے خدا کی مخلوق پریشان ہے، اس کی تہید سستی

سے ضعیف آزار میں ہیں، اس کی سطوت اہل جہان کی دشمن ہے، اس کا کارواں
نوع انسانی کا رہزن ہے، اس نے اپنے فکر خام کی وجہ سے لوٹ مار کا نام
تسخیر رکھا ہے، خود اس کا لشکر اور اس کے فینم کا لشکر اس کی بھوک کی
تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہیں، شاید اسے یہ معلوم نہیں کہ فقیہ کی بھوک کی آگ
تو اسی کی حد تک محدود رہتی ہے، لیکن بادشاہ کی بھوک کی آگ ملک و
ملت کو فنا کر دیتی ہے، شاید یہ بھی نہیں جانتا کہ جو شخص غیر اللہ کے لئے تلوار
اٹھاتا ہے، وہ خود اپنے سینے میں خنجر مارتا ہے۔

اتباع سنت حضرت میاں میر بے حد متبع سنت تھے، عبادات
میں آپ فرائض، سنن، موکدہ، تہجد اور ان نمازوں
کا پابندی سے خیال رکھتے تھے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے ادا فرمائی ہیں، اسی طرح روزوں میں بھی پابندی فرمایا کرتے تھے۔
بزد و درخ گوش صدق و صفا
ولیکن می افزائے بر مصطفیٰ

سماع سماع سے ذوق رکھتے تھے، ہندی راگ کو خوب سمجھتے، اور
اس سے بے حد خوش ہوتے تھے، لیکن وجد و رقص نہیں
فرماتے تھے۔

اخلاق سراپا حسن اخلاق تھے، حین اخلاق کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی شخص
تھوڑی دیر کے لئے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا
تو اس سے اس قدر عنایت و شفقت سے پیش آتے کہ اسے یہ خیال ہوتا
کہ آپ کی جو عنایت و شفقت مجھ پر ہے وہ کسی دوسرے پر نہیں، داراشکوہ

کا بیان ہے کہ آپ اس قدر مجسمہ اخلاق تھے کہ اگر اخلاق کسی مرد کی صورت میں ہوتے تو حضرت میاں میر کی صورت میں ہوتے یہ

مسلک میاں میر ایک قدیم طرز کے صوفی تھے جو فنا فی اللہ کی منزل میں تھے، اُن کا تمام وقت عبادتوں اور ریاضتوں میں گزرتا تھا، وہ وحدت الوجود کو، اپنا منہائے نظر بنائے ہوئے تھے عمل صراح، میں روایت ہے کہ آپ کو شیخ محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ کا اکثر

۱۔ سکیۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۸

۲۔ شیخ محی الدین ابن عربی کا نام محمد اور اُن کے والد کا نام علی ہے وہ اندلس کے ایک شہر مرسیہ میں ۷۰۰ھ رمضان ۵۶۰ء کو پیدا ہوئے، کہا جاتا ہے کہ ایک واسطہ سے اُن کو خلافت حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے حاصل ہے اور یہ واسطہ ابو محمد یونس القصار ہاشمی ہیں۔ نفحات الانس میں ان کی ایک اور نسبت کا ذکر ہے انھیں کی تحریر سے ملتا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خرقہ ابو الحسن بن علی بن جامع سے لیا ہے، اور ابن جامع نے حضرت خضر علیہ السلام سے، ابن عربی کی تصانیف پانچ سو سے زیادہ ہیں۔ فتوحات مکی اور نصوص الحکم اُن کی شہور تصانیف میں ہیں۔ نفحات الانس میں ہے کہ شیخ شہاب الدین ہمدانی اور شیخ محی الدین ابن عربی کی باہمی سے ملاقات ہوئی، جب وہ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے تو ابن عربی سے کسی نے شیخ شہاب الدین کے متعلق دریافت کیا کہ آپ نے ان کو کیسا پایا؟ فرمایا، وہ تو میرا پاسنت ہیں۔ اسی طرح شیخ شہاب الدین سے کسی نے شیخ محی الدین ابن عربی کے متعلق تو فرمایا کہ وہ تو حقائق کے دریا ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے جمعہ کی شب میں ۲۲ ربیع الآخر ۷۳۵ھ میں دمشق میں وفات پائی اور جبل قاسیون کے دامن میں دفن کئے گئے۔ یہ جگہ اب موضع صالحیہ شہور ہے۔ (خریۃ الصغیر جلد اول ص ۱۱۲-۱۱۳ و نفحات الانس ص ۲۹۶ و ۵۰۴)۔

حصہ حفظ یاد تھا اور مولانا جامی کی شرح فصوص الحکم بھی آپ کو پوری حفظ تھی شہرت سے آپ کو نفرت تھی اور گوشہ تنہائی کو آپ عزیز رکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ سندھ سے لاہور تشریف لانے کے بعد بھی چالیس سال تک لاہور والوں کو اس کا بھی علم نہ ہو سکا کہ ان کے شہر میں ایسی بزرگ ترین ہستی موجود ہے جس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔

تعلیمات مریدوں سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ سالک کے لئے سلوک میں پہلا مرتبہ شریعت ہے، طالب کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حفظ مراتب کی کوشش کرے، جب وہ شریعت کے حقوق مکمل طور پر ادا کرنے لگے گا تو شریعت کے ادائے حقوق کی برکت سے اس کے دل میں طریقت کی خواہش خود بخود پیدا ہوگی، اور جب طریقت کے

۱۔ آپ کا اسم گرامی عبدالرحمن، لقب عماد الدین اور کن الدین اور تخلص جامی تھا، آپ کے والد کا نام احمد دشتی تھا، آپ کی ولادت ۸۱۶ھ کو ہوئی، مولانا جامی عارف کامل، علوم ظاہری و باطنی کے ماہر اور جامع تھے، حضرت سعد الدین کاشغری کے ارشد مریدین میں تھے، زمانہ طفولیت میں جب آپ خراسان میں تھے تو خواجہ محمد یارساکی صحبت میں ایک عرصے تک رہے، خواجہ احرار قدس سرہ کو آپ سے بڑی عقیدت تھی، اور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ انتہائی عقیدت و محبت میں اپنے مکتوبات کے لئے لفظ عرضداشت لکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خراسان میں ایک آفتاب ہے پھر لوگ چراغ کی روشنی میں ماوراء النہر کیوں آتے ہیں، آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۴۴۴ ہے ۸۱ سال کی عمر میں ۸۱۸ھ محرم کو جمعہ کے روز ۸۹۵ھ میں آپ نے وفات پائی، آپ کا مزار مبارک خیابان ہرات میں ہے۔

(ماخوذ از سفینۃ الاولیاء تذکرہ مولانا عبدالرحمن جامی)

حقوق کو بھی اچھی طرح ادا کر لے گا تو اللہ تعالیٰ بشریت کا حجاب اُس کے دل کی آنکھوں سے دور کر دے گا، اور حقیقت کا مفہوم اُس پر منکشف ہو جائے گا جو روح سے متعلق ہے اور طریقت باطن کی طہارت اور مرتبہ حقیقت کا ادراک ہے، اور حقیقت کا مفہوم وجود کو فانی بنانا اور دل کو ماسویٰ اللہ سے خالی کرنا ہے جو درجہ قرب تک واصل ہوتی ہے۔ انسان نفس، دل اور روح کا مجموعہ ہے، ان میں سے ہر ایک کی اصلاح مقصود ہے، نفس کی اصلاح شریعت سے، دل کی طریقت سے اور روح کی حقیقت سے ہوتی ہے یہ

استغنا استغنا اور توکل آپ کا خاص شعار تھا، بڑے بڑے امرا اور بادشاہ آپ کے معتقد تھے، جو ہمیشہ نذر و نیاز کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے لیکن آپ اُن کے پیش بہانہ نہ لے کر یہ کہہ کر رد فرما دیتے کہ تم مجھے فقیر سمجھ کر یہ نذرانے لاتے ہو، لیکن میں فقیر اس کا مستحق نہیں ہوں، میں غنی ہوں، جس کا اللہ پودہ فقیر نہیں ہوتا، جاؤ، جا کر گھٹوں کو دو، داراشکوہ کا بیان ہے کہ میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا کہ جس کی نگاہ میں دنیا اس قدر حقیر ہو جتنی آپ کی نگاہ میں تھی۔

وقت کا تحفظ اوقات کی اصاعت سے بچتے، اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے، آخر عمر میں پیری کی وجہ سے گھٹنوں میں درد رہنے لگا تھا، جس کی وجہ سے دن کو بھی حجرے ہی میں رہتے، اور دروازہ بند رکھتے، اگر کوئی خاص ضرورت سے آپ کے پاس حاضر ہوتا تو اسے حجرے میں آنے کی اجازت دیتے، اور اسی وقت اُس کے لئے دعا فرما کر اُسے واپس کر دیتے اور فرماتے

کہ میاں تمہیں کام اور مشغولیت ہے اور مجھے بھی، تم جا کر اپنے کام میں لگو اور میں اپنے کام میں مشغول ہوں۔

لباس آپ کا لباس سادہ اور کم قیمت ہوتا تھا ایک پگڑی سر پر اور موٹے کپڑے کا کرتہ زیب تن فرماتے تھے، صفائی اور پاکیزگی کا بے حد خیال رکھتے تھے، جب کبھی کپڑے میلے ہو جاتے تو خود دریا پر جا کر اُن کو دھو تے، اور مریدوں کو صفائی اور پاکیزگی کی تاکید فرماتے، آپ کے طریقے میں خرقہ پہننے کا رواج نہیں، فرمایا کرتے تھے کہ لباس اس قسم کا ہونا چاہیے کہ کوئی شخص پہچان نہ سکے کہ یہ فقیر ہے یا غنی۔

جہانگیر کی عقیدت جہانگیر آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ اُس نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ:-

”جب مجھے علم ہوا کہ لاہور میں ایک درویش میاں سیرنامی سندھ کے رہنے والے نہایت فاضل، بابرکت اور صاحب حال بزرگ ہیں، اور توکل اور گوشہ عزلت کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، فقر کی دولت کی بدولت غنی اور دنیا سے مستغنی ہیں، ان اوصاف کی بناء پر میرا دل اُن کی ملاقات کے لئے بے چین ہوا، اور اُن کی زیارت کے لئے میں نے اپنے دل میں غیر معمولی رغبت پائی، لیکن میرے لئے لاہور جانا مشکل تھا،

۱۔ ماخوذ از سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۳۲-۳۵ ۲۔ ایضاً ص ۲۸
۳۔ جہانگیر نامہ میں تخت نشین ہوا، اور ۲۸ صفر ۹۶۲ھ کو ۲۳ سال ۸ ماہ اور پندرہ روز حکومت کر کے اُس نے اُنسٹھ سال، گیارہ ماہ بارہ روز کی عمر میں وفات پائی (فٹ نوٹ مقالات الشوریٰ ص ۳۲۵ مرتبہ سید حسام الدین راشدی بحوالہ مفتاح التواستخ)۔

میں نے ایک خط کے ذریعہ اُن کی خدمت میں اشتیاق ملاقات ظاہر کیا، حضرت باوجود ضعف پیری کے زحمت فرما کر تشریف لائے اور ایک طویل عرصے تک میں خلوت میں آپ کے ساتھ بیٹھا، اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوا، بلاشبہ آپ کی ذات غیر معمولی شرف کی حامل ہے، اور اس زمانے میں آپ کا وجود مغنمات میں ہے، ان ملاقاتوں میں مجھے آپ سے بہت سے معارف و حقائق سُننے کا اتفاق ہوا، میں نے ہر خیر چاہا کہ آپ کی خدمت میں نذر پیش کروں لیکن آپ کے پایہ عالی کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنی اس تمنا کے اظہار کی جرات نہ ہوئی، آخر میں نے ایک سفید ہرن کی کھال جانناز کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کی۔“

سکینۃ الاولیاء میں ہے کہ جہانگیر نے اس ملاقات کے موقع پر آپ سے عرض کیا کہ آپ مجھ سے کسی بات کی خواہش کریں۔ آپ نے فرمایا کیا جو کچھ میں طلب کروں گا، تم دو گے؟ جہانگیر نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا تو بس میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اب رخصت کی اجازت دو، جہانگیر نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے رخصت کیا، اور آپ لاہور واپس تشریف لے آئے، لاہور واپس آنے کے بعد بھی جہانگیر نے آپ سے خط و کتابت جاری رکھی، اور خود اپنے ہاتھ سے خط لکھے، ایک کے آخر میں لکھا ”محررہ جہانگیر شاہ بعرض حضرت شیخ میر ربسہ“ ایک اور خط میں لکھا ”بعرض میر دستگیر شیخ میر ازیں نیاز مند درگاہ الہی جہانگیر بعد از عرض دعا التماس یہ ہے کہ دعا کے وقت کبھی کبھی اس بندے کو بھی یاد فرمایا کریں۔“

شاہجہاں کی عقیدت
شاہجہاںؑ بھی آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا، وہ ہمیشہ ایک مخلص معتقد کے دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نامہ ”عمل صالح اور سکنۃ الاولیاء میں ان ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے، بادشاہ نامہ میں ہے:-

۸ رجب ۱۰۴۲ھ

خدیو خدا آگاہ ارباب صفوت و صفاء رہنمائے اصحاب معرفت و تقی، قدوۃ حق شناساں صافی ضمیر، میاں میر کہ جن کی تشریف آوری سے پہلے بھی یہ گھر مہبط انوار بن چکا تھا، دوبارہ تشریف لائے، اور بادشاہ کی گزارش پر آپ نے بہت سے دقائق حقائق اور غوامض و معارف کو اس دلکش طریقے پر بیان فرمایا جو انشراح صدر اور انبساط قلب کا موجب تھا۔

شاہجہاں پر آپ کی عقیدت کا تاثر اس درجہ تھا کہ وہ آپ کی بزرگی اور علوئے مرتبت کے سامنے کسی دوسرے کو نہ مانتا تھا، ”عمل صالح“ میں ہے کہ

حضرت بادشاہ حقائق آگاہ، اُس مقتدائے اصحاب عرفان دیاں میر کی صحبت کے اس درجہ والہ و شیدا تھے کہ اُس سے زیادہ کسی عقیدت و شیفتگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ بارہا آپ کے محمودہ اطوار اور مبارک احوال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے کہ اس سرزمین کے مشائخ میں نے میاں میر جیسا کامل نہیں دیکھا اور ان کے بعد شیخ المشائخ شیخ فضل اللہ ہیں۔

۱۷ ہمد حکومت شاہجہاں ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ تا یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ
وفات ۲۶ رجب ۱۰۸۶ھ۔ رفٹ نوٹ مقالات الشعراء ص ۳۹
بضمن ابراہیم۔

شاہجہاں کو نصیحتیں
 دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں ان دو ملاقاتوں
 کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اُن نصائح کو
 لکھا ہے جو ان مواقع پر آپ نے شاہجہاں کو فرمائی تھیں، وہ بیان کرتا
 ہے کہ شاہجہاں دو مرتبہ حضرت میاں میر کے گھر پر حاضر ہوئے، میں بھی
 دونوں مرتبہ اُن مجالس میں حاضر تھا، آپ نے اُن سے بہت ہی لطیف
 باتیں کیں، اور پسند و نصائح فرمائے، شاہجہاں آپ کے ارشادات اور
 شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ترک و تجرید میں
 میں نے میاں میر جیسا کوئی درویش نہیں دیکھا، جب شاہجہاں میاں میر
 کے حجرے میں داخل ہوئے تو میرے ہمراہ چار آدمی تھے، پہلی بات جو آپ
 نے شاہجہاں سے فرمائی وہ یہ تھی کہ عادل بادشاہ کو اپنی رعیت اور سلطنت
 کی خبر گیری کرنی چاہئے، اور اپنی تمام قوتیں اپنی مملکت کے آباد کرنے میں
 صرف کرنی چاہئیں، کیونکہ اگر رعیت آسودہ حال اور ملک آباد ہے تو
 فوج مطمئن اور خزانہ معمور ہوگا۔

دارا شکوہ کی عقیدت
 دارا شکوہ بھی میاں میر کا
 عاشق تھا، اور اس میں کوئی شبہ

۱۔ ماخوذ از سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۳۸
 ۲۔ دارا شکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا، جو اپنی دو بہنوں حور النساء اور
 جہاں آرا بیگم کے بعد ۲۱ صفر روز شنبہ ۱۰۲۳ھ کو بابو سلیم المناطی بہ
 ممتاز محل کے بطن سے اجمیر میں بمقام ساگر تال پیدا ہوا، ابو طالب سلیم نے
 اس کی تاریخ ولادت اس مصرع سے نکالی ہے

”گلِ اولین گلستانِ شاہی“

راغیہ صفحہ پر

۱۰۲۴ھ

نہیں کہ آپ نے بھی اس کی روحانی تربیت اور ذوق و شوق کو آب و رنگ بخشا تھا۔

داراشکوہ کی روایت ہے کہ جب میری عمر بیس سال کی تھی، میں ایسا سخت بیمار ہوا کہ طبیعوں نے جواب دے دیا، میرے والد مجھے لے کر سیاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کمال عقیدت و نیاز مندی سے عرض کیا

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۵۷)

اُس نے شیخ میرک بن فصیح الدین ہروی اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی، شاہجہاں کو اس سے خاص لگاؤ تھا، اُس نے اسے شاہ بلند اقبال کا خطاب دے رکھا تھا، اُس کے مراتب و مناصب بھی اپنے دوسرے بھائیوں سے زیادہ تھے، شاہجہاں اُسے اپنی ایک ہی دلاڑخانی میں رکھتا تھا، اس کا علمی مرتبہ بھی بہت بلند تھا، تصوف سے اُس کو غیر معمولی دلچسپی، اور صوفیا سے غیر معمولی عقیدت تھی، اُس کی تصانیف جن کا اس وقت تک سب سے چل سکا ہے، اور جو فارسی ادب اور تصوف کا بہترین سرمایہ سمجھی جاتی ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) سفینۃ الاولیاء (۲) سکنۃ الاولیاء (۳) رسالہ حق نماد (۴) حقائق العارفین یا شطیحات (۵) مجمع البحرین (۶) ستر اکبر (۷) ترجمہ بھگوت گیتا (۸) بیاض داراشکوہ (۹) دیوان و لہر اشکوہ (۱۰) دیباچہ مرقع (۱۱) مثنوی (۱۲) نادر النکات (۱۳) رسالہ معارف (۱۴) سکا تیب۔

۳۱ رزی الحجہ ۱۱۶۹ھ کو اپنے بھائی عالمگیر کے حکم سے قتل کیا گیا، سیف خاں، نظریگ چیلہ اور بعض دوسرے لوگوں نے اُسے قتل کیا، اور ہمایوں کے مقبرے کے تہ خانے میں جس میں شہزادہ دانیال اور شہزادہ مراد مدفون ہیں دفن کیا گیا، عمل صالح میں ہے کہ اسی لباس میں دفن کیا گیا جو قتل کے وقت اُس کے جسم پر تھا فٹ نوٹ مقالات الشعراء - یمن قادی ص ۵۰۴ تا ۵۱۰۔

کہ یہ میرا لڑکا بیمار ہے، اور طبیب اس کے علاج سے عاجز آچکے ہیں، آپ اس کے لئے دعا فرمائیے آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر وہ پیالہ جس سے خود پانی پیا کرتے تھے پانی سے بھر کر اور اس پر دم کر کے مجھے دیا، میں اس کے پینے سے ایک ہفتے بعد بالکل اچھا ہو گیا۔
یہ واقعہ پہلا نقش تھا جو میاں میر کی محبت و عقیدت کا دارا شکوہ کے قلب میں قائم ہوا، اس کے بعد اُس کی عقیدت میاں میر سے بڑھتی ہی گئی۔

دوسری ملاقات کے لئے جب شاہجہاں میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس وقت بھی دارا شکوہ اُس کے ساتھ تھا، میاں میر مکان کی دوسری بالائی منزل میں تشریف فرما تھے جب شاہجہاں اور دوسرے لوگ آپ سے ملاقات کے لئے بالا خانے پر گئے تو دارا شکوہ کی عقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بیان کرتا ہے کہ میں اپنے جو توں کو نیچے چھوڑ کر اور اُس گھر کو وادی مقدس سمجھ کر ننگے پاؤں اور پر گیا، میاں میر بادشاہ سے گفتگو کرتے وقت لونگیں چبا چبا کر بیٹھنے لگے جاتے تھے، میں اُن لونگوں کو اٹھا کر کھاتا جاتا تھا، اُسی وقت سے میرے دل میں دنیا سے بے تعلقی اور اہل اللہ کی محبت بڑھتی گئی، اور اُس کی برکت سے بڑے بڑے اثرات مجھ پر ظاہر ہوئے، اور مجھے وہ میل گیا جو ملنا تھا، اسی کی برکت سے مجھے قوت بیان اور موزنی طبع حاصل ہوئی، اور مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن بھی میرا حشر آپ کے گداؤں میں ہوگا، بادشاہ کے رخصت ہونے کے بعد میں تنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا، آپ دیر تک میرے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے، اور میرے حق میں دعا کی۔

میاں میر بھی داراشکوہ پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے، آپ کی عادت مبارک تھی کہ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، آپ اُس سے پوچھتے کہ تمہارا کیا نام ہے؟ پھر اُس کے لئے دعائے خیر کر کے رخصت فرماتے داراشکوہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرا ملازم کسی کام سے آپ کی خدمت میں گیا، آپ نے اُس سے بھی حسبِ عادت نام پوچھا اور دعا فرمائی، جب وہ رخصت ہونے لگا تو اُس نے عرض کیا کہ میں فلاں کا ملازم ہوں اگر وہ مجھ سے پوچھیں کہ حضور نے میرے متعلق کیا فرمایا تھا تو میں کیا عرض کروں فرمایا اگر تم اُس کے ملازم ہو تو بیٹھ جاؤ، پھر یہ مصرعہ پڑھا

لے گل! تو خرسندم تو بوسے کسے داری

اور اُس پر نہایت توجہ اور عنایت فرمائی یہ

حضرت میاں میر کے ایک خلیفہ خواجہ بہاری کا بیان ہے کہ ایک روز ہم نے دیکھا کہ آپ ہاتھ میں تسبیح لئے کچھ پڑھ رہے ہیں، درآں حالیکہ اس سے پہلے ہم نے بھی آپ کے ہاتھ میں تسبیح نہ دیکھی تھی، میں نے عرض کیا کہ آپ تو تسبیح لے کر کبھی نہیں پڑھتے، یہ کیا ہے اور کس کے لئے ہے، آپ نے داراشکوہ کا نام لے کر فرمایا چونکہ وہ بیمار ہے اس کے لئے پڑھتا ہوں۔

حاجی محمد بنانی کی روایت ہے کہ کسی شخص نے ایک دن داراشکوہ کا نام لے کر میاں میر سے پوچھا کہ کیا آپ اُس پر نظر عنایت رکھتے ہیں؟ فرمایا وہ تو ہماری جان اور آنکھ ہے یہ

جب داراشکوہ کو بیعت کا خیال پیدا ہوا اُس وقت میاں میر وفات

۱۔ سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۴۱-۴۲ ۲۔ ایضاً ص ۴۲

۳۔ ایضاً () ص ۴۲

پاچکے تھے، اس لئے اُس نے آپ کے محبوب ترین حلیفہ ملا محمد بخشی سے بیعت کی، لیکن اس کا بیان ہے کہ وہ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی روح پُرفتوح سے فیوض و برکات حاصل کرتا رہا، سکنۃ الاولیاء میں اُس کی روایت ہے کہ آپ نے مجھے غائبانہ طور پر اپنی وفات کے بعد مشاہدہ اور مراقبہ سکھایا، اسی عالم کی ایک اور کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر فرمایا، اپنی امانت لے لو، آپ کے سینہ مبارک سے اس قدر انوار میرے سینے میں داخل ہوئے کہ میں نے عرض کیا حضور اب بس کیجئے میں اب اس سے زیادہ سنبھل نہیں ہو سکتا، اُس وقت سے میں اپنے سینے کو منور اور پُر ذوق پاتا ہوں، ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ آپ کی وجہ سے مجھے سِلۃ القدر کی زیارت ہوئی۔

وفات میاں میراٹھاسی سال کی عمر میں، ربيع الاول ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ء کو واصل الی اللہ ہوئے۔ سکنۃ الاولیاء میں ہے کہ آخر عمر میں آپ اسہال میں مبتلا ہوئے، پانچ روزہ تک بیمار رہے، اور محلہ خان پورہ میں اپنے حجرے میں وفات پائی آج بھی آپ کا مزار ہاشم پورہ میں جواب میاں میر کے نام سے موسوم ہے زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

مزار مبارک کی تعمیر آپ کے مزار مبارک کی تعمیر کے لئے دارا شکوہ نے جو آپ کا معتقد تھا، تمام سالہ جمع کیا، لیکن ابھی تعمیر کی نوبت نہ آئی تھی کہ دارا شکوہ اپنے بھائی کے حکم سے قتل کیا گیا۔ بہت دن تک مزار کی عمارت نامکمل رہی،

لے یہ تمام واقعات سکنۃ الاولیاء کے اردو ترجمے سے ماخوذ ہیں۔

کئی سال کے بعد عالمگیر آپ کے مزار پر حاضر ہوا، اور اُس نے عمارت کو مکمل کرایا، داراشکوہ کی بیوی نادیرہ کی قبر بھی آپ کے مزار مبارک کے قریب ایک شکستہ بارہ دری میں واقع ہے۔

متعدد مریدوں اور عقیدت مندوں نے تاریخ و وفات وفات کہہ کر اپنی عقیدت اور دلی سوز و غم کا اظہار کیا، ملا فتح اللہ جو آپ کے مریدوں میں تھے اُن کی یہ تاریخ آپ کے گنبد کے دروازے پر کندہ ہے۔

میاں میرسر دفتر عارفان
کہ خاکِ درخش خاکِ اکیسر شد

۱۷ اورنگ زیب شاہجہاں کا تیسرا لڑکا تھا، جو ۱۶۱۸ء میں مالوسے کے قریب روہڑ میں پیدا ہوا، دہلی کے قریب لشکر گاہ میں یکم ذی قعدہ ۱۰۲۸ھ جولائی ۱۶۵۸ء میں اُس کی رسم تاج پوشی ادا ہوئی، احمد نگر میں جب کہ وہ مہٹوں کے قلع قمع میں مصروف تھا، ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ فروری ۱۶۷۷ء میں ایک خفیف علالت کے بعد عالم آخرت کی راہ لی، وفات سے چند گھنٹے پہلے جب کہ دے کے دورہ میں مبتلا تھا، ایک عرض داشت پر وصیت لکھی کہ میری تجہیز و تکفین میں خلاف سنت کوئی رسم نہ کی جائے، خواجہ برہان الدین غریب کے پائیں مجھے دفن کیا جائے، اور کوئی پکی قبر یا اوپر سقف و گنبد نہ بنایا جائے، اس کی وصیت کے مطابق جنازہ احمد نگر سے خلد آباد (دکن) لایا گیا، تقریباً تمام راستے پر دورۂ عام رعایا کے لوگ کھڑے آنسوؤں کے موتی، پنچھاؤں کرتے تھے، اور ہزار ہا اہل لشکر ماتم کناں ہرکاب تھے۔ (ماخوذ تاریخ مسلمان پاکستان و بھارت

ص ۵۲۳-۵۳۶-۵۶۶-۵۶۷)

۲۵ رود کوثر ص ۳۶۹)

سفر جانبِ شہر جاوید کرد
چو زینِ نخت آباد د لگیر شد
خرد بہر سالِ وفاتش نوشت
بفردوس والا میاں میر شد

۱۰۲۵ھ

خزینۃ الاصفیاء میں مفتی غلام سرور لاہوری نے اُن کی تاریخ ولادت و وفات کہہ کر اس طرح اہل عقیدت کیا ہے۔

میر دنیا و دیں میاں میریت
واقفِ رازِ محرمِ اسرار
ہست "میر بہشت" تولیدش
ہم میاں میر چشمہ انوار
۹۵۷ھ

باز فرمود "شیخ والا جاہ"
عقل تولید او بصد تکرار
"بندۂ مقتدا میاں میر" است
۹۵۷ھ
سالِ تولید آں شہ ابرار

"ہادی صدق میر اشرف" خاں
۱۰۲۵ھ
وصل آں شاہ زبدۂ الاخیار
نیز فیاض حق ولی آمد
ہم میاں میر دستگیر "ای یار
۱۰۲۵ھ

ملہ یہ تمام تاریخیں مقالات الشعراء کے فٹ نوٹ ص ۵۰۲-۵۰۳ سے لی گئی ہیں۔

مملفوظات حضرت میاں میر نے باوجود کمال و فضل کے کوئی کتاب نہیں لکھی، اور نہ کبھی کوئی شعر فرمایا لیکن پھر بھی جب کبھی کسی آیت یا حدیث یا بزرگوں کے مشکل اشعار کے معنی بیان فرماتے تو علماء و فضلا ذمگ رہ جاتے لیکن اگر آپ کے بیان کئے ہوئے مضامین و مطالب کو کوئی لکھنا چاہتا تو آپ اسے ناپسند فرماتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کی مجلس میں التبعظیم الامراللہ والشفقہ علی خلق اللہ پر گفتگو چھڑی، اس مجلس میں ایک عالم موجود تھے، آپ نے اُن سے پوچھا کہ اس قول کا کیا مطلب ہے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ امر الہی کو بجالانا چاہئے، اور اللہ کے بندوں سے ہر بانی سے پیش آنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا اس سے زیادہ بہتر معنی بیان کیجئے، اُنھوں نے عرض کیا کہ آپ ہی ارشاد فرمائیے، فرمایا امر سے مراد روح ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے قل الروح من امر ربی، روح کی تعظیم یہ ہے کہ اُسے یاد الہی سے غافل نہ رکھا جائے، اور خطرات کو دور کیا جائے، اور خلق سے مراد خلقت ہے، یعنی اپنے اعضا، اُن پر شفقت یہ ہے کہ اُن سے کوئی فعل خلاف شرع صادر نہ ہو، تاکہ وہ آخرت کے عذاب میں گرفتار نہ ہوں۔

ایک دفعہ اپنے بعض مریدوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میری ہڈیوں کو نہ بچنا اور میری قبر پر دوسروں کی طرح دوکان نہ بنالینا۔ فرمایا کرتے تھے کہ حُب جاہ کو دل سے نکالنا بڑا کام ہے۔

۱۔ سکنۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۴ ۲۔ ایضاً ص ۳۵-۳۶
۳۔ ایضاً ص ۵۱ ۴۔ ایضاً ص ۵۱

میاں میر کے خلفاء میں حسب ذیل خلفاء کو خاص شہرت
خلفاء حاصل ہے۔

- (۱) حاجی نعمت اللہ سرہندی (۲) مولا محمد بدشتی (۳) میاں
نتھ صاحب (۴) حاجی مصطفیٰ سرہندی (۵) مولا حامد گجر (۶)
مولا روحی مسکئی بہ ابراہیم (۷) مولا خواجہ کلاں (۸) حاجی صالح کشمیری
(۹) مولا عبدالغفور۔

حاجی نعمت اللہ ان بزرگوں میں
حاجی نعمت اللہ سرہندی تھے کہ جنہیں میاں میر نے سب سے
پہلے اپنے حلقہ ارادت میں داخل کیا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے
سب سے پہلے اپنے اشغال کی تلقین حاجی نعمت اللہ سرہندی کو کی،
حاجی نعمت اللہ نے ۱۰۱۷ھ میں وفات پائی۔

نعمت اللہ

میر کے خلفاء میں حسب ذیل خلفاء کو خاص شہرت حاصل ہے۔

حاجی نعمت اللہ سرہندی (۲) مولا محمد بدشتی (۳) میاں
نتھ صاحب (۴) حاجی مصطفیٰ سرہندی (۵) مولا حامد گجر (۶)
مولا روحی مسکئی بہ ابراہیم (۷) مولا خواجہ کلاں (۸) حاجی صالح کشمیری
(۹) مولا عبدالغفور۔

لے سیکنتہ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۰۳ - ۱۰۴

(۸۲)

شاہ محمد غوث لاہوری گیلانی

حالات شاہ محمد غوث لاہوری کے والد کا اسم گرامی سید حسن پشاورى تھا، شاہ محمد غوث علوم ظاہری و کے جامع، اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے، اور سلسلہ قادریہ میں اجازت و خلافت اپنے والد بزرگوار سید حسن شاہ پشاورى سے حاصل کی تھی۔

سیاحت پھر طلب حق میں انھوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت کی، اور سید میران بھیکہ چشتی،

سید حسن پشاورى اپنے والد بزرگوار سید عبداللہ گیلانی کے مرید و خلیفہ تھے ان کے دادا سید محمود بغدادی سے تشریف لاکر ٹھٹھے میں سکونت پذیر ہوئے، سید محمود کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سید عبداللہ نے پشاور میں سکونت اختیار کی، سید عبداللہ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔

عبد الغفور نقشبندی اور خلفاء حاجی محمد نوشاہؒ اور دوسرے بزرگوں کی

(رقبہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۱۷)

صاحب رسالہ غوثیہ کے بیان کے مطابق سید حسن پشاورؒ نے ۱۱۵۷ھ میں دفات پائی اور ان کا مزار پرنوار پشاور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے (ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۸۸)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا ۱۷)

۱۷ حاجی محمد قادریؒ شہور بہ نوشاہ گنج بخش شاہ سلیمان قادری کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے۔ وہ سلسلہ دہ نوشاہیہ کے امام و مقتدا ہیں، حاجی محمد قادری کے والد کا اسم گرامی حاجی علاء الدین تھا جو نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے، ان کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی جیولی تھا، حاجی علاء الدین کی سکونت موضع گلپانوالی میں تھی، جب حضرت حاجی نوشاہ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو ان کے والد نے ان کو ایک حافظ و قاری کے سپرد کیا تاکہ وہ ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ چنانچہ چند ماہ میں حاجی نوشاہ نے قرآن مجید حفظ کر لیا، اس کے بعد وہ زہد و ریاضت میں مشغول ہو گئے، اور ساندل بار کے جنگل میں مجاہدے کرتے رہے، پھر انھوں نے موضع نوشہرہ میں ایک بزرگ کی صاحبزادی سے شادی کر لی اور وہیں سکونت اختیار فرمائی، چھ سال تک متواتر دریا کے کنارے تمام تمام رات کھڑے ہو کر یادِ الہی میں مصروف رہتے، اور تمام دن مسجد میں تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے تھے، پھر وہ موضع بھیلوال (بدھوال ضلع شاہ پور) میں حاضر ہوئے، اور شاہ سلیمان قادری سے بیعت کی استدعا کی، آپ نے حاجی محمد قادری کو دیکھ کر فرمایا۔ تم نے بہت انتظار دکھایا ہم تو تمہارے دیر سے منتظر ہیں، آؤ، ہمارا گھر تمہارا گھر ہے، اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ تمہاری امانت ہے، پھر آپ نے ان کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر لیا، اور اپنے پاس رکھ کر سلوک و معرفت کی تکمیل کرائی، اور خرقہ خلافت سرفراز فرما کر "نوشاہ گنج بخش" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

خدمت میں حاضر ہوئے، اور شرف باطنی سے مشرف ہوئے، وہ سلسلہ
چشتیہ، نقشبندیہ میں مجاز تھے، اُن کی تصانیف میں رسالہ، غوثیہ مشہور ہے۔
شاہ محمد غوث نے بروایت صاحب تشریف الشرف فارسی ۱۱۵۲ھ
وفات میں ہندوستان میں نادر شاہ کے حملے کے ایک سال بعد
وصال فرمایا، اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

تصرف باطنی خزانۃ الاصفیاء میں ہے کہ رنجیت سنگھ کے نواسے
نوناں سنگھ کی عملداری کے زمانے میں ایک انگریز
دلاؤس کی تجویز سے یہ طے پایا کہ شہر لاہور کے باہر جس قدر درخت یہاں تھے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵)

درویشوں اور مسافروں کی خدمت میں اُن کو خاص ٹطف آتا تھا، عادت مبارک
تھی کہ اگر چند فقرا، و مساکین مسجد میں جمع ہو جاتے تو وہ اُن کھائے اپنے گھر سے
کھانا لاتے، اور پھر گاؤں میں ایک ایک دروازے پر جا کر کھانا جمع کرتے پھر اُن کو
لا کر کھلاتے۔

علوئے مرتبت کی اس منزل پر فائز تھے کہ شاہ سلیمان قادری نے اپنے صاحبزادوں
تاج محمد اور رحیم داد کو ان کے حلقہ ارادت میں داخل کر کے اُن کی تربیت حاجی محمد قادری
کے سپرد فرمائی۔

حاجی نوشاہ قادری نے ۱۱۳۳ھ میں عہد عالمگیری میں وفات پائی۔ ان کے خلفاء
میں خواجہ فضل کابلی، شاہ فتح ادب غیر مشہور ہیں۔ (ماخوذ از خزانۃ الاصفیاء جلد
اول ص ۱۷۹ تا ۱۸۰ و تحقیقات چشتی ص ۲۲۹)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا سلسلہ ۵)

۱۷ مہاراجہ رنجیت سنگھ ۲ نومبر ۱۷۸۸ء میں پیدا ہوا، اُس کے باپ کا نام مہن سنگھ
تھا، رنجیت سنگھ ۱۷۸۲ء میں بحیثیت سوکر حکیمہ سکھوں کے سردار ہونے کے

ہوں مہدم کردی جائیں اور درختوں کو کاٹ دیا جائے، چنانچہ بہت سی عمارتیں مہدم کردی گئیں، جب شاہ محمد غوث کے مقبرے کے مہدم کرنے کی نوبت پہنچی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۷)

اپنے باپ کی جگہ متمکن ہوا، بچپن میں اس کی ایک آنکھ چچک کے مرض میں ضائع ہو گئی تھی، ۱۷ سال کی عمر میں اُس نے اپنی ماں کو زہر دیا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

جس زمانے میں کہ شاہ افغانستان تیمور شاہ افغانستان سے پنجاب آیا، رنجیت سنگھ اُس کے دربار میں پہنچا، اور ۱۷۹۹ء میں تیمور شاہ کی طرف سے لاہور کا حاکم مقرر ہوا، ۱۸۰۲ء میں اُس نے امرتسر پر حملہ کیا اور اس شہر کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا، ۱۸۰۵ء میں جسونت رائے ہو لکر نے رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لی، رنجیت سنگھ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیے ہو لکر کو پنجاب سے نکال دیا، پھر اُس نے لودھیانے اور اُس کے اطراف پر قبضہ کر لیا، ۱۸۰۸ء میں برطانوی حکومت کی جانب سے سرمشکان رنجیت سنگھ سے اس بات چیت کے لئے بھیجے گئے کہ وہ ستلج کے کنارے سے آگے نہ بڑھے، اور اپنے مقبوضات میں ستلج سے اُس طرف توسیع نہ کرے، ۲۵ اپریل ۱۸۰۹ء کو برطانوی حکومت اور رنجیت سنگھ میں یہ معاہدہ ہوا کہ ستلج دونوں کی حکومتوں کی سرحد ہے، ۱۸۰۹ء اور ۱۸۱۱ء کے درمیان رنجیت سنگھ نے ملتان کو تاخت و تاراج کیا، اور اہل ملتان کو اپنا باج گزار بنایا، اسی سال اُس نے نکائی اور کنھیہ کو اپنا مطیع بنایا، ۱۸۱۲ء میں رنجیت سنگھ نے پنجاب کا راجہ ہونے کا اعلان کیا، ۱۸۱۹ء میں اُس نے راجہ کالقب اختیار کیا، اور کشمیر پر قبضہ کر لیا، ۱۸۲۰ء میں وہ ستلج اور دریائے سندھ کے تمام درمیانی علاقے پر قابض ہو گیا، ۱۸۲۳ء میں اُس نے پشاور اور اس کے اطراف پر قبضہ کر لیا۔ جب شاہ شجاع کو اُس نے اپنے دربار میں پناہ دی، تو اُس نے شاہ شجاع سے

تو پہلے مقبرے کی چار دیواری کو منہدم کیا گیا، اور مقبرے کے ارد گرد کے درختوں کو کاٹ دیا گیا، جب روضہ منظرہ کی اندر دنی عمارت کے انہدام کی نوبت آئی، اُسی دن نو بہال سنگ کا والد کھڑک سنگ مر گیا، وہ اُسے جلانے کے لئے باہر گیا ہوا تھا کہ واپسی میں قلعہ لاہور کے دروازے کا ایک پتھر اُس کے سر پر گرا، اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۱۵)

زبردستی کوہ نور کو اس سے اپنے قبضہ میں لے لیا ۱۸۳۲ء کو رنجیت سنگھ نے ڈیرہ سجات کو بھی اپنی حکومت میں ضم کر لیا، اسی سال امیر دوست محمد خاں کابل سے پشاور آیا، اور رنجیت سنگھ نے اس کو سپا کر کے کچھ لوٹنے پر مجبور کیا، رنجیت سنگھ کی پالیسی چونکہ انگریزوں سے مصالحت تھی، اس لئے اس نے اپنے لشکر کی یورپین افسروں سے تنظیم کرائی، ۱۸۳۱ء میں اس نے روڈ میں لارڈ پنتک گورنر جنرل ہند سے ملاقات کی، ۱۸۳۸ء میں رنجیت سنگھ حکومتِ برطانیہ اور شاہ شجاع کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا، جس کی بنا پر رنجیت سنگھ نے افغانستان پر انگریزوں کی لشکر کشی میں مدد کی۔ (فٹ نوٹ نوائے معارف - مرتبہ آقائے حبیبی مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ)

شیخ محمد اسماعیل مدرس بہروردی لاہوری

مشہور بہ

میاں کلاں (روڈ صاحب)

نام و نسب آپ کا اسم گرامی، محمد اسماعیل، والد کا نام فتح اللہ تھا، قوم کھوکریہیں سے تھے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:-

محمد اسماعیل بن فتح اللہ بن عبد اللہ بن فیروز حنفی۔
ولادت شیخ محمد اسماعیل کی ولادت باسعادت اکبر کے ہمد حکومت سلسلہ میں ہوئی، اور آپ کی ولادت کے بعد آپ کے والد اپنے وطن موضع چنیہ سے نکل کر جو دریاے چناب کے کنارے واقع ہے، موضع لنگر مخدوم میں آکر آباد ہو گئے۔

تعلیم جب شیخ محمد اسماعیل پانچ سال کے ہوئے تو آپ کے والد نے آپ کو تعلیم کے لئے شیخ عبدالکریم بہروردی کے سپرد کیا، اور

آپ علوم ظاہریہ کی تعلیم شیخ عبدالکریمؒ سے حاصل کرتے رہے۔
 شیخ عبدالکریم سہروردی نے آپ کے سپرد ان درویشوں کے لئے
 جو آپ کے ہم سبق تھے آٹھ پینے کی خدمت سپرد فرمائی۔
 علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے استاد ظاہری شیخ
 عبدالکریم کے دست حق پرست پر بیعت کی جو علوم ظاہری
 میں یگانہ روزگار اور علوم باطنی میں عظیم المرتبت شیوخ میں تھے، ایک
 طویل عرصے تک ریاضتیں اور مجاہدے کر کے آپ نے اپنے شیخ سے
 خرقہ خلافت حاصل کیا، آپ کا سلسلہ طریقت یہ ہے:-

شیخ محمد اسماعیل، شیخ عبدالکریم، مخدوم طیب،
 مخدوم برہان الدین، مخدوم چمن، شیخ میلون، شیخ حسام الدین
 متقی ملتانی، سید شاہ عالم، سید برہان الدین قطب، سید
 ناصر الدین، سید جلال الدین مخدوم جہانیاں، شیخ
 رکن الدین ابوالفتح ملتانی، شیخ بہار الدین نہ کر یا
 ملتانی۔

۱۔ شیخ عبدالکریم لاہوری بن عبداللہ بن شمس الدین سلطان پوری ثم لاہوری
 فقہ و اصول کے مشہور علماء میں تھے، انھوں نے علوم درسیہ کی تکمیل اپنے
 والد سے کی، اور شیخ نظام الدین بن عبدالشکور ٹھانیسری سے بیعت ہو کر
 خرقہ خلافت حاصل کیا، پھر ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت
 میں رہے۔ اور دو مرتبہ حج و زیارت کے لئے گئے، اپنے والد کی وفات
 کے بعد لاہور میں مقیم ہو گئے۔

شیخ عبدالکریم لاہوری نے ۲۴ رجب ۱۰۲۵ھ میں لاہور میں وفات پائی، اور
 اور زینب النساء کے باغ کے متصل مدفون ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۲۷۳)۔

رشد و ہدایت شیخ اسماعیل علوم باطنیہ میں کمال حاصل کرنے کے بعد اپنے پیر سے اجازت لے کر لنگر خدم سے روانہ ہوئے، اور دریائے چناب کے کنارے شیشم کے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا وہیں آپ کے گرد تشنگان معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے دور دور سے حاضر ہونے لگے، تقریباً ایک سو چالیس درویشوں نے آپ سے سلوک و معرفت کی منزلیں طے کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

لاہور میں تشریف آوری پھر آپ وہاں سے لاہور تشریف لائے اور چالیس دن حضرت شیخ علی بھیری کی درگاہ میں محتلف رہ کر محلہ نیل پورہ میں قیام فرمایا، جو اب ویران ہو چکا ہے، اُس وقت آپ کی عمر ۴۵ سال کی تھی، لاہور میں تشریف لانے کے بعد آپ کا وقت درس و تدریس، تعلیم و تلقین میں صرف ہونے لگا، کثرت سے حفظ قرآن مجید کے لئے طالب علم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے یمن و برکت کی وجہ سے چند ماہ میں حفظ قرآن مجید کر لیتے۔

فرمایا کرتے کہ قرآن مجید کا فیض ہماری وفات کے بعد بھی ہماری قبر سے جاری رہے گا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی درگاہ میں شیخ محمد صالح بچپن سال تک، اور حافظ محمود بیالیس سال تک اور حافظ معزالدین پینیس سال تک اور حافظ شرف الدین ساٹھ سال تک قرآن مجید کا درس دیتے رہے۔

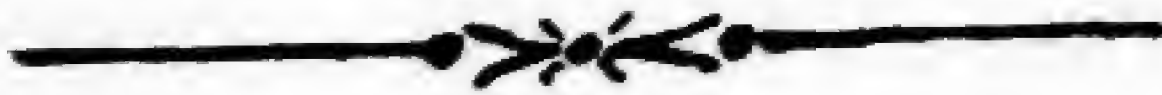
وفات شیخ محمد اسماعیل ۵ شوال ۱۰۸۵ھ میں عالمگیر کے عہد حکومت میں واصل الی الشہ ہوئے آپ کا مزار پرنوار

ملہ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۱۰۴ تا ۱۰۹ سے اخذ ہے۔

لاہور کی مشہور درگاہوں میں ہے۔

آپ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگ خاص طور
خلفاء سے قابل ذکر ہیں۔

- | | |
|--------------------------|--------------------------------|
| (۱) شیخ محمد صالح | (۸) امانت خاں |
| (۲) شیخ عبد الحمید | (۹) حافظ عبد اللہ ساکن کیوالل۔ |
| (۳) شیخ تیمور | (۱۰) حافظ محمد فاضل |
| (۴) شیخ محمد ہاشم | (۱۱) حافظ الہ بخش |
| (۵) شیخ عبد الکریم قصوری | (۱۲) حافظ محمد حسین آوان |
| (۶) آخوند محمد عثمان | (۱۳) حافظ فتح محمد خوشابی |
| (۷) آخوند محمد عمر | (۱۴) شیخ جان محمد لاہوری |



شاہ مراد قریشی لاہوری

حالات شیخ شاہ مراد قریشی لاہوری، شیخ کرم شاہ کے صاحبزادے اور شیخ سکندر شاہ کے بھائی تھے، سلسلہ سہروردیہ میں اپنے دادا اور والد کے مرید تھے، عابد و زاہد اور متقی بزرگ تھے، صاحب تصانیف تھے، اُن کی فارسی تصانیف میں مرآۃ العاشقین، ترجیع بند مریداں، یروزن مامیقاں فارسی دیوان، دیوان مراد، اور اردو دیوان مراد المجدین مشہور ہیں۔ پنجاب میں اردو میں حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم نے اُن کے حالات کی کچھ تفصیل دی ہے پنجاب میں اردو میں ہے کہ حضرت مراد شاہ کے والد کا نام پیر کرم شاہ عرف سیتا شاہ ہے، وہ چار سال لکھنؤ اور دوسرے مقامات میں رہے، اپنے والد کے ساتھ اپنے وطن لاہور واپس آ رہے تھے کہ شاہ جہاں آباد کے قریب قزاقوں سے مقابلہ ہوا، اور پیر کرم شاہ مارے گئے، اس اُقتادے میں سال اور وطن آنا نصیب نہیں ہوا۔

حضرت مراد شاہ کی متعدد تصانیف ہیں، دیوان، کے علاوہ اُنھوں نے کئی کئی چھوٹی چھوٹی مثنویاں یا دو گار چھوڑیں، ۱۲۱۲ھ میں اپنے شاگرد حکیم علیم اللہ کی فرمائش پر اُنھوں نے قصہ چہار درویش نظم کرنا شروع کیا، کچھ حصہ نظم کر پائے تھے کہ وفات پائی۔

شاعری اردو کے شاعر تھے، اُن کی طبیعت بہ نسبت غزل کے مثنوی کی طرف زیادہ مائل تھی، لکھنؤ اور اُس کے نواح میں سات سال متواتر رہنے کی وجہ سے زبان بالکل صاف ہو گئی تھی، سلاست اور روانی کے ساتھ کلام میں سختگی موجود ہے، اُنھوں نے ۱۲۰۳ھ میں ایک منظوم خط اپنے عزیزانِ وطن کے نام لکھا تھا، جو ”نارہ مراد“ کے نام سے موسوم ہے، اس خط میں اردو کی قبولیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وہ اردو کیا ہے یہ ہندی زبان ہے
کلام اب تجھ سے میں ہندی زبان میں
کہ اب وسعت میں اُس کی سب سخنداں
لطافت یہ نکالی ہے اُسی میں
اُسی کا شہرہ اب ہو جائے سب تک
خصوصاً شہر اب شاعر یہاں کے
غرض ہندی کا یہ چرچا یہاں ہے
یہ شہرت ہے اب اس مضمون پر کی
نہیں ہندی سخن میں نقص ممکن
نہ شاعر ہند کے یوں فی الحقیقت
جھنجھوڑا فارسی کے استخوان کو

کہ جس کا قائل اب سارا جہاں ہے
کروں شہرت ہو، تا سارے جہاں میں
سمندر طبع کو کرتے ہیں جولاں
کہ فرماتے نہیں کچھ فارسی میں
یہاں سے تا بہ ایران بل عرب تک
نہیں کہتے بجز ہندی زبان کے
کہ شعر فرس مطعون زماں ہے
نہ کوئی فارسی پیچھے نہ ترک کی
لطافت ہے بہت سی اس میں لیکن
گئے لے فرس کے مضمون پہ سبقت
کیا پر مغز تب ہندی زبان کو

فصاحت فارسی سے جب نکالی

لطافت شعر میں ہندی کے ڈالی

وہ اپنی مثنوی چہار درویش میں اردو زبان کے متعلق یوں مدح

سرا ہیں:۔

یہ قصہ جو ہے چار درویش کا
لیکن ہو اردو زبان میں بیاں

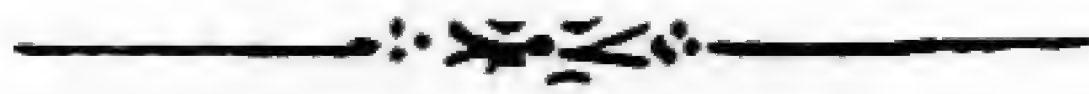
اگر نظم ہو تو بہت ہے بجا
کہ بھاتی ہے ہر ایک کو یہ زبان

اس کے علاوہ اُن کی مثنوی ”مراد العاشقین“ اور فارسی ترجیع بند
 ”مأمریداں“ نامی صاحب شائع کر چکے ہیں۔ ان کی اردو میں ایک نظم
 ”مکس نامہ“ بھی ہے۔

شاہ مراد نے عین عالم جوانی میں تیس سال کی عمر میں ۱۲۱۵ھ
 میں وفات پائی، مزارِ مبارک موضع مردانہ تحصیل شاہدرہ

وفات

میں ہے۔



۱۷ شاعری اور وفات کے متعلق یہ تمام تفصیل پنجاب میں اردو ص ۳۸۰-۳۸۱۔

۳۸۲ سے ماخوذ ہے۔

(۸۵)

حافظ محمد جمال ملتانی

حالات حافظ محمد جمال ملتانی بن محمد یوسف بن حافظ عبدالرشید خواجہ نور محمد مہاروی کے مخلص مریدوں اور عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے پوتے حضرت غلام فرید کا بیان ہے کہ جب حافظ محمد جمال میں معرفت الہی کا ذوق پیدا ہوا، اور اس کے لئے پیر کاہل کی تلاش ہوئی، تو وہ اکثر رات کو حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین کے مزار پر حاضر ہوتے، اور وہیں، عبادت اور ریاضت میں مصروف رہتے، ہر رات کو ایک کلام مجید ختم کرتے، اور پیر کاہل کے لئے دعا مانگ کر سو جاتے، ایک رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ رکن الدین اور خواجہ نور محمد مہاروی یک جا بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت شیخ رکن الدین نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر خواجہ نور محمد مہاروی کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا جمال! تمھارے پیر یہ ہیں، ان کا نام نور محمد مہاروی ہے۔ ان کا وطن ملتان کے قصبوں میں سے ایک قصبہ ہے، تم ان کی خدمت میں حاضر ہو۔ صبح کو فوراً ہی حافظ محمد جمال ملتان سے مہار میں حاضری اور بیعت مہار روانہ ہو گئے، اور حضرت خواجہ نور محمد

مہاروی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں شرف بیعت کے
 مشرف ہوئے۔ بیعت کے وقت خواجہ نور محمد مہاروی نے اُن سے پوچھا
 کہ تم نے علوم ظاہری کی تعلیم پائی ہے یا نہیں، حافظ محمد جمال اگرچہ عالم تھے،
 لیکن انھوں نے ازراہ انکسار جواب دیا کہ میں مسائل نماز و روزہ سے
 بقدر ضرورت واقف ہوں، اور میں نے قرآن شریف پڑھا ہے، خواجہ نور محمد
 مہاروی کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی عالم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس کو اپنے
 ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلاتے، اور اگر کوئی ان پڑھ ہوتا تو اپنے لشکر دار
 غلام رسول سے فرماتے کہ وہ اس کو دوسرے درویشوں کی طرح کھانا
 کھلائے، چنانچہ جب کھانے کا وقت آیا تو معمول کے مطابق آپ نے
 دسترخوان پر علماء کو بلایا، حافظ محمد جمال بھی حاضر ہوئے، خواجہ
 نور محمد مہاروی کے ایک خاص مرید مولانا محمد حسین نے حافظ محمد جمال کو
 دیکھا تو فوراً اٹھ کر معانقہ اور مصافحہ کیا، اور حالات پوچھنے لگے، خواجہ نور محمد
 مہاروی نے یہ دیکھا تو اُن سے پوچھا، کیا تم ان کو جانتے ہو؟ مولانا محمد حسین نے
 عرض کیا کہ میں نے اور انھوں نے ایک ہی استاد سے تعلیم حاصل کی ہے،
 اور یہ بہت بڑے عالم ہیں، ہم انھیں زمانہ طالب علمی ہی میں علامہ عصر
 کہتے تھے۔ پھر خواجہ صاحب نے حافظ محمد جمال سے پوچھا کہ تم نے اپنے
 علم کو ہم سے کیوں چھپایا انھوں نے عرض کیا، قبائے من! میں نے سنا ہے
 کہ فقراء کا گروہ علماء کے فرقہ سے نفرت رکھتا ہے، اس لئے میں نے
 اپنے علم کو آپ سے چھپایا، خواجہ صاحب نے فرمایا حافظ صاحب
 ہم تو علماء کے طالب ہیں، اور ہمیں عالم ہی پہچانتے ہیں، جاہل بے چارہ
 ہمیں کیا پہچانے گا، ہم فرقہ علماء سے بہت خوش ہیں۔ اس دن سے
 حافظ محمد جمال، خواجہ صاحب کے خادم خاص کے عہدے پر سرفراز
 کئے گئے، اور خواجہ نور محمد کی وفات تک اسی عہدے پر بمتناز رہے۔

وہ سفر و حضر میں خواجہ صاحب کے ساتھ رہتے تھے، اور درویشوں کے کپڑے اور روٹی کی تقسیم اور خواجہ صاحب کے لئے آفتابہ برداری اور وضو کرانے کی خدمت ان کے ذمہ تھی۔

پھر وہ اس مرتبہ عالی پر فائز ہوئے کہ اپنے دادا پیر حضرت شاہ فخر کے ارشاد پر وہ ملتان میں سلسلہ چشتیہ ترویج و اشاعت کے لئے مقرر کئے گئے، مناقب المجتہدین میں میاں امام بخش صاحبزادہ حضرت غلام فرید کی ایک روایت منقول ہے کہ:-

من از والد خود شنیدہ ام کہ
می فرمودند کہ چوں قبلہ عالم در دہلی
رفتند روزے در مجلس حضرت
مولانا صاحب حضرت قبلہ عالم
ہم نشستہ بودند، و حافظ صاحب
ہم در آنجا نشستہ بودند، تذکرہ
اس افتاد کہ در ملتان تصرف بھیج
ولی بعظمت بہار الدین زکریا
ملتان پیش منی رود، و بھیج شیخ
در آنجا کسے رابعت منی کند،
مولانا صاحب فرمودند میاں
نور محمد صاحب تہ موز بہ ملتان
ولایت بہار الحق صاحب بود،
لہذا تصرف ولی دیگر کارگر نمی شد

میں نے اپنے والد سے سنا کہ فرماتے
تھے کہ جب قبلہ عالم حضرت
نور محمد بہار ولی) دہلی گئے، ایک
روز حضرت مولانا صاحب (شاہ فخر)
کی خدمت میں حضرت قبلہ عالم بھی
بیٹھے ہوئے تھے کہ اس بات کا ذکر
چھڑا کہ ملتان میں شیخ بہار الدین
زکریا ملتان کی عظمت کے سامنے
کسی ولی کا تصرف نہیں چلتا
اور کوئی شیخ وہاں کسی کو بیعت
نہیں کرتا مولانا صاحب نے فرمایا،
میاں نور محمد صاحب! اب تک
ملتان میں بہار الحق صاحب کی ولایت
تھی، لہذا وہاں کسی دوسرے ولی کا

اما حال ملتان حوالہ دایاں شدہ
 است، لازم ست کہ مریدے
 از مریدان خود در آنجا بفرسند
 و بگویند کہ در عین خانقاہ بہار الدین
 زکریا خلق را مرید کنید و تصرف
 خود کنید، چوں قبلہ عالم این بارہ
 در بہار شریف از دہلی رسیدند
 و حافظ صاحب جمال الدین
 را رخصت سمت ملتان فرمودند
 ایشان مولوی خدابخش ملتانی را
 کہ یکے از خلفاء نامدار ایشان و
 مقبول بارگاہ پروردگار بودند،
 تصرف کام نہیں کرتا تھا، اب
 ملتان ہمارے حوالے ہوا ہے،
 لازم ہے کہ تم اپنے مریدوں میں
 سے کسی مرید کو وہاں بھیجو، اور
 اُس سے کہو کہ خانقاہ شیخ بہار الدین
 زکریا میں خلق کو مرید کرے، اور اپنا
 تصرف کرے، جب قبلہ عالم اس مرتبہ
 دہلی سے بہار شریف پہنچے تو انھوں نے
 حافظ جمال الدین کو ملتان روانہ کیا،
 انھوں نے وہاں سب سے پہلے مولوی
 خدابخش ملتانی کو جو ان کے خلفاء نامدار
 اور مقبول بارگاہ پروردگار تھے، عین

مولانا شیخ خدابخش اپنے زمانے کے اکابر مشائخ میں تھے، وہ ملتان میں پیدا ہوئے
 اور اُس زمانے کے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی، اور چالیس سال تک
 ملتان میں درس دیتے رہے، پھر حافظ محمد جمال ملتانی سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت
 حاصل کیا، اور ان کے مسند شیخت پر متمکن ہوئے، بہت کثرت سے لوگ ان سے
 مرید ہوئے، ان کا شمار اُس دور کے اکابر مشائخ میں ہوتا تھا، پھر وہ آخر عمر میں
 خیرپور منتقل ہو گئے، اور وہیں سکونت اختیار کر لی، مولانا شیخ خدابخش نے محرم ۱۲۵۳ھ
 میں خیرپور میں وفات پائی مناقب المحبوبین میں آپ کی تاریخ وفات یکم صفر ۱۲۵۳ھ مذکور
 ہے، صاحب مناقب المحبوبین نے لکھا ہے کہ لفظ غرہ سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی
 ہے۔ (نزہۃ النواظر جلد ۷، ص ۱۵۷ و مناقب المحبوبین ص ۱۳۰)
 بحوالہ گلزار جمالیہ

درعین خانقاہ بہاء الحق صاحب خانقاہ حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی
مرید کردند۔
میں مرید کیا۔

درس و تدریس علم و فضل کے اعتبار سے بھی حافظ صاحب کا
مرتبہ بہت بلند تھا، صاحب مناقب المجوبین کا
بیان ہے کہ ہمیں باریک اور دقیق مسائل میں جب کوئی مشکل پیش آتی
تو ہم حافظ صاحب ہی سے پوچھتے تھے، اور وہ نہایت واضح اور مکمل جواب
دیتے تھے، زمانہ طالب علمی ہی میں وہ اپنے ساتھیوں میں علم و زیر کی
میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، مسئلہ و حجت الوجود سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے
تھے، شیخ محی الدین ابن عربی اور مولانا جامی کی تصانیف کو بے حد پسند کرتے
تھے، نفحات الانس، مثنوی شریف اشعث اللمعات اور فصوص سے
بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔

انھوں نے ملتان میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جس میں خود بھی
درس دیتے تھے، اس مدرسہ کے طالب علموں میں سے خواجہ گل محمد احمد پوری
بھی تھے جنھوں نے دو سال تک اس مدرسے میں تعلیم پائی تھی، اور حافظ صاحب
سے بھی درس لیا تھا۔

طریقہ بیعت جب کسی کو بیعت کرتے تو پہلے خود وضو کرتے، اور مرید ہونے
والے شخص کو بھی وضو کرتے، پھر اسے کسی گوشہ تنہائی
میں لے جا کر بیعت کرتے، پہلے اسے اپنے سامنے بٹھاتے، پھر اسے استغفار
تسبیح، تہنیل اور قرآن مجید کی کچھ آیتیں پڑھواتے، پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر
فرماتے کہ تم کون سے طریقے میں بیعت ہونا چاہتے ہو، جب وہ بتاتا تو اسے اسی

۱۔ مناقب المجوبین - ص ۱۲۳-۱۲۴
۲۔ تذکرۃ سیر الاولیاء - ص ۱۳۵
۳۔ مناقب المجوبین ص ۱۳۱ - ذکر علم ایشاں

طریقے میں بیعت کرتے، بیعت لیتے وقت اس سے فرماتے کہ کہو میں فلاں طریقے میں بیعت کرتا ہوں کہ جو کچھ اس وقت عہد کروں گا، اُس کی مخالفت نہیں کروں گا، پھر اُسے بیعت کر لیتے۔

اگرچہ حافظ صاحب چاروں سلسلوں یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں جامع خلافت تھے، لیکن اُن کا خاص طریقہ چشتیہ تھا، اور اسی میں زیادہ تربیت کرنے کو پسند فرماتے تھے، بیعت کے بعد مرید کو اوراد و وظائف و ضوابط طریقیہ پر کرنے، مسواک کرنے اور سوتے وقت سرمہ لگانے اور گناہوں سے بچنے کا حکم فرماتے، پھر اُس کے مناسب حال ذکر و شغل تجویز فرماتے یہ

حَسَنِ اخلاق حافظ صاحب حُسنِ اخلاق کا پیکر تھے، بچہ ہو با بڑا، ہر ایک سے حُسنِ اخلاق سے پیش آتے تھے۔ مناقب المہجوبین میں ہے۔

و بود آں حضرت از نیکوترین مردمان در حسنِ خلق و از

مہربان تر مردمان بکودکان و خردان یہ

مناقب فخریہ میں ہے۔

و حافظ محمد جمال سُلَٹانی، کمالِ باطن و تہذیبِ اخلاق

و کمالات آراستہ بود یہ

خواجہ محمد عاقل سے تعلق جس زمانے میں خواجہ محمد عاقل قید میں تھے، اُنھوں نے ایک خط حافظ محمد جمال کو قید خانے سے لکھا، جس میں یہ شعر بھی تحریر کیا ہے۔

بلجھم رسیدہ جاںم، تو بیا کہ زندہ مانم
پس از آں کہ من نہ مانم، بچہ کار خواہی آمد

اور اسی کے ساتھ یہ مصرع بھی لکھا ہے۔

بجنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

اس خط کے پڑھتے ہی حافظ محمد جمال صاحب ننگے پاؤں روانہ ہو گئے
اور خواجہ محمد عاقل سے جا کر ملے۔

جہاد جس زمانے میں کہ حافظ صاحب ملتان میں تھے رنجیت سنگھ
والی لاہور نے کئی مرتبہ قلعہ ملتان کی تسخیر کا ارادہ کیا، لیکن ہر دفعہ
حافظ صاحب تیر و کمان میں آئے ہر وقت قلعے میں موجود رہتے، اُن کے
قادریم خاص سیاں محمد صلح کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سکھ کثیر فوج لے کر
ملتان کے فتح کرنے کے ارادے سے آئے، جب وہ ملتان سے ایک دو
منزل کے فاصلے پر تھے، لوگوں نے پریشان ہو کر حافظ صاحب سے عرض
کیا کہ حضرت! رنجیت سنگھ کثیر فوج لے کر ملتان پر حملہ کرنے کے ارادے
سے آ رہا ہے، اور اس کی تیاریوں کو دیکھ کر ایسا معام ہو رہا ہے کہ اس مرتبہ
وہ ملتان کو فتح کئے بغیر نہ چھوڑے گا، حافظ صاحب اس وقت تلامذہ تشریف
میں مشغول تھے، آپ نے یہ خبر سن کر جذبے میں آ کر فرمایا کہ رنجیت ہمارے
ہوتے ہوئے ملتان کو فتح کرے یہ نہیں ہو سکتا، آخر ایسا ہی ہوا اور سکھ
بڑے جنگ و جدال کے بعد ناکام واپس ہوئے، کہتے ہیں کہ جنگ کے
وقت حافظ صاحب مرحوم قلعہ ملتان کے برج میں بیٹھے ہوئے کازوں
پر تیر برسا رہے تھے۔

۱۲۲۶ھ میں پھر ایک دفعہ سکھوں نے ملتان پر حملہ کیا، حافظ صاحب
۱۸۱۱ء

اُس وقت ملتان میں نہ تھے، جب آپ کو خبر ملی تو دریائے چناب کو پار کر کے آپ جہاد میں شرکت کے لئے ملتان پہنچے۔

ایک دفعہ سکھوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ ملتان پر چڑھائی کی، ملتان کے لوگوں میں اس حملے سے پریشانی پیدا ہوئی انھوں نے حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! اس سے قبل کہ شہر کا محاصرہ ہو، بہتر یہ ہے کہ آپ اس شہر سے ہجرت کر لیں، حافظ صاحب نے فرمایا:۔

آوازِ جنگ بکفارِ عام ست، واکنوں جنگ بایہا فرضِ عین
کرد، پس الحال بیروں ہی رویم کہ برائے ما دو درجہ است
یکے درجہ غزا، دوم درجہ شہادت

تیراندازی میں حافظ صاحب یگانہ تھے، اور لوگوں کو تیراندازی کی تعلیم بھی دیتے تھے، اور مختلف اسلحہ کو خوب پہچانتے تھے۔

بے حد متبعِ شریعت تھے، غیر شرعی رسوم کو اتباعِ شریعت ناپسند فرماتے تھے، ایک روز اپنے ایک مرید زاہد شاہ کو بلوایا، وہ موضعِ مٹھی سے روانہ ہو کر ملتان پہنچے، حافظ صاحب نے اُن سے فرمایا، کہیں تم نے شادی کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی مناسب رشتہ ابھی تک نہیں مل سکا، ایک جگہ ایک رشتہ مناسب بھی تھا مگر میری برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ سادات کا رشتہ غیر سادات سے مناسب نہیں، اس لئے ابھی تک

میری شادی نہیں ہو سکی، حافظ صاحب نے فرمایا۔

نکاح سادات باغیر سادات سادات کا نکاح غیر سادات میں
در شرع جائز ست، تو گفتہ جا ہلا جائز ہے، تم جاہلوں کے کہنے پر
راچہ اعتبار می گنی یہ کیوں اعتبار کرتے ہو۔

وصول الی الحق کی راہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

احسن طریق وصول الی الحق حق کی طرف پہنچنے کا بہترین
طریقہ مشائخ نست، کہ رسیدہ طریقہ مشائخ کا طریقہ ہے، جو
است باسناد صحیح بر رسول علیہ السلام اسناد صحیح کے ساتھ رسول اللہ
وآل آراستگی ظاہر شریعت است سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا
و مستقیم بودن برآں، و پاک ہے، اور وہ ظاہر کو شریعت سے
کردن باطن ست، از اوصاف آراستہ کرنا، اور اس پر مستقیم ہونا
ذمیرہ ہے ہے، اور باطن کو بری عادتوں
سے پاک کرنا ہے۔

حافظ صاحب لباس اچھا پہنتے تھے، تہ بند کم باندھتے تھے،
لباس اکثر پانچاہ پہنتے تھے کلاہ قادی اور ڈھتے تھے، جسے کلاہ
چارتر کی بھی کہتے ہیں، ٹکڑے کا گریبان کھلا رہتا تھا، کبھی قلندری بھی
پہنتے تھے، جو انگر کے کی طرح کا لباس ہوتا تھا، سپید دستار باندھتے
تھے، سفر میں موزے پہنتے تھے۔

وضو کا اہتمام خاص طور پر فرماتے تھے اور گوش
وضو کا اہتمام کرتے تھے کہ وضو بالکل سنون طریقے پر ہو آپ کے

لئے وضو کا پانی، اور وضو کا لوہا مخصوص تھا، کوئی دوسرا اس سے وضو نہ کرتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ پانی اور لوہے کی تخصیص مناسب نہیں، لیکن چونکہ لوگ پاکی و ناپاکی کا امتیاز نہیں کرتے اس لئے ایسا کرنا پڑتا ہے، وضو میں پانی نہ زیادہ خرچ کرتے اور نہ کم بلکہ پانی کے استعمال میں بھی مسنون طریقہ اختیار فرماتے، وضو ہمیشہ پیرٹھے پر بیٹھ کر کرتے لیے

ارشادات آپ کے ارشادات و ملفوظات پسند و موافقت کا گنجینہ تھے، جنہیں آپ کے مریدوں نے جمع کر لیا تھا، آپ کے ملفوظات کے تین مجموعے ہیں، جن کے نام یہ ہیں:-
(۱) فضائل رضیہ:- اس نام سے آپ کے ملفوظات مولوی عبدالعزیز ساکن قصبہ بڑھیاراں نے جمع کئے تھے۔
(۲) انوار جمالیہ:- ملفوظات کے اس مجموعے کو منشی غلام حسن شہید ملتانی نے مرتب کیا تھا۔

(۳) اسرار الکمالیہ:- اس مجموعہ کے مرتب زاہد شاہ ٹھٹھی تھے یہ حافظ صاحب کا مرض الموت تب صفاوی تھا، تقریباً آٹھ دس روز آپ تب صفاوی میں مبتلا رہے، بیماری میں بھی آٹھ روز تک آپ مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز ادا فرماتے، لیکن جب مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی تو آپ گھر میں نماز ادا فرمانے لگے، یہاں تک کہ ۵ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ کو آپ وفات پائی، تاریخ وصال اس شعر میں نکلتی ہے:-

خز در سال وصالش چون جستجوئے کرد ندائے داد سر دشمن کیافت خوب وصال

۱۲۲۶ھ

۲۵ تاریخ مشائخ چشت - ص ۶۰۶

۱۳۳ ص مناقب المجوبین

۱۳۰ ص مناقب المجوبین

خلفاء اگرچہ آپ کے مریدوں کی تعداد کثیر تھی، لیکن آپ کے جن
خلفاء کے نام معلوم ہو سکے، وہ یہ ہیں (۱) مولانا خدابخش
ملتان (۲) زاہد شاہ (۳) مولوی غلام حسن منشی (۴) قاضی عیسیٰ
خان پوری (۵) مولوی عبداللہ ملتانی (۶) مولوی حامد (۷) صاحبزادہ
غلام فرید (۸) مولوی عبدالعزیز بڑھویاری۔

سجادگی حافظ صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی، آپ کی وفات کے
بعد آپ کے خلیفہ مولانا خدابخش ملتانی سند سجادگی پر
متمکن ہوئے، وہ بڑے پایہ کے عالم تھے، صاحب تصنیف تھے،
ان کا ایک رسالہ "توفیقیہ" جو انھوں نے توحید پر لکھا تھا مشہور ہے۔
مولانا خدابخش سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو غیر معمولی فروغ بخشا،
مناقب المہجوبین میں ہے کہ۔

خلفاء اہل حضرت بسیار بودند، اما مشہور ترین وارشد
ترین ایشان مولانا خدابخش صاحب ملتانی ثم خیر پوری بودند
کہ صد ہا مردم را از ایشان فیض شد، و یکے از اولیائے
کاملین بودند۔



(۸۶)

خواجہ محمد عاقل

نام و نسب خواجہ محمد عاقل کے والد بزرگوار کا نام مخدوم قاضی محمد شریف تھا، مخدوم محمد شریف کے دادا کا نام مخدوم نور محمد تھا۔ شاہجہاں کا وزیر اراک خاں مخدوم نور محمد کا مرید تھا، شاہجہاں نے مخدوم نور محمد کو پانچ ہزار بیگہ زمین بطور مدد معاش ۲۵ ربیع ۱۱۲۴ھ بمطابق ۱۷۱۰ء میں جلوس کو پرگنہ منگلوٹ صوبہ ملتان میں دی تھی، بعد میں یہ جاگیر دوسرے بادشاہوں نے بھی جاری رکھی، قاضی محمد عاقل کے والد عالم باعمل اور صاحب تقویٰ و تقدس بزرگ تھے، انھوں نے یار والی میں سکونت اختیار کر لی تھی، جہاں بکثرت لوگ اُن سے بیعت ہوئے۔

کوٹ مٹھن میں سکونت اُس زمانے میں جب کہ مخدوم شریف نے یار والی میں سکونت اختیار کی تو کوٹ مٹھن کا رئیس مٹھن خاں بلوچ اُن کی خدمت میں حاضر

۱۔ کہ مناقب فریدی۔ ص ۴۷-۴۸ یہ فرمان مفصل مذکور ہے۔
۲۔ کوٹ مٹھن تحصیل راجن پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں واقع ہے۔

ہوتا تھا، یہاں تک کہ وہ اُن کا مرید ہو گیا۔ اس وقت تک کوٹ مٹھن آباد نہ ہوا تھا، ایک دفعہ مخدوم محمد شریف کا گذر اس جگہ ہوا، اس پر فضا مقام کو دیکھ کر حوالب دریا واقع تھا مخدوم محمد شریف نے مٹھن خاں بلوچ سے فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ یہاں ایک بستی آباد کی جائے جو اللہ والوں کا مستقر ہو، مٹھن خاں نے وہاں اُن کی خواہش کے مطابق ایک شہر آباد کیا، اور مخدوم نور محمد سے استدعا کی کہ وہ بھی اس شہر میں قیام فرمائیں، چنانچہ مخدوم نور محمد بھی اس شہر میں آباد ہو گئے، اور اُن کے یمن و برکت سے وہاں بہت سے علماء و مشائخ آباد ہوئے۔

ذکر کرام میں ہے کہ مخدوم محمد شریف ^{۱۰۹ھ} میں کوٹ مٹھن میں وارد ہوئے۔

خواجہ محمد عاقل اگرچہ فاروقی ہیں، اور اُن کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے، لیکن اُن کا خاندانی لقب کوریجہ ہے، شاہی فرامین بھی اُن کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ لفظ کوریجہ ملتا ہے۔

ولادت و تعلیم خواجہ محمد عاقل کی ولادت باسعادت ^{۱۱۵ھ} کو غالباً کوٹ مٹھن ہی میں ہوئی، انھوں نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے والد محترم مخدوم محمد شریف سے تعلیم پائی جو اپنے وقت کے یگانہ روزگار عالم اور محدث تھے، ان کے علاوہ انھوں نے شاہ فخر اور خواجہ نور محمد بہاروی سے علوم کی تحصیل کی، شاہ فخر سے انھوں نے شرح عبدالحق اور سوانح السبیل پڑھی اور خواجہ نور محمد بہاروی سے حدیث کی سند حاصل کی۔

۱۱۹ھ مناقب المجوبین - ص ۱۱۹

۱۱۹ھ مناقب فریدی ص ۲۹

۱۲۰ھ مناقب فریدی ص ۵۰

۱۲۰ھ ذکر کرام ص ۹۷

۱۲۱ھ تکرار سیر الاولیاء ص ۱۲۹-۱۸۰

۱۲۱ھ مناقب المجوبین ص ۱۲۱

صاحبِ تکریم سیرالاولیاء خواجہ گل محمد احمد پوری نے اُن کے تجرِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا۔

در عصرِ خود شرقاً و غرباً
اس زمانے میں مشرق و مغرب
مماثلِ آن حضرت در علمِ ظاہری
میں علومِ ظاہری میں اُن کے
کے نمود۔
مماثلِ کوئی نہ تھا۔

خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت
علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد
خواجہ محمد عاقل علمِ باطن کی
طرف متوجہ ہوئے، اور انھیں مرشدِ کامل کی تلاش ہوئی، اگرچہ خود اُن کے
والد بزرگوار بلند پایہ اور صاحبِ باطن بزرگ تھے، لیکن ان کا نصب العین
بھی بلند تر تھا، تکریم سیرالاولیاء میں ہے کہ

داعیہ آنجناب شہباز بلند پرواز بود

اُس وقت خواجہ نور محمد مہاروی کی شہرت کا آفتاب بلند ہو چکا تھا، اتفاق
سے خواجہ محمد عاقل کے بھائی کی ملاقات موضع یاراں والی میں خواجہ نور محمد مہاروی
سے ہوئی، تکریم سیرالاولیاء میں ہے کہ خواجہ نور محمد مہاروی کو دیکھ کر خواجہ
محمد عاقل کے بھائی کی یہ کیفیت ہوئی کہ

ہیبت..... اُن بادشاہِ گدالباس در گرفت

اُن کے بھائی نے اُسی رات کو اپنے بھائی خواجہ محمد عاقل کے بلانے کے
لئے کوٹ مٹھن آدمی بھیجا، خواجہ محمد عاقل آئے، اور اُنھوں نے اُج
میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی،
اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا۔

دہلی میں شاہ فخر کی خدمت میں حاضری
حضرت خواجہ
نور محمد مہاروی

سے بیعت ہونے کے بعد خواجہ محمد عاقل متعدد مرتبہ اپنے دادا پیر حضرت شاہ
فخر کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، پہلی مرتبہ جب وہ بہار سے اپنے
مرشد کے ساتھ دہلی گئے تو پیدل گئے، جب خواجہ نور محمد بہاروی نے
ان سے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ میں
حضرت شاہ فخر کی خدمت میں پیدل جاؤں گا۔

دوسری مرتبہ وہ اپنے مرشد سے ملنے کے لئے بہار آئے۔
وہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان کے مرشد دہلی تشریف لے گئے ہیں یہ
سن کر وہ براہِ بیکانیر دہلی روانہ ہو گئے، جب وہ دہلی پہنچے، تو حضرت
شاہ فخر کی زیارت میں پیش کرنے کے لئے سوائے ایک لوٹے کے کچھ ان کے
پاس نہ تھا، انھوں نے وہ لوٹا آٹھ آنے میں فروخت کیا، اور اس کی قیمت
سے شاہ فخر کے لئے مٹھائی خریدی، ان کے پیر و مرشد خواجہ نور محمد بہاروی
کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے خواجہ محمد عاقل کو چار اشرفیاں دیں، تاکہ وہ
حضرت شاہ فخر کی خدمت میں پیش کریں۔

دوسری مرتبہ جب وہ شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو
انھوں نے فیوضِ باطنی، کچھ تصوف کے بعض اہم مسائل بھی ان سے
سمجھے۔

آخری مرتبہ جب خواجہ محمد عاقل، شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہوئے،
جب وہ رخصت ہونے لگے تو شاہ فخر نے ان کو چار کتابیں دیں، ان میں سے ایک
کتوباتِ شیخ عبدالقدوس گنگوہی، دوسری کتابِ مطول، تیسری سوانحِ سبیل

۱۔ مکملہ سیرالاولیاء ص ۲۷ مناقبِ محبوبین ص ۱۱۹

۲۔ کتوباتِ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے جامع، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید و
خلیفہ شیخ خضر بن رکن الدین صدیقی جون پوری مشہور بہ شیخ بدھن میاں خان بن

چوتھے ایک مجموعہ جس میں لوائح جامی، قصیدہ حمزہ اور شرح رباعیات جامی وغیرہ تھیں، مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی صاحب مناقب المجاہدین نے بھی موضع کہیراں میں جو آپ کے صاحبزادے کے پاس تھی زیارت کی تھی، اُن کا بیان ہے کہ نسخہ نہایت خوش خط تھا، اور اُس کے حاشیہ پر شاہ فخر کے دستخط تھے۔

خواجہ محمد عاقل نے مختلف اور بہت سخت مجاہدات کیے، اُن کے پیر بھائی حافظ محمد جمال کا بیان ہے کہ جتنے مجاہدات خواجہ محمد عاقل نے کئے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا، اُن کو ذکر بالجہر میں بہت شغف تھا، اگرچہ بڑھاپے میں بہت نحیف اور کمزور ہو چکے تھے، لیکن ذکر بالجہر بڑی پابندی سے کرتے تھے، نواب غازی الدین خاں کا بیان ہے کہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۳)

قوام الملک ہیں، یہ ۱۹۳ خطوط کا مجموعہ ہے جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے مختلف صوفیہ علماء، فرماں رواؤں اور اُن کے اُمراء کے نام لکھے تھے، یہ مجموعہ مکاتیب شایع ہو چکا ہے، شیخ خضر کے ہاتھ کا لکھا ہوا، اصل نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا) مناقب المجاہدین ص ۱۲۱ تک مکملہ سیرۃ اولیاء ص ۱۲۸

۳ امیر کبیر غازی الدین بن قمر الدین بن غازی الدین بن عابد بن عالم شیخ صدیقی سمرقندی نواب غازی خاں فیروز جنگ اپنے دور کے مشہور وزیر تھے، اُن کا اصل نام محمد نیاہ تھا، یہ ہندوستان میں پیدا ہوئے، اور حفظ قرآن کریم کے بعد مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی، ۱۵۱۳ھ میں اپنے والد کی جگہ احمد شاہ دہلوی کے عہد میں وزارت کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے، جب شاہ کا داماد ناصر جنگ جو دکن کا گورنر تھا، مارا گیا، تو یہ اُس کے قائم مقام ہو کر حیدرآباد دکن روانہ ہوئے، جب اورنگ آباد پہنچے تو وہیں اُنھوں نے ۱۵۱۵ھ میں وفات پائی۔ نواب غازی الدین خاں نہایت عابد اور فاضل تھے، علماء کا بے حد احترام کرتے تھے، نواب غازی الدین خاں نے

خواجہ محمد عاقل اتنی بلند آواز سے ذکر بالجہر کرتے تھے کہ اُن کی آواز مہار سے شہر فرید تک جاتی تھی، یہ شہر مہار سے تین چار میل دور تھا۔
 اُن کے مجاہدوں میں حبسِ دم بھی شامل تھا، وہ اُس کے فوائد اور خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

شغل حبسِ مثل مار گنج شغل حبسِ دم اُس سانپ کی
 است، ہر کس کہ از گزند او طرح ہے جو خزانے پر ہوتا ہے،
 نترسد گنج می رسد۔ جو کوئی اُس کے گزند سے نہیں
 ڈرتا وہ خزانے کو حاصل

کر لیتا ہے۔

عبادت میں محویت کی یہ کیفیت تھی کہ عبادات میں محو و استغراق کی وجہ سے ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہوتے تھے ان سے پوچھتے کہ کہاں رہے، وہ عرض کرتے کہ ہم تو پابندی سے حاضر ہوتے ہیں، فرماتے ہیں تو تمہیں دیکھا نہیں ہے۔

خواجہ محمد عاقل کے برادر بزرگ قاضی نور محمد نے نواب حمے خاں خراسانی سے جو اُس زمانے میں سلاطینِ خراسان کی طرف سے صوبہ دار تھا،

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵)

اپنے دادا فیروز جنگ کے مزار کے قریب ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، یہ اجمیری دروازہ کے باہر واقع تھا، شاہ نضر الدین اورنگ آبادی نے اسی مدرسے میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا (نذر بہتہ الخواطر جلد ۶ ص ۱۹۷ و تاریخ مشائخ چشت - ص ۴۷۳)۔

۱۱۹ مناقب المجوبین - ص

(فٹ نوٹ صفحہ ۱۲۷)

۱۲۵ تکرملہ سیر الاولیاء - ص

۱۲۷ تکرملہ سیر الاولیاء - ص

چند دیہات اجارے پر ملے تھے۔ خواجہ محمد عاقل اُن کے ضامن تھے، لہٰذا دفعہ بعض مجبور یوں سے قاضی نور محمد اجارے کی رقم ادا نہ کر سکے، شہر کے حاکم نے وہ رقم خواجہ محمد عاقل سے طلب کی، اسے وہ بھی ادا نہ کر سکے تو اُس نے اُنھیں قید کر دیا، نو مہینے تک خواجہ محمد عاقل نے قید کے مصائب و تکالیف برداشت کئے، قید خانے میں اُن کا سارا وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا، قید سے چھوٹے تو فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ نو مہینے جو میں نے قید میں گزارے ہیں اگر مجھے حاصل نہ ہوتے تو میں شاید ذکر و شغل کے نتیجے سے محروم رہتا۔

اُس زمانے میں جب کہ خواجہ محمد عاقل قید میں تھے، اُن کے پیرو مرشد خواجہ نور محمد بہاروی نے قید خانے میں بہت سے عمل اُن کو بھیجے، لیکن اُنھوں نے کوئی عمل نہیں پڑھا، لوگوں نے جب اُن سے پوچھا کہ آپ نے عمل کیوں نہیں پڑھا، فرمایا اپنے چھٹکارے کے لئے عمل پڑھنے سے مجھے شرم آتی ہے۔

بے حد متبع شریعت اور متبع سنت تھے، فنا
اتباع شریعت فی الرسول کے مرتبے پر فائز تھے، وفات سے
 کچھ دن پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے
 ہیں کہ تم نے ہماری تمام سنتوں کو زندہ کر کے ہمیں بے حد خوش
 کیا ہے۔

خواجہ محمد عاقل کو درس و تدریس اور مدارس
مدارس کا قیام کے قیام کا بے حد شوق تھا، کوٹ مٹھن میں

انھوں نے ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، اس مدرسہ میں علاوہ دوسرے مدرسین کے وہ خود بھی درس دیتے تھے، مدرسے کے لئے ایک بڑا سنگرخانہ بھی تھا، جس سے طلباء کو کھانا ملتا تھا، جب وہ کوٹ مٹھن سے شدائی آئے تو وہاں بھی ایک مدرسہ اور سنگرخانہ قائم کیا، ان مدرسوں میں جن کتابوں کا درس دیا جاتا تھا، ان کے نام یہ ہیں مشکوٰۃ شریف، احیاء العلوم، صحیح بخاری، لوائح و شرح قصیدہ سوار السبیل، سینم، فصوص الحکم، شرح وقایہ مع حواشی، ہدایہ، شرح مواقف، شرح ہدایت الحکمت، شرح عقاید، خیالی، مطول وغیرہ۔

مناقب المجوبین میں ہے کہ قاضی محمد عاقل سماع سے
سماع غیر معمولی ذوق رکھتے تھے، اور اکثر سماع کی محفل میں
 اُن پر اس غزل سے بے حد کیفیت طاری ہوتی تھی:-

ساقیا جامے بدہ تامت لایحقل شوم
 شاید از غم ہائے دوراں لحظہ غافل شوم
 میل ابروئے تو دارم، قبلہ من روئے تو
 کافر مگر من بجز اب دگر مائل شوم
 بسملم کردی و دارم شوق شمشیرت ہنوز
 کاش گرودم زندہ بارے دگر بسمل شوم
 اے کے می گوئی ہلائی بعد ازیں بے دل شو
 دل چہ کار آید مرا بگذار تا بیدل شوم

ایک دفعہ خواجہ نور محمد مہاروی کے عرس کے موقع پر خواجہ محمد عاقل،
 حافظ محمد جمال ملتانی اور خواجہ نور محمد مہاروی کے دوسرے مرید اور

خلفاء خانقاہ میں حاضر تھے، قوالوں نے نواب غازی الدین خاں کی
یہ غزل شروع کی:-

خوبی جلوہ دیوار تو سبحان اللہ
لمعہ مطلع الوزار تو سبحان اللہ
جاں بکفت خیل خریدار ہر سو جمعد
یوسف! رونق بازار تو سبحان اللہ
صدر دل مردہ شود زندہ بلطف سخت
معجز لعل شکر بار تو سبحان اللہ
شان حسن است نمایاں ز خط مشکینت
آیت مصحف رخسار تو سبحان اللہ
گلشن حسن تو از فیض ازل شد سرسبز
نوبهار گل گلزار تو سبحان اللہ
میزند بر تہ تجلی زنگاہے بردل
جادوئے چشم فسوں کار تو سبحان اللہ
دل برفتن ندر ہمدرد ہے جنت زیر جا
راحت سایہ دیوار تو سبحان اللہ
سنگ راموم کند حرف لطیف بدست
لذت نرمی گفتار تو سبحان اللہ
گل بن حسنی و ہر طرز تو گل میرزد
مرحبان گل تو اطوار تو سبحان اللہ
می گئی غارت دل ہی شوی آں گہ منکر
آفریں کار تو، انکار تو سبحان اللہ

غنچہ آسان تو دل تنگی عشاق زہے
ہم چو گل خندہ بسیار تو سبحان اللہ
کفر عشق تو نہ بس ناظم ایماں ست نظام
گفت تسبیح بزنار تو سبحان اللہ

قاضی محمد عاقل کو اس غزل کے پہلے شعر بے حد وجد آیا، جب وہ
بیٹھ گئے تو قوالوں نے اس غزل کا دوسرا شعر گانا شروع کیا، جس پر
حافظ محمد جمال ملتانی پر وجہ کی کیفیت طاری ہوئی، اور وہ بہت دیر تک
رقص کرتے رہے، پھر تو وہ، الم ہوا کہ جب قوال پہلا شعر پڑھتے تو قاضی محمد عاقل وجہ کرنے لگتے،
جب دوسرا شعر پڑھتے تو حافظ محمد جمال ملتانی رقص کرنے لگتے، بہت دیر تک ان
دونوں مقبولان بارگاہ ایزدی کی وجہ سے مجلس اے گرم رہی، یہاں تک کہ تمام
سامعین پر رقت طاری ہو گئی۔

رخسار و ہدایت کے لئے شیخ کا ارشاد خواجہ محمد عاقل کو جب خواجہ
نور محمد بہاروی نے خلافت
سے سرفراز فرمایا، تو وہ ایک عرصے تک اشغال و انکار میں لگے رہے،
لیکن سلسلہ نظامیہ کے فیوض و برکات کو عام کرنے کی طرف متوجہ
نہیں ہوئے، خواجہ نور محمد بہاروی کو معلوم ہوا تو انھوں نے نہایت
سختی سے لکھا کہ تم لوگوں کو بیعت کر کے اپنے سلسلے کے فیض کو کیوں عام
نہیں کرتے، اگر اب بھی تم نے ایسا نہیں کیا تو میں اس کی اطلاع
حضرت شاہ فخر کو دوں گا۔ قاضی محمد عاقل نے جواباً عرض کیا۔

کدام کس پیش من کون ہے کہ جو میرے پاس
آمدہ است کہ آں رو نمودم اس مقصد کے لئے آیا ہوا اور

اگر مرضی مبارک باشد خود بخود
گویم۔
میں نے اس سے انکار کیا ہو،
اگر مرضی مبارک ہو تو میں خود

لوگوں سے کہوں۔

خواجہ نور محمد مہاروی نے سنا تو جوش میں آکر فرمایا۔

اے میاں صاحب !
روزے باشد کہ ملائکہ آسمان
بنام شما منادی دہند، و خلایق
از شرق و غرب بر آستان شما
جبہ ساینند، سبحان اللہ! شما
می فرمایند کہ پیش من کسے
نہی آید۔
میاں صاحب! ایک دن وہ
آئے گا کہ فرشتے آسمان پر
تمہارے نام کی منادی
کریں گے، اور مخلوق مشرق و
مغرب سے تمہارے استانے
پر جبہ سالی کرے گی، سبحان اللہ!
تم یہ کہتے ہو کہ میرے پاس
کوئی نہیں آتا۔

نظام الاوقات
خواجہ محمد عاقل اپنے اوقات کے بڑے پابند
تھے، معمول تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد وہ
ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے، پھر کھانا کھاتے، اور عشا کی نماز
باجماعت ادا فرماتے، نماز عشاء کے بعد مریدوں کی تعلیم و تربیت کا
سلسلہ شروع ہوتا، جو نصف شب تک جاری رہتا، تہجد کی نماز ادا
فرمانے کے بعد ذکر بالجہر فرماتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے،
اور شام کو طالب علموں کو پڑھاتے تھے۔

لباس و غذا
عادت مبارک تھی کہ غذا لطیف اور لباس عمدہ پہنتے
تھے، ان کے دادا مرشد شاہ فخر نے ہدایت کی تھی کہ وہ

عمدہ لباس اور لطیف غذا استعمال کریں، شروع میں ان کو اپنے پیر کی اس ہدایت پر بہت تعجب ہوا، لیکن جب انھوں نے خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا یہ ارشاد لکھا ہوا دیکھا کہ :-

سالك را بايد كه غذا و لباس لطيف استعمال كند كه
انوار لطيف وارد مي شود۔

تو شاہ فخر کی اس نصیحت کی اہمیت ان کے ذہن میں آئی۔
عموماً خواجہ محمد عاقل کا قمیص اُن کے سینے پر سے چاک رہتا تھا،
گلاہ قادری پہنتے تھے، جب کہیں باہر جاتے تو سر پہ دستار یا سلاری (لنگی)
باندھ لیتے تھے۔ ان کے لباس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے صاحب
تکملہ سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ :-

یا جامہ از توسیلہ سیاہ و یا تہ بند سیاہ مستعمل می شد و بردوش
لنگی یا الاچہ یا دوپتہ یا سلاری بہر کتف می رسد مستعمل می شد۔

۱۔ خواجہ عبید اللہ احرار کا لقب ناصر الدین احرار تھا، اُن کے والد کا نام خواجہ محمود
بن شہاب الدین تھا، وہ حضرت خواجہ مولانا یعقوب چرخي کے کامل ترین مریدوں میں
تھے، مولانا عبد الرحمن جامی بھی اُن سے کمال حسن اعتقاد رکھتے تھے، جامی نے اپنی بعض
تضانیف کو انھیں کے نام سے معنون کیا ہے، خواجہ عبید اللہ احرار کی ولادت رمضان
۸۰۶ھ کو تاشقند کے ایک قریہ یاغستان میں ہوئی، انھوں نے شنبہ کی رات
۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ کو جب اُن کی عمر میں توڑے سال پورے
ہونے میں کچھ ماد باقی تھے، وفات پائی، خواجہ عبید اللہ احرار کا مزار
سمرقند میں ہے۔ (ماخوذ از سفینۃ الاولیاء ذکر خواجہ عبید اللہ)۔

۲۔ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۲۲

۳۔ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۲۲

قلیل الغذا تھے، جس کی مقدار شب و روز میں ۶۸ درہم سے زیادہ نہیں بڑھتی تھی۔

تکملہ سیرالاولیاء میں غذا کی جو تفصیلات ہمیں ملتی ہیں وہ یہ ہیں۔
 در اکل و شرب آن حضرت از شصت و ہشت درم آرد،
 ہفت نان تنک و نرم تیار کردہ می شد، بایں طریق کہ برتابہ
 نیم پختہ نموده، بعد از آن براخلگر با تمام پختہ می شد۔ بایں
 صورت نان تمام نرم می شود۔ از آن نانہاد و نیم نان، گہے
 سہ بہ شور بہ چوزہ یا دال، مونگ یا شلغم تناول می فرمودند
 و ہم چنین وقت شب می کردند۔

مریدوں کی اصلاح و تربیت

مریدوں کی اصلاح و تربیت

فرماتے تھے، ایک دفعہ چیچک کے عمل کا تذکرہ سن کر فرمایا، اثر کی اپنی
 طرف نسبت کرنا شرک ہے، موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔

اکبر شاہ ثانیؒ خواجہ محمد عاقل کا اس درجہ معتقد تھا کہ اس نے

۱۲۳ تکملہ سیرالاولیاء۔ ص ۱۲۳

۱۲۵ ایضاً۔ ص ۱۹۵

۱۲۵ اکبر شاہ ثانی، شاہ عالم کا بیٹا تھا، جو ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوا، علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔
 صوفیائے کرام کا غیر معمولی معتقد تھا، وہ ۱۲۲۲ھ میں تخت نشین ہوا، حکام کمپنی
 اور رینڈینٹ نے تخت نشینی کے مراسم ادا کئے۔ وہ علم و فضل، شعر و ادب کلبے حد
 قدر دان تھا، دہلی کے اکابر علماء، نامور شعراء اور جلیل القدر ادبا اس کے دربار کی
 زینت تھے، اکبر شاہ ثانی نے ۱۲۵۳ھ میں وفات پائی، سیرید خاں مرحوم نے
 قطعہ تاریخ وفات کہا۔

شہزادہ جہاں خسرو، اور کاؤس شکوہ کو ان کا مرید کرنا تھا۔

شاہان وقت کی عقیدت بہادر شاہ ظفر بھی ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا، اپنے جذبات

عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ایک شعر میں کہتا ہے۔

دل فدا کرتے ہیں نام فخر دیں برائے ظفر

ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

وفات خواجہ محمد عاقل نے چار ماہ بیمار رہ کر ۸ رجب ۱۲۲۹ھ کو وفات پائی، وفات کے دن فرمایا۔

امروزہ در تمام ہرج سفر کشیدیم، خوب شد کہ بمنزل

رسیدیم۔

اسی روز آپ نے شدائی میں وفات پائی، تاریخ وفات اس شعر میں منظوم ہے۔

مرز جیب بے خودی برگردو گفت
روز ہشتم بود از ماہ رجب

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳۵)

چوں برفت از جہاں شہ اکبر
شد سیاہ آسماں زد دو جگر
پائے شادی شکست احمد گفت
سال تارخ او غم اکبر

(ماخوذ از فٹ نوٹ علم و عمل مرتبہ محمد ایوب صاحب قادری۔ ص ۲۹۱)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا) ۳۶ ص مناقب فریدی۔

۳۵ سراج الدین بہادر شاہ ظفر فرزند معین اکبر شاہ ثانی ۱۷۷۷ء میں پیدا ہوئے، اور

۱۸۳۷ء میں تخت شاہی پر بیٹھے اور ۱۸۶۲ء میں ۶۲ سال کی عمر میں بحالت نظر بندی لوگوں

میں وفات پائی (ماخوذ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، باب ۳۔ ص ۱۸۰۔

۳۷ کلمہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۱ ۳۸ کلمہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۵

شرانی سے کوٹ مٹھن لاکر دفن کئے گئے۔

خواجہ محمد عاقل کے بعد ان کے صاحبزادے میاں احمد علی مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے، انھوں نے ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ ہجری کو وفات پائی۔

خلفاء خواجہ محمد عاقل کے خلفاء میں جنھوں نے سب سے پہلے خلافت حاصل کی وہ خلیفہ اکبر تھے، انھیں آپ کی بارگاہ میں نہایت تقرب حاصل تھا، اہم معاملات میں خواجہ صاحب ان ہی سے مشورہ فرماتے اور ان ہی کی سفارش پر خلافت عطا فرماتے تھے، اس کے علاوہ دوسرے مریدوں کی اصلاح و تربیت بھی خلیفہ اکبر ہی کے سپرد تھی، چنانچہ خواجہ گل محمد احمد پوری نے جو خواجہ صاحب کے خلیفہ بھی تھے، کشکول خلیفہ اکبر سے پڑھی تھی، خلیفہ اکبر نے ۳ ربيع الاول ۱۲۳۹ھ کو وفات پائی۔

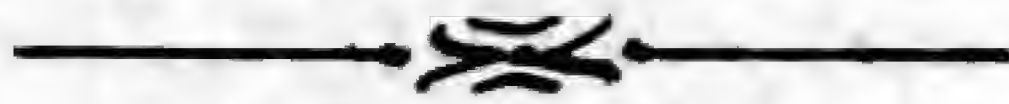
آپ کے دوسرا خلیفہ مولوی عبداللہ نامی ایک بزرگ تھے، جو صاحب ریاضت و مجاہدہ اور بلند پایہ عالم تھے، انھوں نے شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی کتاب تسلیم کی شرح بھی لکھی تھی، جس کا نام تسلیم تھا، منطق کی مشہور کتاب ایسا غوجی پر ان کا حاشیہ بھی ہے، انھوں نے احمد پور علاقہ بھلولو میں وفات پائی، اور وہیں ان کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ یہ ذکر کرام میں ہے کہ احمد پور شرقیہ میں ایک خانقاہ عبداللہ نامی کے نام سے موسوم ہے، آپ کی نسبت مشہور ہے کہ آپ خواجہ عاقل محمد صاحب کے خلفاء میں تھے۔

خواجہ محمد عاقل کے تیسرے خلیفہ مولوی محمد اعظم تھے، یہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے، انھوں نے ۲۰ رذی الحجہ ۱۲۴۱ھ کو وفات پائی۔ آپ کے چوتھے خلیفہ جنھوں نے سلسلہ و چشتیہ نظامیہ کے فروغ و

۱۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۵۹۶ ۲۔ ذکر کرام

ترقی میں غیر معمولی کوشش کی، وہ میاں شریف الدین تھے، خواجہ گل محمد احمد پوری نے ان کی عظمت بزرگانہ کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کتاب تکملہ سیرالاولیاء میں لکھا ہے۔

از ان حضرت خلافت یافتہ، و بسیار خلق انداز دست
مبارک ایشان در سلسلہ سلطان الاولیاء داخل شدہ و می
شوند، اللہ تبارک و تعالیٰ بکرم و فضل خود روز افزوں
دارد، در سلوک مریداں روش غریب و مخط عجیب دارند
و از مشاہدہ و مکاشفہ او شاں بسیار معالہ شہرہ آفاق است۔
آپ کے پانچویں خلیفہ خواجہ گل محمد احمد پوری مصنف تکملہ
سیرالاولیاء تھے، جو آپ کے تلامذہ میں بھی تھے، خواجہ گل محمد نے
۱۲۴۳ھ میں احمد پور شرقیہ میں وفات پائی۔



(۸۷)

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی

نام و نسب آپ کا نام محمد سلیمان، آپ کے والد محترم کا نام ذکر یا تھا جو عبدالوہاب بن عمر خاں بن خاں محمد کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی زلیخا تھا، آپ افغان تھے، خاندان جعفریہ سے تعلق رکھتے تھے، جو قبیلہ رمدانی کی ایک شاخ تھا، مشہور ہے کہ قبیلہ رمدانی رحیم داخل جعفر کی اولاد سے ہے، شاہ محمد سلیمان عوام میں روہیلہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

ولادت شاہ محمد سلیمان کی ولادت باسعادت ۸۲۷ھ میں قصبہ گڑگوجی میں ہوئی جو کوہ درگ میں واقع ہے اور تونسہ سے سمت مغرب میں تیس کوس کے فاصلے پر ہے یہ

شاہ سلیمان کے والد کی وفات اُن کے شیرخوارگی ہی کے زمانے میں ہو گئی تھی، اس لئے آپ کی والدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔

اساتذہ جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ نے آپ کو تعلیم کے لئے، ملا یوسف جعفر کی خدمت میں بھیجا، ملا یوسف جعفر نے بسم اللہ شروع کرائی، اور تقریباً قرآن مجید کے پندرہ پارے اُن سے پڑھے، پھر آپ اپنے ایک ہم قوم حاجی صاحب سے پڑھنے لگے، حاجی صاحب کے یہاں آپ کا معمول یہ تھا کہ دن کو اُن کی گایوں کو جنگل میں چرانے کے لئے لے جاتے، اور رات کو حاجی صاحب سے سبق لیتے، لیکن حاجی صاحب کی بیوی نہایت درخت اور سخت مزاج تھیں، اس لئے آپ حاجی صاحب کے پاس زیادہ نہ ٹھہر سکے، اور خود حاجی صاحب نے اُن کو مشورہ دیا کہ وہ تونسہ جا کر میاں حسن علی سے تعلیم حاصل کریں، چنانچہ آپ کوہ دیگ سے تونسہ میں میاں حسن علی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ مسجد سفید میں جسے مقامی زبان میں ملک سنگھ کہا جاتا تھا اور جو تونسہ کے بازار میں واقع تھی درس دیا کرتے تھے، جب آپ میاں حسن علی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ نہایت شفقت سے پیش آئے۔

تونسہ میں مشقتیں میاں حسن علی کے مدرسہ کا یہ اصول تھا کہ مدرسہ کے طلباء یا گدیگری کر کے یا مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے، آپ کو بھی میاں حسن علی نے گدائی کے لئے حکم دیا، شاہ صاحب نے چونکہ کبھی گدائی نہیں کی تھی، اس لئے آپ آپ استاد کے اس حکم کی تعمیل میں، ہچکچائے۔ لیکن بغیر تعمیل کے کچھ چارہ بھی نہ تھا، مجبوراً آپ گدائی کے لئے تشریف لے گئے، اتفاق سے آپ ایک ہندو بقال کے ہاں پہنچے، اُس کی بیوی چوہ کے میں بیٹھی ہوئی روٹی

۱۔ یہ مسجد ۱۲۷۲ھ میں بہاری ندی کی وجہ سے مہندم ہو گئی (مناقب المجوبین ص ۱۲۵)
۲۔ مناقب المجوبین - ص ۱۲۵

پکار رہی تھی، اُس کے بغیر اجازت کے چوکے سے روٹی اٹھالائے، بقال نے
 میاں حسن علی سے شکایت کی، میاں حسن علی نے آپ کو بلا کر کہا میاں روٹی
 یہ تمہنے کیا کیا، شاہ صاحب نے جواب دیا، آپ نے مجھے مانگنے کے لئے حکم
 دیا تھا میں اس بقال کے ہاں پہنچا، میں نے اس کی بیوی سے روٹی مانگی،
 جب اُس نے نہ دی تو میں روٹی اٹھالایا میاں حسن علی، آپ کی یہ بات سن کر
 ہنسے، اور ہنس کر فرمایا تم گدائی نہیں جانتے، اب تم گدائی کے لئے نہ جاؤ،
 بلکہ مزدوری کرو، تاکہ تمہاری روٹی اور کپڑے کا خرچ نکلے، استاد کے
 ارشاد کے مطابق آپ دو آنے یومیہ کی مزدوری پر لگ گئے، لیکن دن بھر
 آپ ایک پتھر پر بیٹھے رہے، جو کوئی آپ سے کام کرنے کے لئے کہتا آپ
 اُس کے پتھر مارتے، مزدوروں نے تاج خاں سے شکایت کی، جس کے
 تحت تمام مزدور کام کر رہے تھے، تاج خاں نے اُن سے کہا کہ اگر یہ کام
 نہیں کرتے تو ان کو مجبور نہ کرو، تاج خاں نے شام کو آپ کی مزدوری
 دے دی، رات کو آپ قصبہ منگوٹہ میں تشریف لائے، اور دو آنے کا
 آٹا خرید کر روٹیاں پکائیں، کچھ خود کھائیں، اور باقی فقراء میں تقسیم کر دیں، صبح کو
 استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے، استاد نے آپ سے پوچھا کہ تمہنے مزدوری
 کے دو آنے کیا کئے؟ آپ نے عرض کیا کہ میں نے اُس ذوقی کا آٹا خرید کر
 اُس کی روٹیاں پکائیں، کچھ خود کھائیں، جو بچیں فقراء میں تقسیم کر دیں،
 استاد نے آپ کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں،
 آج کل غلہ کس قدر سستا ہے؟ آپ نے جواب دیا واقعی مجھے
 معلوم نہ تھا کہ غلہ اس قدر ارزاں ہے، مجھ سے تو تاج خاں نے مزدوری
 دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ دو آنے لو، اس سے آج تمہاری رات کی روٹی
 نکل جائے گی، میں نے اُس کا آٹا خرید لیا، جب روٹی پکائی تو چودہ
 روٹیاں پکیں، استاد نے سب حال سن کر فرمایا اچھا کل سے مزدوری

پر نہ جایا کرو، بلکہ ہمارے گھر کھانا کھالیا کر دو، اس کے بعد آپ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے، میاں حسن علی سے آپ نے قرآن مجید ختم کیا، اس کے علاوہ ہند نامہ عطار، گلستاں، بوستاں وغیرہ ان ہی سے پڑھیں۔

اسی زمانے میں جب
میاں نور محمد نارو والہ سے ملاقات

کر شاہ سلیمان، میاں حسن علی کے مدرسے میں تعلیم پا رہے تھے، آپ موضع سوکڑہ جو تونسہ سے جانب جنوب دو کوس پر واقع ہے، ایک کتاب خریدنے کے لئے گئے، وہاں سے واپس ہو رہے تھے کہ راستے میں آپ کی میاں نور محمد نارو والہ سے ہوئی، جن سے آپ کا سابقاً کوئی تعارف نہ تھا، میاں نور محمد نارو والہ نے جب آپ کو دیکھا تو بہت تعظیم و تکریم سے پیش آئے، اس وقت وہ گھوڑے پر سوار تھے، باوجود پیرانہ سالی کے گھوڑے پر سے اتر پڑے، آپ کو گھوڑے پر بٹھایا، اور خود پیدل چلے، میاں نور محمد نارو والہ کے ایک مرید میاں احمد کھوکھر کا بیان ہے کہ مجھے یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا کہ میرے پیر باوجود ضعف و نقاہت کے پیدل چل رہے ہیں اور وہ نوجوان گھوڑے پر بیٹھا ہوا ہے، مجھ سے ضبط نہ ہو سکا، اور میں نے چپکے سے اپنے پیر سے کہا کہ قبلہ عالم! یہ کیا غصہ ہے کہ یہ روہیلہ جیم تن اور قوی بدن تو گھوڑے پر بیٹھا ہوا ہے، اور آپ پیدل چل رہے ہیں۔ آپ کیوں نہیں گھوڑے پر سوار ہوتے۔ میرے پیر نے بڑی غضبناک نظروں سے مجھے دیکھا، اور غصے سے فرمایا میرے پاس سے دور ہو جاؤ اور خاموش رہو، تمہیں اس سے کیا سروکار ہے۔ میں شرمندہ ہو کر خاموش

۱۔ مناقب الجہدین - ص ۱۲۵ - ۱۲۶

۲۔ تاریخ مشائخ چشت - ص ۶۱۲ - ۶۱۳ بحوالہ خاتم سلیمانی - ص ۱۱ - ۲۶

ہو گیا، جب ہم تونسہ پہنچے، میرے پیر تھک کر چار پائی پر لیٹ گئے، لوگ اُن کے پاؤں دبانے لگے، لیکن میں شرمندگی کی وجہ سے اُن کے قریب نہیں گیا جب سب لوگ رخصت ہو گئے تو حضرت ناروالہ صاحب نے مجھے بلایا، اور نہایت شفقت سے فرمایا، کہ تم نے راستے میں اپنی جس عقیدت کا اظہار مجھ سے کیا تھا میں اُس سے خوش ہوں۔ ایک مرید کو اپنے پیر سے ایسی ہی عقیدت ہونی چاہئے، لیکن تمہیں اس روپے لڑکے کی عظمت و شان معلوم نہیں کچھ دن بھی نہ گزریں گے کہ ایک جہان اس کے نور سے منور ہو جائے گا بلکہ تمہاری اولاد اور سارا خاندان اس کا مرید ہو گا، اُس وقت تمہیں اس لڑکے کی عظمت معلوم ہو گی، چنانچہ میاں نور محمد ناروالہ کی پیشین گوئی حروف بحرف پوری ہوئی، جب شاد محمد سلیمان نے خواجہ نور محمد مہاروی سے خرقہ خلافت حاصل کر کے تونسہ میں قیام فرمایا تو میاں احمد کھوکھر اس شمع معرفت کے گرد پروانہ دار رہنے لگے، اور انہیں ایک لحظہ سوائے آپ کے کہیں قرار نہ آتا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی تمام اولاد اور سارے خاندان کو آپ کا مرید کرایا۔

لانگہ میں طالب علمی میاں حسن علی کے مدرسہ سے تعلیم پانے کے بعد شاہ محمد سلیمان تونسوی تعلیم کے لئے موضع لانگہ پہنچے، یہ موضع تونسہ سے سمت مشرق میں پانچ کوسوں کے فاصلے پر واقع ہے، یہاں آپ نے میاں ولی محمد سے تعلیم حاصل کی جو قوم کے اُستاد تھے، خواجہ صاحب نے فارسی درسیات کی تکمیل میاں ولی محمد ہی سے کی۔

نجم الدین مؤلف مناقب المجوبین نے ۱۲۷۸ھ میں جب کہ وہ اپنے پیر و مرشد کے عرس کے موقع پر تونسہ گئے تھے موضع لانگہ پہنچ کر اُس

لے مناقب المجوبین۔ ص ۲۸-۱۲۹

مسجد کی زیارت کی تھی، جس میں زمانہ طالب علمی میں آپ پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ محمد یار میاں ولی محمد کے صاحبزادے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے تونسہ آئے۔ آپ اُن سے بہت دیر تک لانگہ میں اپنے زمانہ طالب علمی کے واقعات، اور اُن کے والد اور اپنے استاد میاں ولی محمد کے حالات بیان کر کے اُن کو یاد کرتے رہے۔

کوٹ مٹھن میں طالب علمی لانگہ میں فارسی درسیات کی تکمیل کے بعد آپ کو عربی کی تعلیم کا شوق پیدا ہوا، اور آپ عربی کے حصول کے لئے کوٹ مٹھن تشریف لائے اور وہاں خواجہ محمد عاقل کے مدرسہ میں اُن کے صاحبزادے قاضی علی احمد صاحب سے عربی کی تعلیم شروع کی، چند سال یہاں رہ کر آپ نے قطبی پڑھی اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کو ابتدا ہی سے اتباع شریعت کا خیال بدرجہ کمال تھا، اگر آپ کسی کو خلاف شریعت عمل کرتا ہوا دیکھتے تو اس سے بے حد رنجیدہ ہوتے، اور اس کو امر بالمعروف فرماتے۔ خود آپ نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ میرے طالب علمی کے زمانے میں جب کہ میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت نہیں ہوا تھا، ایک امر و کوٹ مٹھن کے بازار میں بناؤ سنگھار کر کے رقص کر رہا تھا، مجھے جب یہ خبر معلوم ہوئی، میں اس وقت کتابوں کے مٹالے میں مشغول تھا، اس خبر کے سننے ہی میں اٹھا، میں نے ایک قینچی ہاتھ میں لی، اور اس کے علاج کے لئے روانہ ہو گیا، میں نے دیکھا کہ اس امر و نے

زلفیں بنا رکھی تھیں، میں نے بڑھ کر کان کے قریب سے اُس کی ایک طرف کی زلف کاٹ لی، اور غیرتِ شریعت کی بناء پر اس کی پروا نہیں کی کہ اس کا کیا نتیجہ ہوگا، جب میں نے اس کی کٹی ہوئی زلف پر نگہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ اس کی زلف کاٹنے میں اُس کے کان کا ایک حصہ بھی کٹ کر آگیا ہے، لیکن اس کے دیکھنے پر بھی میرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب کوٹ مٹھن میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، تو اُس وقت مجھے قدرتی طور پر دینیات کی طرف زیادہ خیال تھا، اور میں امر بالمعروف کے لئے قرب و جوار کے مواضعات میں جایا کرتا تھا۔

اُج میں حضرت خواجہ نور محمد شاہ محمد سلیمان کوٹ مٹھن اُس زمانے میں جب کہ مہاروی سے ملاقات میں تعلیم پا رہے تھے، خواجہ نور محمد مہاروی کے اُج تشریف لانے کی خبر پہنچی، آپ کے استاد میاں احمد علی صاحب جو خواجہ نور محمد مہاروی کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی، اپنے شاگردوں کے ساتھ جن میں شاہ محمد سلیمان بھی تھے اپنے مرشد سے ملنے کے لئے اُج پہنچے، لیکن شاہ محمد سلیمان نے سُن رکھا تھا کہ خواجہ نور محمد مہاروی سماع احمد وجد سے غیر معمولی شغف رکھتے ہیں، اُن کے دل میں یہ خیال تھا کہ میں وہاں پہنچ کر قبلہ عالم سے پوچھوں گا کہ سرود شرع میں حرام ہے، پھر وہ کیوں سرود سنتے ہیں وہ اسی خیال سے وہاں پہنچے، لیکن وہاں پہنچنے کے بعد اور خواجہ

نور محمد مہاروی کو دیکھنے کے بعد خیالات کی دنیا ہی بدل گئی، اور اُن کی عقیدت سے قلب جگمگا اٹھایا۔

میاں عبدالشکور کا بیان ہے کہ حضرت شاہ فخر نے خواجہ نور محمد مہاروی سے فرمایا تھا کہ۔

ایک شہباز از کوہستان
مغرب خواہد برآمد باید کہ
اور ابھر طور در دایم خود
آری، چنان نشود کراں شہباز
در دایم کسے دیگر برود کہ
مالک نعمت ما و شما خواہد
بود، و او سلیمان زمان خود
خواہد شد۔

ایک شہباز کوہستان مغرب
سے برآمد ہوگا، تمہیں چاہئے
کہ جس طور پر بھی ممکن ہو
اُسے اپنے دایم میں لاؤ،
ایسا نہ ہو کہ وہ کسی دوسرے
کے دایم میں چلا جائے، یہی
شہباز آئندہ ہماری اور
تمہاری (روحانی) نعمتوں
کا مالک ہوگا، اور وہ اپنے
زمانے کا سلیمان ہوگا۔

شاہ فخر کی اس پیشین گوئی کے بعد سے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی اس شہباز کی تلاش میں آج اور کوٹ مٹھن وغیرہ جاتے تھے، ایک دفعہ خواجہ نور محمد مہاروی نے اپنے ایک مرید مولوی محمد حسین چنڈر سے فرمایا جو بستی محمد حسین جھنڈر علاقہ بھاول پور میں رہتے تھے۔

محمد حسین، نیچک میدانی
کہ من ہر سال وریں ملک
محمد حسین تم کچھ جانتے بھی ہو
کہ میں ہر سال اس ملک میں

۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵ ہے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مگر ہم نے یہاں اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔

چرامی آیم، عرض کر دیم
 حضور فرما بند؟ فرمود: برا
 شکار شہباز می آیم کہ جسے
 نوع آن شہباز در دامن
 افتد، و امر حضرت مولانا
 است، برائے آن ایں
 سفر ملک شما اختیار کردہ
 ام، شما ہم دعا کنید کہ حق
 تعالیٰ آن شہباز در دامن
 دارد

کیوں آتا ہوں؟ میں نے
 عرض کیا کہ حضور فرمائیں؟
 فرمایا کہ میں ایک شہباز
 کے شکار کے لئے آتا ہوں کہ
 وہ کسی طرح میرے دام
 میں پڑے اور مجھے یہ حکم
 حضرت مولانا (فخر) کا ہے جس
 کی وجہ سے میں نے تمہارے
 ملک کا سفر اختیار کیا ہے، تم
 بھی دعا کرو کہ خدا وہ شہباز
 میرے دام میں لائے۔

آخر خواجہ نور محمد مہاروی کی تلاش و جستجو شاہ محمد سلیمان جیسے
 شہباز کو ان کے دام میں لے کر آئی، جن سے پورے پنجاب میں سلسلہ
 حشیتہ نظامیہ کو عام ہونا مقدر ہو چکا تھا، چنانچہ شاہ محمد سلیمان نے
 حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت ہونے کی درخواست کی،
 آپ نے شاہ محمد سلیمان کو درگاہ سید جلال الدین بخاری میں
 بیعت کیا۔

بیعت کرنے کے دو تین روز بعد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی
 آج سے اپنے وطن مہار روانہ ہو گئے۔
 اور شاہ محمد سلیمان کو حکم دیا کہ تم پہلے یہاں سے دہلی جاؤ،
 پہلا حکم اور حضرت شاہ فخر سے ملاقات کر کے میرے پاس

مہار آؤ، چنانچہ شاہ محمد سلیمان نے اس حکم کی تعمیل کی یہ
 آج سے واپسی میں جب خواجہ نور محمد مہاروی
 مبارک بادی مولوی محمد حسین کی بستی موضع جھنپڑ میں پہنچے تو
 مولوی محمد حسین سے فرمایا۔

مولوی صاحب مایاں	مولوی صاحب ہم کو مبارکباد
رامبار کی دہید، آں شہباز	دو، وہ شہباز جس کے شکار
کہ برائے شکار روئے ہر سال	کے لئے ہم ہر سال اس ملک
سمت اس ملک آدم، الحمد للہ	میں آتے تھے، الحمد للہ اس
امسال در دامن من در بلدہ	سال ہمارے دامن میں شہر
آج افتادہ است، اوشاں	آج میں پڑ گیا مولوی صاحب
مبار کی وادند	نے ان کو مبارک بادی۔

خواجہ نور محمد مہاروی نے اپنے مرید اور خلیفہ خاص مولانا نور محمد
 حاجی پور والہ کو بھی حکم دیا تھا کہ اس شہباز لاہوتی کے لئے جس کی
 بشارت شاہ فخر نے مجھے دی ہے، تم بھی ہر سال ملک سنگھڑ کا سفر
 کیا کرو، شاید کہ وہ کوہستان سے نکل کر تمہارے دام میں پڑ جائے۔
 اس بنا پر مولانا نور محمد حاجی پور والہ بھی اس تلاش و جستجو میں نکلے تھے
 جب شاہ محمد سلیمان، خواجہ نور محمد مہاروی کے حلقہ بیعت میں داخل
 ہوئے تو آپ نے مولانا نور محمد حاجی پور والہ کو لکھا کہ وہ شہباز کوہستانی
 جس کی ہم کو تلاش تھی، اس سال وہ ہمارے دام میں آچکا ہے، اب
 انھیں اس کی تلاش میں جانے کی ضرورت نہیں، اس کے بعد آپ خود
 بھی کسی سنگھڑ نہیں گئے تھے

شاہ محمد سلیمان
۱۱۹۹ھ میں
۸۱۷

شاہ فخر الدین کی خدمت میں حاضری

اپنے پیر حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے حکم کے مطابق حضرت شاہ فخر کی خدمت میں براہِ دلاور، فلودی، جودھپور، اجمیر، جے پور اور ریواڑی ہوتے ہوئے دہلی روانہ ہوئے، اجمیر میں آپ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے مزار پر حاضر ہوئے، پھر وہاں سے جے پور اور ریواڑی ہوتے ہوئے دہلی پہنچے، لیکن آپ کے دہلی پہنچنے سے تین دن قبل شاہ فخر دھال فرما چکے تھے، شاہ محمد سلیمان، شاہ فخر کے مزار پر جو خانقاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میں سجد کے متصل ہے، چالیس روز تک معتکف رہے یہ

پھر آپ دہلی سے مہار واپس ہوئے، اور اپنے مہار کو واپسی شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضتوں میں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے، تمام رات ذکر یا بھر بلند آواز سے کرتے تھے، اور رات دن پاسِ انفاس میں بسر فرماتے، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی جو توجہ خاص آپ پر تھی وہ دوسرے مریدوں پر نہ تھی یہ

مہار میں آپ کا قیام مسجد خدائش بن مسجد خدائش میں قیام حافظ محمد مسعود میں تھا، وہیں آپ کا زیادہ وقت عبادتوں اور ریاضتوں میں صرف ہوتا تھا یہ

لیکن حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی مجلس میں آپ پابندی سے سنے علوم ظاہری کی تعلیم ان کی زیارت اور تصوف کی کتابوں کی تعلیم کے لئے تشریف لے جاتے تھے، چنانچہ آپ نے

آداب الطالبین، فقرات، لواحق ہمشیرہ کاملہ اور فصوص الحکم وغیرہ کی تعلیم اپنے پیر سے حاصل کی۔

کبھی کبھی حضرت خواجہ نور محمد مہاروی بھی آپ کی دلداری کے لئے آپ کے پاس مسجد خدا بخش میں تشریف لاتے تھے۔

ایک دفعہ آپ مسجد خدا بخش میں بیٹھے ہوئے دیوان حافظ نہایت خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے، اچانک خواجہ نور محمد مہاروی تشریف لے آئے آپ شرم کی وجہ سے خاموش ہو گئے، خواجہ نور محمد مہاروی نے پوچھا کیا پڑھ رہے تھے؟ آپ نے عرض کیا کہ دیوان حافظ پڑھ رہا تھا، خواجہ صاحب نے فرمایا ہمیں بھی کچھ سناؤ، آپ نے شعر پڑھا:۔

کمال صنعت مشاطہ باید

کہ روئے زشت رازیہ نماید

خواجہ نور محمد مہاروی یہ شعر سن کر بہت خوش ہوئے، پھر فرمایا اب ہم سے بھی ایک شعر سنو، پھر یہ شعر پڑھا:۔

ملگو کہ پیر شدی ذوق عاشقیت نماند

شراب کمنہ رماستی دگر دارد

پیر کی عقیدت
شاہ محمد سلیمان اپنے شیخ سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے اور اپنے پیر کی خدمت

اور اطاعت میں ہمیشہ ہر وقت رہتے تھے، ایک جگہ فرمایا:۔

شیخ مشاطہ مرید است، یعنی چنانچہ مشاطہ عروس را

آراستہ سزاوار صحبت شوئے خود سازد، مانند اس شیخ ظاہر و باطن

را بہ شریعت پیرا ستہ مستحق صحبت محبوب حقیقی گردانند

شیخ کی عقیدت پر ایک مرتبہ اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا:۔
 صحبتِ شیخ با عقیدہ
 شیخ کی صحبت میں عقیدت کے
 باید کرد کہ بے عقیدہ از
 ساتھ حاضر ہونا چاہئے، اس
 صحبتِ بیچ فائدہ نیست۔
 لئے کہ بے عقیدہ صحبت سے
 کوئی فائدہ نہیں۔

آپ کا اپنے شیخ سے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ اکثر آپ مہار پیدل روانہ
 ہو جاتے، اور راستے کی تمام مصیبتیں اور مشکلیں برداشت کرتے۔
 ایک دفعہ میاں غلام حیدر اور میاں عیسیٰ کو ہمراہ لے کر مہار
 روانہ ہوئے، پیدل چلتے چلتے پیروں سے خون بہنے لگا، ایک دفعہ
 اس سفر کے حالات کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

ہردہ ناخن از ہر دو پائے دسوں ناخن میرے پیروں
 سن جدا شدند۔ سے جدا ہو گئے۔

اس سفر کے مصائب کی تصویر آپ کے رفیقِ سفر غلام حیدر نے
 بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

میں نے بارہا معائنہ کیا کہ آپ کے جوتے خون سے
 بھر گئے اور ان سے خون کے قطرے بہنے لگے، لیکن آپ
 اس وقت بھی اس سے بے خبر مردانہ وار قدم اٹھاتے
 تھے، آپ کو بالکل اس کی خبر نہ تھی کہ آپ کے پیر زخمی ہو چکے
 ہیں، اومان سے خون جاری ہے، میں نے یہ حال دیکھ
 کر عرض کیا کہ تھوڑی دیر ٹہر جائیے، لیکن آپ نہ ٹھہرے،
 جب ہم ملتان پہنچے تو مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کا یہ جوتا

تنگ ہے، دوسرا جو تاخر بدنا چاہئے، لیکن میرے پاس
سوائے ایک نئی چادری کے کوئی دوسری چیز موجود
نہ تھی، میں نے چاہا کہ وہ چادر فروخت کر کے جوتے کی
قیمت ادا کروں، لیکن آپ نے پسند نہیں فرمایا، جب
میں نے بے حد اصرار کیا تو فرمایا کہ تم اس تکلیف کو سوتل
رہے ہو، ہمیں اپنی بھی خبر نہیں، فکر نہ کرو سفر کے پورا
کرنے میں کوئی فرق نہ آئے گا یہ

شہادہ محمد سلیمان چودہ یا پندرہ سال
خلافت سے سرفرازی کی عمر میں حضرت خواجہ نور محمد

مہاروی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے تھے، آپ اپنے شیخ کی
خدمت میں تقریباً چھ سال رہے، ایک موقع پر خود فرمایا کہ:-

مارا صحبتِ ظاہری ہمیں قبلہ عالم (خواجہ نور محمد

حضرت قبلہ عالم شش سال

یا کم بود یہ

سال یا کچھ کم حاصل رہی۔

تقریباً بائیس سال کی عمر میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے
آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا، خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد
آپ کو حکم دیا کہ تونسہ میں قیام کر کے رشد و ہدایت کی شمع روشن کریں۔

تونسہ میں قیام چنانچہ آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق تونسہ میں
مقیم ہو گئے جو ڈیرہ غازی خاں سے تین گوس کے

فاصلے پر واقع ہے، اور اس وقت ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، تونسہ میں
پہنچنے کے بعد آپ نے ایک جھونپڑی ڈالی، اور اس جھونپڑی میں

عبادت میں مشغول رہنے لگے، لیکن جب اس علاقے کا رئیس الف خاں آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہوا تو اس نے آپ سے اجازت لے کر آپ کے لئے ایک مکان بنوا دیا۔

صاحب مناقب المحبوبین کا تونسہ میں قیام کے متعلق بیان

صاحب مناقب المحبوبین نے شاہ محمد سلیمان کے تونسہ میں توطن اختیار کرنے کے تین سبب لکھے ہیں، ایک تو یہ کہ آپ کے پرانے آپ کو حکم دیا تھا کہ کوہستان تمھارے رہنے کے لئے مناسب ہیں، کیونکہ یہاں ہر شخص خود مختار ہے، بلکہ تمھیں ایسی جگہ قیام اختیار کرنا چاہئے کہ جہاں تم اطمینان سے رہ سکو، چنانچہ آپ نے اپنے شیخ کے ارشاد پر تونسہ شریف میں اقامت اختیار کی۔

دوسری وجہ ترک وطن کی یہ تھی کہ جب آپ نے اپنے وطن میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی تو طالبانِ حق دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، لیکن ان طالبوں کے جو قافلے آتے تھے، یہاں کے راستے اس قدر خطر تھے کہ اکثر قافلے لٹ جاتے تھے، اور لوگوں کو آپ کے وطن گڑگوجی میں پہنچنے میں بہت دقت ہوتی تھی، آپ نے لوگوں کی اس تکلیف کو محسوس کر کے ترک وطن فرمایا اور تونسہ میں قیام اختیار کیا۔

تیسرا سبب ترک وطن کا یہ بھی تھا کہ جب آپ خلافت سے سرفراز ہو کر اپنے وطن موضع گڑگوجی میں تشریف لائے، اور یہاں لنگر جاری کیا تو آپ کی قوم کے لوگ آپ پر حسد کرنے لگے،

اور آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہوئے اس بناء پر بھی آپ نے
تونسہ ہجرت فرمائی۔

شاہ محمد سلیمان کے تونسہ میں تشریف لانے کے بعد تونسہ کی آبادی
اور رونق میں غیر معمولی اضافہ ہوا، اور دور دور سے لوگ آکر وہاں
آباد ہوئے۔

تونسہ میں لشکر کا قیام

تونسہ میں تشریف لانے کے بعد جب
طالبان حق کا ہجوم بڑھا، اور خراسان
و ہندوستان اور عرب و عجم کے لوگ آنے شروع ہوئے تو آپ نے
لشکر خانے کے قیام کی ضرورت محسوس کی، اور پیارہ نامی ایک ہندو
بقال کو جو بہت مفلس تھا لشکر خانہ کا مودی مقرر کیا، اور امور فقرار کا منتظم
علی محمد ہوتانی کو اور محاسب میاں برخوردار چاکی کو اور منشی کے عہدے
پر صدیق محمد کو مقرر فرمایا، لشکر خانے میں قیام کرنے والوں کے لئے
لوہار، نیل گر، دھوبی اور دوسرے پیشے کے لوگوں کو مقرر کیا،
اس کے علاوہ ایک حکیم بیماروں کے علاج کے لئے مقرر فرمایا،
اور مودی کو حکم دیا کہ جب کبھی حاجت مند تمھاری دوکان پر دوا
کے لئے نسخہ لائے تو بغیر کسی اجازت اور حکیم کے اس کو دوائیں دو۔
لانگری کے عہدے پر ابتداً محمود نامی ایک شخص کو مقرر کیا، پھر قبول
کو لانگری مقرر کیا، اس کے بعد خدا بخش لانگری مقرر ہوئے۔

ایک دفعہ خدا بخش لانگری نے آپ سے عرض کیا کہ اس ماہ
فقر کی دواؤں پر سات سو روپے خرچ ہوئے ہیں، جس کا حساب
دفتر مودی میں آیا ہے، آپ نے یہ سنا تو نہایت غصہ سے فرمایا کہ

تھیں شرم نہیں آتی کہ تم درویشوں کی دواؤں کا حساب مجھ سے بیان کرتے ہو، میرے سامنے سے دور ہو جاؤ، اگر سات ہزار روپے ماہانہ بھی درویشوں کی دواؤں پر خرچ ہوں تو مجھے لڑکھنڈ نہ دو، درویشوں کی جان کے مقابلے میں روپے کی کوئی حیثیت نہیں۔

خانقاہ میں قیام کرنے والے درویشوں کے لئے لنگر خانے سے روٹی تین پاؤں تختہ مقرر تھی، چھ ماہ میں ہر ایک کے جوڑے بنائے جاتے تھے، جوتے جب پرانے ہو جاتے تو نئے جوتے دلا دیئے جاتے تھے۔

مدرسہ میں جو علماء و مدرسین تھے، ان کے لئے ایک سیر سچتہ غلہ یومیہ مقرر تھا اور ایک سیر ماہانہ ہر ایک کو گھی اور ایک سیر تیل دیا جاتا تھا، اور ہر ششماہی پر ان کے لئے کپڑے کے جوڑے تیار کرائے جاتے تھے۔ اور سالانہ ایک بکری اور ایک لنگی ہر عالم کے لئے مقرر تھی۔

اگر کسی عالم یا درویش کی شادی ہوتی تو حسب مراتب ولیاقت دس روپے سے لے کر تین چار سو تک اس کی مدد فرماتے، شادی کا سامان، زیور اور پوشاک علیحدہ علیحدہ عطا فرماتے۔

اس کے علاوہ اہل خانہ کے لئے غلہ، روٹی، کپاس، ہر ششماہی پر اور لکڑی وغیرہ ماہانہ عطا فرماتے تھے یہ

تونسہ میں جب آپ نے رشد و ہدایت، اصلاح و تربیت کا... چراغ روشن کیا تو طالبان حق کا اس قدر بحور ہونے لگا کہ آپ کے مکان کے شمالی اور جنوبی دروازے کھول دیئے جاتے تھے، لوگ ایک دروازے

سے داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکلتے تھے، خانقاہ میں دور دور سے لوگ آتے، آس پاس کی ریاستوں کے نواب اور جاگیردار آپ کی بارگاہ میں حاضری اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے، افغانستان کا شاہ شجاعؒ آپ کی خانقاہ میں نہایت عقیدت و محبت سے حاضر ہوتا تھا،

۱۷۰۱ء شاہ شجاع الملک محمود شاہ کے بعد تخت نشین ہوا، وہ پہلی مرتبہ ۱۷۲۲ء میں اپنے وزیر شیر محمد خاں کے ساتھ میران سندھ سے مالیہ وصول کرنے کے لئے شکارپور میں وارد ہوا اور باغ شہزادہ منزل میں قیام کیا، یہاں وہ دو تین مہینے مقیم رہا اور میران سندھ سے مالیہ اور تحائف وصول کر کے ڈیرہ جات کے راستے سے کابل پہنچا، اور چار سال تک کابل میں مقیم رہا، لیکن پھر میران سندھ نے ادائے مالیہ میں تاخیر کی، چنانچہ وہ دوبارہ ۱۷۲۵ء میں کابل سے پشاور آیا، اور پشاور ہی سے اُس نے اپنے وزیر شیر محمد خاں کو کشمیر کے لئے مامور کیا، پھر وہ پشاور سے کابل آیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب میر واعظ اُس کے اشارے سے قتل کیا گیا، اُس وقت وہ احمد شاہی میں مقیم تھا، اس کے بعد پھر وہ ۱۷۲۵ء میں تیسری بار اپنے وزیر اکرم خاں اور سردار فتح خاں کے ساتھ شکارپور آیا اور باغ بدل خاں میں مقیم ہوا، میران سندھ نے اس کا شاندار استقبال کیا، یہاں سے جب وہ ڈیرہ غازی خاں پہنچا تو سردار فتح خاں اور بعض دوسرے ارکان دولت کسی وجہ سے اس کے مخالف ہو گئے، سردار فتح خاں مع اپنے عملے کے براہ بوری احمد شاہی روانہ ہو گیا، ادھر شاہ شجاع ڈیرہ غازی خاں سے پشاور پہنچا، اسی عرصے میں وزیر شیر محمد خاں نے کشمیر کو سردار عبداللہ خاں الکوزئی سے لے کر سردار عطاء محمد خاں بامیزائی کے تفویض کیا، اور شاہ شجاع الملک کابل پہنچنے سے پہلے وہ کابل پہنچا کابل پہنچنے پر اسے میر واعظ کی شہادت کا

جاگیردار اور ریاستوں کے رئیسوں کا تو یہ معمول تھا کہ گدی پر بیٹھتے وقت آپ ہی کے ہاتھ سے پگڑی بندھواتے، اور آپ سے دعا کرواتے، سرسید کا بیان ہے کہ شاہ محمد سلیمان کی شہرت قاف سے قاف تک ہے۔ دہلی سے علماء اور صوفیاء آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ)

حال معلوم ہوا، اُسے یہ معلوم ہو کر بے حد رنج ہوا کہ شاہ شجاع الملک نے اپنے اشارے سے ان کو شہید کرایا ہے، شیر محمد خاں ایک لشکر جمع کر کے شاہ شجاع الملک کے مقابلے کے لئے پشاور روانہ ہوا، تہکال میں جو پشاور سے مغربی جانب دو میل پر واقع ہے شاہ شجاع الملک اور شیر محمد خاں میں معرکہ کارزار گرم ہوا، لیکن اس جنگ میں شیر محمد خاں کو شکست ہوئی، اور وہ مارا گیا، ابھی شاہ شجاع الملک پشاور ہی میں مقیم تھا کہ اس عرصے میں سردار فتح خاں نے معزول بادشاہ محمود شاہ کو کابل میں تخت پر بٹھایا، اور ایک فوج تیار کر کے احمد شاہی سے کابل اور کابل سے پشاور روانہ ہوا، پشاور پہنچنے کے بعد اس کے اور شاہ شجاع الملک کے درمیان خوں ریز جنگ ہوئی، اس لڑائی میں شاہ شجاع الملک کے وزیر اکرم خاں اور غفور خاں، فوفلزئی مارے گئے، شاہ شجاع الملک نے راہ فرار اختیار کی اور دیہاتوں کو عبور کر کے لاہور میں رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لی، اس سے بعد کچھ دن کشمیر میں قید رہا، پھر بودھیانہ میں مقیم رہا، آخر ۲۳ صفر ۱۲۵۸ھ کو کابل میں شجاع الدولہ اور جعفر کے ہاتھ سے مارا گیا، اور وہیں اپنے باپ تیمور شاہ کے پہلو میں مدفون ہوا، اس کی تاریخ وفات شمع دولت بصر دم گل شد سے نکلتی ہے۔

(ماخوذ از نوائے معارف - ص ۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶)

تونسہ شریف حاضر ہوتے، چنانچہ مولوی حیات علی دہلوی، اور صاحبزادہ نظام الدین پسر کالے صاحب نے دہلی سے تونسہ حاضر ہو کر آپ کے شرف بیعت سے مفتخر ہوئے۔

شاہ محمد سلیمان کی بیعت کا شرف جس نے سب سے پہلے حاصل کیا وہ خلیفہ محمد باراں جو تھے، بعضوں کا بین ہے کہ آپ کے سب سے پہلے مرید شیخ جمال چشتی ساکن تاج سرور تھے، بہر حال ان دو حضرات کے بعد آپ کی مریدی کا سلسلہ عام ہوا۔

رشد و ہدایت تونسہ میں شاہ محمد سلیمان نے ارشاد و تلقین کا سلسلہ شروع کیا، مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ، اُن میں اخلاق و کردار کا انحطاط ظہور پذیر ہو رہا تھا، شاہ سلیمان نے اپنی تعلیمات میں اخلاق کی درنگی اور پاکیزگی پر سب سے زیادہ زور

مولوی حیات علی دہلوی، دہلی کے مشہور علماء میں تھے، اگرچہ اُن کے اجداد پنجاب کے رہنے والے تھے، یہ تحصیل علم کے لئے دہلی آئے، اور حصول علم کے بعد دہلی ہی میں سید صابر کے زاویہ میں مقیم ہو گئے، اور وہیں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، پھر تونسہ شریف حاضر ہوئے، اور شاہ محمد سلیمان تونسوی کے حلقہ بیعت میں داخل ہو کر دہلی لوٹ آئے۔ اور قلعہ کے باہر ایک مسجد میں مقیم ہو کر درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، ۱۲۶۳ھ میں وہ ستر سال سے متجاوز ہو چکے تھے۔ درس و تدریس میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اُن کے تلامذہ میں شیخ عبدالرحمن نابینا اور شیخ رحمۃ اللہ کیرانوی مہاجر مکہ اور شیخ محمد علی چاند پوری مشہور ہیں۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۷ - ص ۱۵۰-۱۵۱)

۷۲۸ تاریخ مشائخ چشت - ص ۶۲۸

۸ مناقب المجوبین - ص ۱۹۲

دیا آپ کا عقیدہ تھا کہ اتباعِ رسول ہی اخلاقِ حسنہ کا سرچشمہ ہے، اس لئے آپ اتباعِ رسول پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ :-

خوب خصائل و حمیدہ	اچھے خصائل اور حمیدہ افعال
افعال بغیر متابعت رسول اللہ	بغیر اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل	علیہ وآلہ وسلم کے حاصل
نہ شود۔	نہیں ہوتے۔

پھر اتباع کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا، -

متابعت عبارت از	متابعت عبارت دو چیزوں سے
دو چیز ہست، آنچه خدا و رسول	ہے۔ ایک تو یہ کہ جو کچھ خدا
خدا و امر کردہ اند باید کرد	اور رسول خدا نے حکم
و آنچه منع فرمودہ اند نباید	دیا ہے اُسے کرنا چاہئے۔
کرد۔	دوسرے یہ کہ جس سے منع
	کیا ہے اُسے نہ کرنا چاہئے۔

وہ اس پر تاسف کرتے تھے کہ اس عالم میں آدمی بہت ہیں، لیکن آدمیت گم ہے کہ انسانیت عبارت ہے خصائلِ حسنہ اور افعالِ حمیدہ سے اور ان دونوں چیزوں کا فقدان ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی شدن بسیار مشکل است، ایک دفعہ فرمایا کہ ضیاء بخشی نے اپنی مشہور کتاب سلک السلوک میں انسان کے جو صفات لکھی ہیں وہ مجھ میں بھی پائی نہیں جاتیں۔

بُری صحبتوں سے احتراز کرنے پر مریدوں کو خاص طور پر توجہ دلاتے اس سلسلے میں اکثر یہ شعر پڑھتے :-

نارِ خنداں، باغِ راخنداں گُند
صحبتِ مرداں ترا مرداں گُند

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سال طاعتِ بے ریا

مریدوں کو غرور و تکبر سے بچنے اور کسی کو حقارت سے نہ دیکھنے کی خاص طور پر نصیحت فرماتے تھے، محبوب حق تعالیٰ ہونے کا گڑبیاں کرتے ہوئے فرمایا۔

جو کوئی اپنے آپ کو دوسروں سے کم جانتا ہے وہ حق تعالیٰ کا محبوب اور مقبول ہوتا ہے۔

ہر کہ خود را از ہمہ کس
کم داند مقبول و محبوب حق
توانے باشد

عجز و انکسار کی دعوت دیتے ہوئے اپنے زمرہ اہل یقین میں فرمایا:۔

سانک کو چاہئے کہ وہ تمام خلق

سالك را بايد كه همه خلق

کو خواہ وہ شریف ہوں یا عیسیٰ

را چہ شریف و چہ خیس بہ

شفقت و رحمت کی نظر سے دیکھے

شفقت و رحمت ناظر باشد

ہا کہ حق تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔

ماحق تعالیٰ بروے رحمت کند۔

دوسروں کی عیب جوئی سے منع کرتے ہوئے، اپنی عیب بینی کی طرف
توجہ دلاتے ہوئے فرمایا :-

سالک کو چاہئے کہ وہ اپنی

سائلک را باید کہ بسبب عیب

عیبِ مٹی کی وجہ سے خلقت کے

بہنی خویش از عیب خلق چشم بند

عیب سے آنکھ بند کر لے کہ یہ

که عین سعادت و رضامندی

عین سعادت ہے، اور اس۔

حق سبحانہ دیریں مندرج ہست

۱۵ تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۳۱ بحوالہ نافع السالکین ص ۲

۵۲ " " " - ص ۶۳۱ بحوالہ مناقب السالکین ص ۱۱۰

۳م " " - ص ۶۳۲ " " " " - ص ۲۲

چنانچہ در حدیث وارد است
طوبی لمن شغل عینہ
من عیوب الناس یہ
حق سبحانہ کی رضا مندی ہے،
چنانچہ حدیث وارد ہے طوبی
لمن شغل عینہ من
عیوب الناس۔

غیبت کو چوری سے بدتر بتاتے ہوئے، ایک لطیف پیرائے اس عادت قبیح سے روکنے کی کوشش کرتے تھے، ایک دفعہ فرمایا :-

غیبت از سرقت بدست
 زیرا کہ در سرقت سابق چیز
 دزدی می خورد، و در غیبت
 هیچ سود نیست، بلکہ اعمال
 غیبت کنندہ خاکستر شود۔

غیبت چوری سے بھی
 بُری ہے، کیونکہ چوری میں چور
 چوری سے کوئی چیز تو حاصل
 کر لیتا ہے لیکن غیبت میں
 کوئی (ظاہری) فائدہ بھی نہیں
 بلکہ غیبت کرنے والے کے تمام
 اعمال خاکستر ہو جاتے ہیں۔

کیرو غرور اور حسد کی برائیوں کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:۔

گل توحید نہ روید بہ
زمینے کہ درو خاہ شرک و
حسد و کبر و ریا است ۛیہ

اس زمین میں توحید کا پھول
نہیں اگتا جس میں شرک و حسد
اور کبر و ریا کے کانٹے موجود ہیں۔

طریقہ نصیحت و تفہیم
حضرت شاہ محمد سلیمان کے مواعظ و
نصائح اور طریقہ تفہیم میں ایک خاص

۱۷ تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۳۲ بحوالہ نافع السالکین۔ ص ۴۳

۷۲۳۔ بحوالہ مناقب السالکین ص ۸۳-۸۴

[illegible]

دلکشی تھی وہ اپنی موعظت و نصائح کو قرآن مجید، احادیث بزرگوں کے اقوال اور بہترین اشعار سے اس قدر موثر بناتے کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا زندگی کے جس شعبہ پر گفتگو ہوتی، آپ اُس کے اخلاقی پہلو کو نظر انداز نہیں ہونے دیتے تھے، ایک روز آپ کی محفل میں غلے کی تجارت کا ذکر چلا۔ فرمایا کہ۔

اگر کسے سوداگری دانہ گندم	اگر کوئی اس نیت سے گہیوں کی
کند بریں نیت کہ غلہ را بقیعت	تجارت کرتا ہے تو یہ امر شریعت
گراں خواہم فروخت، این امر	میں منع ہے، بلکہ جو کوئی یہ نیت
در شریعت ممنوع است، بلکہ ہر کہ	کرتا ہے انجام کار اس کی عاقبت
این نیت کند، عاقبت الامر	خراب ہوتی ہے، اور وہ ذیل
خوار شدہ بمیرد۔	ہو کر مرتا ہے۔

شیخ طریقت کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ ارکان اسلام کی حفاظت کرے، ماحی فسق و فجور ہو، اور عوام کو فسق و فجور گمراہیوں اور بدعات سے ہٹا کر ارکان اسلام پر مستقیم بنائے، حضرت شاہ محمد سلیمان کے نظامِ مہرشد و ہدایت میں ارکان اسلام کی ترویج اور اشاعت کو اولیت حاصل تھی، آپ کو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا تھا کہ عوام ارکان اسلام سے غفلت برت رہے ہیں، وہ اپنے دور کی بے حسی اور دین سے غفلت کو دیکھ کر بے حد رنج و افسوس کرتے تھے، ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ۔

ہر کہ دریں زمانہ نماز پنج	جو کوئی اس زمانے میں پانچ
وقت باجماعت بخواند اولی	وقت کی نماز باجماعت پڑھتا
است کہ دریں زمانہ بے دینی	ہے وہ ولی ہے کہ اس زمانے میں
تمام است۔	بے دینی بے حد ہے۔

۱۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۶۳۴ بحوالہ نافع السالکین۔ ص ۱۵۸
۲۔ ص ۶۳۶ " نافع السالکین۔ ص ۱۶۸

لوگ رمضان کے روزوں سے طرح طرح کے عذر کر کے جان بچاتے تھے، بعض یہ بہانہ کرتے تھے کہ اگر ہم روزہ رکھتے ہیں تو خشکی بڑھ جاتی ہے، آپ نے ان فضول تاویلات اور حیل کو نفس اور شیطان کی گمراہی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

دنیا داران در ماہ رمضان	دنیا دار ماہ رمضان شریف
شریف روزہ ندارند و گویند که مارا	میں روزے نہیں رکھتے اور
خشکی می شود این سخن از گمراهی نفس و	کہتے ہیں کہ ہمیں روزہ رکھنے
شیطان است۔	سے خشکی ہو جاتی ہے، یہ بات
	نفس کی گمراہی اور شیطانی ہے۔

صوفیہ کو تبنیہ اپنے زمانے کے صوفیہ کے اس غلط رجحان کو دیکھ کر کہ وہ اوراد و ظائف کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں، آپ نے ان کو متنبہ کرتے ہوئے فقر کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ۔

سالك را بايد که در عملیات	سالك کو چاہئے کہ عملیات
تضع وقت نہ کند کہ این رہن	میں وقت ضائع نہ کرے کہ یہ
و مانع راہ فقرست و مقصود	طریقہ راہ فقر کا ڈاکو اور مانع
اصلی کہ یاد کردن حق است۔	ہے، اصل مقصد حق تعالیٰ کا
۶	یاد کرنا ہے۔

وظائف و اوراد کی جگہ آپ ذکر بالجہر پر زور دیتے تھے، ایک دفعہ فرمایا کہ۔

۱۔ تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۳ بحوالہ مناقب السالکین۔ ص ۱۰۶
 ۲۔ ۶۳۷ بحوالہ نافع السالکین۔ ص ۲۵

ایک دفعہ علماء کے متعلق بیان فرمایا کہ جہاں اُن کی ہدایت سے عالم فیضیاب ہوتا ہے، وہیں ان کی گمراہی سے بھی دنیا کو نقصان عظیم پہنچتا ہے، پھر فرمایا کہ وہ نہ تو جنت میں تنہا جاتے ہیں نہ دوزخ میں، دونوں جگہ کثیر جماعت اُن کے ساتھ ہوتی ہے۔

علم کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

مقصود از علم و عمل و	مقصود علم سے عمل، ہدایت
ہدایت و محبت باری تعالیٰ	اور حق تعالیٰ کی محبت
حاصل کردن است۔	حاصل کرنا۔

علم و عمل کے متعلق شاہ صاحب کا نظریہ شاہ محمد سلیمان
 سب سے زیادہ علم فقہ و تفسیر پر زور دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ:-

علم فقہ و تفسیر ضروری ہے	علم فقہ و تفسیر ضروری ہیں
است کہ دانستن فرض و واجب	فرض، واجب، سنت، مستحب
و سنت و مستحب و مکروہ موقوف	اور مکروہ کا علم موقوف ہے
بر علم فقہ است، و باقی ہمہ علوم	فقہ پر، باقی سارے علوم
مردودی ہست۔	در دوسرے ہیں۔

عمل کے متعلق اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:-

علم بغیر عمل، و عمل بغیر عقیدہ	علم بغیر عمل کے اور عمل بغیر
صاف کہ اہل سنت و جماعت	عقیدہ اہل سنت و جماعت کے
است، فائدہ نندید۔	فائدہ نہیں پہنچاتا۔

۱۔ تاریخ مشائخ چشتی ص ۳۹ بحوالہ مناقب السالکین ص ۲۰ ۲۔ ایضاً ص ۴۰ بحوالہ

مناقب السالکین ص ۲۰ ۳۔ ایضاً ص ۴۰ بحوالہ نافع السالکین ص ۵۵-۱۳۵-

۴۔ ایضاً ص ۴۰ بحوالہ نافع السالکین ص ۵۰-

جو چاہتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ
کا مقبول اور محبوب بنے، اُسے
چاہیے کہ وہ ظاہر و باطن میں
شریعت کا اتباع کرے،
جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا
ہے۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی
یحببکم اللہ۔

ہر کہ خواہد مقبول و محبوب
حق سبحانہ تعالیٰ گردد، باید کہ
در متابعت شریعت ظاہر و
باطناً کوشش نماید، چنانچہ نص
دریں باب وارد است، ان
کنتم تحبون اللہ فاتبعونی
یحببکم اللہ۔

ایک موقع پر فرمایا کہ :-

غیر شرع باتوں سے دور
رہو۔

از امر غیر مشروع دور
باشید۔

شاہ صاحب کی تعلیمات کا اہم پہلو اتباع رسول تھا،
اتباع رسول فرمایا کرتے تھے کہ دین و دنیا میں کامیابی کا وار و مدار
اتباع رسول پر ہے، آپ کا خیال تھا کہ مسلمانوں سے صرف اس وجہ سے حکومت
نکل گئی کہ انھوں نے اتباع رسول کو چھوڑ دیا ہے، ایک موقع پر فرمایا :-

اس زمانے میں جب کہ مسلمانوں
نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
اتباع کو چھوڑ دیا ہے، اس
لئے حق سبحانہ و تعالیٰ نے
اُن پر کفار کو مسلط کیا ہے۔

دریں زماں چون مسلماناں
متابعت نبی صاحب صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم گذاشتہ اند،
حق سبحانہ و تعالیٰ کفار را
بر ایشان مسلط کردہ است۔

۱۔ تاریخ مشائخ چخت ص ۶۴۳ بحوالہ نافع السالکین۔ ص ۵۵۔

۲۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ص ۶۴۳ ۔ ۔ ۔ ۔ ص ۱۵۵۔

۳۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ص ۶۴۵ ۔ ۔ ۔ ۔ ص ۵۔

لوگوں سے فرمایا :-
 کایہا مسلمانان دنیا شائستگی
 از حد گذشتہ کہ ایشان در ملک
 غلبہ کردہ اند۔
 ایک دفعہ فرمایا کہ :-

ہم مسلمانوں کی نالائقی حد
 سے بڑھ چکی ہے کہ وہ
 (سکھ) ملک پر غالب آگئے ہیں۔

ہر بلا و مصیبت کہ بر مردمان
منزل شود از جہت صد ویرِ اعمال
ناشائستہ باشد چنانچہ در حدیث
شریف وارد است انھما
اعمالکم عَمَّا لَکُمْ - یعنی کردارِ
شما حاکمانِ شما اند، اگر اعمال
شما نیک باشند، پس حاکم شما
اہلِ اسلام و عادل باشند
و اگر بالعکس باشند پس حاکم شما
نیز کافر و جابر باشند۔

هر بلا و مصیبت که بر مردمان
منزل شود از جهت صد و اربع اعمال
ناشاسته باشد چنانچه در حدیث
شریف وارد است انصار
اعمالکم عتما لکم - یعنی کردار
شما حاکمان شما اند، اگر اعمال
شما نیک باشند، پس حاکم شما
اهل اسلام و عادل باشند
و اگر بالعکس باشند پس حاکم شما
نیز کافر و جابر باشند.

رواداری وسعت خیال، وسیع المشرتی اور رواداری شاہ محمد سلیمان کی سیرت کا حلی عنوان ہے، وہ اپنے مریدین و معتقدین کو جہاں اپنے مذہب و تمدن اور شریعت اسلامیہ کے اتباع کا شدت سے پابند بناتے تھے وہیں ان کو یہ بھی تعلیم دیتے تھے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ، اور کوئی ایسا اقدام نہ کرو جس سے بد مزگی پیدا ہو۔

صلح و آشتی کا درس دیتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا:-

در طریق ما هست کہ با مسلمان	{	ہمارے طریقے میں ہے کہ ہندو اور
و ہنود صلح باید داشت، و این		مسلمان سے صلح رکھی جائے اور اس
بیت شاید آور و ندہ		بیعت کو شہادت کے طور پر پیش کرتے تھے
حافظا کرو صل خواہی صلح کن با خاص و عام	{	حافظا کرو صل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماناں اللہ اشرا یا برہمن رام رام		با مسلماناں اللہ اشرا یا برہمن رام رام

اس رواداری کے باوجود بد مذہبوں کے معاملے میں نہایت سخت تھے ایک موقع پر فرمایا کہ:-

سالک کو چاہیے کہ بد مذہبوں کی صحبت سے اپنے آپ کو دور رکھے، اگرچہ ان کی صحبت میں دنیاوی نعمتیں موجود ہوں، ہرگز ان سے تعلقات نہ رکھے، بلکہ بھوکا اور ننگا رہنا ان کی صحبت سے بہتر ہے۔

عیسائیوں کے ساتھ طرز عمل جس زمانے میں کہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رُشد و ہدایت میں مصروف

تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریزی حکومت کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا، عیسائی مبلغین مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو عیسائی بنارہے تھے، اُن کے ہنگاموں کی خبریں آپ کے کان میں پہنچتیں، ان خبروں سے آپ کو بڑا دکھ پہنچتا، ایک دفعہ مولوی محمد حیات دہلوی سے فرمایا۔

بسیار مسلمانان رافرنکیاں	بہت سے مسلمانوں کو فرنگیوں
از دین محمدی گردانیدہ اند	نے دین محمدی سے گمراہ کر کے
ایمان خارج کردہ اند کہ ایشاں	ایمان سے خارج کر دیا ہے
دین سبحانہ بہت صحبت	انھوں نے دین سچی صحبت کی
اختیار کردہ اند۔	غرض سے اختیار کر لیا ہے۔

انگریزوں سے آپ کو محض اس وجہ سے کہ انھوں نے اسلامی حکومت کا خاتمہ کیا تھا، اور مسلمانوں سے اُن کو بے حد نقصان پہنچا تھا، سخت نفرت تھی، انگریزوں نے جب ملتان پر قبضہ نہ کیا، اور وہاں مقابر کی بے حرمتی کی، جب یہ خبر شاہ صاحب کو معلوم ہوئی تو پریشان ہو کر یہ شعر پڑھا:-

اے مولانا حیات بن حیات دہلوی اپنے دور کے مشہور علماء میں تھے۔ پنجاب کے رہنے والے تھے، وہ فارغ التحصیل ہو کر دہلی تشریف لائے، اور سید صابر علی کے زاویہ میں مقیم ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ پھر وہ پنجاب حاضر ہو کر حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کی بیعت سے شرف ہوئے اور دہلی لوٹ آئے، اور قلعہ کے باہر ایک مسجد مقیم ہو کر درس و تدریس اور افادہ خلق میں مصروف ہو گئے، ۱۲۶۳ھ میں وہ ستر سال کی عمر سے تجاوز ہو چکے تھے۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۷ ص ۱۵۰۔)

۱۵ تاریخ مشرق چشت ص ۶۵۳۔ بحوالہ نافع السالکین ص ۱۶۷۔

چوں خدا خواهد کہ پرده کس درد
میلش اندر طعنه پا کاں برد

ایک دفعہ ایک شخص سے فرمایا کہ

فرنگیاں را تیر نہی زنی - فرنگیوں کے تیر نہیں مارتے؟

اس نے جواب دیا کہ میں طاقت نہیں رکھتا، آپ نے یہ شعر پڑھا اور خاموش ہو گئے :-

کماں نرم باید کماں داری حُست
بوقت کشیدن در آید درست

اُمراء سے بے نیازی
اُمرا اور اہل دول سے بے نیازی حضرت
شاہ محمد سلیمان تونسوی کا امتیازی وصف

تھا، ایک دفعہ عبدالجبار خاں نواب ڈیرہ غازی خان نے خاتقاہ کے درویشوں کے خرچ کے لئے کچھ جاگیر دینی چاہی۔ فرمایا :

ما ایں جاگیر نگیریم کہ ہم اس جاگیر کو نہ لیں گے

خلاف سنتِ پیران و شیخان کہ ہماری پیروں اور مشائخ

ماہرگز نخواستیم نمود کہ ایشان کی سنت سے خلاف ہے،

قبول نہ کردہ اندھے

لوگوں نے عرض کیا کہ اپنے صاحبزادے گل محمد کے لئے یہ جاگیر قبول فرمایے؟ ارشاد فرمایا:

گل محمد را نیز حاجت
گل محمد کہ بھی جاگیر کی حاجت

جاگیر نیست، اگر تعلیم درویش

۱۰ تاریخ مشائخ نچشت - ص ۵۳ بحوالہ نافع السالکین - ص ۵

۸۳ ص - " " " " " " " "

٥٢ " " " - ص ٥٦ " " " - ص ١٦١

راست کند، برائے خدمت
او مقربان خدمت گار شوند
جو تیاں سیدھی کرے گا،
بڑے بڑے مقرب اس کی
خدمت کے لئے اس کے
خدمت گار ہوں گے۔

۱۱

اہل ریاست کی عقیدت مندی
پنجاب اور سرحد کی
چھوٹی چھوٹی ریاستوں
کے رئیس آپ سے بے حد عقیدت رکھتے، جب ان میں کوئی گدی نشین
ہوتا تو دستار بندی کی درخواست آپ سے کی جاتی تھی، نواب صادق محمد خاں
والی بھاول پور کے انتقال پر جب نواب رحیم یار خاں نواب بھاول خاں
ثالث گدی پر بیٹھے تو آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے ان کے دستار
باندھی، لعل خاں نتکانی حاکم کی وفات کے بعد اسد خاں کی دستار بندی
بھی آپ نے کی۔

روسائیں رشد و ہدایت
لیکن اگر آپ کبھی ان روسا کو
گمراہیوں میں مبتلا دیکھتے تو انھیں
نہایت شدت سے منع فرماتے۔

ایک دفعہ لعل خاں نتکانی حاکم سنگھڑ نے ایک بلوچ لڑکی سے زبردستی
نکاح کر لیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو لعل خاں کے پاس کہلا بھیجا کہ لوگوں
پر ظلم نہ کرو اور خدا سے ڈرو۔

اسد خاں نے جب ظلم و ستم پر کمر باندھی تو اس کو تنبہ کرتے ہوئے

۱۵ تاریخ مشائخ چشت - ص ۶۵۷ - بحوالہ نافع السالکین - ص ۱۶۱

۱۶ مناقب المجوبین - ص ۲۱۲

۱۷ تاریخ مشائخ چشت - ص ۶۶۰ - بحوالہ خاتم سلیمانی - ص ۹۷

فرمایا کہ ظلم کو بند کر، تیری حکومت میں ہمیں صرف اتنا فائدہ ہے کہ
 اذال کی آواز سننے میں آجاتی ہے، ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تھوڑے
 ہی دن میں اس تودہ ریگ پر سکھوں کی فوج آنے والی ہے۔
 فرمایا کرتے تھے کہ جب تک اسد خاں والی سنگھڑ ظلم و تعدی نہیں کرے گا،
 اُس کے ملک میں سکھ داخل نہیں ہو سکتے، لیکن جب یہ ظلم و ستم شروع
 کرے گا، اُس وقت اس کا ملک رنجیت سنگھ کو دے دیا جائے گا،
 چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شاہ شجاع کی عقیدت مندریاں
 اُس زمانے میں جب کہ شاہ شجاع ہندوستان
 میں پناہ گزیں تھا، وہ حضرت شاہ
 محمد سلیمان کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ آپ سے بڑی عقیدت اور
 ارادت رکھتا تھا، جب شاہ شجاع انگریزوں سے مدد لے کر افغانستان روانہ ہوا تو اس کا
 گذر تونسہ میں ہوا، ایک رات اُس نے وہیں بسر کی، صبح کو وہ آپ کی خدمت
 میں حاضر ہوا، آپ نے اسے اپنے مصلے پر بٹھالیا، اور اس سے تمام حالات
 پوچھے، اُس نے بتایا کہ وہ افغانستان کو فتح کرنے کی غرض سے جا رہا ہے،
 آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ کہ کس کی پناہ میں جا رہے ہو، اُس نے جواب دیا کہ
 کہن دل خاں اور پردل خاں کی حمایت میں جا رہا ہوں، جب شاہ شجاع
 چلا گیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اس کی اس بات سے ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ اس کی تقدیر جگر میں ہے کیونکہ وہ اللہ کی بجائے کہن دل اور
 پردل خاں پر بھروسہ رکھتا ہے۔

۱۔ تاریخ شاہ نجات - ص ۶۶۰ - مناقب المجوبین - ص ۲۲۷

۲۔ مناقب المجوبین - ص ۲۲۶

۳۔ مناقب المجوبین - ص ۲۱۰

نظام الاوقات

شاہ محمد سلیمان تونسوی اپنے اوقات کے بے حد پابند تھے اور اپنے معمولات کا سفر و حضر میں بڑا خیال رکھتے تھے، عادت مبارک تھی کہ فجر کی سنتیں اپنے حجرے میں پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے، نماز فجر جماعت سے ادا فرماتے، پھر خلوت میں اپنے محلے پر بیٹھ جاتے، اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، پھر سبوعات عشر پڑھتے، اس کے بعد نوافل اشراق ادا فرماتے، پھر دلائل النجرات پڑھتے، کبھی کبھی چاشت و اشراق کو ایک ساتھ پڑھتے تھے، اس وقت تک حجرے کا دروازہ بند رہتا، اگر اس وقت میں کوئی حاجت مند یا ضرورت مند آجاتا، اسے اجازت بھی کہ وہ خلوت میں حاضر ہو کر اپنی ضرورت پیش کرے، جب کوئی اپنی ضرورت پیش کرتا تو آپ اس کو معقول جواب دے کر رخصت کرتے، پھر حرم سرا میں تشریف لاتے، اور کھانا کھاتے کے بعد خواتین کو فقہ اور سلوک کی تعلیم دیتے، پھر وہاں سے باہر تشریف لاتے، اور عام مجلس ہوتی، ہر آدمی آپ کی زیارت سے مشرف ہوتا، اس وقت آپ صوفیہ کو کتب تصوف کی تعلیم دیتے، اس وقت کوئی آپ سے آداب الطاہرین پڑھتا، کوئی لوائح، کوئی عشر کاملہ، کوئی فصوص الحکم، کوئی احیاء العلوم، کوئی فوائد القواد، کوئی سوار السبیل، کوئی تسنیم، کوئی فتوحات مکی، کوئی نصائح الانس وغیرہ پڑھتا تھا، درس و تدریس سے فارغ ہونے کے بعد آپ قیلولہ فرماتے، ظہر کی نماز کے وقت آپ کے خادم محمد اکرم آپ کو بیدار کرتے، پھر آپ وضو کر کے مسجد تشریف لاتے اور چار سنتیں پڑھ کر ظہر کے فرض باجماعت پڑھتے اور فرض کے بعد کی سنتیں پڑھ کر وہیں شرق روکر مصلیٰ پر بیٹھ جاتے اور سیکڑوں علماء و فقراء آپ کے گرد حلقہ کر کے بیٹھتے، پہلے آپ وہ وظائف جو آپ کے معمولات تھے تسبیح پر پڑھتے، پھر سبوعات عشر پڑھتے، وظائف سے فارغ ہونے کے بعد اگر کوئی کچھ آپ سے پوچھتا تو اس کو جواب دیتے، ورنہ مسائل دینی

اور فوائد باطنی پر کچھ ارشاد فرماتے یہاں تک کہ عصر کی نماز ادا فرماتے، اکثر مراقبہ اور استغراق میں رہتے، جب مغرب کی نماز کا وقت آتا تو تازہ وضو کر کے فرض مغرب جماعت سے ادا فرماتے، پھر سنتیں اور نوافل صلوٰۃ الاولیٰ بین تنہائی میں پڑھتے، پھر ڈیڑھ رات تک مراقبہ میں مشغول رہتے، اس درمیان میں اگر کوئی حاجتمند آجاتا اسے آنے کی ممانعت نہ تھی، لیکن فوراً ہی آپ اس کو جواب دے کر رخصت فرما دیتے، جب ڈیڑھ رات گزر جاتی، آپ کی باندی چراغ اور کھانا لے کر حجرے میں آتی، کھانا کھانے کے بعد اکثر شائقین دیدار حجرے میں حاضر ہوتے، آپ اسی مصلیٰ پر لیٹ جاتے، لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے، آپ پند و نصائح فرماتے، پھر وضو کر کے مریدوں کے ساتھ حجرے میں باداموں پر ختم خواجگان چشت پڑھتے، پھر مسجد میں تشریف لاتے اور عشا کی نماز باجماعت ادا فرماتے، پھر سنت و نوافل حجرے میں ادا فرماتے، لیکن وتر تہجد کے وقت ادا فرماتے تھے، پھر اور معمول ادا فرما کر سمرہ لگاتے، اس طرح آدھی رات گزر جاتی، پھر چار پانی پر آرام فرماتے عشا کے بعد کسی سے بات چیت کرنا ناپسند فرماتے تھے، جب سو اپہر رات باقی رہ جاتی تو تہجد کے لئے بیدار ہوتے، اور بارہ رکعتیں ادا فرمانے کے بعد وظائف معمولہ تسبیح پڑھتے، پھر ذکر بالجہر کرتے، ابتدائی زمانے میں آپ ذکر بلند آواز سے کہتے تھے، مگر آخر عمر میں آہستہ آواز سے کرنے لگے، پھر نماز فجر سے تھوڑی دیر پہلے چار پانی پر لیٹ جاتے کہ یہ سنت ہے، جب صبح صادق ہو جاتی تو اٹھ کر وضو کرتے، اور سنت فجر پڑھ کر مسجد شریف لے جاتے اور فجر کے فرض مسجد میں باجماعت ادا فرماتے، اسی سال تک آپ کا یہی معمول رہا، رمضان شریف آپ کا یہی معمول تھا، الا یہ کہ ختم خواجگان چشت عصر کے بعد پڑھتے، اور تراویح میں قرآن مجید ستائیس روز میں ختم کراتے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل مناقب المجوبین ص ۳۱۳ - ۳۱۴ سے ماخوذ ہے۔

وفات

مناقب المحبوبین میں ہے کہ وفات سے کچھ دن پہلے یہ
شعر آپ بڑی کثرت سے پڑھتے تھے۔

آہن کہ بیارس آشنائش

فی الحال بصورت طلا شد

لوگ حیران تھے کہ آپ یہ شعر کیوں بار بار پڑھتے ہیں، کبھی کبھی
یہ شعر بھی پڑھتے۔

اگر گیتی سرا بر باد گیرد

چراغ مقبلاں ہرگز نمی رد

جب ۱۲۶۵ھ میں صفر کا مہینہ شروع ہوا تو شاہ صاحب نے صفر کا
چاند دیکھ کر فرمایا خدا خیر کرے، اسی وقت سے آپ کو زکام شروع ہوا،
اور ۷ صفر کو ۸۴ سال کی عمر میں آپ واصل الی اللہ ہوئے، مولوی
حسین علی ساکن فتح پور نے حسب ذیل تاریخ وفات کہی۔

سلیمان زماں رحلت چو فرمود

یکایک در جہاں ظلمت میفرود

بے سال دفائنش ہائے غیب

بگفت او آفتاب چشتیاں بود

۱۲۶۷ھ

مزار مبارک تونسہ میں ہے، جو ملتان سے جانب مغرب چالیس کوس
پہلے ہے۔

حضرت شاہ محمد سلیمان کے تین صاحبزادے تھے جن کے
اولاد نام یہ ہیں: (۱) خواجہ گل محمد (۲) خواجہ ددوش محمد (۳) حضرت

عبداللہ معصوم ان کے علاوہ ایک صاحبزادی تھیں، جن کا نام بی بی آمنہ تھا، جو آپ کے بہن کے لڑکے عبدالرحمن خاں، بن ابراہیم خاں سے بیاہی تھیں۔

صاحبزادے گل محمد سب سے بڑے صاحبزادے تھے، انھوں نے علوم ظاہری کی تعلیم حافظ حسن صاحب اور مولوی نور احمد سے حاصل کی، اور سلوک کے منازل اپنے والد شاہ محمد سلیمان سے طے کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا، علم موسیقی میں بھی درک رکھتے تھے، صاحبزادہ گل محمد نے اپنے والد کے ساتھ ۱۱ ماہ رمضان ۱۲۶۷ھ میں پچاس سال کی عمر میں وفات پائی، اور اپنے منجھلے بھائی صاحبزادہ درویش محمد کے پہلو میں جو ان سے پہلے وفات پا چکے تھے مدفون ہوئے۔

صاحبزادہ درویش محمد، صاحبزادہ گل محمد سے چھوٹے تھے، ان کی ولادت کے وقت، شاہ محمد سلیمان تاج سرور میں تھے، وہیں آپ کو صاحبزادہ درویش کی ولادت کی خبر ملی، جب صاحبزادہ درویش محمد بونے لگے تو ان کو مکتب میں بٹھایا گیا، انھوں نے قرآن مجید، اور کتب نظم و نفاذ مولوی گل محمد دامانی سے پڑھیں، پھر علم نحو و صرف حافظ حسن نابینا سے پڑھا، منطق کی کتابیں شروع ہی کی تھیں کہ انھوں نے ماہ شوال ۱۲۶۳ھ میں چودہ سال کی عمر میں وفات پائی، مزار مبارک تونسہ میں شہر کے باہر مغربی جانب واقع ہے۔

تیسرے صاحبزادے عبداللہ معصوم نے شیرخوارگی ہی کی عمر میں وفات پائی اور موضع کرکوتی میں اپنے دادا کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل مناقب المجوبین ص ۳۲۳ اور ۳۲۵ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ مناقب المجوبین ص ۳۲۶ و ۳۲۷ سے ایضاً ص ۳۲۷

چونکہ حضرت شاہ محمد سلیمان کے سب صاحبزادے آپ کی حیات ہی میں وفات پا چکے تھے، اس لئے آپ کے پوتے اور خواجہ گل محمد کے صاحبزادے آپ کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے خلفاء کی تعداد کثیر خلفاء ہے، تکملہ سیر الاولیاء میں ہے کہ :-

خلفاء ایشاں در ہندوستان اُن کے خلفاء ہندوستان
ولایت خراسان صاحب اور خراسان میں صاحب
ارشاد اند ارشاد ہیں۔

مناقب حافظیہ میں ہے کہ آپ نے ستر بزرگوں کو خرقہ خلافت عطا فرمایا تھا، جن میں حاجی نجم الدین، حافظ محمد علی خیر آبادی، اور مولوی شمس الدین سیالوی مشہور ہیں۔

۱۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۵۔

۲۔ حاجی نجم الدین موضع جھونجیوں مضافات جے پور میں ۳ رمضان ۱۲۳۲ھ کو پیدا ہوئے، اُن کے والد کا نام شیخ احمد بخش تھا جو بڑے مرتاض بزرگ تھے اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کی اولاد میں تھے، حاجی نجم الدین ۷۱ سال کی عمر میں ۱۰ شعبان ۱۲۵۳ھ میں شاہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں تونہ حاضر ہوئے، اس وقت شاہ محمد سلیمان عبادت میں مصروف تھے، ان سے ضبط نہ ہو سکا نہ ہو سکا بے تکلف حجرے میں چلے گئے، شاہ صاحب کو دیکھ کر بے اختیار یہ دوہرہ پڑھا :-

مکہ دیکھت ہی من موہن کو میری نین چھپ چھائے گی
جب دور کیا مکہ کا انچر جب جوت میں جوت سمائے گی

شاہ محمد سلیمان نے انھیں دیکھ کر فرمایا :

آآ مرد ہندی تو ہندوستانی ہے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

پھر یہ شعر پڑھا:-

ہندو ہے بت پرست، مسلمان خدا پرست

ہم بندے ہیں اُسی کے جو ہے آشنا پرست

پھر شاہ محمد سلیمان نے اُن کو اپنے حلقہ سریدین میں داخل کیا، ۲۲ محرم ۱۲۵۲ھ
کو حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نے پاک پٹن میں ایک بڑے مجمع میں اُن کو خیرۃ
خلافت سے سرفراز فرمایا، اور شیخاویؒ میں قیام کا حکم دیا اور انھوں نے وہیں رشید
ہدایت کی شمع روشن کی۔

۱۲۸۷ھ میں حاجی نجم الدین عرس میں شرکت کے لئے اجیر پیچھے

وہیں طبیعت ناساز ہوئی، بیماری ہی کی حالت میں جھنجھوں آئے،

۱۹ رمضان ۱۲۸۷ھ کو وصال فرمایا، جنازہ فتح پور لایا گیا، اور وہیں

مدفون ہوئے۔

صاحب تصانیف اور شاعر تھے، بارہویں صدی ہجری میں انھوں

نے اپنی شاعری اور تصانیف سے اردو کے دامن کو مریض و زنگار بنایا،

ان کا شمار اردو ادب کے محنین میں ہوتا ہے۔

اردو میں اُن کی حسب ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) گلزار وحدت (۲) ماحی الخیریت (۳) پیو ملانی غیر بھوانی

(۴) بارہ ماہیہ (۵) افضل الطاعت (۶) پریم گنج (۷)

حیات العاشقین فی لقاء رب العالمین (۸) نجم الآخرة (۹)

فضیلت نکاح (۱۰) بیان الاولیاء (۱۱) سماع السامعین فی رد المنکرین

(۱۲) دیوان نجم اردو (۱۳) تذکرۃ الواصلین۔

اُن کی فارسی تصانیف یہ ہیں،

(۱) شجرۃ العارفین (حالات خواجگان چشت و دیگر مشائخ) (۲)

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۷)

شجرۃ المسلمین (تاریخ نوابان فتح پور) (۳) شجرۃ الابرار (حالات حضرت خواجہ ناگوری) (۴) مناقب انجیب (احوال خواجہ اجمیری) (۵) مناقب التارکین (حالات خواجہ صوفی حمید الدین) (۶) مناقب المحبوبین (حالات مشائخ سلسلہ نظامیہ) (۷) تذکرۃ السلاطین (احوال بادشاہان ہند) (۸) راحت العاشقین (۹) احسن العقائد (۱۰) احسن القصص (۱۱) بحکم الواعظین (۱۲) بنجم الہدایت (۱۳) مقصود العارفین فی شرح اوداد شیخ نصیر الدین (۱۴) ہدایت نامہ (۱۵) قیالات نجمی (۱۶) دیوان نجم فارسی۔

(ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت)

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۳)

۵۳ حافظ سید محمد علی خیر آبادی، شاہ محمد سلیمان تونسوی کے اجل خلفاء میں تھے، وہ ۱۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے، ان کے والد محترم کا نام مولوی شمس الدین تھا، سب سے پہلے انھوں نے قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے وطن خیر آبادی میں مولانا عبدالوالی سے شرح و قایہ تک تعلیم حاصل کی، پھر شاہجہاں پور میں تعلیم حاصل کی، شاہجہاں پور سے دہلی تشریف لائے، اور مشکوٰۃ شریف کا درس شاہ عبدالقادر سے لیا، پھر حرمین شریفین میں صحیح بخاری کی سماعت کی، جب شاہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صحیح مسلم کی سماعت کی، دہلوی میں شاہ عبدالقادر سے فصوص الحکم کا بھی حصہ پڑھا، دہلی سے اجمیر پہنچے، اور وہاں ۱۲ سال تک ایک مسجد میں مقیم رہے، وہاں سے پاک پٹن حاضر ہوئے، اور شاہ محمد سلیمان تونسوی کی شہرت سن کر تونسہ شریف پہنچے، اور شاہ محمد سلیمان تونسوی کے حلقہ بیعت میں داخل ہو کر خلافت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۳)

سے سرفراز ہوئے۔

حافظ صاحب آخر عمر میں فالج کے مرض میں مبتلا ہوئے، یہاں تک کہ باؤں بیکار ہو گئے، عبادت میں دقت ہونے لگی تو ایک روز فرمایا، جسم بھاڑے کا ٹھونڈا تھا آخر ساتھ نہ دیا، آخر ماہ ذیقعدہ ۱۲۶۶ھ کو واصل الی اللہ ہوئے۔
حافظ صاحب کے خلفاء میں حسب ذیل تین بزرگوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی، یہ تینوں بزرگ حیدر آباد دکن کہتے، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

(۱) مرزا سردار بیگ

(۲) شاہ حبیب علی شاہ

(۳) مولانا احسن الزماں۔

(ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت)

(۸۸)

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

نام و نسب آپ کا اسم گرامی مہر علی شاہ، آپ کے والد محترم کا نام نامی سید نظیر الدین شاہ تھا، آپ کا سلسلہ نسب چوہیسویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے، آپ کی نانی حضرت مخدوم جہانیاں کی اولاد سے تھیں۔

تعلیم و تربیت سید مہر علی شاہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد نے فرمائی، بہت ہی کم عمری میں آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل کی، اور تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

بیعت پیر سید مہر علی شاہ نے خواجہ شمس الدین سیالوی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ حجاز چلے گئے، مکہ معظمہ میں ایک دن حضرت **سفر حجاز** حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر تھے،

اے حاجی امداد اللہ، حاجی محمد امین کے صاحبزادے تھے، وہ اپنی نانہال قصبہ نانوتہ

انہوں نے آپ کو ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

در ہندوستان عنقریب	ہندوستان میں عنقریب ایک
یک فتنہ ظہور کند در ملک خود	فتنہ ظاہر ہوگا، تمہیں چاہئے
واپس بروید، و اگر بالفرض شما	کہ تم اپنے وطن چلے جاؤ، اگر
در ہند خاموش نشستہ باشید	بالفرض تم ہندوستان میں
تا ہم آں فتنہ ترقی نہ کند، و	خاموش بھی رہو گے تو وہ فتنہ
در ملک آرام ظاہر شود۔	ترقی نہ کرے گا، اور ملک میں
	سکون رہے گا۔

چنانچہ آپ حضرت حاجی صاحب کے ارشاد کے بعد ہندوستان واپس آگئے، اور ہندوستان میں تشریف لانے کے بعد رشد و ہدایت اور علی گڑھ میں مصروف ہو گئے۔

اپنے تبحر علمی کے اعتبار سے سید مہر علی شاہ صاحب پنجاب تبحر علمی کے ممتاز ترین علماء میں تھے، آپ کے ملفوظات جو ملفوظات طیبہ کے نام سے شائع ہوئے ہیں، آپ کی وسعتِ نظر، تبحر علمی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ ۷۵)

ضلع سہارن پور میں ۲۲ صفر ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے، ان کا آبائی وطن قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر (یوپی) تھا، مولانا شیخ محمد تھانوی محدث (۱۲۳۳ھ - ۱۳۹۹ھ) اور حضرت حافظ ضامن شہید کے ہم جد تھے۔ حاجی صاحب نے پہلے مولوی نصیر الدین دہلوی کے ہاں پر بیعت کی، اس کے بعد مشہور بزرگ میاں جی نور محمد جھنجھانوی سے بیعت کی ۱۳۷۶ھ میں وہ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ انہوں نے ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۱۶ھ میں وفات پائی۔

(ماخوذ از فٹ نوٹس تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۳ - مرتبہ ایوب قادری)

وسعتِ معلومات، اور حقائقِ معارف کے شاہد ہیں۔
 پیرسید مہر علی شاہ کو حضرت شاہ ولی اللہ سے بے حد
 عقیدت تھی ایک جگہ حضرت شاہ صاحب سے اپنی
 عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

کمالات شاہ ولی اللہ صاحب	شاہ ولی اللہ صاحب
دہلوی مرحوم بحد غایت کمال	دہلوی مرحوم کمال کے اس حد تک
رسیداند، در علم ظاہر و باطن	پہنچے ہوئے ہیں کہ علوم ظاہر و باطن
نظیر خود، خود گذشتہ اند۔	میں وہ اپنی نظیر آپ ہی تھے۔

۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی بن شاہ عبدالرحیم، بن شیخ وجہہ الدین کا اصل نام
 قطب الدین احمد شاہ تھا، وہ ۱۱۱۲ھ شوال ۱۱۱۲ھ کو عالمگیر کے دورِ
 حکومت میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں انھوں نے مکتب جانا
 شروع کیا، دو سال میں قرآن مجید ختم کر لیا، ساتویں سال سے نماز اور
 روزے کی پابندی شروع کر دی، پھر اپنے والد ماجد سے فارسی اور عربی
 کے مختصر رسالے پڑھے، دس سال کی عمر میں انھوں نے شرح ملا جامی
 شروع کی، چودہ سال کی عمر میں انھوں نے شادی کی، اسی عمر میں
 اپنے والد ماجد کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر اشغالِ مشائخِ نقشبندیہ
 میں مشغول ہو گئے، اسی زمانے میں اپنے والد محترم سے تفسیر بیضاوی
 پڑھی، اس کے علاوہ انھوں نے اپنے والد محترم سے حدیث میں مشکوٰۃ،
 صحیح بخاری، شمائل ترمذی، تفسیر میں تفسیر مدارک، فقہ میں شرح وقایہ
 اور ہدایہ، اصول فقہ میں حسامی، توضیح و تلویح کا کچھ حصہ، منطق میں
 شرح شمسیہ اور شرح مطلع، کلام میں شرح عقائد، اور خیالی اور
 شرح مواقف کا کچھ حصہ، تصوف میں عوارف کا کچھ حصہ، طب میں

نظریہ وحدت الوجود
نظریہ وحدت الوجود معمولی بصیرت رکھتے تھے،
شیخ ابن عربی کی مشہور کتاب فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ ۷۵)

مرجز القانون، فلسفہ میں شرح ہدایت الحکمت، معانی میں مختصر اور مطول، اور
ہیئت دہند سے میں بعض رسائل اپنے والد سے پڑھے، پندرہ سال کی عمر میں اپنے
والد ماجد سے خرقہ خلافت اور علمی فراغت کی سند اپنے والد
سے حاصل کی، سترہ سال کی عمر تھی کہ اُن کے والد ماجد نے وفات پائی،
اور اُن کی جگہ اُنھوں نے مدرسہ رحیمہ کی مسند صدارت کو زینت بخشی۔

۱۱۴۳ھ میں وہ اپنے خالو شیخ عبداللہ بارہوی اور اپنے خالہ زاد بھائی
محمد عاشق وغیرہ کے ساتھ حرمین شریفین حاضر ہوئے اور حرمین شریفین میں
دو سال تک مقیم رہ کر شیخ ابی طاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے صحیح بخاری
صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک،
مسند امام احمد کی کچھ حصوں کی قرائت و سماعت کی، اور مسند حافظ دارمی کی
اول سے آخر تک دس مجلسوں میں مسجد نبوی میں محراب عثمانی کے قریب سماعت
کی۔ اور کچھ حصہ ادب مفرد کا اور شفا قاضی عیاض کا اول حصہ پڑھا، پھر
شیخ ابوطاہر نے ان کو اجازت دی، پھر وہ ۱۱۴۴ھ مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔
اور شیخ وفد اللہ مالکی مکی سے موطا امام مالک کا درس لیا، اور شیخ تاج الدین،
القلمی المالکی کے درس میں بھی حاضر ہوئے، جس زمانے میں کہ وہ صحیح بخاری
کا درس دے رہے تھے، اور اُن سے صحاح ستہ اور موطا امام مالک، اور
امام محمد کی کتاب الآثار کے کچھ حصے سنے، پھر اُن سے ان تمام کتابوں کی
اجازت لی، اور ۱۱۴۵ھ میں ہندوستان واپس ہوئے۔ ۱۱۴۶ھ میں شاہ ولی اللہ

اور اُس کے اسرار و معارف پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔
 علامہ اقبال نے بھی اپنے ایک خط میں آپ کے تبحر علمی کا اعتراف فرماتے
 ہوئے حسب ذیل مسائل میں استفادہ کے لئے آپ کو لکھا۔

(۱) اول یہ کہ شیخ اکبر نے تعلیم حقیقتِ زماں کے متعلق کیا کہا ہے۔
 (۲) یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون سی کتابوں میں پائی جاتی ہے، اور
 کہاں کہاں؟

(۳) حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زماں پر
 بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب
 ہیں، مولوی انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ
 مرحمت فرمایا تھا، اس کا نام تھا درایۃ الزماں، میں نے یہ رسالہ
 دیکھا ہے، مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لئے مزید روشنی
 کی ضرورت ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سہ)

نے دہلی میں وفات پائی، شاہ صاحب کی حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں۔
 (۱) حجة اللہ البالغہ (۲) ازالۃ الخفا (۳) نوز الکبیر (۴) فتح الرحمن
 (۵) عقد الجیدی احکام الاجتهاد (۶) الانصاف، (۷) تفہیمات الہیہ (۸)
 المسوی (۹) انفاس العارفين (۱۰) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (۱۱)
 البدور البازغہ (۱۲) الجزواللطیف، (۱۳) وصیت نامہ (۱۴) رسالہ
 دانشمندی (۱۵) ترجمہ قرآن مجید (۱۶) مقدمہ فی ترجمۃ القرآن مجید (۱۷)
 القول الجلیل (۱۸) لمعات (۱۹) فیصلہ وحدت الوجود والشہود (۲۰)
 الطاف القدس (۲۱) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (۲۲) المقدمۃ السنیہ (۲۳) خیر کثیر وغیرہ۔
 (ما خود از نزہۃ النواطر جلد ۶ ص ۳۹۸ و رد کوثر ص ۵۱۸ تا ۵۳۷)

لہ اقبال نامہ

اتباعِ سنت اپنی تعلیمات میں اتباعِ سنت پر خاص طور پر
 زور دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ شریعتِ نبوی
 کے اتباع سے بڑھ کر ایک مسلمان کے لئے اور کوئی فخر نہیں ہو سکتا۔
 کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے، شاعری میں مہرِ تخلص
 شاعری فرماتے تھے، ہم آپ کے چند شعر یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں:-

صبا! زطرہ شبرنگ مہوش طنائے
 کشودنائے مشکیں بروئے اہلِ نیاز
 رہنِ ساقی چشم کہ جرعه بچشاند
 ز جامِ چہرہ ترکان مہوشانِ حجاز
 بیزم بادہ فروشاں بہ نیم جو نہ خرد
 متاعِ زاہد طماعِ چہ ج و صوم و نماز
 مرا ز پیرمغاں رازِ بائے مرستہ است
 نغاں زواعظِ خود ہیں کجا است محرمِ راز
 اگرچہ حسن تو از مہرِ غیر مستغنی است
 من آں نیم کہ ز ایمان خویش آیم باز

۱۔ سید پیر مہر علی شاہ کے یہ تمام حالات تاریخِ مشلخِ چشت ص ۱۳ تا ۱۷
 سے ماخوذ ہیں۔



(۸۹)

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی

نام و نسب اسم گرامی بہیل تھا، جس کو آپ کے شیخ شاہ فخر الدین نے بدل کر نور محمد رکھا تھا، آپ کے والد کا نام عاقل بی بی تھا جو کمال جھٹکی صاحبزادی تھیں، آپ کے والد کا نام ال تھا، آپ قبیلہ کھل سے تعلق رکھتے تھے، انوار العارفین میں ہے کہ قوم کھل قوم پنوار کی ایک شاخ تھی۔ آپ کے آبا و اجداد کا پیشہ زراعت تھا، کسی نے خواجہ نور محمد سے اُن کے باپ دادا کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میرے آبا و اجداد زراعت کرتے، مویشی بہ چراتے اور اُن کا دودھ دوہتے، اور لوگوں کے مال پر دوڑتے تھے۔

پیدائش آپ ۱۲۱۲ رمضان ۱۲۲۹ھ کو قصبہ چوٹالہ میں پیدا ہوئے جو مہار شریف سے سمت مشرق علاقہ بھادپور میں تین کوس ہے۔

۲۵ مناقب المجوبین - ص ۵۴

۱۵ انوار العارفین - ص ۲۵۵

۳۵ انوار العارفین - ص ۲۵۵

تعلیم شاہ نور محمد کے والد نے چوبائٹہ سے منتقل ہو کر مہار میں سکونت اختیار کر لی تھی، جب شاہ نور محمد کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپ کے والد نے آپ کو حافظ محمد مسعود کے پاس قرآن مجید کی تعلیم کے لئے بٹھایا، حافظ محمد مسعود نہایت ہی عابد و زاہد بزرگ تھے مناقب المجوبین میں ہے کہ وہ اپنے زمانے کے صلیحا اور متقیوں میں سے ایک تھے، شاہ نور محمد نے اُن سے قرآن مجید حفظ کیا۔

پیشین گوئی اُسی زمانے میں جب کہ شاہ نور محمد حافظ محمد مسعود کے مکتب میں قرآن مجید حفظ کر رہے تھے، اتفاق سے ایک دن شیخ احمد دودی والہ جو ایک بزرگ تھے، حافظ محمد مسعود کے مکتب میں تشریف لائے، اور شاہ نور محمد کو دیکھ کر فرمایا، سبحان اللہ ایک وہ وقت بھی آئے گا کہ اس بچے کے در پر بادشاہ جبیں سائی اپنا تخر بھیں گے، حافظ محمد مسعود نے تعجب اور مذاق کے لہجے میں فرمایا :

سبحان اللہ میں زمان	سبحان اللہ اس زمانے میں
چنیں اولیاء کامل ماندہ اند	ایسا اولیائے کامل بھی ہیں کہ
کہ پسر ہندال جٹ را کہ	ہندال جٹ کے بیٹے کو جس کے
بر سر خود گنج دارد، می گویند	سر پر گنج بھی ہے کہتے ہیں کہ
کہ بادشاہاں بر در این بجدہ	بادشاہ اُس کے در پر سر
خواہند کرد	جھکائیں گے۔

حافظ محمد مسعود کی مکتب کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے والدین اور اعزہ کا مشورہ ہوا کہ آپ کو کسی کاروبار میں لگایا جائے، لیکن شاہ نور محمد نے اسے پسند نہ کیا اور تعلیم جاری رکھنے کے لئے اصرار کیا، پھر آپ موضع بڈھیراں تشریف لائے جو بہار شریف سے چند میل کے فاصلے پر ہے، اور یہاں تعلیم حاصل کرتے رہے، اس کے بعد موضع بہلانہ آئے، اور بہلانہ میں شیخ احمد کھوکھر سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ڈیرہ غازی خاں تشریف لائے، اور یہاں شرح ملاحامی تک تعلیم حاصل کی۔

لاہور میں تشریف آوری ڈیرہ غازی خاں سے آپ اپنے ایک دوست محکم دین سیلانی کے ساتھ جو آپ کے ہمدرد بھی تھے حصول علم کے لئے لاہور تشریف لائے، اگرچہ لاہور میں آپ کو طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ حصول علم میں مصروف رہے۔

دہلی میں تشریف آوری لاہور سے آپ حصول علم کے لئے دہلی تشریف لائے اور دہلی میں نواب غازی الدین کے مدرسے میں جس کی اس زمانے میں بڑی شہرت تھی شریک ہو گئے، اور حافظ برخوردار جی سے جو اسی مدرسے میں مدرس تھے، کافیہ پڑھنا شروع کیا، حافظ برخوردار جی کے متعلق ایک مرتبہ آپ نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

میاں برخوردار جی مرد خوب میاں برخوردار جی اچھے آدمی
دصاحب نسبت بودند اور صاحب نسبت تھے۔

سہ: یہ تمام تفصیل مناقب المہوین ص ۸۵ - ۵۷ - ۸۶ سے ماخوذ ہے۔

میاں برخوردار جی سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے، اور شاہ نور محمد پر بیعت
 شفقت فرماتے تھے، وہ دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھاتے، اور اپنے
 اس عزیز شاگرد کا اس درجہ خیال فرماتے تھے کہ آپ کو اپنے ساتھ کھانا
 کھلاتے تھے۔ ابھی کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ حافظ برخوردار جی کو
 کسی وجہ سے اپنے وطن جانا پڑا، جس کی وجہ سے شاہ نور محمد کی تعلیم کا
 سلسلہ منقطع ہو گیا، شاہ نور محمد اپنے مشفق استاد کی جدائی پر ایک دن
 دہلی میں حوض کے کنارے محزون اور اُداس بیٹھے ہوئے تھے۔
 اتفاقاً وہاں حافظ محمد صالح ساکن بہیرہ تشریف لائے، انہوں نے
 آپ کو محزون و اُداس دیکھ کر اس کا سبب پوچھا، شاہ نور محمد نے
 فرمایا، میں اس لئے محزون ہوں کہ میرے استاد اپنے وطن تشریف
 لے گئے۔ اب دوسرے اساتذہ کے پڑھنے سے تسکین نہیں ہوتی،
 حافظ محمد صالح نے فرمایا گھبراتے کیوں ہو، ابھی چند روز ہوئے کہ دکن
 سے ایک بہت بڑے عالم اور شیخ یہاں تشریف لائے ہیں اور وہ فرماتے
 ہیں کہ اگر کوئی شخص علم حاصل کرنے کے لئے تیار ہو تو میں اُس کی خدمت
 کے لئے تیار ہوں، شاہ نور محمد نے حافظ محمد صالح کی زبان سے یہ مشرودہ
 جانفزا سن کر فرمایا کہ مجھے اُن کے پاس لے چلو یہ

شاہ فخر کی خدمت میں حاضری
 دوسرے دن یہ دونوں
 شاہ فخر الدینؒ اورنگ آبادی

۱۔ مناقب المجتوبین۔ ص ۸۱

۲۔ شاہ فخر الدین کا لقب محب نبی اور آپ کے والد کا نام شاہ نظام الدین تھا،
 جو اورنگ آباد دکن کے رہنے والے تھے، شاہ فخر الدین کی ولادت باسعادت
 ۱۱۲۶ھ میں اورنگ آباد میں ہوئی، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے آپ کا نام

کے مکان پر حاضر ہوئے، لیکن اتفاق سے اُس دن حضرت خواجہ فخر گھر میں

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷۵)

فخر الدین تجویر کیا، اور اپنا کرتہ آپ کے لئے بھیجا، اور آپ کے والد کو بشارت دی کہ اس لڑکے سے دہلی میں عرفان و ہدایت کا نور پھیلے گا، شاہ نظام الدین نے اپنے صاحبزادے شاہ فخر کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا، آپ کے اساتذہ میں میر محمد جان، مولانا عبدالحکیم، حافظ اسعد الانصاری اور ننگ آبادی اور آپ کے والد محترم شاہ نظام الدین مشہور ہیں کہ جنہوں نے اُن کے جوہرِ قابل کو علم و عمل سے آراستہ کیا، زمانہ طالب علمی ہی میں شاہ فخر نے اپنے والد ماجد شاہ نظام الدین کے دستِ حق پرست پر سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کی، اپنے والد کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی، آپ کے والد نے وفات سے کچھ پہلے قاضی کریم الدین کے ذریعہ آپ کو اپنے پاس بلوایا، اور دیر تک اپنے سینے سے لگا کر اپنی تمام باطنی نعمتیں آپ کے سینے میں منتقل کر دیں، شاہ نظام الدین کی وفات کے تین سال بعد آپ تعلیم سے فارغ ہوئے، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد شاہ فخر نے لشکر میں ملازمت کر لی، دن بھر کی ملازمت کے بعد آپ ساری ساری رات عبادت کرتے، لشکر میں باوجود آپ کے اخفائے حال کی کوشش کے آپ کے زہد و ورع کی غیر معمولی شہرت ہونے لگی، جس کی وجہ سے آپ ملازمت چھوڑ کر اورنگ آباد تشریف لے گئے، اور وہاں اپنے والد کی مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی، یہاں بھی جب آپ کی شہرت بڑھی اور آپ نے دیکھا کہ تمام ملک دکن میں شہور ہو گئے ہیں تو آپ نے اخفائے حال کے لئے چاہا کہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں، لیکن جب آپ روانہ ہونے ہونے کا ارادہ کرتے تو خیال آتا کہ یہاں میرے والد کا مزار ہے، میں کسے اس جگہ کو چھوڑ سکتا ہوں، اسی تذبذب کے عالم میں آپ نے خواب میں دیکھا

تشریف نہ رکھتے تھے، اس لئے بخیر ملاقات کے واپس ہوئے،

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۷۵)

کہ آپ کے والد شاہ نظام الدین نے یہ شعر پڑھا ہے

شہ اقلیم فقرم بے خودی تخت روان من

نہ چوں فریاد مزدورم، نہ چوں مجنوں زمیندارم

اس خواب کے بعد آپ نے ترک وطن کا ارادہ مصمم کر لیا، اور اپنے دو ملازمین قاسم اور حیات کے ساتھ ۱۶۵۱ھ میں آپ اور نگ آباد سے دہلی پیدل روانہ ہوئے۔ اُس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی، دہلی میں ایک بڑھیا نے آپ کو اپنے یہاں ٹھہرایا، دہلی میں سب سے پہلے آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر حاضر ہوئے، پھر اپنے سلسلے کے بزرگوں کے مزار پر حاضر ہوتے ہوئے حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ پھر کٹرہ پھلیل میں ایک حویلی کرایہ پر لے کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، اور بیعت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا، اُسی زمانے میں شاہ نور محمد مہاروی نے آپ سے بیعت کی، پھر آپ نے اجمیر کا سفر کیا، اور حضرت خواجہ بزرگ کے مزار پر انوار کی زیارت سے مشرف ہوئے، اُس کے بعد آپ نے پاک پٹن کا سفر کیا، اس سفر میں شاہ نور محمد مہاروی بھی آپ کے ساتھ تھے، پاک پٹن میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے ادب کے خیال سے آپ ننگے پاؤں حاضر ہوئے، اور حضرت بابا فرید کے مزار مبارک کے قریب ایک حجرے میں ٹھہر گئے، اور عبادت میں مصروف رہنے لگے، تکملہ سیر الاولیاء میں ہے کہ وہاں آپ ہر شب کو ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔

پاک پٹن سے واپسی کے کچھ دن بعد آپ کٹرہ پھلیل ہی میں درس و

دوسرے دن تنہا حضرت شاہ نور محمد حضرت شاہ فخر کی خدمت میں

ربقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۲)

تدریس میں مشغول رہے، پھر آپ نے امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ کے بنوائے ہوئے مدرسے میں جو اجیری دروازے میں واقع تھا، درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، مناقب فخریہ میں ہے کہ۔

سینہائے کنوز حقائق و دہائے معادن معارف گشت،
خفتگان بیدار، و بے ہوشاں ہوشیار گشتند و بے خبراں باخبر،
و بے اثراں با اثر گردیدند، دل مُردگان زندہ، دل زندگان
بسمل شدند بازار عشق و محبت الہی گرم شد، و دریائے شوق و
ذوق موجہا زد۔ (مناقب فخریہ - ص ۲۵)

نزہۃ النواظر میں ہے کہ آپ نے حدیث شاہ ولی اللہ دہلوی سے حاصل کی تھی، پھر آپ مدرسہ غازی الدین میں درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔
(نزہۃ النواظر - جلد ۶ - ص ۲۱۹)

شاہ فخر کے آئینہ اخلاق میں خدمتِ خلق، عفو و ایثار، اتباعِ شریعت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

ایک دفعہ آپ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے، جب جہاز میں سوار ہونے لگے تو ایک بڑھیا نے حاضر ہو کر کہا کہ مجھے لڑکی کی شادی کرنی ہے، اور میرا یہ حال ہے کہ فاقے سے کئی کئی دن گزر جاتے ہیں، سوچتی ہوں کہ یہ فرض کیسے ادا کروں، شاہ فخر نے یہ سنا تو جہاز سے سامان اتار لیا، اور جو کچھ سفر خرچ تھا وہ اُس کو دے دیا، اور وطن لوٹ آئے۔

اتباعِ شریعت کا اس قدر خیال تھا کہ مناقب فخریہ میں ہے کہ امور جزوی اور کئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت شدت سے اتباع کرتے تھے اور

حاضر ہوئے، جب آپ شاہ صاحب کی حویلی کے دروازے پر پہنچے تو

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلسلہ ۵۲)

دوسروں کو بھی اس کی سخت تاکید فرماتے تھے۔

شاہ فخر الدین وہ بزرگ ہیں کہ جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ لوگ اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے جا رہے ہیں، اس خیال سے کہ لوگ صحیح طور پر اسلامی تعلیمات کو سمجھیں، آپ نے خطبہ اردو میں پڑھنے کا مشورہ دیا، فخر الطائین میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: پس اگر خطبہ بلفظ ہندی دریں مملکت خواندہ شود، برائے چیزے کہ موضوع است، حاصل می شود، الا برائے سائر الناس فائدہ ندارد و گمان زبان عربی واقف نیستند۔

شلہ فخر نے ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۵ھ کو وصال فرمایا، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار مبارک کے متصل آپ کو دفن کیا گیا، آپ کے مزار مبارک کے سرہانے یہ کتبہ منقوش ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اللہم صلی علی محمد و علی آل محمد
بگذاشت فخر دیں چوں مہماں سرائے فانی
بر آستان جاوید، آن قطب جاودانی
سال وصال آن ماہ از غیب چوں بحسم
تاریخ گفت ہاتف، خورشید جاودانی
۱۱۹۵ھ

شاہ فخر کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ غلام قطب الدین نے مسند رشد و ہدایت کو زمینت بخشی، خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

شاہ فخر کے خلفاء میں شاہ نور محمد بہاروی، شاہ نیاز احمد بریلوی، مولانا

دربان کو دروازے پر دیکھ کر اندر داخل ہونے سے ہچکچائے، پھر بہت
 کر کے اندر داخل ہوئے، حویلی میں داخل ہونے کے بعد دیکھا کہ ایک کمرے
 میں تخت پر چاندنی بچھی ہوئی ہے، اور گماؤ تکیہ لگائے حضرت شاہ فخر اس پر
 تشریف فرما ہیں، جس وقت شاہ نور محمد آپ سے ملنے کے لیے پہنچے، اس
 وقت ان کا یہ عالم تھا کہ کپڑے پھٹے ہوئے، بال بڑھے ہوئے، اور
 ایک پرانی چادر جسم سے لپٹی ہوئی تھی، شاہ فخر کی نظر ان پر پڑی تو
 تخت سے اتر کر ان کو اپنے پاس بلایا، اور نہایت تپاک سے گلے لگایا،
 اور ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا، پھر پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟
 شاہ نور محمد نے جواب دیا کہ پاک پٹن کے قرب و جوار کا رہنے والا ہوں،
 خواجہ فخر نے پوچھا کیا حضرت بابا صاحب کی اولاد سے ہو؟ انھوں نے
 عرض کیا نہیں، پھر پوچھا میرے پاس کس غرض سے آئے ہو، شاہ نور محمد
 نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ تعلیم دیتے ہیں، علم کی کشش مجھے
 آپ کی خدمت میں کھینچ کر لائی ہے، پھر حضرت شاہ فخر نے پوچھا
 پہلے کس سے پڑھتے تھے؟ عرض کیا میاں بر خور دارجی سے تعلیم حاصل
 کرتا تھا، فرمایا کہ میں نے آج کل پڑھانا موقوف کر رکھا ہے، مناسب
 یہ ہے کہ تم میاں بر خور دارجی ہی سے پڑھو، شاہ نور محمد نے عرض کیا

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵)

جمال الدین رام پوری، میرضیاء الدین جے پوری، سید بدیع الدین اور میر شمس الدین
 مشہور ہیں۔

آپ کی تصانیف میں (۱) رسالہ عقائد نظامیہ (۲) رسالہ مرجیہ (۳)
 اور رسالہ فخر الحسن مشہور ہیں (ماخوذ از مشائخ چشت ص ۶۲ تا ۶۷ و
 نزہۃ الخواطر - جلد ۶ ص ۲۱۹ -

کہ اُن میں اور مجھ میں بہت فاصلہ ہے، میرا بہت سا وقت آمد و رفت میں ضائع ہوگا، حضرت خواجہ فخر نے مسکراتے ہوئے فرمایا:-

ما برائے وصل کردن آدمیم
نے برائے فصل کردن آدمیم

پھر فرمایا خیر اگر تمھاری ہی یہی مرضی ہے تو ہم سے پڑھ لیا کرو۔

شاہ فخر کا تلمذ اس کے بعد شاہ نور محمد نے آپ سے تعلیم شروع کی، چند ہی روز کے بعد اُنھیں محسوس ہوا کہ اب وہ جس استاد کی خدمت میں آئے ہیں، وہ دیارِ علم ہے، ایک دفعہ اُنھوں نے شاہ فخر کے تبحر علمی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا، "سبحان اللہ بحرِ علم بودند"۔ ابتداءً اُنھوں نے شاہ فخر سے منطق کی مشہور کتاب قطبی کا درس لینا شروع کیا، ابھی کچھ دن گزرے تھے کہ حضرت خواجہ فخر نے اُن کی باطنی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے فرمایا، تم علمِ ظاہری میں اپنا وقت ضائع نہ کرو، جتنا پڑھ لیا ہے وہ تمھارے لئے کافی ہے، اُس علم کی طرف متوجہ ہو جس کے لئے تم بنے ہو۔

چنانچہ ۱۱۶۵ھ میں شاہ نور محمد نے حضرت شاہ فخر **بیعت** کے دستِ حق پرست پر سلسلہٴ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کی، شاہ فخر کے دہلی تشریف لانے کے بعد شاہ نور محمد پہلے شخص تھے جنھوں نے شاہ فخر کی بیعت کا شرف سب سے پہلے حاصل کیا۔

پاک پٹن میں حاضری بیعت ہونے کے کچھ عرصے بعد حضرت خواجہ فخر نے پاک پٹن

حاضر ہونے کا ارادہ کیا، اس سفر میں شاہ نور محمد مہاروی آپ کے ساتھ تھے، پاک پٹن میں حاضری کے بعد شاہ فخر نے اُن کو حکم دیا کہ مہار جاکر اپنی والدہ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کریں، وہ اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں اُسی درویشانہ وضع میں اپنے وطن پہنچے، اور پہلے اپنے استاد حافظ محمد مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے، لوگوں نے اُن کی والدہ کو اطلاع دی کہ ایک درویش دہلی سے آیا ہے، تم بھی اپنے لڑکے کی خیریت اُس سے جاکر پوچھ لو، اُن کی والدہ عاقل بی بی نقابا ڈال کر حافظ محمد مسعود کے پاس آئیں، اور اپنے لڑکے کی خیریت پوچھنے لگیں، حافظ محمد مسعود کو بے اختیار ہنسی آگئی، سعادت مند بیٹے نے دوڑ کر ماں کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ہے۔

جب تک ان کا مہار میں قیام رہا وہ تمام دن مسجد میں مراقبے میں مصروف رہتے۔

ایک دن حافظ محمد مسعود
حافظ شرف الدین کا استفسار کے ایک دوست حافظ

شرف الدین نے شاہ نور محمد سے پوچھا، میاں صاحبزادے دہلی میں اتنے دن رہے، کچھ حاصل بھی کیا یا یوں ہی چلے آئے، فرمایا:-

ہندوستانی صاحبزادہ	ہندوستان کے پیرزادوں
از پیرزادگانِ دکن در دہلی	میں سے ایک صاحبزادے
آمدہ بود، در خدمت اوئی	دکن سے دہلی تشریف لائے
ماندم، و دیگچہ ہائے او	میں اُن کی خدمت رہا اور
لیسدم ہے	اُن کی دیگچیاں چاٹتا رہا۔

حافظ شرف الدین نے افسوس کرتے ہوئے کہا تم نے عمر بھر دیگیاں چاٹنے میں گزاری، درآں حالیکہ مولوی احمد یار، مولوی محمد صالح اور مولوی اسد اللہ فارغ التحصیل ہو کر آئے، اور تم وہاں دیگیاں چاٹتے رہے۔
 آٹھ دن اپنے وطن میں قیام کرنے کے بعد خواجہ نور محمد اپنے شیخ کی خدمت میں اپنے وطن حاضر ہوئے، آپ کے شیخ نے آپ کو بڑی رح نظامی میں عبادت کرنے کا حکم دیا، پاک پٹن میں آپ کے شیخ شاہ فخر کا یہ معمول رہا کہ جو بھی اُن کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے حاضر ہوتا، وہ اُسے خواجہ نور محمد کی خدمت میں بھجوا دیتے، چنانچہ بہت سے لوگ خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت ہوئے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر کا عرس ختم ہونے کے بعد شاہ فخر نے خواجہ نور محمد سے فرمایا، میں ابھی یہاں اور دو مہینے مقیم رہوں گا، تم اپنی والدہ کے پاس ہو آؤ، آپ اپنے شیخ کی تعمیل ارشاد میں مہار آئے، دو ماہ بعد جب آپ ہمارے پاک پٹن واپس ہوئے تو ہمارے بہت سے لوگ جن میں آپ کے بھائی ملک سلطان، برہان اور آپ کے چچا لکھمیر اور آپ کے استاد حافظ محمد سعود بھی شامل تھے، ساتھ آئے، اور ان سب نے حضرت شاہ فخر کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

اس کے بعد شاہ فخر اور خواجہ نور محمد دہلی واپس ہوئے، ایک روز شاہ فخر نے خواجہ نور محمد سے فرمایا:-

اے نور محمد! خلق را

باتو کار خواہد بود۔

تم سے بہت کام پڑنے والے ہیں۔

یہ سن کر خواجہ نور محمد نے حیران ہو کر فرمایا کہ میں ایک کمترین پنجابی ہوں، میں کسی کے کیا کام آسکوں گا، شاہ فخر خاموش رہے، پھر کچھ دن کے

بعد شاہ فخر نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ وہ اپنے وطن
مہار میں رہ کر رشد و ہدایت کا چراغ روشن کریں، آپ اپنے پیر
کے ارشاد کے مطابق مہار روانہ ہو گئے، خواجہ نور محمد کے مہار
ردانہ ہونے کے بعد اکثر شاہ فخر اُن کو یاد کر کے یہ دوہا پڑھتے
تھے۔ ۱۔ ۲۔

تن شکے چھیرنا سرت ملوؤں ہار
مکھن لے گیا پنجابی، چھا چھ پیو سنسار

مہار میں رشد و ہدایت
مہار میں تشریف لانے کے بعد
خواجہ نور محمد نے ارشاد و ہدایت
کی وہ شمع روشن کی کہ تمام پنجاب اُس کی روشنی سے جگمگا اٹھا، اور
دور دور سے طالبان حق آپ کے گرد جمع ہونے لگے، شجرۃ الانوار
میں ہے کہ ایک شخص جو مہار سے دہلی جا رہا تھا، خواجہ نور محمد نے
اُس سے فرمایا کہ تم دہلی جا کر حضرت شاہ فخر کی خدمت میں حاضر
ہونا، اور میرے سلام کے بعد عرض کرنا کہ حضور کی توجہ سے یہاں
روشنی خوب دیکھی، چنانچہ وہ شخص دہلی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا،
اور اُس نے پنجابی زبان میں شاہ فخر سے کہا۔

حضرت جی! پنیاں پڑیو، اور کہیو اساں روشنی اچھی ڈھٹی۔
یہ سن کر شاہ فخر پر ایک کیف طاری ہو گیا، بار بار اس جملے کو دہراتے
اور فرماتے تھے، میاں نور محمد خوب آدمی ہیں، اور آنکھوں نے بہت اچھی
نسبت ہم سے ہم پہنچائی ہے۔

۱۔ مناقب المہوین۔ ص۔ ۷۷

۲۔ تاریخ مشائخ چشت بحوالہ شجرۃ الانوار قلمی۔

نافع السالکین میں ہے کہ ہزاروں لوگ جُوق درجُوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اور آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرتے تھے۔ آپ کے مرید و خلیفہ خاص شاہ محمد سلیمان تونسوی کا بیان ہے کہ :

عجب تاثیرے بود ہر کہ دست ایشاں گرفتے اورا
تاثیرے شدے یلہ

صاحبِ تکرار سیر الاولیاء نے آپ کے ارشاد و تلقین کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

واکثر در عالم محفل آرائی بودند، ہر قسم آدم کہ می آید
اختلاط مناسب وضع آں می فرمودند۔

اگرچہ آپ کی خانقاہ امرا اور دولت مندوں کا مجمع رہتا تھا، لیکن آپ کی نظریں امیر و غریب سب برابر تھے، شاہ سلیمان تونسوی کا بیان ہے کہ

قبلہ عالم را قدس سرکہ از صحبت دنیا داراں بنیاد
نفور بودے۔

خواجہ نور محمد اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے، ایک روحانی طبیب کی طرح امراضِ باطنی کا علاج تجویز فرماتے ایک مرتبہ آپ نے حکیم مولوی محمد عمر سے فرمایا کہ ہمارا دارالشفا ہے یہاں حکیم موجود ہے، حکیم صاحب نے فوراً ہی جواب دیا۔
شفا بخش امراضِ ظاہری و باطنی ذاتِ شریف حضور است

کہ ہر آئندہ را از زیارتِ حضور شفا صوری و معنوی
حاصل می شود۔

اتباعِ شریعت
آپ اپنی تعلیمات میں حُسنِ اخلاق اور
اتباعِ شریعت پر خاص طور پر زور
دیتے تھے، اخلاقیات میں یہ تین باتیں آپ کی اخلاقی تعلیم کا
محور تھیں۔

(۱) یکے آں کہ غصہ بر کسے نکند کہ غصہ جو ہرے

است در باطن و اظہار آں نورِ معرفت را می راند۔

(۲) دویم آنکہ اگر کسے در حقِ احدے شکایت کند،

آں مادلّ بالخیر باید نمود۔

(۳) محاسبہ در امورِ دنیا نباید کرد۔

خود بھی متبعِ شریعت تھے، اور مریدوں کو بھی اتباعِ شریعت
کی خصوصیت سے تعلیم دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے۔

قالب را موافق شریعت کردن و انضمامِ قلب

باتباعِ شریعت ست۔

وحدت الوجود کے قائل تھے، اپنے دادا

پیر شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی طرح

وحدت الوجود

۲ مناقبِ محبوبین۔ ص ۹۶

۱۳۷ سیرالاولیاء ص

۳ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے والد کا نام حاجی نور اللہ بن شیخ احمد بن شیخ
حامد صدیقی تھا، اُن کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت ابو بکر صدیق
سے جا ملتا ہے، اُن کے اجداد خجند کے رہنے والے تھے، شاہ کلیم اللہ
جہاں آبادی کے والد شاہ جہاں کے عہد میں شاہ جہاں آباد آئے، وہ علمِ نجوم

اس مسئلے پر عوام کے سامنے گفتگو ناپسند فرماتے تھے، کہا کرتے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۳)

اور ہیئت میں کمال رکھتے تھے، اسی لئے شاہ جہاں نے اُن کو نال قلعے کی تعمیر کے وقت ججز سے بلایا تھا، ان کے دادا احمد مہار شاہ جہانی عہد کے ممتاز ماہر فن تھے، اُن کو نادر الحصر کا خطاب ملا تھا، احمد مہار کے سب سے چھوٹے بیٹے نور اللہ تھے، جو شاہ کلیم اللہ کے والد تھے، دہلی کی جامع مسجد کی پیشانی پر جو کتبے ہیں وہ نور اللہ ہی کے دست مبارک کے لکھے ہوئے ہیں۔

شاہ کلیم اللہ کی ولادت باسعادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۵ھ کو ہوئی اُن کی تاریخ تولد ”غنی“ سے نکلتی ہے، اُنھوں نے شیخ برہان الدین معرود یہ شیخ بہلول اور شیخ ابوالرضا بندی سے تعلیم حاصل کی، شیخ ابوالرضا شاہ ولی اللہ کے تایا تھے، تحصیل علم کے بعد شاہ کلیم اللہ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے، اور مدینہ منورہ میں اُنھوں نے اپنا زیادہ وقت شیخ یحییٰ مدنی حشتی کی خدمت میں گزارا جو احمد آباد کے رہنے والے تھے، اور مشاہیر صوفیہ میں تھے اور ایک روحانی اشارے پر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے، مدینہ منورہ میں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے شیخ یحییٰ مدنی کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور ظاہر و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہو کر اور خرقہ خلافت حاصل کر کے دہلی واپس ہوئے۔ دہلی آکر اُنھوں نے بانسہ خانم میں قیام فرمایا، اور وہیں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا، تھوڑے ہی دن میں اُن کی شہرت دور دور پھیل گئی، اور ہر طرف سے طالب علم اُن کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہونے لگے۔

شاہ کلیم اللہ نے ۸۲ سال کی عمر میں نقرس اور وجع المفاصل کے امراض میں مبتلا ہو کر ۲۴ ربیع الاول ۱۱۲۲ھ کو وفات پائی، وفات کے

تھے کہ :
برائے ماضیہ کہ حوادث واقع می شدند محض برائے

(بقیہ نٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۷)

وقت یہ شعر زبان پر تھا: سہ

غبار خاطر عشاق مدعا طلبی است
بخلوتے کہ منم یاد دوست بے ادبی است

اور اپنی سکونت حویلی میں جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی مدفون ہوئے۔
شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، مناقب فریدی
میں اُن کی تصانیف کی تعداد ۳۲ بتائی گئی ہے، اُن میں سے جن کتابوں کے
نام تذکروں میں ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) قرآن القرآن۔ عربی زبان میں قرآن مجید کی نہایت عمدہ تفسیر ہے،
جولہ ۱۹۲۰ء میرٹھ کے مطبع احباب سے منشی عرفان الحق نے اُس کو قرآن مجید
کے حاشیے پر شائع کیا تھا۔

(۲) عشرہ کاملہ (۳) سواذ السبیل (۴) کشکول (۵) مرقع (۶)
تسلیم (۷) الہاماتِ کلیمی، یہ چھ کتابیں تصوف سے متعلق ہیں، ان میں عشرہ
کاملہ، کشکول، اور مرقع طبع ہو چکے ہیں، اور کشکول کلیمی کا ایک نسخہ رضا
لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ (۸) رسالہ تشریح الافلاک عاملی محشی بغلکا
یہ کتاب علم ہدایت سے متعلق ہے، اور اس کا ایک نادر نسخہ نذیریہ پبلک لائبریری
دہلی میں موجود ہے۔ (۹) شرح قانون، اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری رامپور
میں موجود ہے۔ (۱۰) مکتوباتِ کلیمی یہ ان کے ۱۳۲ خطوط کا مجموعہ ہے جو
مطبع یوسفی دہلی سے ۱۳۸۳ھ میں شائع ہوئے تھے۔

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں

اظہار وحدت وجود۔

وفات خواجہ نور محمد کو اپنے مرشد شاہ فخر کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا، اپنے شیخ کی وفات کے بعد وہ ساڑھے چھ سال تک حیات رہے، لیکن اس صدمہ کی وجہ سے طبیعت میں شگفتگی نہ آ سکی، آخر یہی حزن و غم آپ کی وفات کا سبب بنا، اور اس رنج و غم نے "کاست بدنی" کی صورت اختیار کر لی، اسی زمانے میں جب کہ آپ بیمار تھے، ایک مزید صدمہ آپ کو یہ پہنچا کہ آپ کے مرید خاص اور خلیفہ حضرت نارو والہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵۳)

تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں: (۱) خواجہ محمد (۲) حامد سعید۔ (۳) محمد فضل اللہ (۴) محمد احسان اللہ نے شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی ہی کی زندگی میں وفات پائی۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں: (۱) بی بی رابعہ (۲) بی بی فخر النساء (۳) بی بی زینب (۴) بی بی مصری۔

شاہ کلیم اللہ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، ان میں سے چند نام یہ ہیں: (۱) شاہ نظام الدین اوزنگ آبادی (۲) شاہ محمد ہاشم (۳) مولانا شاہ ضیاء الدین (۴) مولانا شاہ جمال الدین جے پوری (۵) مولانا شاہ جلال الدین (۶) محمد وسم شیخ تھارو (۷) خواجہ مصطفیٰ مراد آبادی وغیرہ۔ (۸) مذاہن مناقب المحبوبین - ص ۲۵ - مکتوبات کلیمی - ص ۹۳ - مکتوب ۱۲۵ - تاریخ مشائخ چشت ص ۲۲۵)

(فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

۱۰ مناقب المحبوبین - ص ۹۲

نے وفات پائی، اس رنج نے اور بھی آپ کو کمزور کر دیا، وفات سے ایک سال پہلے آپ نے دنیا سے بے تعلق ہو کر خاموشی اختیار کر لی تھی، لوگ خاموشی کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ میری گفتگو تفسیر و حدیث ہے، کس سے کہا جائے اور کون سمجھے۔

مرض الموت میں مریدوں کے اصرار پر خواجہ محمد عاقل نے پوچھا کہ حضور کا مزار کہاں بنایا جائے، فرمایا۔

من غیب داں نیستم، حق تعالیٰ می داند کہ کجا خواہند مُرد۔

آخر ۳ رذ الحجہ ۱۲۰۵ھ کو آپ نے رحلت فرمائی، تاریخ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے :-

حیث و اوایل جہاں بے نور گشت

۵ - ۲ - ۱ ھ

مزار مبارک آپ کا مزار مبارک تاج سرور میں ہے۔ جسے چشتیاں بھی کہتے ہیں۔ خواجہ نور محمد کے تین صاحبزادے تھے، صاحبزادوں **اولاد** کے نام یہ ہیں :-

(۱) شیخ نور الصمد (۲) شیخ نور احمد (۳) شیخ زرا الحسن، ان کے علاوہ دو صاحبزادیاں زینب بی بی اور صاحب بی بی تھیں۔ شیخ نور الصمد، شاہ فخر کے مرید تھے، شیخ نور احمد نے اپنے والد محترم خواجہ نور محمد سے بیعت کی تھی، اور شیخ نور الحسن قاضی عاقل محمد کے حلقہ ارادت میں داخل تھے یہ

خواجہ نور محمد کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ نور الصمد سند آرائے رشد و ہدایت ہوئے، لیکن چند ہی دن کے بعد قوم مہاراں نے اُن کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ نور احمد سجادہ نشین ہوئے، شیخ نور احمد کی وفات کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے میاں خواجہ محمود نے سند ارشاد کو زینت بخشی، میاں خواجہ محمود کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ نور بخش رونق افروز سجادگی ہوئے، ان کی وفات کے بعد میاں نور جہانیاں اور خواجہ محمد یوسف نے جادہ مشیخت پر متمکن ہوئے، اس کے بعد میاں محمود بخش صاحب سجادہ نشین ہوئے۔

خلفاء خواجہ نور محمد کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے جنہوں نے سارے پنجاب میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو غیر معمولی فروغ اور ترقی دی، آپ کے بعض خلفاء و مریدین کے نام یہ ہیں۔

- (۱) حضرت میاں نور محمد نارووالہ صاحب (۲) قاری عزیز اللہ (۳) حافظ غلام حسین (۴) قاری صبغۃ اللہ۔
- (۵) میاں محمد فاضل نیکوکارہ (۶) مولوی محمد جمال صاحب
- (۷) قاضی عاقل محمد صاحب۔

فضائل و مناقب خواجہ نور محمد کی جلالت شان و عظمت کا اعتراف آپ کے تمام تذکرہ نگار نہایت خلوص و عقیدت سے کرتے ہیں، مناقب فخریہ کے مؤلف آپ کے محامد و صفات میں یوں رطب اللسان ہیں:-

۱۔ نافع السالکین۔ ص ۱۰۔ ۲۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۵۵۲ و ذکر گرام ص ۲۸

و مظہر اتم و مرید مراد ان حضرت و مقبول حضرت اللہ
 و محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مرشد
 آفاق و ہادی اقوام و مامور حضرت رسالت بہ تربیت خلائق،
 مشغول بحق، فارغ از علالت، مخدومنا و مولانا خواجہ
 نور محمد است، مدظلہ العالی کہ چندیں ہزار کس نعمت از
 خوان او دریافتہ ولذت از ماندہ او چشیدہ ہے
 صاحب فخر الطالبین آپ کے مناقب میں یوں رقم طراز ہیں :-
 افتخار در ویشاں، مرہم دل ریشاں، سرمد اقیان،
 جامع علوم حیا و صفائے چہرہ محبوباں، کہربائے دل
 معشوقاں، مسکنشین مسکنت و دانائے سر حلقہ درد
 مندان الہی ہے

حسین بخش فخری نے آپ کی تبلیغی جدوجہد کو ان الفاظ میں خراج
 عقیدت پیش کیا ہے۔

حضرت مولانا صاحب آن مخصوص خود را خلافت دادہ
 طرف سرزمین پاک پن روانہ نمود، ہر گاہیکہ میاں نور محمد
 وہ آں جا رفتہ سکونت در زید، مردمان آں نواحی از خاص
 و عام ہزار و ہزار از میاں نور محمد تولا نمودند، و مرید شدند
 و اکثر از آنہا خلافت نمودہ فیض رسان خاص و عام
 گشتند۔

۱۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۵۲۸ بحوالہ مناقب فخریہ قلمی ص ۲۹

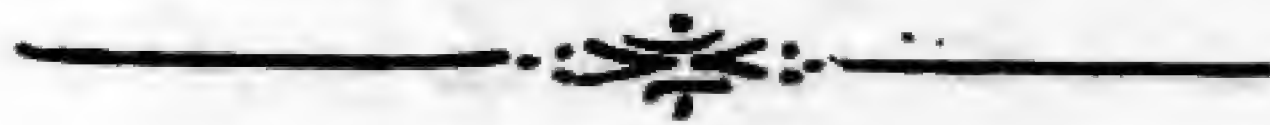
۲۔ ایضاً۔ ص ۵۲۸ - ۵۲۹

۳۔ ایضاً۔ ص ۵۲۹

مناقب المجوبین کے مولف حاجی نجم الدین نے آپ کی مساعی رشد و ہدایت کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

پس اول کسے کہ بعد از حضرت شیخ شکر و اولاد و خلفاء
ایشان سکھ بریں ملک مذکور نزد حضرت خواجہ نور محمد
ساروی بود کہ چنداں فیض ازیں جناب در ملک پنجاب و
سند و غیرہ انتشار یافت کہ در ہر قریہ و شہر و بلدہ درویشان
غلاماں آنحضرت و غلام غلام آں حضرت صاحب ذوق و
وجد و سماع و صاحب خائقاہ موجود اند و جو قی و رجوقی
گروہ علماء آمدہ ربقہ اطاعت و غلامی آں جناب باعتقاد
تمام در گردن خود انداختہ داخل سلسلہ چشتیہ نظامیہ
شدند۔

خواجہ نور محمد کے ملفوظات کے دو مجموعے
ملفوظات ہیں، ایک مجموعہ قاضی محمد عمر سید پوری نے
خلاصۃ الفوائد کے نام سے اور دوسرا مجموعہ مولوی محمد گہلوی نے
خیر الافکار کے نام سے جمع کیا تھا۔



(۹۰)

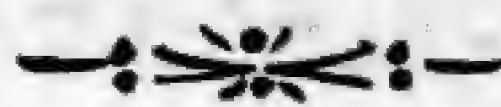
میاں نتھا قادری

حالات میاں نتھا قادری سرمند کے رہنے والے اور قوم پراچہ سے تھے، جوانی کے زمانے میں وہ حضرت میاں میر قادری لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کے دست حق پرست پر سبیت کی، اور ایک طویل عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے، حضرت میاں میر ان پر خاص توجہ اور بے حد شفقت فرماتے تھے، سکینۃ الاولیاء میں ہے کہ میاں میر کی عادت تھی کہ جو شخص آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ اور استفاضہ کرتا، کچھ دن کے بعد آپ اُسے اجازت مرحمت فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اب تم خود یاد الہی میں مشغول ہو، اور اپنے ساتھ کسی کو بہت کم رکھتے، لیکن میاں نتھا کو ایک لمحے کے لئے بھی اپنے سے جدا نہ ہونے دیتے۔

استخراق آخر میں میاں نتھا پر استخراق اور بے خودی کا یہ عالم تھا کہ انھیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی، اکثر اوقات

کسی بلند دیوار پر مربع بیٹھ کر کئی دن گزار دیتے بعض اوقات دن رات کسی جنگل یا ویرانے میں کسی قبر کے سرہانے بیٹھے رہتے، حضرت میاں میر کسی آدمی کو بھیجتے کہ جاؤ نتھا کو جو دیوار پر بیٹھا ہے، اُسے خبردار کر کے لے آؤ، کیوں کہ اُس نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا ہے۔

ملاحظہ فرمائی کہ بیان ہے کہ جس روز میاں نتھا نے وفات پائی وہ کچھ معمولی سے بیمار تھے، اور حضرت میاں میر کے حجرے کے سامنے چار پائی پر بیٹھے ہوئے مشاہدہ جمال حق میں مستغرق تھے، وہ بہت دیر تک اسی حالت میں رہے، مجھ سے حضرت میاں میر نے فرمایا ذرا اٹھ کر دیکھو تو وہی کہ میاں نتھا زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ میں نے اُن کے قریب جا کر اُن کو ہلایا مگر وہ وفات پا چکے تھے، پھر آپ نے اپنے مریدین کو اُن کی تجہیز و تکفین کے لئے حکم دیا، شیخ عبدالغنی کا بیان ہے کہ جب جنازہ اٹھا تو حضرت میاں میر نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارے آگے آگے چلو، میں نے دیکھا کہ آپ آبدیدہ ہو کر فرماتے جاتے ہیں کہ ہمارے گھر کا فقر میاں نتھا لے گیا، پھر فرمایا کہ ہماری وفات کے بعد ہمیں میاں نتھا کے پاس دفن کرنا، میاں نتھا کی قبر حضرت میاں میر کے روضہ مبارک کے قریب واقع ہے۔



۱۔ یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۵۱-۵۲ و سکنۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۰۴-۱۰۵-۱۱۰ سے ماخوذ ہے۔

(۹۱)

شیخ نور محمد نارووالہ صاحب

حالات شیخ نور محمد نارووالہ صاحب، خواجہ نور محمد مہاروی کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے، آپ بہت بڑے عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے، میاں نارووالہ حضرت خواجہ نور محمد سے بیعت ہونے سے قبل درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، لیکن جب آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں خواجہ نور محمد سے بیعت ہوئے تو اپنے شیخ سے کچھ کتابوں کا درس لیا، حضرت جمال الدین ملتانی کا بیان ہے کہ کہ میں، نارووالہ صاحب اور قاضی عاقل محمد اپنے شیخ، خواجہ نور محمد سے نواح، سواد السبیل، اور تسنیم وغیرہ پڑھتے تھے، لیکن پڑھنے کے بعد جب اپنے مقام پر واپس آتے تو ہم اس کی تحقیق میاں نارووالہ ہی سے کرتے تھے، اگرچہ ظاہر میں یہ فیض قبلہ عالم (خواجہ نور محمد) کا ہوتا تھا، لیکن حقیقت میں یہ تمام فیض اور ادراک مسائل میاں نارووالہ ہی سے حاصل ہوتا تھا، وہ ہر چیز کو نہایت وضاحت سے سمجھا دیتے تھے یہ

لے تاریخ مشل چشت - ص ۵۵۷ بحوالہ رسالہ اسرار الکیالیہ -

شاہ فخر کی خدمت میں حاضری
 پہلی مرتبہ جب آپ کے
 پیر خواجہ نور محمد آپ کو
 لے کر اپنے پیر شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلی ہی نظر میں
 شاہ فخر نے اُن کو دیکھتے ہی فرمایا:-

مارا از چہمان ایشان عشق ہمیں ان کی آنکھوں میں عشق
 بتطری آید۔ نظر آتا ہے۔

شاہ فخر آپ سے بے حد محبت رکھتے تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ
 میاں نارو والہ سے بڑے شکر بار آتی ہے۔

اتباع شریعت
 آپ اس درجہ متبع شریعت تھے کہ ہمیشہ با وضو
 رہتے اور مستحبات بھی آپ سے ترک نہ ہوتے
 تھے، ہمیشہ ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہتے، خیرالاذکار کے
 مؤلف مولوی محمد صاحب کا بیان ہے کہ:

آں حضرت جامع شریعت	حضرت، شریعت، طریقت
و طریقت و حقیقت بود، پاکی	اور حقیقت کے جامع تھے،
مراعات ظاہر شریعت بدرجہ	شریعت کا احترام اس درجہ
اتم بود کہ ایچ مستحی فوت	اتم تک فرماتے کہ کوئی مستحی
نمی شد و ہر دم با وضوی	بھی فوت نہ ہوتا تھا، اور
بودند..... در مراتب طریقت	ہمیشہ با وضو رہتے مراتب
و آداب و مجاہدہ و ریاضت	طریقت اور آداب اور
چنان مصروف بودند کہ	مجاہدوں اور ریاضتوں

۱۔ تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۵۵۶ بحوالہ مناقب فخریہ۔

۲۔ مناقب الجوبین۔ ص ۱۱۶

میچ کس ریا رائے ذکرِ نمود
دنیا وی نمودے ہے
میں اس قدر مصروف رہتے
کہ کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی
کہ وہ آپ سے دنیا دی ہاں
کر سکے۔

انکسار سلوک اور علم کے ان مدارج عالی پر فائز ہونے کے
باوجود آپ کے مزاج میں بے حد انکسار تھا، صاحب
مناقب المجوبین کا بیان ہے کہ :-

باوجود آن کمالیت.....
خود را چنان قاصر می دانستند
باوجود اس کمال کے اپنے
آپ کو اتنا قاصر سمجھتے کہ گویا
مبتدی ہیں۔

مریدوں کی اصلاح و تربیت
مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف

بے حد توجہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ ایک مرید کو لکھا۔
اوقات شریفہ را موزع - اوقات کو تنظیم رکھو،
دارند، وقت تعلیم، تعلیم، تعلیم کے وقت تعلیم اور ذکر
وقت ذکر، ذکر ہے۔ کے وقت ذکر۔

ایک دفعہ ایک مرید نے نواب غازی الدین خاں کے باغ میں
چل کر استدعا کی کہ باغ کے رنگ برنگ پھول دیکھیں، فرمایا :-

ما اسیران را تماشا ہے چمن در کا نیست
داغہائے سینہ ما کم تر از گلزار نیست

۱۔ تاریخ مشائخ چشت - ص ۵۵ بحوالہ خیر الافکار - ۲۔ مناقب المجوبین - ص ۱۱۳
۳۔ مکملہ سیر الاولیاء - ص ۱۳۱ ۴۔ مناقب المجوبین - ص ۱۱۰

وفات آپ نے ۶ جمادی الاول ۱۲۰۴ھ کو وفات پائی۔
لفظ ”چراغ“ سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔
آپ کے مرشد خواجہ نور محمد کو آپ کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا،
اور آپ کی وفات کی خبر سن کر فرمایا۔

اگر میاں صاحب چندے اگر میاں (نار و والہ) کچھ
مہلت یافتہ، عالمے از اور زندہ رہتے تو عالم ان سے
ایشان روشن می شد۔ روشن ہو جاتا۔

مزار آپ کا مزار مبارک حاجی پور میں مریض عام و
خاص ہے یہ

اولاد شاہ نار و والہ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام محمد تھا،
اپنے والد کی وفات کے بعد حافظ محمد نے شجاءہ مشخت
کوزینت بخشی۔

خلفاء آپ کے خلفاء میں (۱) عبداللہ خاں (ڈیرہ غازی خان)
(۲) مولوی محمد حسن (راجن پور) (۳) نور محمد بڈرہ (محمد پور)
(۴) مولوی ابوبکر (حاجی پور) (۵) مولوی کہلوی مشہور ہیں۔

مُلفوظات آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ”خیرالذکار“ کے
نام سے آپ کے مرید مولوی محمد کہلوی نے
مرتب کیا تھا۔

شاہ یوسف گردیزی

حالات شاہ یوسف گردیزی، گردیز کے سادات میں سے تھے، اُن کا خاندان اصل میں بغداد میں آباد تھا، لیکن بعد میں اُن کے بزرگ کسی وجہ سے بغداد سے گردیز میں آباد ہوئے، اور اسی نسبت سے آپ گردیزی کہلاتے ہیں۔

شاہ یوسف ^{۶۲ھ} مطابق ^{۱۲۶۹ء} میں گردیز میں پیدا ہوئے، اور بہرام شاہ غزنوی (متوفی ^{۵۵۲ھ}) کے دورِ حکومت میں ملتان تشریف لائے،

۱۱۵۲ھ ملک ارسلان بن مسعود معروف بہ ابوالملوک فرزند مسعود بن ابراہیم کے ابتدائی سلطنت میں اس کا چچا بہرام شاہ اُس سے ناراض ہو کر غزنین سے سلطان بخر کی خدمت میں خراسان چلا گیا، سلطان بخر کو اسی زلمے میں خبر ملی کہ ملک ارسلان نے اس کی لڑکی کی توہین کی ہے۔ اس نے بہرام شاہ کو ایک جمعیت کثردے کر غزنی بھیجا، بہرام شاہ اس کو شکست دے کر خود غزنی کے تخت پر بیٹھ گیا، ارسلان غزنی سے فرار ہو کر ہندوستان آیا اور وہیں ۳۵ سال کی عمر میں ^{۵۱۱ھ} میں مر گیا، اُسے غزنی میں خبر ملی کہ محمد باحلم نے جو حکومت غزنی کی طرف سے ہندوستان اور ملتان میں آخر وقت تک رشد و ہدایت میں مصروف رہے۔ شاہ یوسف نے ^{۵۴۶ھ} کو ملتان میں وفات پائی۔

آپ کا مزار ملتان کے مشہور مزاروں میں شمار ہوتا ہے۔ متعدد شاہانِ وقت نے آپ کی درگاہ کے لئے جاگیریں بطور معافی عطا کی تھیں، لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے یہ جاگیریں ضبط کر لیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۷)

کا حاکم تھا بغاوت اختیار کی، بہرام شاہ نے ہندوستان جا کر اس بغاوت کو فرو کیا، محمد باہم نے معافی مانگ لی، بہرام شاہ نے اُس کو دوبارہ ہندوستان کی حکومت دے دی۔ بہرام شاہ کے غزنی جانے کے بعد محمد باہم نے پھر بغاوت اختیار کی، بہرام شاہ نے پھر اس بغاوت کو فرو کیا، بہرام شاہ نے اپنے ایام سلطنت میں مختلف لڑائیاں غوریوں سے لڑیں، اور ان لڑائیوں میں تین دفعہ اس نے غوریوں سے شکست کھائی، یہاں تک کہ اس کا لڑکا دولت شاہ بھی ان لڑائیوں میں مارا گیا، اور سلطان علاء الدین نے غزنی کو جلایا، اور بہرام شاہ کو ہندوستان میں شکست دی۔ بہرام شاہ نے ۵۲ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ دیلمہ غزنویاں ص ۶۱ و ۶۲)

فٹ نوٹ صفحہ ہذا۔

لد آبی کوٹھو ص ۸۲ و ۸۳ و اخبار الاخیار ص ۶۱۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ شاہ یوسف گردیزی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ہم عصر ہیں۔ لیکن شیخ اکرام صاحب نے مقامی روایات جو مشہور ہیں۔ ان کی بناء پر آپ کا سنہ ولادت ۶۲۲ھ قرار دیا ہے۔

(۹۳)

سید یعقوب صدر دیوان زنجانی لاہوری

سید یعقوب صدر زنجانی لاہوری عظیم المرتبت شیخ حالات اور لاہور کے اولیاء کبار میں ہیں، شرافت و نجابت کے اعتبار سے بلند پایہ رکھتے تھے، اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، سلسلہ عالیہ جنیہ سے منسلک تھے، اُن کے والد سید علی حسینی سادات میں سے تھے، اور سولہ واسطوں کے بعد آپ کا سلسلہ نسب امام موسی کاظم سے جا ملتا ہے۔

تحتیقات چشتی اور تاریخ لاہور۔
مصنفہ کنھیا لال میں ہے کہ

لاہور میں تشریف آوری

سید یعقوب زنجانی ۵۳۵ھ میں بہرام شاہ غزنوی کے دور حکومت میں سید اسحاق زنجانی کے ساتھ لاہور تشریف لائے، لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں کہ ان دونوں حضرات نے شاہ حسین زنجانی

سلسلہ جنید یہ سید الطائفہ، طاؤس العلماء ابو القاسم جنید بغدادی کی طرف منسوب ہے، یہ طریقہ صحیح پر مبنی ہے۔ (مناہج الحیوۃ الابدیہ قلمی جلد اول)

کی وفات ۵۳۹ھ لکھی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ لاہور مصنفہ عبداللطیف میں بھی شاہ حسین زنجانی کا سنہ وفات ۵۳۱ھ مندرج ہے، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ سید یعقوب زنجانی شاہ حسین زنجانی کے ہمراہ تشریف لائے ہوں۔

نزہۃ الخواطر جلد اول میں بحوالہ خزینۃ الاصفیاء منقول ہے کہ شیخ العالم یعقوب بن علی الحسینی الکاظمی زنجانی جو فضل و صلاح میں غیر معمولی طور پر مشہور ہیں ۵۳۵ھ میں لاہور تشریف لائے اور یہیں مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، ان سے بہت سے علماء اور مشائخ نے استفادہ کیا، سید یعقوب نے ۶ رجب ۵۶۲ھ میں وفات پائی۔
آپ کا مزار پرانوار بیرون شاہ عالمی دروازہ سرے رتن چند مزار اور زنانہ ہسپتال کے درمیان اس جگہ واقع ہے جہاں کسی زمانے میں تلمہ بخاری کے نام سے ایک محل آباد تھا۔

ختم شد

سید حضرت فخر الدین حسین زنجانی لاہوری اپنے عہد کے مشہور علماء و شیوخ میں تھے، وہ شیخ ابی الفضل محمد بن الحسن خلی کے مرید تھے، اور ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہے، پھر لاہور تشریف لائے اور تقریباً ۳۶-۳۷ سال تک لاہور میں

اعلائے کلمۃ الحق اور رشد و ہدایت میں مصروف رہے اور اس رندوفات پائی جس دن
حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش لاہور پہنچے۔ شیخ حسین زنجانی کا مزار مبارک
چاہ میراں میں ایک بلغم میں ہے، اس بلغم کو کسی زمانے میں بلغم زنجان سے
بھی موسوم کرتے تھے۔ (نزہۃ النواظر جلد اول - ص ۸۲)

۲۷ نزہۃ النواظر جلد اول - ص ۲۴۰ - مآخذ

- | | |
|------------------------------------|--|
| (۱) نفحات الانس - | (۲۲) مناقب المجوبین - |
| (۲) اخبار الاخیار - | (۲۳) تاریخ مشائخ چشت - |
| (۳) خزینۃ الاصفیاء جلد اول - | (۲۴) ملفوظات طیبہ - |
| (۴) خزینۃ الاصفیاء جلد دوم - | (۲۵) فوائد القواد - |
| (۵) کشف المحجوب - | (۲۶) نزہۃ النواظر - جلد ۲ |
| (۶) تاریخ دیالمہ و غزنویان - | (۲۷) نزہۃ النواظر - جلد ۱ |
| (۷) بزم صوفیہ | (۲۸) سیر العارفین - |
| (۸) آب کوثر - | (۲۹) سیر الاولیاء - |
| (۹) سفینۃ الاولیاء | (۳۰) روضۃ الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات - |
| (۱۰) اسرار التوحید - | (۳۱) مقالات الشعراء - |
| (۱۱) تصوف اسلام - | (۳۲) پنجابی صوفیہ بوٹھ مصنفہ - لاہوری راکر شاہ - |
| (۱۲) اوزنیل کالج بیگزین لاہور - | (۳۳) سوانح حیات حضرت سلطان باہو - |
| (۱۳) تاریخ لاہور - عبداللطیف - | (۳۴) کلیات بلھے شاہ - شائع کردہ پنجابی
ایڈیمی - لاہور - |
| (۱۴) نزہۃ النواظر جلد ۲ | (۳۵) ذکر کرام - |
| (۱۵) شرح فتوح الغیب - | (۳۶) تحفۃ الکرام - |
| (۱۶) کتاب المکاتیب - | (۳۷) بیاض قلمی موسومہ بہ کشکول - |
| (۱۷) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی - | (۳۸) لطائف اشرفی - |
| (۱۸) نزہۃ النواظر جلد ۵ - | (۳۹) الذر المنظوم - |
| (۱۹) ترجمہ سفینۃ الاولیاء - | |

(۲۰) برہان پور کے سندھی اولیاء۔

(۲۱) رود کوثر۔

(۲۲) اردو زبان کا اصل مولد۔ مقالہ

سید حسام الدین راشدی۔

(۲۳) سراج الہدایہ

(۲۴) مقررہ نامہ قلمی۔

(۲۵) تاریخ مسلمانان پاکستان و

بھارت جلد اول۔

(۲۶) منتخب التواریخ۔ جلد ۳

(۲۷) مناقب فریدی

(۲۸) سیر المتاخرین۔

(۲۹) نزہۃ الخواطر۔ جلد ۲

(۵۰) ذخیرۃ الخواص جلد اول۔

(۵۱) تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد۔

(۵۲) تاریخ فرشتہ۔

(۵۳) پنجاب میں اردو۔

(۵۴) سکنۃ الاولیاء، اردو ترجمہ۔

(۵۵) تذکرہ صوفیائے سندھ۔

(۵۶) تاریخ اسلام۔

(۵۷) رسالہ برہان بابت جنوری ۱۹۵۶ء۔

(۵۸) تاریخ فیروز شاہی۔ برقی۔

(۵۹) ینابیح الحیوۃ الابدیہ قلمی۔

(۶۰) مقدمہ دیوان فرید۔

(۶۱) رسالہ ماہ نو۔ ماہ مئی ۱۹۵۶ء

(۶۲) سیر الاقطاب۔

(۲۰) تاریخ معصومی۔

(۲۱) تاریخ فیروز شاہی بخش سراج عقیف۔

(۲۳) فوائد السالکین۔

(۲۴) راحت القلوب۔

(۲۵) شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور

ان کی تعلیمات۔

(۲۶) انوار العارفین۔

(۲۷) ردۃ الاقطاب۔

(۲۸) تحقیقات حشری۔

(۲۹) حلیۃ الاولیاء۔

(۷۰) صوفیہ مائیں سینٹس اینڈ ٹرائینس

مصنفہ۔ جان۔ اے۔ بھکان۔

(۷۱) شطیحات۔ داراشکوہ

(۷۲) خیابان پاک۔

(۷۳) زبدۃ المقامات۔

(۷۴) نولے معارف۔

(۷۵) تکریم سیر الاولیاء۔

(۷۶) مناقب فریدی۔

(۷۷) بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد۔

(۷۸) نافع السالکین۔

(۷۹) نزہۃ الخواطر جلد ۷۔

(۸۰) تذکرہ علمائے ہند۔

(۸۱) نزہۃ الخواطر۔ جلد ۶۔

(۸۲) نزہۃ الخواطر۔ جلد ۱۔